مجموعہ

احسن الرسائل

شیخ الحدیث و التفسیر

حضرت مولانا مفتی محمد زرولی خان صاحب

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کتاب کا نام .... مجموعہ رسائل

مصنف .... شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد زرولی خان صاحب

مرتب .... محمد ہمایوں مغل

ناشر .... احسنی کتب خانہ (0300- 2608763)

کمپوزنگ .... دار التصنیف (جامعہ عربیہ احسن العلوم)

پروف ریڈنگ وحوالہ جات ...... شعبۂ تخصص (۱۴۲۸ھ)

طباعت .... سوم

رسائل کی تعداد .... دس (۱۰)

ملنے کا پتہ

احسنی کتب خانہ جامعہ عربیہ احسن العلوم گلشن اقبال بلاک نمبر ۲ کراچی

کتب خانہ مظہری بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک نمبر ۲ کراچی

مکتبہ عمر فاروق بالمقابل جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی

اسلامی کتب خانہ نزد جامعہ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

القاسم اکیڈمی جامعہ ابو ہریرہ نوشہرہ

فہرست

مجموعہ احسن الرسائل

(۱) مقدمۃ المؤلف	۶
(۲) عرض مرتب	۱۶
(۳) احسن التسنیم فی ما احدث بعد الصلوٰۃ والتسلیم	۱۹
(۴) احسن العطر فی تحقیق الرکعتین بعد الوتر	۷۹
(۵) احسن المقال فی کراہیۃ صیام ستۃ شوال	۱۰۵
(۶) احسن المناسک	۱۶۳
(۷) احسن المسائل والفضائل	۱۸۹
(۸) دعا خطبۂ عید کے بعد ہی مناسب ہے	۲۱۵
(۹) پیغام مسرت	۲۲۷
(۱۰) صدر اول کے طبقات مفسرین	۲۷۱
(۱۱) دینی امور پر اجرت لینا جائز ہے	۲۹۱
(۱۲) تقریر ختمِ بخاری	۳۰۳

مقدمۃ المؤلف

الحمدللہ رب العٰلمین وصلی اللہ وسلم علی رسولہ ونبیہ رحمۃ للعٰلمین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین　　　وبعد

دین اسلام کی ہمہ گیر خدمت، علماء حق اور ورثاءِ نبوت اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق کے مطابق مختلف طریقوں سے انجادم دیتے ہیں۔ درس وتعلیم، تصنیف وتالیف، مواعظ و خطبات، اصلاح اور ارشاد اور دیگر تدابیر بیش بہا اور مجربات رجال کاملین کے ذریعے ہر دور اور ہر زمانے میں جاری رہیں ہیں۔ بعض اوقات علماء کسی منفرد مسئلہ پر مستقل تصنیف کرلیتے ہیں جسے محدثین کے یہاں جزء کہتے ہیں جیسے " **جزء القرأۃ للبخاری** " یا " **جز رفع الیدین** "، بعض اوقات اطراف ابحاث کو رسائل کی شکل میں مرتب کرتے ہیں جن میں مختلف موضوعات مختلف اہم مہم مضامین ہوتے ہیں۔ چنانچہ صاحب بحر حافظ ابن نجیم کے رسائل زینیہ اور آخر فقہاء المحققین علامہ ابن عابدین شامی کے رسائل اہل علم کے یہاں زیادہ کارآمد اور زمانہ بخش ثابت ہوئے علامہ ابن عابدین فقہاء کے طبقے میں ایسے ہیں جیسے محدثین میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور مجتہدین میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور مجاہدات میں امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ۔ اللہ تعالیٰ نے باہوریں صدی ہجری میں شام کے اندر علماء

فقہاء کا ایک سرتاج پیدا فرمایا جن کے متعلق مشہور ہے کہ شاید کوئی کتاب مخطوط کیوں نہ ہو اس کے اٹھارہ اور بیس تک نسخے ان کی نظر عمیق سے گزرے ہیں ان کا فتاویٰ شام " رد المحتار " تو ضرورت فقہا اور دارالافتاء کی زینت کا حامل ہے۔ بایں ہمہ وجوہ جب مکہ مکرمہ میں علامہ ابن عابدین نے شیخ محمد عابد سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی " طوالع " دیکھی "فبکیٰ بکاءً شدیدا وقال یالیت لودریت مثل ھذا فی شرح الدر ماصنعت ردالمحتار " کم ترک الاول للآخر۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "وفوق کل ذی علم علیم"۔ ابن عابدین نے رسائل میں بعض اہم مہم مقالے لکھے ہیں۔ مثلاً ایک مقالہ اس پر ہے کہ اسلام میں نیک نسب اور اعلیٰ نسلوں کا فائدہ مسلمہ ہے۔ اس رسالے کا نام ہے " النفع الظاھر لنسب الطاھر " ایک رسالہ اس موضوع پر ہے کہ بعض لوگ یہ وصیتیں کرتے ہیں کہ میرے مرنے کے بعد میرے لئے اتنے قرآن پڑھوائے جائیں یا اتنی دفعہ کلمہ پڑھ لیا جائے ابن عابدین فرماتے ہیں کہ یہ وصیت شرعاً درست نہیں ہے اور اس رسالے کا نام ہے " شفاء العلیل وبلل الغلیل فی ابطال الوصیة بالختمات ولتحالیل " اور اس رسالے میں علامہ نے بڑے دلائل اور براہین کے ساتھ اس قسم کے وصایا کے ابطال کے علاوہ اجرت علی الطاعات یا ختمِ قرآن پر لینا دینا ناجائز فرمایا ہے { باقی علامہ کے ساتھ ان دونوں مسائل میں فقہی اور حدیثی مزاحمت ہوسکتی ہے جس کے لئے ان جیسے وسیع النظر فقیہہ امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا میلان الی الجواز کما فی الفیض اور ان کے شاگرد رشید استاذ گرامی قدر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ لکھنا کہ "ولکن الدلیل عام فیمکن ان یعم الحکم فی کل ماظھر فیه التوالی وعدم

العناية الائقة بشأنه و الله أعلم"

(معارف السنن ج۲ ص۲۴۱) دیکھا جاسکتا ہے

اس عاجز نے بھی بعض ملاحدہ جو امامت وتدریس کی اجرت کو بہانہ بنا کر علماء اور دین کے خلاف عوام الناس کو ابھارتے ہیں۔ جیسے کیپٹن مسعود عثمانی وغیرہ اور ان کے لوگ، ان کے جواب میں قلم برداشتہ رسالے جواز اجرت علی الطاعات (دینی امور پر اجرت لینا جائز ہے) گو مختصر ہے مگر ان شاء اللہ تعالیٰ تیر بہدف ہے اور اب بفضل اللہ تعالیٰ مجموعہ احسن الرسائل میں شامل ہے ایک رسالے میں انہوں نے اپنے مرشد شیخ محمد خالد نقشبندی کی تعریف اور دفاع کیا ہے اس رسالے کا نام ہے "**سل الحسام الهندی فی نصرت شیخنا مولانا خالد النقشبندی**" اس رسالہ میں من جملہ مباحث کے تحت یہ بحث تحقیق سے کی گئی ہے کہ "**علم الغیب صفة مخصوصة بذاته تعالیٰ**"۔ یہ رسائل دو جلدوں میں تقریباً ۴۲ کی تعداد میں ہیں اور ہر ایک فقہ اور تحقیق کا معدن ہے۔

شیخ نجم الدین کبریٰ کے رسائل بھی مشہور ہیں جن سے مشہور زمانہ مفسر علامہ اسمٰعیل حقی بروسوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر روح البیان میں بڑا کام لیا ہے (تفسیر روح البیان میں مثنوی مولانا روم گلستان اور بوستان سعدی رحمۃ اللہ علیہ اور رسائل نجمیہ تقریباً پورے کے پورے پائے جاتے ہیں)۔ علامہ اسمٰعیل اور ان کی تفسیر روح البیان کا تحقیق کے میدان میں وہ مقام نہیں جو علامہ آلوسی بغدادی اور ان کی تفسیر "روح المعانی" کا ہے۔ (اس وجہ سے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان القرآن کے شروع میں لکھا کہ جب میں کذا فی الروح کہوں تو اس سے مراد روح المعانی ہوگی)۔ لیکن

علامہ اسمٰعیل حقی اور ان کی تفسیر ایسی ساقط اور بھونڈی بھی نہیں جیسا کہ امام اہلسنت محقق العصر مولانا سرفراز خان صاحب نے راہِ سنت میں لکھا ہے یا شیخ القرآن مولانا محمد طاہر صاحب نے تفسیر سورۂ بنی اسرائیل کے شروع میں فرمایا اس سے یہ وہم پیدا ہوا کہ معاذ اللہ علامہ اسمٰعیل حقی یا ان کی تفسیر مبتدعانہ روش پر مشتمل ہے ۔جبکہ وہ انبیاء علیہم السلام اور آنحضرت ﷺ کے علم غیب کے مدعی کو کافر اور اسی طرح ابنیاء اور آنحضرت ﷺ کی بشریت کے منکر کو بھی کافر سمجھتے ہیں۔

زمانہ حال میں ہندوستان کے صاحب بصیرت عالم قلیل العمر وکثیر العلم حضرت مولانا عبدالحیؒ صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے بھی متعدد رسائل چھ(٦) ضخیم جلدوں میں موجود ہیں ۔جبکہ امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے رسائل کشمیری بھی چار ضخیم جلدوں میں شائع ہیں۔ ہر دونوں مجموعوں سے بعض قیمتی رسائل شاید اہل طباعت کو نہ ملنے کی وجہ سے رہ گئے ہیں۔جن کے پاس ہیں اللہ تعالیٰ انہیں شائع کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

استاذ العرب والعجم محدث کبیر فقیہ بصیر مفسر جلیل حضرت الاستاذ شیخنا المکرّم حضرت اقدس مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری نوراللہ مرقدہ کے بیش بہا مقالات اور رسائل بھی کتابی شکل میں چھپ کر آ گئے ہیں اور ان کے مفاخر المشائخ اور عمدۃ الاساتذہ فقیہ عراق محدث نقاد شیخ الاسلام محمد زاہد الکوثری رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقالات اور مقدمات علیحدہ علیحدہ عظیم اور ضخیم مجلدات میں نور عالم اور ضرورت دین بن کر منصۂ شہود پر آ چکے ہیں۔

والحمدللہ علی ھذا

ہمارے محترم ومکرم مجتہد فی المناظرہ فقہ اور اجتہاد کے منکرین اور متحرفین کے مقابلے میں فاتح مناظر حضرت مولانا محمد امین صاحب اکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ مرحوم ومغفور کے بھی چار جلدوں میں قیمتی رسائل شائع ہو چکے ہیں اور دسیوں جلدوں سے متجاوز تجلیات صفدر اس پر مستزاد۔ مصنف العصر عالم باعمل ہمارے مخدوم اور بزرگ حضرت مولانا یوسف صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے سوالات اور جوابات بھی متعدد جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں جن کی افادیت اپنی جگہ مسلمہ ہے۔

آجکل ہمارے عزیز مولوی محمد ہمایوں مغل احسنی بھی اس عاجز کے ہفوات اور شطحیات دس رسائل پر مشتمل ''مجموعہ احسن الرسائل'' شائع کر رہے ہیں۔ عزیزم کو ان کی کوشش محمود کے مطابق یہ ربط یابس ملے تو انہوں نے شائع کئے اور یہ ان کی طرف سے مجموعہ رسائل جلد اول ہے۔ صحیح یہ ہے کہ ان کے ذوقِ علم اور طلب صادق کا احترام مجھ سے نہ ہوسکا ورنہ کئی قیمتی رسائل رہ گئے جوان شاء اللہ تعالیٰ مجموعہ احسن الرسائل جلد دوم کی شکل میں زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر عنقریب شائع ہونگے۔

ان میں ایک رسالہ مشہور روایت ''اطلبو العلم و لو بالصین'' کی تحقیق میں ہے اور ثابت کیا ہے کہ اس کا کوئی طریق صحیح نہیں ہے۔ جن محدثین نے اسے حسن یا ضعیف مانا ہے وہ اس کے پہلے حصے ''طلب العلم فریضة علی کل مسلم'' کو کہا ہے۔ ''اطلبو العلم و لو بالصین'' کا ٹکڑا بالاتفاق موضوع اور مکذوب ہے جیسے کہ مجمع البحار اور اتحاف زبیدی میں مفصل موجود ہے۔ اس کا ایک اقتباس جو اس عاجز نے حضرت مولانا لدھیانوی مرحوم کو لکھا تھا وہ انہوں نے کمال محبت کا ثبوت دیتے ہوئے جنگ کے اسلامی

صفحے میں شائع فرمایا تھا۔اس رسالے کا نام ہے " **التنقیح المتین فی تحقیق اطلبوا العلم ولو بالصین** " یہ رسالہ ۶۵ صفحہ سے متجاوز ہے۔

ایک رسالہ اس موضوع پر ہے کہ موجودہ قوالی ہمیشہ ناجائز اور حرام رہی ہے۔ بزرگان دین کی نعت یا ترنم کے ساتھ اشعار جوان کے حلقات اور محافل میں ہوتے تھے الگ چیز تھی جبکہ زمانہ حال کی قوالی حدِ حرمت میں داخل ہے اس رسالہ کا نام ہے " **تحفة الرعناء فی تحقیق حرمت الغناء** "۔

ایک رسالہ اس موضوع پر لکھا گیا کہ بزرگانِ دین اور مرحومین کے ایصالِ ثواب کے لئے صدقہ اور خیرات جائز اور درست اور مسلک اہل سنت، بزرگانِ دین کے نام اور ان کے مزارات کی نذر و نیاز بالاتفاق فقہاء اور آئمہ اربعہ کے یہاں ناجائز ہے۔اس باب میں مشہور زمانہ مبتدع احمد رضا خان بریلوی کے فتاویٰ رضویہ، فتاویٰ افریقہ اور ان کا نام نہاد حاشیہ فتاویٰ شام 'جدالممتار' کے اندر مسئلہ نذر و نیاز کا رد کیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ زیورِ طبع سے آراستہ فرمائے۔امت کا خاصہ مداویٰ اس میں موجود ہے یہ رسالہ سو (۱۰۰) صفحات کے قریب ہے۔

ایک تحقیق اس موضوع پر کی گئی کہ احمد رضا خان بریلوی جو اکثر شریعت کے مسائل سے روگردانی کرتے ہیں وہ علم سے ناواقفیت کی بناء پر کرتے ہیں یا پھر ضد و عناد میں شرعی مسائل کو کچلتے ہیں۔ چنانچہ تحقیق سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ان کی اس روش میں یہ دونوں ہی عناصر کارفرما ہیں۔ کیونکہ احمد رضا خان کے دورۂ حدیث کے اساتذہ کا کوئی پتہ نہیں ہے انہوں نے دورۂ حدیث نہیں کیا اس لئے حدیث نبوی سے مکمل طور پر ناواقف ہے۔ یہ

بات میں تیس سال سے کہہ رہا ہوں لیکن آج تک کسی نے یہ نہیں ثابت کیا کہ احمد رضا خان بریلوی نے دورۂ حدیث کیا ہوا ہے۔ اس مسئلہ پر مفصل تحقیق کے بعد جو مسودہ تیار ہوا اس کا نام ’’مولوی احمد رضا خان کا علمی جائزہ‘‘ ہے۔ ان شاء اللہ مجموعہ احسن الرسائل کی دوسری جلد میں شامل کیا جائے گا۔

ایک رسالہ اس موضوع پر لکھا گیا ہے کہ سنن ونوافل کی ضرورت اور فضیلت اور ان کے اداب، فوائد وبرکات کیا ہیں اس کا نام ہے ’’ **احسن المراتب بنیل النوافل والرواتب** ‘‘ یہ رسالہ سو (۱۰۰) صفحے کے قریب ہے اس کا ذکر احسن العطر میں موجود ہے۔

ایک رسالہ اس موضوع پر ترتیب دیا گیا ہے کہ فتویٰ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ضروری ہے۔ اس کا نام ہے ’’ **اعلام الأعلام بأن الفتویٰ مطلقاً علی مذهب الامام النعمان** ‘‘ یہ رسالہ فقہی اصطلاحات اور عجائب ونوادر پر مشتمل ہے ۵۰، ۶۰ صفحے کے لگ بھگ ہے۔

ایک مقالہ اس موضوع پر مرتب کیا گیا ہے کہ والدین کے احترام اور صد احترام کے باوجود مسائل شریعہ میں علماء اور فقہاء کے مقابلے میں ان کی بات ماننا درست نہیں ہے۔ گویا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ’’**باب الجهاد باذن الابوين**‘‘ کی فقہی حدیثی تشریح اس وقت کی مناسبت سے اس کا نام تجویز ہوا تھا ’’**اباء لآباء لاخ الصباء** ‘‘

یہ مقالہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کے درمیان شرعی امتیاز کی حیثیت رکھتا ہے شائع ہونے پر اس کی شان ہوگی۔

کشمس فی کبد السماء وضوء ها یغشیٰ البلاد مشارقا و مغاربا

ایک رسالہ اس موضوع پر ترتیب دیا گیا ہے کہ بعض ضروری مسائل فقہ میں کیوں نہیں جیسے مسلمان کرنے کا طریقہ، کافر اور کفر کی اقسام، نکاح پڑھانے کا طریقہ سنن وآداب، مولود سے متعلق تاذین واقامت تسمیہ اور وغیرہ اس رسالہ کا نام ہے " **المحاكمه والترياق فى الفقهه بالاستدراك** " یہ دورۂ حدیث اور تخصص کے طلباء کے لئے تریاق وقت ثابت ہوگا۔

چونکہ النہر الفائق کا قلمی نسخہ یا تو مکتبہ ظاہریہ دمشق میں ہے یا اس عاجز کے پاس ہے۔اس لئے قلمی نہر کے بعض مواطن پر اجلاء فقہاء کی روشنی میں بعض گزارشات نقل کی گئی ہیں۔جس کا نام ہوگا"**الاصل الموافق على النهر الفائق** " اس طرح فتح القدیر لابن الھمام اور فتح الباری لحافظ بن حجر پر بھی بعض استدراکات موجود ہیں۔اللہ تعالیٰ توفیق تکمیل نصیب فرمائے ورنہ پچیس (۲۵) تیس (۳۰) سال سے ترجمہ اور تفسیر قرآن کا جو مطالعہ اور تحقیق نصیب ہوئی اور پھر بیس (۲۰) سال سے دورۂ حدیث میں بخاری مکمل اور ترمذی جلد اول اور کبھی کبھار مکمل اور کبھی کبھی صحیح مسلم اور ابوداؤد ساتھ تفسیری محاصل جس طرح اللہ تعالیٰ نے نصیب فرمائی ہے اس سے ''احسن التفاسیر'' کا ایک عظیم ذخیرہ تیار ہو چکا ہے۔بخاری شریف سے متعلق ''محاسن الباری'' اور جامع ترمذی کے متعلق ''احسن الاحوذی'' پر بھی منتشرات اور متفرقات موجود ہیں۔اللہ تعالیٰ توفیق اور آسانیاں نصیب فرمائے کہ یہ سب کام عزیزم محمد ہمایوں سلمہ کی مردانہ وار جدوجہد اور سعی جمیل کے نتیجہ میں خزائن دفینہ سے گنجینۂ بالا بن کر خلق خدا کی راہنمائی اور دین رشد وہدایت کا بیش بہا متاع بنے۔

ایک حکیم نے مرغی کے انڈے کی حلت کا انکار کیا تھا جسے بعض اخبارات اور جرائد نے شائع کیا اس وقت قلم برداشتہ تنقید اس پر کردی گئی تھی جو مفتی اعظم پاکستان محدث کبیر حضرت الاستاذ مولانا مفتی ولی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق انیق کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔اوراس رسالہ کا نام ہے" **احسن الفیض فی حلۃ البیض** "

ایک مقالہ اس پر لکھا گیا تھا کہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ قیامت کے دن ماں کے نام سے پکار جائے گا یہ غلط اور موضوع روایت ہے درست اور صحیح یہ ہے جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب قائم کیا ہے۔" **ان الناس یدعون با بآء ھم** "اس رسالے کی تکمیل اور تسمیہ ابھی باقی ہے۔

متحققین کی اصلاح اور اطلاع کے لئے ابن صلاح کی کتاب "**نفع المفتی و المستفتی**''کے لئے ایک مقالہ ترتیب دیا گیا تھا جس کا نام تھا " **احسن احتیاط المخطی فی نفع المفتی والمستفتی**" یہ بھی چند صفحات پر مشتمل ہے اللہ تعالیٰ تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

بعض اوقات ایک عالم اور امام الحیٔ جو ہر طرح علم وعمل،شرف ومقام سے آراستہ ہوتے ہیں لیکن ناواقف لوگ کسی سیاسی لیڈر یا کسی پیر وغیر کے لئے وصیت کر لیتے ہیں کہ میری نماز جنازہ فلاں آدمی پڑھائے یا پھر ویسے ہی اکرام کے طور پر اس کو امام الحیٔ کے ہوتے ہوئے آگے کرنے کوشش کرتے ہیں۔یہ مسئلہ فقہ میں اختلافی ہے کہ امام الحیٔ اور ولی میت میں سے کون احق ہے اس سلسلے میں ہمارے بزرگ دوست حضرت مولانا حافظ قاری مفتاح اللہ صاحب مدظلہ جو خود بھی کامیاب مدرس خبر دار مفسر اور محتاط محدث فقہ اور اداب

افتاء کے شناور ہیں نے استفتاء کیا تھا۔اس پر اس عاجز اور بے بضاعت نے فقہی تحقیق کی ہے کہ امام الحیّ جبکہ اہل حق توحید وسنت اور فقہ حنفی کا حامل ہو تو اس کے ہوتے ہوئے کوئی پیر ،سیاسی لیڈر یا دور سے آیا ہوا مہمان عالم یا غیر عالم قطعاً نماز جنازہ کے لئے تقدم کا حق نہیں رکھتا۔اور اس سلسلے میں اس وقت موجود تمام کتب فقہ اور شروح احادیث کی عبارات جمع کی گئی تھیں۔جن کا حاصل یہی تھا کہ جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے اور فقہاء حنفیہ نے کتب میں لکھا ہے۔" **فلاعلم احق با لامامة**" (امام الحیّ) اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی **اهل العلم و لفضل احق بالامامة** (بخاری جلد اول کتاب الصلوٰۃ) کا عنوان قائم کر کے گویا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک اختیار فرمایا ہے اور اسی کو ترجیح دی ہے۔

حال ہی میں ایشاء کا مقتدر ادارہ جامعہ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن نے مناسک حج کے دو مسئلے یعنی ترتیب بین النسک اور منیٰ میں قصر یا اتمام اور تیسرا مسئلہ اقتداء خلف المخالف فی الفروع سے متعلق ایک فقہی اجلاس یکم اور ۲ مئی کو جامعہ میں منعقد کیا جس میں ملک بھر کے اجلا علماء اور فقہاء نے شرکت کی۔اس عاجز کو بھی اس موقع پر یاد کیا گیا تھا اور سوالات بالا کے جواب میں ایک نہایت ہی تحقیقی فقہی مقالہ مرتب کیا گیا جو کہ عنقریب ماہنامہ الاحسن میں شائع ہوگا اور رسالے کی شکل میں ان شاء اللہ "مجموعہ احسن الرسائل" کی دوسری جلد میں شائع کیا جائے گا۔ **وَّمَا ذٰلِکَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ**

واخردعوانا ان الحمد لله رب العٰلمين وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه محمد واٰله واصحابه اجمعين .

عرض مرتب

الحمد للہ و کفیٰ وعلیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ فضل وکرم ہے کہ احسنی کتب خانہ کو اللہ تعالیٰ نے یہ توفیق بخشی کہ اسے دین کی خدمت کے لئے چنا۔ دینی کتب کی اشاعت اور ترویج نے اسلام کو دور دور تک پھیلانے میں جس قدر خدمات انجام دی ہیں وہ نا قابل فراموش ہیں اور اسلامی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔

اس سے پہلے بھی احسنی کتب خانہ سے مختلف قسم کے رسائل چھپتے رہے ہیں اور مستقل طور پر

''احسن البرہان فی اقوال شیخنا مولانا مفتی محمد زرولی خان''

احسن الخطبات چھپ کر منظر عام پر آئی ہیں۔

اب حضرت الشیخ کی دعاؤں سے کامیابی کی منازل کو طے کرتے ہوئے حضرت الشیخ کے مختلف موضوعات پر لکھے جانے والے محقق رسائل کو ایک جگہ یکجا کر کے ایک کتابی شکل میں لانے کا عزم کیا جس میں اللہ تعالیٰ نے کامیابی عطا فرمائی اور اعلیٰ طباعت اور اعلیٰ

امپورٹڈ کاغذ پر چھپ کر یہ کتاب آپ کے سامنے ہے۔اس مجموعہ میں ہم نے حضرت الشیخ کے دس (۱۰) رسائل کو ایک جگہ جمع کیا ہے جو کہ علماء اور طلبہ دونوں ہی کے لئے ایک گراں قدر تحفہ ہے۔اس کا نام خود حضرت الشیخ نے تجویز فرمایا ''مجموعہ احسن الرسائل''۔اس سے قبل یہ تمام رسائل الگ الگ چھپ چکے ہیں اور عوام وخواص میں خوب مقبولیت حاصل کر چکے ہیں اور کچھ رسالے اس میں ایسے بھی شامل کئے گئے ہیں جو کہ اس سے پہلے نہیں چھپے ہیں ۔ مجموعہ رسائل کی اہمیت اور اس کی تاریخ پر خود حضرت الشیخ نے ایک گراں قدر معلومات سے لبریز مقدمہ کتاب کی ابتداء میں تحریر فرمایا ہے اس لئے مزید اس کے بارے میں میرا کچھ کہنا ٹھیک نہ ہوگا۔اگر اللہ رب العزت نے ہمت اور توفیق دی تو ان شاء اللہ تعالیٰ مجموعہ احسن الرسائل کی اور بھی مجلدات زیورِ طبع سے آراستہ کر کے ہدیۂ قارئین کی جائیں گی جن کی طویل فہرست کا تذکرہ حضرت الشیخ نے اپنے مقدمہ میں فرمایا ہے۔

البتہ واضح رہے کہ کوئی بھی انسان جب کوئی کتاب چھاپتا ہے تو اس کی ہر ممکن کوشش یہی ہوتی ہے کہ اس کی یہ کتاب غلطیوں سے بالکل پاک ہو،لیکن ہر ممکن کوشش کرنے کے بعد بھی کوئی نا کوئی کمی رہ جاتی ہے۔ ہماری قارئین کرام سے یہ گزارش ہے کہ اگر انہیں کوئی بھی چھپائی یا کمپوزنگ کی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کر لی جائے اور اس غلطی کو کمپوزنگ کرنے والوں اور چھاپنے والوں کی غلطی سمجھا جائے،کسی بھی قسم کی غلطی یا حوالہ کی غلطی کو حضرت الشیخ کی طرف منسوب نہیں کیا جائے۔

مجموعہ احسن الرسائل میں شامل رسالوں کی فہرست کچھ اس طرح ہے　:

(۱)احسن العطر فی تحقیق الرکعتین بعد الوتر

رات کی آخری نماز وتر ہونی کی تحقیق

(۲)احسن المقال فی کراھیة صیام ستة شوال

شوال کے ٦ روزوں کے مکروہ ہونے کی تحقیق

(۳)احسن المناسک　　　　　　　　　(قربانی کے مسائل)

(۴)احسن المسائل والفضائل　　　　　　رمضان شریف کے مسائل

(۵)احسن التسنیم فی ما احدث بعد الصلوٰة والتسلیم

بدعتیوں کے درود وسلام کی شرعی حیثیت

(۶)پیغام مسرت　　　　　　　　　(لاؤڈ سپیکر کا مسئلہ)

(۷)صدر اول کے طبقات مفسرین

(۸)دینی امور پر اجرت لینا جائز ہے

(۹)تقریر ختم بخاری

(۱۰)دعا خطبۂ عید کے بعد ہی مناسب ہے

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ہماری اس کاوش کو قبول و منظور فرمائے اور ہمیں مزید دینی کتب چھاپنے کی توفیق عطا فرمائے　(آمین)

محمد ہمایوں مغل

احسن التسنیم فی ما احدث بعد الصلوٰۃ والتسلیم

یعنی

بدعتیوں کے درود وسلام کی شرعی حیثیت

فہرست

(۱) آیت صلوا علیہ وسلموا تسلیما سے متعلق بحث	۲۹
(۲) صلوۃ وسلام سے متعلق اہل بدعت کے چند مغالطے اور انکا ازالہ	۳۷
(۳) مقامِ حیرت وافسوس	۳۹
(۴) بریلوی حضرات کی مروجہ صلوۃ وسلام ثابت کرنے کی ہٹ دھرمی	۴۹
(۵) ایک وہم اور اسکا ازالہ	۵۱
(۶) بدعتِ حسنہ کی بحث	۵۳
(۷) ایک مغالطہ اور اس کا جواب	۵۳
(۸) بدعت کا معنی اور مفہوم	۵۷
(۹) طرفہ تماشہ	۵۹
(۱۰) لطیفہ تحقیق	۶۰
(۱۱) تاریخ ولادت کی صحیح تحقیق ملاحظہ ہو	۶۰
(۱۲) اہل بدعت کے مغالطے اور ان سے بچنے کے طریقے	۶۱
(۱۳) ایک علمی مغالطہ اور اس کا ازالہ	۶۳
(۱۴) کیا بدعتِ حسنی قابلِ عمل ہوتی ہے ؟	۶۵
(۱۵) بریلوی مکتبہ فکر کی خدمت میں ایک سادہ سی گزارش	۶۸
(۱۶) اسلام میں مجدد کا مقام اور پروگرام	۶۹
(۱۷) حکومت سے گزارش سے پیوستہ	۷۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی رسولہ الکریم ونبیہ الامین وعلی اٰلہ واصحابہ اجمعین وافضل الخلائق بعد النبیین ومن تبعھم و اقتدی اثرھم من المفسرین وفقھا ء الدین

(آمین یارب العٰلمین)

امت محمدیہ ﷺ کا اس پر اتفاق ہے کہ فخر دوعالم جناب نبی کریم ﷺ کی بارگاہ نبوت میں درود شریف بھیجنا بڑی عبادت ہے اور حقیقت یہی ہے کہ یہ مومن کے لیے اپنے نبی شافع محشر ﷺ کے ساتھ رشتہ جوڑنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ احادیث مبارکہ میں آپ نے خود جو تفصیلات بیان فرمائی ہیں جو احادیث کی تمام مستند کتابوں میں موجود ہیں۔ وہ درود شریف اور صلوٰۃ وسلام کے فضائل سمجھنے کے لیے کافی شافی ذخیرہ ہے۔ امت کے بہت سارے بزرگوں نے اس موضوع پر مستقل کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ جن میں سے شیخ شمس الدین سخاوی رحمہ اللہ کی "**القول البدیع فی الصلوۃ علی الحبیب الشفیع**" اور حافظ ابن قیم کی "**جلاء الافھام فی الصلوۃ والسلام علی خیر الانام**

''زیادہ معروف ہیں۔ الغرض درود شریف اور صلوٰۃ وسلام کا مسئلہ ایسا ہے جس میں کوئی خفا یا اندھیرا کہیں نہیں دیکھا گیا۔ لیکن آنحضرت ﷺ کے اپنے بیان کے مطابق جو آپ کی نبوت ورسالت کے بڑے معجزات میں سے ہے کہ میرے بعد بڑے اختلافات دیکھنے میں آئیں گے اور ایسے وقت میں

''فعلیکم بسنتی و سنت الخلفاء الراشدین المھدیین''

(ابوداؤد ج۲ ص۲۹۰)

یعنی میری سنت اور میرے صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) جن میں سے خلفاء راشدین زیادہ ہی معروف حضرات ہیں، کے طریقے کو مضبوطی سے تھامنا لیکن کچھ ناعاقبت اندیشوں نے درود شریف اور صلوٰۃ وسلام کے عظیم مسئلے کو بھی داغدار کر دیا گیا۔ اور اس مسئلے کو آج امت کے اتفاق اور اتحاد کے شیرازے کو بکھیرنے کے لیے استعمال کیا جارہا ہے لہٰذا ہم خالصتاً لوجہ اللہ الکریم صحیح نقول دین کی روشنی میں اس مسئلے کی تفسیری، حدیثی اور فقہی وتاریخی حیثیت عرض کرتے ہیں تاکہ درود وسلام کی آڑ میں بدعات کی دلدل سے حفاظت نصیب ہو اللہ سبحانہ، وتعالیٰ مالک ہدایت وارشاد ہیں اسکی مہربانی وکرم سے امید ہے کہ وہ کسی کو راہ راست پر لانے کی توفیق مرحمت فرمائیں گے۔ وباللہ التوفیق۔

آج کل ایک فرقہ کے لوگ کہیں اذان سے پہلے اور کہیں اذان کے بعد اور کہیں کہیں نماز فجر ونماز جمعہ کے بعد اور بعض جگہ محفل میلاد کے اختتام پر بھی

''الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ الخ''

کے الفاظ پڑھتے ہیں۔ یہ لوگ اس کو درود شریف سمجھتے ہیں اور کھڑے ہو کر پڑھنا ادب

تصور کرتے ہیں اور اس پر ثواب کی امید رکھتے ہیں بلکہ اس کے پڑھنے کو اہل سنت و الجماعت کی علامت وشعار گردانتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت جیسا کہ ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ وہ لوگ دین کے تمام امور میں نبی کریم ﷺ کی سنت عالیہ کو اور جماعت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مقتداء اور اپنے لئے معیار عقیدہ وعمل سمجھتے ہیں۔ آئمہ تاریخ وحدیث وفقہ سب لکھ چکے ہیں کہ یہ صلوٰۃ وسلام جو اذان کے بعد اذان سے پہلے پڑھا جاتا ہے۔ ۷۰۰ھ کے بعد کی ایجاد ہوا ہے۔ بعضوں نے ۷۹۱ھ اور بعضوں نے ۷۸۱ھ لکھا ہے ملاحظہ ہو۔

(۱) فتاویٰ شام ج ۲ ص ۵۲، ۵۷ (بیروت)

(۲) القول البدیع ص ۲۹۱

(۳) علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کی (تاریخ الخلفاء ص ۵۰۴) پر علامہ سیوطی رحمہ اللہ کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

وفی هذه السنة فی شعبان احدث المؤذنون عقب الاذان الصلوٰة والتسلیم علی النبی ﷺ وهذا اول مااحدث وكان الامر به المحتسب نجم الدين الطنبذی. یعنی ۷۹۱ھ میں موذنوں نے اذان کے بعد صلوٰۃ وسلام ایجاد کر دیا اور یہ پہلی بار ایجاد ہوا اور اس کا حکم دینے والا محتسب نجم الدین طنبذی تھے۔ یہ درحقیقت ایک حاکمِ وقت کے بیٹے کا قتل ہونے کے بعد اس کے بیٹے پر صلوٰۃ وسلام پڑھا جاتا تھا۔ تاریخ میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ حاکم رافضی تھا ملاحظہ ہوا لابداع۔ سلطان صلاح الدین یوسف بن ایوب رحمہ اللہ جب برسر اقتدار آئے تو انہوں نے اس بدعت کو بند کرنے کے لیے لوگوں

سے کہا کہ اس کے بجائے نبی ﷺ پر صلوٰۃ وسلام پڑھا جائے یوں پہلی بدعت جو بہت ہی زیادہ فساد دین کا باعث تھی ختم ہوگئی۔ یہ اس سلطان وقت نے ایک علاج اور دفع فتنہ کا طریقہ سمجھا اس سے زیادہ اس صلوٰۃ وسلام کی کوئی تاریخی یا دینی حیثیت نہیں اس لیے جن کتابوں میں اس کا ذکر آتا ہے وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ ''احدث''یعنی گھڑ لیا گیا۔ یہ اس بات کی پہلی علامت ہے کہ یہ دین کا حصہ کبھی نہیں بن سکتا۔ کیونکہ دین جس ذات پر موقوف ہے وہ جناب نبی کریم ﷺ ہیں جو پہلے ہی فرما چکے ہیں۔

وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة

(ابوداؤد ج۲ص۲۹۰)

یہ حدیث اکثر معتبر کتب میں موجود ہے یعنی گھڑے ہوئے کاموں سے بچو کیونکہ جو دین میں گھڑ لیا جاتا ہے وہ بدعت ہوتا ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور گمراہی کا آخری انجام جہنم ہے۔اس حدیث پر اور خاص کر ''کل بدعه ضلالة'' کے بارے میں آگے چل کر ان شاء اللہ تفصیل سے عرض کرنے والا ہوں، یہاں یہ بھی سمجھنے کی بات ہے کہ بہت سارے علماء اہل سنت نے اپنے زمانوں میں اس ایجاد کردہ صلوٰۃ وسلام پر گرفت فرمائی ہے اور انہوں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ یہ عبادت ہرگز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ قرآن وحدیث اور خیر القرون کے تعامل کی روشنی میں ناجائز اور بدعت ہے۔ بہت سارے لوگ آج یہ کہتے ہوئے سادہ مسلمانوں کو ورغلاتے ہیں کہ اس سے منع نہیں کیا گیا اس لئے ہم چند بزرگوں کے حوالے سے ممانعت عرض کرتے ہیں۔

علامہ ابن الحاج مالکی رحمۃ اللہ علیہ جو اہل سنت والجماعت کے بہت بڑے عالم

گزرے ہیں اور جن کی کتاب المدخل پر بریلوی بھی اعتماد کرتے ہیں۔ وہ اپنی کتاب المدخل میں فرماتے ہیں۔

وکذلک ینبغی ان ینھاھم عمااحد ثوہ من صفۃالصلوٰۃ والتسلیم علی النبی ﷺ (المدخل ج ا جزء۲ص ۲۵۵)

ترجمہ: یعنی مؤذنوں نے جناب نبی کریم ﷺ پر جو صلوٰۃ وسلام پڑھنا ایجاد کیا ہے۔اس سے ان کو منع کیا جائے۔

آگے انہوں نے بڑی تفصیل سے مثالیں دے کر سمجھایا ہے کہ آنحضرت ﷺ پر درود شریف بھیجنا اگر چہ بہت بڑی عبادت ہے مگر شریعت نے جس جگہ حکم دیا ہو۔اور چونکہ یہ بنایا گیا ہے اور آنحضرت ﷺ کے مؤذنوں نے بھی اذان کے ساتھ بلند آواز سے کبھی نہیں پڑھا اس لیے یہ عبادت نہیں اور اس سے بچنا اور اس سے منع کرنا بہت ضروری ہے۔ علامہ ابن الحاج نے یہ بھی لکھا کہ یہ صلوٰۃ وسلام کی بدعت جس ملک میں ایجاد ہوئی ہے۔ (مصر) اس کی طرف جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ یہاں سے فتنے اٹھیں گے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

"واصل احداثہ من قبل المشرق وتقدم الحدیث عنہ علیہ الصلاۃ والسلام بقولہ الفتنۃ من ھھنا واشا رالی المشرق "

(المدخل ج ا جزء۲ص ۲۵۶)

علامہ ابن الحاج مزید فرماتے ہیں۔ **کیف کان خوف الصحابۃ رضی اللہ عنھم**

ترجمہ: صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین دین میں ایجاد کرنے سے بڑے گھبراتے تھے۔

علامہ ابن الحاج رحمۃ اللہ علیہ نے ایک وہم کا بھی ازالہ فرمایا ہے کہ اگر کوئی کہے کہ صلوٰۃ وسلام پڑھنا قرآن وسنت کی روشنی میں بہت بڑی عبادت ہے اس سے کیسے منع کیا جاسکتا ہے۔؟ تو ہم جواب دیں گے کہ جس جگہ شریعت نے اس کی تعلیم نہ دی ہو اپنی طرف سے پڑھنا عبادت نہیں بلکہ ناجائز ہے اور انہوں نے مثال میں امام ابوالحسین رزین رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کے حوالے سے لکھا کہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک آدمی کو چھینک آئی اور اس نے پڑھا ''**الحمدللہ وسلام علی رسول صلی اللہ علیہ وسلم**'' حوالہ بالا، تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اسے ڈانٹا اور فرمایا۔ آنحضرت ﷺ نے چھینکتے وقت ہمیں صلوٰۃ وسلام نہیں بلکہ " **الحمد للہ رب العٰلمین** "، تعلیم فرمایا ہے۔ غور فرمایئے کہ عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ صرف اس لیے ناراض ہوئے کہ الحمد اللہ رب العالمین پر صلوٰۃ وسلام کا اضافہ انہوں نے دیکھا۔ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ چھینکتے وقت نبی کریم ﷺ منع فرما چکے ہیں۔ بلکہ نبی ﷺ نے جو کچھ تعلیم فرمایا اس پر اضافہ اگرچہ صلوٰۃ وسلام کی شکل میں کیوں نہ ہو حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ اس کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ فقہاء حنفیہ کے مشہور محدث علامہ علی ابن سلطان المعروف علی قاری رحمۃ اللہ علیہ بھی اس مروجہ صلوٰۃ وسلام سے منع فرما چکے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں:

فما یفعله المؤذنون الان عقب الاذان من الاعلان بالصلوۃ والسلام مراراً اصله سنة والکیفیة بدعة لان رفع الصوت فی المسجد ولو بالذکر فیه کراهة (مرقاۃ ج۲ص۳۴۹ مکتبہ حقانیہ)

یعنی اذان کے بعد اگرچہ ہر مسلمان کو درود شریف پڑھنا چاہئے۔ مگر آج کل

مؤذنوں نے اذان کے بعد زور زور سے صلوٰۃ وسلام پڑھنا شروع کیا ہے۔ یہ طریقہ بدعت ہے اور پھر مسجد میں اونچی آواز سے اگرچہ ذکر اللہ کیوں نہ ہو، ناپسندیدہ ہے۔ واضح رہے کہ یہ شرح ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے رسول کریم ﷺ کی اس حدیث کے ذیل میں فرمائی ہے۔

اذا سمعتم المئوذن فقولوا مثل ما یقول ثم صلوا علی

(مرقاۃ ج۲ص۳۴۹)

یعنی اذان سننے کے ساتھ ساتھ جواب دو اور پھر مجھ پر درود پڑھو۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ یہ وضاحت فرماتے ہیں کہ اذان سننے کے بعد درود شریف پڑھنا سنت وعبادت ہے لیکن مؤذنوں کا اونچی آواز سے صلوٰۃ وسلام پڑھنا ناجائز ومکروہ ہے۔

(نوٹ) اصطلاحات فقہ سمجھنے والے حضرات اس مغالطے میں نہ پڑیں کہ فیہ کراھۃ فرمایا ہے۔ کیونکہ فتاویٰ عالمگیری میں یہ اصول موجود ہے۔

والمروی عن محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ نصا ان کل مکروہ حرام

(عالمگیری ج۵ص۳۰۸)

ترجمہ: یعنی حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے یہ وضاحت مروی ہے کہ ہر مکروہ حرام ہوتا ہے۔ نیز فقہاء کے یہاں یہ قاعدہ بھی موجود ہے کہ اگر مکروہ کام بار بار کرلیا جائے یا ثواب سمجھ کر کرلیا جائے تو وہ بھی درجہ حرام کو پہنچ جاتا ہے۔ "**لا صغیرۃ مع الاصرار ولا کبیرۃ مع الاستغفار**" وغیرہ روایات کا بھی یہی حاصل ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔

"انه حرام لما صح عن ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه، انه اخرج جماعة من المسجد يهللون ويصلون على النبى صلى الله عليه وسلم جهراً وقال لهم مالی اراکم الا مبتدعين"

(۱) فتاویٰ شام ج۵ص۲۵۵ بیروت

(۲) فتاوی شام ج۵ص۲۸۱،۲۸۲ مکتبہ رشیدیہ

یعنی مسجد میں زور زور سے ذکر یا صلوٰۃ وسلام پڑھنا حرام ہے کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت میں ثابت ہے کہ انہوں نے کچھ لوگوں کو دیکھا جو مسجد نبوی ﷺ میں مل جل کر بعض روایات میں ہے حلقہ باندھ کر ذکر اور صلوٰۃ وسلام زور زور سے پڑھ رہے تھے تو حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ میں تم کو بدعتی سمجھتا ہوں اور ان کو مسجد نبوی سے باہر نکالا۔ یہ واقعہ شامی کے علاوہ فقہ حنفی کے مشہور فتاویٰ میں بھی موجود ہے۔ ملاحظہ ہو (فتاویٰ بزازیه على الهنديه ج ٦ ص ٣٧٨ مكتبه رشيديه كوئٹه پاكستان) غور فرمایئے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مسجد میں ذکر یا درود زور زور سے پڑھنے کو کتنا بڑا جرم سمجھتے تھے اور ان کو مسجدوں میں نہیں چھوڑتے تھے۔ جن لوگوں کو واقعی رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے محبت اور عشق ہے انکو اس واقعہ سے عبرت حاصل کرنا چاہیے کہ جس کام کو دین ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جاتا ہے اس کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بے دینی سمجھتے تھے اور ایسے لوگوں کو اصحاب رسول ﷺ دشمنان دین سمجھتے تھے اور انہیں مسجد سے نکالتے تھے۔

فائدہ: یہ بات تو صراحتاً روایت سے ثابت ہے کہ یہ زور سے صلوٰۃ وسلام پڑھنے والے

صحابہ ہرگز نہ تھے کیونکہ کسی صحابی نے کبھی کوئی بدعت نہیں کی نیز صحابہ نے صحابہ کو کبھی بدعتی بھی نہیں فرمایا۔ اگر یہ کہا جائے کہ صلوٰۃ وسلام مروجہ تو ۷۰۰ ھ کے بعد ایجاد ہوا ہے۔ جیسا کہ بحوالہ قبل گذرا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے زمانے میں پڑھنے والے کہاں سے آئے؟ تو جواباً عرض ہے کہ دجال قرب قیامت میں ظاہر ہوگا۔ مگر صحابی رسول اللہ ﷺ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں دجال کو ایک جزیرے میں ہاتھ پاؤں سے جکڑا ہوا دیکھا ہے۔ اور جب یہ واقعہ جناب نبی کریم ﷺ کے سامنے بیان کیا تو آپ نے بھی تصدیق فرمائی کتاب الفتن کی احادیث کے ذیل میں شراح حدیث نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تعلیم وحکمت کے طور پر بعض فتنوں کا خیر القرون ہی میں ظہور فرمایا ہے تا کہ اصولی طور پر اس کا رد ہو جائے اس لیے ایک دو واقعات سے بدعت کا رائج ہونا، سمجھ لینا درست نہیں۔

آیت صلوا علیہ وسلموا تسلیماً سے متعلق بحث

عام طور پر اہل بدعت کی طرف سے یہ بات سننے میں آتی ہے جو انہوں نے اپنی تمام کتابوں اور فتاوی میں لکھی ہے کہ صلوٰۃ وسلام ''اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ (سورۂ احزاب آیت ۵۶) . پر عمل کرتے ہوئے پڑھتے ہیں اس وقت بھی میرے سامنے صلوٰۃ وسلام کے جواز کا اشتہار ہے جو دار العلوم قادریہ سبحانیہ شاہ فیصل کالونی نمبر ۵ کراچی کی طرف سے شائع کردہ ہے۔ اس اشتہار میں بھی شروع سے لے کر آخر تک اس آیت کو موضوع بنا کر جواز ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس لیے اصولی طور پر چند

گزارشات سمجھی جائیں اولاً یہ آیت کریمہ جناب نبی کریم ﷺ پر نازل ہوئی ہے اور سب سے پہلے جناب نبی کریم ﷺ کی زبان سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سننے والے ہیں۔جیسا کہ نبی کریم ﷺ سے زیادہ قرآن کریم سمجھنے والا کوئی نہیں ہوسکتا۔اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے زیادہ قرآن کریم پر عمل کرنے والا کوئی نہیں ہوسکتا۔آیت کریمہ کے نازل ہونے کے بعد صحاح ستہ کی احادیث میں موجود ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جناب نبی کریم ﷺ سے پوچھا۔بخاری ومسلم کے الفاظ میں ہے۔

قلنا یا رسول اللہ کیف الصلوٰۃ علیکم اھل البیت فان اللہ قدعلمنا کیف نسلم علیک قال قولوا اللھم صل علی محمد وعلی آلِ محمد

(ا) بخاری شریف ج ۲ص ۷۰۸

(۲) مشکوۃ ج ۲ص ۴۸۸

یہاں چند باتیں سمجھنے کی ہیں۔

(ا) آیت کے نزول کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نبی کریم ﷺ سے درود شریف کے بارے میں پوچھا ہے۔

(۲) جناب نبی کریم ﷺ نے درود ابراہیمی تعلیم فرمایا ہے۔جو اللھم سے شروع ہوتا ہے یہ عجیب بات ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو سب سے بڑے علماء اور عاشقان رسول تھے انہوں نے اپنی طرف سے صلوٰۃ وسلام بنانے کی کوشش نہیں کی بلکہ اس سلسلہ میں جناب نبی کریم ﷺ سے مراجعت فرمائی معلوم ہوا کہ درود شریف کوئی بھی اپنی طرف سے نہیں بنا سکتا۔اور اگر اپنی طرف سے بنایا گیا تو قرآن کریم کی آیت پر عمل کرنے کے خلاف

ہوگا۔

(۳) جناب نبی کریم ﷺ نے بھی صحابہ کرام سے یہ نہیں فرمایا کہ میری تعریف ومنقبت میں جو چاہو الفاظ بناؤ۔ خواہ وہ ''الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ'' کے الفاظ ہوں یا مصطفیٰ جان رحمت پر لاکھوں سلام کے الفاظ ہوں۔ بلکہ نبی اکرم ﷺ کا منشا بھی یہی ہے کہ میری تعظیم وتکریم اس وقت بجالائی جاسکتی ہے جبکہ میرے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق مجھ پر درود وشریف پڑھا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ کتب احادیث میں درود شریف کے جتنے طرق آئے ہیں وہ ''**اللھم صلی علی محمد**'' سے شروع ہوتے ہیں علماء اہل سنت نے صاف صاف لکھا ہے کہ اگر ایسے الفاظ سے درود پڑھا جائے جن کے شروع میں اللھم کے الفاظ نہ آتے ہوں تو قرآن کریم کی آیت پر بھی عمل نہیں ہوگا اور وہ درود بھی نہیں کہلائے گا۔ مفسر اہل سنت علامہ آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

ومقتضی ظاھر ارشادہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایاھم الی طلب الصلاۃ علیہ من اللہ تعالیٰ شانہ انہ لایحصل امتثال الامر الابما فیہ طلب ذلک منہ، عزوجل ویکفی اللھم صلی علی محمد لانہ الذی اتفقت علیہ الروایات فی بیان الکیفیۃ (تفسیر روح المعانی پارہ۲۲ص۷۸،۷۹)

نبی کریم ﷺ کے ارشاد عالیہ کا تقاضہ یہ ہے کہ بندے اللہ سے درخواست کریں کہ اے اللہ ہمارے نبی کریم ﷺ پر درود وسلام نازل فرما اور حدیث میں درود وسلام کے جتنے طریقے آئے ہیں ان سب میں اللہ تعالیٰ سے درخواست وطلب ہے۔ علامہ آلوسیؒ نے فرمایا کہ اگر ایسے الفاظ پیش کئے جائیں جن کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہ ہو تو وہ ناجائز

ہوں گے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔ " **الصلوٰۃ علی رسول اللہ فانہ لایجزی اتفاقاً لانہ لیس اسناد الصلوۃ الی اللہ فلیس فی معنی الوارد روح المعانی**" حوالہ بالا۔
ترجمہ: الصلوۃ علی رسول اللہ کے الفاظ بطور درود وسلام کے پڑھنا بالاتفاق ناجائز ہے کیونکہ اس میں صلوٰۃ وسلام کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں کی گئی ہے تو یہ احادیث میں آئے ہوئے درود وسلام کے خلاف ہوا۔ پس معلوم ہوا کہ " **الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ**" یا مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام وغیرہ آیت قرآنی پر عمل کے لیے کافی نہیں ہیں۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ صحابہ کرام کے پوچھنے پر رسول اکرم ﷺ نے اللھم صل کہہ کر جو درود شریف تعلیم فرمایا ہے وہ اس لیے ہے کہ بندوں کی طاقت ہی نہیں کہ وہ بارگاہ نبوت میں صلوٰۃ پیش کرسکیں کیونکہ جب آیت میں آیا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ اور فرشتے آنخضرت ﷺ پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں تو بندے اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں۔ کہ اللہ تعالیٰ آپ ہماری طرف سے بھی درود وسلام بھیجیں۔ علامہ آلوسیؒ کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

وفیہ ایما ء الی انکم عاجزون عن التعظیم الائق بی فاطلبوہ من اللہ عزو جل لی

(روح المعانی پارہ۲۲ص۷۸)

علامہ نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کرنا اس لیے ضروری ہے کہ

لان مرتبۃ العبد تقصر عن ذلک بل یسأل ربہ سبحانہ ان یصلی علیہ الصلاۃ والسلام　　(روح المعانی پارہ۲۲ص۷۹)

ترجمہ: اس لئے کہ بندہ کا مرتبہ اس سے کم ہے بلکہ وہ اپنے رب سے سوال کرے گا کہ وہ

اس کی طرف سے نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ وسلام بھیجے (ابن نجیم نے البحر الرائق ج ا ص ۳۴۸ پر یہی فرمایا ہے)۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کی ان تحقیقات سے یہ بات معلوم ہوئی کہ یا تو "اللھم صلی" یا " صلی اللہ علی محمد "وغیرہ الفاظ جن میں اللہ تعالیٰ سے درخواست وطلب ہے جائز ہے اور الصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ یا الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کے الفاظ میں چونکہ اللہ تعالیٰ سے درخواست وطلب کا معنیٰ نہیں ہے، اس لئے یہ صحیح نہیں ہے۔ نماز میں التحیات کے دوران السلام علیک ایھا النبی کے جو الفاظ ہیں وہ چونکہ معراج میں نبی کریم ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیش کئے گئے ہیں اس لئے بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیش کردہ الفاظ کو عرض کرتا ہے کہ اس لئے وہ الفاظ اپنی جگہ صحیح اور درست ہیں کیونکہ حکایات شرعیہ کو بدلا نہیں جا سکتا جوں کا توں برقرار رکھا جاتا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ

السلام علیک ایھا النبی ووجہ الخطاب لا بقائہ علی ماوردحین التعلیم و اصلہ فی لیلۃ المعراج

(۱) لمعات شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۱۸۱

(۲) مرقاۃ جلد ۲ ص ۳۳۱

بریلوی حضرات یہاں ایک دھوکہ دیتے ہیں کہ السلام علیک ایھا النبی پڑھتے وقت ہمارا عقیدہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سامنے تشریف فرما ہوتے ہیں اور جب نبی کریم ﷺ موجود ہوں تو الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ پڑھا جا سکتا ہے جیسا کہ روضہ منورہ پر صلوٰۃ وسلام پیش کیا جاتا ہے تو گزارش یہ ہے کہ

اولاً تو نبی کریم ﷺ کا اپنے روضہ منورہ کے علاوہ کسی اور جگہ تشریف فرما ہونا صحیح نہیں ہے۔ بلکہ سات سو سے زیادہ فقہا و محدثین و مفسرین نے نبی کریم ﷺ کا عالم الغیب یا حاضر ناظر جاننے والے کو کافر کہا ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

(۱) خلاصۃ الفتاویٰ ج ۴ص ۳۸۵

(۲) فتاویٰ قاضی خان علی الہندیہ ج ۳ص ۵۷۶

(۳) بزازیہ علی الہندیہ ج ۶ص ۳۲۶

(۴) عالمگیری ج ۲ص ۲۶۶

(۵) شامی ج ۳ص ۲۹۴

(۶) بحرالرائق ج ۳ص ۸۸

ثانیاً: اگر جناب نبی کریم ﷺ التحیات کے دوران نمازی کے سامنے موجود ہوتے تو پھر بریلوی حضرات کھڑے ہو کر التحیات پڑھتے۔ مگر وہ بھی مسلمانوں کی طرح بیٹھ کر ہی **السلام علیک ایھا النبی** پڑھتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ لوگ بھی دل دل میں جانتے ہیں کہ حضرت ﷺ تشریف فرما نہیں ہوتے بلکہ احادیث مبارکہ کے مطابق فرشتے صلوٰۃ وسلام پہنچاتے ہیں جیسا کہ دارمی وبیہقی، نسائی کی روایات میں ہے۔

(مشکوۃ ج ۱ص ۲۹۱ المکتبۃ الاسلامی)

حیرت وتعجب! مقام حیرت ہے کہ قسطلانی، فتح الباری اور عمدہ القاری کی ایک مجہول توجیہہ نقل کرتے ہوئے زمانہ حاضر کے بریلوی مذہب کے غزالی دوران مولوی احمد سعید شاہ کاظمی ملتانی نے بھی تسکین الخواطر میں یہی دھوکہ دہی کی ہے۔ **فاذا الحبیب فی**

حرم الحبیب حاضر کا ترجمہ بالکل غلط کیا ہے۔یہی دیانتداری اوکاڑوی صاحب نے ''راہ حق'' میں کی ہے۔کیونکہ اس صوفیانہ توجیہہ کا صرف اتنا مطلب تھا کہ نمازی جب نماز پڑھتا ہے اور وہ قرب خداوندی کے درجات کو طے کر لیتا ہے تو جب یہ نمازی اللہ تعالیٰ کے قریب ہو جاتا ہے اور اللہ جل جلالہ کے جناب میں آنحضرت ﷺ کو موجود پاتا ہے اور یہ سلام پیش کرتا ہے۔ یہاں پر یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ نبی کریم ﷺ نمازی کے سامنے تشریف لاتے ہیں اہل علم یہ بات بھی یاد رکھیں کہ بخاری کے اولین شارحین جیسے کرمانیؒ وغیرہ نے اس توجیہہ کو یکسر نقل ہی نہیں کیا اس طرح غزالی ملتان نے امام غزالیؒ وغیرہ بزرگوں کی عبادت نقل کی ہے۔جس میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ نمازی یہ تصور کر لے کہ نبی کریم ﷺ سامنے ہیں اور وہ سلام پیش کر رہا ہے مگر

ولیصدق املک فی انه یبلغ (احیاء العلوم ج ا ص ۱۶۹)

ان الفاظ کا ترجمہ وتشریح چھوڑ گئے۔کیونکہ اس جملے میں امام غزالیؒ نے یہ وضاحت فرمائی کہ آپ کا سلام نبی کریم ﷺ کو پہنچایا جاتا ہے۔مگر چونکہ یہ الفاظ بریلوی مذہب کی جڑوں کو اکھاڑنے والے تھے اس لیے نظر انداز کر دیئے۔ نیز جن بزرگوں نے یہ فرمایا ہے ان کا مقصد صرف اتنا ہے کہ امتی کا سلام فرشتوں کے ذریعے نبی کریم ﷺ تک پہنچایا جاتا ہے چنانچہ'' وفاء الوفاء ''میں امام غزالی کا مستدل یہ حدیث بنائی گئی ہے۔

ان اللہ تعالیٰ وکل بقبره ملکاً یبلغه السلام ممن یسلم علیه من امة

(وفاء الوفاء ج ۴۰ ص ۱۳۹۶)

علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ الفاظ بھی لکھے ہیں **هٰذا فی حق من لم**

یحضر قبرہ یعنی یہ ان لوگوں کا سلام پہنچایا جاتا ہے جو روضہ اطہر پر موجود نہ ہوں (کیونکہ روضہ اطہر کے پاس آنحضرت ﷺ کا خود سلام سننا امت محمدیہ کا تقریباً اجماعی عقیدہ ہے اور حق بھی یہی ہے) سنن دارمی میں صریح حدیث موجود ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ملائکۃ اللہ سیاحین فی الارض یبلغونی عن امتی السلام

(سنن دارمی جز۲ ص۲۲۵)

ان صحیح اور صریح احادیث مبارکہ کی روشنی میں یہ بات معلوم ہوئی کہ نبی کریم ﷺ تک امت کا سلام فرشتوں کے ذریعہ پہنچایا جاتا ہے اس کے باوجود یہ کہنا کہ نبی کریم ﷺ نمازی کے سامنے خود تشریف لاتے ہیں کس قدر دیدہ دلیری اور ہٹ دھرمی ہے ان بے انصافوں نے اتنا بھی غور نہیں کیا کہ اس طرح کہنے سے صحیح احادیث سے انکار کے علاوہ جناب نبی کریم ﷺ کی کس قدر بے حرمتی اور بے ادبی کی بات ہے کہ آپ ایک ادنیٰ امتی کے سلام سننے کے لیے خود معاذ اللہ زحمت فرماتے ہیں۔ حالانکہ اس بات کی تردید خود نماز کے اندر موجود ہے۔ کچھ ہم لکھ آئے ہیں مزید عرض ہے کہ "اللھم صل علی محمد" بصیغہ غائب پڑھنا اور تواتر کے درجہ میں اس کا مشہور و معروف ہونا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ تک درود و سلام پہنچایا جاتا ہے آپ ہرگز ہرگز خود تشریف فرما نہیں ہوتے۔

ثالثاً! اگر کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھنا کوئی عبادت ہوتی تو نمازی کو حکم ہوتا کہ **السلام علیک ایھا النبی** پڑھتے وقت کھڑے ہو جایا کرو۔ بلکہ نمازی کو یہ حکم ہوتا کہ

رکوع بعد میں کرو اور سلام پہلے پیش کرو۔ سو معلوم ہوا کہ صلوٰۃ وسلام کے آداب میں سے روضہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ دوسرے مقامات پر کھڑا ہونا نہیں ہے۔

رابعا! یہ لوگ صلوٰۃ وسلام مروجہ کھڑے ہونے کے علاوہ زور زور سے بلکہ لاؤڈ اسپیکروں میں پڑھتے ہیں اذان کے بعد بھی اور میلاد کے اندر بھی اور کہتے ہیں کہ ''آ گیا تاج والا''۔ اگر یہ اپنے کہنے میں سچے ہیں اور تاجدار مدینہ تشریف فرما ہوتے ہیں تو زور زور سے صلوٰۃ وسلام پڑھنا نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں بنص قرآن حرام و ناجائز ہے۔ بلکہ بنص قرآن ان کے تمام اعمال ضائع اور برباد ہو چکے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے ایمان والو نبی کریم ﷺ کی آواز مبارک پر اپنی آوازوں کو اونچا نہ کرو۔

''اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْن''(سورۂ حجرات آیت ۲)

یعنی اگر تم نے اپنی آوازیں اونچی کیں تو تمہارے سارے اعمال برباد ہو جائیں گے اور تمہیں پتہ بھی نہیں چلے گا۔ اس آیت کے ذیل میں مفسرین اہل سنت نے لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں اونچی آواز سے بولنا بے ادبی ہے جس سے نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں ملاحظہ ہو۔ (تفسیر روح المعانی، وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۳۹۶) لہٰذا ''الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ'' کے الفاظ کھڑے ہو کر پڑھنا اور زور سے سلام پڑھنا سب کے سب شریعت اسلامیہ کی روشنی میں بالخصوص اہل سنت والجماعت کے نزدیک ناجائز بدعت اور حرام ہے۔

صلوٰۃ وسلام سے متعلق اہل بدعت کے چند مغالطے اوران کاازالہ

ہماری مذکورہ بحث کے متعلق جن حضرات نے اہل بدعت کی کتابیں نہ دیکھی ہوں وہ یہ نہ سمجھیں کہ صلوٰۃ وسلام مروجہ کوان لوگوں نے درود شریف نہیں کہا ہے سوسن لیجئے مشہور مبتدع مولوی شفیع اوکاڑوی کہتے ہیں ’’بہرصورت ہرطرح یہ ثابت ہوگیا کہ یہ درودشریف الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ پڑھنا جائز ہے۔(ملاحظہ ہوراہ حق ص۳۳)بعض اہل بدعت نے یہ بھی لکھا ہے کہ چونکہ علماء نے لکھا ہے کہ التحیات کے دوران اخباراور حکایت جومعراج میں واقع ہوئی ہیں کاارادہ نہ کرے بلکہ یہ الفاظ بطورانشاء کے پڑھے۔اس سے یہ سمجھ لیا گیا کہ نبی ﷺ سامنے موجود ہوتے ہیں۔حالانکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ یہ الفاظ امتی عبادت کے طور سے پڑھتا ہے اس لیے اللہ جل جلالہ اپنے فرشتوں کے ذریعہ اپنے نبی ﷺ کے یہ الفاظ پہنچاتے ہیں اور درودوسلام کا ثواب نصیب ہوتا ہے سوواضح رہے کہ کسی عالم نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ اخباراور حکایت نہیں ہے بلکہ اخبار اور حکایت بطورانشاء کے پڑھنے کالکھا ہے۔(ردالمحتارج ۱ ص ۸۵ بیروت)جیسے اللہ جل جلالہ نے اپنے انبیاءاولیاء کی جومنقبت فرمائی۔وہ بطورحکایت کے ہیں لیکن پڑھنے والا جب پڑھنے لگتا ہے تواسے ان کا ثواب ملتا ہے لہٰذا اسکے حق میں یہ انشاء بھی ہے فریق مخالف کے مسلمہ عالم احمدشاہ کاظمی لکھتے ہیں کہ جن عبارات میں سلام تشہد کا علی سبیل الحکایت ہوناوارد ہے۔وہاں مجرد حکایت مرادنہیں بلکہ حکایت علی طریق الانشاء مراد ہے۔(تسکین الخواطرص ۶۹) بلکہ کاظمی صاحب نے اس کو تحقیقی بات کہا ہے سومعلوم ہوا

کہ مبتدعین بھی اس کو مانتے ہیں کہ یہ واقعہ اصلاً حکایت ہے۔مگر چونکہ عبادت کی نیت سے پڑھا جاتا ہے۔اس لئے انشاء کی حیثیت رکھتا ہے جس پر ثواب ملنے کا دارومدار ہے۔

مقام حیرت وافسوس:

کاظمی صاحب نے اپنی کتاب تسکین الخواطر حصہ اول ص ٦٦ تا ٧٨ پر جو کچھ سب و شتم اور لعن طعن برصغیر کے علماء راسخین اور اولیاء کاملین جیسے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور امام العصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ پر کیا ہے اس کے بارے میں اولاً تو یہ عرض ہے کہ اسکا انتقام بروز محشر مقام محمود پر کھڑے ہوکر فخر دو عالم جناب نبی کریم ﷺ خود لیں گے کیونکہ محدثات و بدعات پر ایمان لانے والے وہیں سے گزریں گے۔اور نبی کریم ﷺ ان کی بدعات سے مطلع ہونے کے بعد **فسحقاً فسحقاً لاصحاب النار** فرمائیں گے۔یعنی تباہ و برباد ہوجائیں یہ سنت کو چھوڑ کر بدعت کرنے والے بدعتی جہنمی۔

(۱) بخاری شریف ج ۲ ص ۹۷۵،۱۰۴۵

(۲) مسلم ج ۱ ص ۱۲۷، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۲

ثانیاً ان تمام بددعاؤں اور گالیوں کے تو یہ حضرات بزرگان اہل سنت ہرگز مصداق نہیں ہوسکتے البتہ بتقضائے حدیث ایسی مقدس ہستیوں کے حق میں ایسی بدگوئی کرنے والا انشاءاللہ العزیز دنیا اور آخرت میں اپنے کلمات کا خود مصداق بنے گا۔"**وَّمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْز**" ہم نے یہاں کاظمی صاحب کا ذکر مختصراً کیا ہے جو اس مقام

کا تقاضا تھا۔ تفصیلی جائزہ انشاء اللہ العزیز شائع ہوگا۔ جس میں غزالی صاحب کی دو کتابوں تسکین الخواطر اور الحق المبین کا تفصیلی تذکرہ ہوگا۔ اہل علم کی دلچسپی کے لیے عرض ہے کہ ایسے غزالی کم دیکھنے میں آئیں ہوں گے جنہوں نے **ھدایۃ النحو** اور کافیہ جیسی معروف کتب نحو شرح جامی سمیت مطالعہ نہ فرمائی ہو کیونکہ کاظمی صاحب پہلے غزالی وقت ہیں جنہوں نے ''ندبہ'' کو ندا کے مبحث سے خارج فرمایا ہے۔

بسوخت عقل زحیرت کہ این چہ بوالعجبی است

کاظمی صاحب نے جہاں ایجاد نحو کا ایک نیا کارنامہ انجام دیا ہے وہاں ان کی ایک دوسری عقلیت بیضاء بھی پہلے سے کچھ بڑھ کر قابل داد ہے چنانچہ امام العصر امام اہلسنت مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں **السلام علیک ایھا النبی** کے اندر سلام و خطاب کو حکایت معراج قرار دیا ہے (جیسا کہ تمام شروح حدیث و کتب فقہ میں مصرح ہے) جب اس کا جواب دینے سے کاظمی صاحب بے بس ہو گئے اور سب وشتم جو انہیں اپنے بڑوں سے ورثے میں ملا ہے اسکا فریضہ بھی ادا فرمایا تو علم حدیث کے اصول کے سمندر میں غوطے کھانے لگے اس غوطہ زنی میں جو موتی انہوں نے برآمد فرمائے ہیں وہ ملاحظہ ہوں۔ فرماتے ہیں مخالفین کا سلام تشہد کو واقعہ معراج کی حکایت قرار دینا مخالفین کے اپنے اصول و مسلمات کے خلاف ہے اس لیے کہ وہ علی الاطلاق کسی ایسی روایت کو نہیں مانتے جسکی سند موجود نہ ہو۔ آگے انہوں نے حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عرف شذی کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت نے عرف شذی میں فرمایا ہے ''**ولکنی لم اجد سند ھٰذہ الروایۃ**'' اور اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کاظمی صاحب نے اپنی طبیعت یوں خوش فرمائی

ہے کہ ہم ابواب فضائل و مناقب میں ان روایات کو تسلیم کرتے ہیں جن کی سند ہمارے سامنے نہ ہوں۔مگر علماء محدثین یا فقہاء معتبرین و دیگر علماء معتمد علیہم نے انہیں قبول کیا ہو۔ (تسکین الخواطر حصہ اول ص ۸۷) کاظمی صاحب نے اس تنقید میں علم و دیانت کا جو خون کیا ہے اس پر کاظمی صاحب سے اور ان کے ہم مسلکوں سے شکوہ کرنا تو عاشق سے توقع صبر کرنے کے مترادف ہے۔

کوشش بے فائدہ است وسمہ بر آبروے کور

البتہ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ جیسے امام ہدایت و انصاف کے حال پر رحم آتا ہے جن کے مقدس لقب غزالی کو آج دیوانوں پر چسپاں کیا جا رہا ہے۔کاظمی صاحب کا یہ کہنا کہ علماء اہل سنت، علماء دیوبند علی الاطلاق کسی ایسی روایت کو نہیں مانتے جن کی سند موجود نہ ہو۔ یہ علماء حق پر افتراء اور بہتان عظیم ہے کیونکہ علماء دیوبند سند کے بارے میں احکام و عقائد میں اگرچہ محتاطین محدثین کے اصول کو پیش نظر رکھتے ہیں۔لیکن جن فقہاء و محدثین کے علم پر اعتماد فقہ حنفی کی مشہور و معتبر کتاب ہدایہ کی بعض احادیث کا حال ہے جن کی سندیں محدثین کے قواعد کے مطابق یا تو کمزور ہیں یا ناپید ہیں۔جس کی تفصیل جمال زیلعی کی نصب الرایہ میں موجود ہے۔فضائل و مناقب میں بھی ثقہ حضرات کے علم پر اعتماد کیا جاتا ہے۔نہ جانے کاظمی صاحب کو مطلق و مقید کی تعریف معلوم نہیں یا وہ اپنے ماننے والوں کو اس طرح افتراؤں کے ذریعہ پکا کرنا چاہتے ہیں۔امام العصر حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ اسکی تفصیل کے ساتھ اسکی سند محدثین کے یہاں نہیں ملی۔کیا کاظمی صاحب کا کوئی وفادار جرات کر کے حضرت مولانا

انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ انہوں نے یہ فرمایا ہو کہ اگر چہ یہ روایت محدثین اور فقہاء کے یہاں مشہور و معروف ہے۔ مگر میں اسکو نہیں مانتا کیونکہ مجھے اسکی سند نہیں ملی۔

فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ

(سورۂ بقرہ آیت ۲۴)

شاید کاظمی صاحب نے اصول حدیث کی مشہور کتاب تدریب الراوی ملاحظہ نہ فرمائی ہو جہاں تلقی امت کو صحت حدیث کیلئے شرط قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔

يحكم للحديث بالصحة اذاتلقاه الناس بالقبول وان لم يكن له اسناد صحيح

(تدریب ج ا ص ۶۷)

علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ صاحب ہدایہ ایک روایت **وعن عثمان رضی الله عنه انه قال الحمد الله فارتج عليه فنزل وصلى** کی تحقیق کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ **فانها لم تصرف فى كتب الحديث بل فى كتب الفقه .**

(فتح القدیر علی الھدایہ ج ۲ ص ۳۰ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

کیا کاظمی صاحب اور دوسرے بدعت کے سرغنے یہ ہمت کر کے ثابت کر سکتے ہیں کہ بزرگان دیوبند نے کسی معتمد فقیہ یا محدث کی ذکر کردہ روایت کو صرف اس لیے ٹھکرایا ہو کہ اس کی سند ان کو نہ ملی ہو؟ دیدہ را دیدہ باید۔ (فلاحول ولاقوة الابالله) کاظمی صاحب نے بخاری شریف کی حدیث تشہد جس میں نبی کریم ﷺ نے التحیات کے بارے میں فرمایا ہے :

فانکم اذاقلتموھا اصابۃ کل عبد اللہ صالح فی السماء والارض

(بخاری ج ا ص ۱۱۵)

سے بھی استدلال فرمایا ہے۔ مگر انہوں نے یہ خیال نہیں فرمایا کہ حدیث مبارکہ ہمارے اعتراض کا قلع قمع نہیں کررہی ہے بلکہ خودساختہ اسلام دشمن عقیدہ حاضروناظر کی جڑیں کاٹ رہی ہے کیونکہ کاظمی صاحب اوران کے ہم مسلک صالحین کو یہاں حاضر مانتے ہیں مگر حدیث رسول کہتی ہے کہ جب تم یہ الفاظ سلام کہہ لیتے ہوتو وہ زمین وآسمان میں اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو پہنچ جاتے ہیں۔ (ترجمہ کاظمی صاحب کا ہے) غور فرمایئے! کہ جولوگ کہتے ہیں کہ درود وسلام پہنچایا جاتا ہے حدیث ان کے خلاف ہے یا جولوگ کہتے ہیں کہ نہیں صالحین حتیٰ کہ نبی کریم ﷺ تشریف لاتے ہیں۔ یہ حدیث ان کی بدعات سے چنی ہوئی عمارت کوڈھارہی ہے۔

"فقطع دابر القوم الذین ظلموا والحمدللہ رب العٰلمین"

اے چشم اشک بار ذرا دیکھ تو سہی
یہ گھر جو بہہ رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

ہماری ذکر کردہ ان تمام تفاصیل ودلائل سے روز روشن کی طرح یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ **السلام علیک ایھا النبی** کا عقیدہ حاضروناظر سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں بددیانتی اور کور باطنی مستقل امراض ہیں جن کی شفاء اللہ جل جلالہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں ہے۔ اس رسالہ میں ہم مروجہ صلوٰۃ وسلام کے علاوہ دوسرے بدعت آمیز عقائد و نظریات پرنہیں لکھنا چاہتے۔ یہ چند باتیں بھی بطور مثال کے ذکر کردی گئیں۔ اسی پر ایک

اوراضافہ کردیتے ہیں تاکہ اگرکسی کے لئے اللہ تعالیٰ مالک ہدایت کے یہاں ہدایت منظور ہواور ہدایت نصیب ہواور جولوگ حق اور باطل میں تمیز کرنا چاہتے ہوں ان پر حقیقی اہل سنت اور دشمنان اہل سنت کا فرق واضح ہوسکے اور ہر شخص دیانت وانصاف کے آئینہ میں فیصلہ کرسکے

شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

فقہ اسلامی کی تمام کتابوں میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے کہ جس وقت نمازی نماز ختم کر کے سلام پھیرتا ہے تو جونمازی وہاں موجود ہوں اوران فرشتوں کا جوحفاظت کے لئے مقرر ہیں، وصالح الجن جونماز کے وقت موجود ہوتے ہیں نمازی سب کی نیت کرے۔

(نورالایضاح ص ۷۱)

اسکے علاوہ یہ مسئلہ فقہ حنفی کی تمام مستند کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ یہ تفصیل بھی ہے کہ کون کس کس کی نیت کرے جن کا حاصل یہ ہے کہ فرشتوں کی نیت کی جائے کیوں کہ حفاظتی فرشتے کراماً کاتبین، نیک جنات اور جو مسلمان وہاں ہوں سلام پھیرتے وقت ان کی نیت کی جائے مگر یہ کہیں بھی نہیں لکھا ہوا ہے کہ نبی کریم ﷺ جو **السلام علیک ایھا النبی** پڑھتے وقت (بریلوی عقیدے کے مطابق جو کہ حاضر تھے) ان کی بھی نیت کی جائے حالانکہ ساری کائنات کے کاملین پر نیت ایک طرف اور آپ ﷺ پر سلام کی نیت دوسری طرف **فداہ ابی وامی وصلی اللہ علیہ وسلم** مگر چونکہ جناب نبی کریم ﷺ کی آمد اقدس کا کوئی بھی مسلمان کبھی قائل نہیں ہوا اس لیے کسی کتاب میں نمازی خواہ امام ہو یا مقتدی، منفرد ہو۔ الغرض کسی کو بھی یہ اجازت نہیں دی گئی کہ جناب نبی کریم ﷺ پر سلام

پھیرتے وقت سلام ورحمت بھیجنے کی نیت کی جائے معلوم ہوا کہ یہ عقیدہ بہت زمانوں بعد کا ایجاد کردہ ہے جوکہ قرآن وسنت اور تعامل امت کی روشنی میں غلط وباطل ہے مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔

(۱) مبسوط محمد (ج ا ص ۱۰، ۱۱)

(۲) مبسوط سرخسی (ج ا ص ۳۰)

(۳) فتح القدیر (ج ا ص ۲۷۸)

(۴) کفایہ (ج ا ص ۲۷۸)

(۵) عنایہ (ج ا ص ۲۷۸)

(٦) البحر الرائق (ج ا ص ۳۵۲)

(۷) بدائع الصنائع (ج ا ص ۲۱۴)

(۸) کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ (ج ا ص ۲٦٦)

(۹) خلاصۃ الفتاویٰ (ج ا ص ۵٦)

(۱۰) فتاویٰ عالمگیری (ج ا ص ٦۷۔۷۷)

(۱۱) طحطاوی علی الدرج (ا ص ۲۳۰)

(۱۲) طحطاوی علی المراقی (ص ۱۳۹)

(۱۳) ردالمحتار (ج ا ص ۳۵۴)

(۱۴) بنایہ (ج ۲ ص ۲۵۵)

ان تمام کتابوں میں یہ مسئلہ تفصیل کیساتھ لکھا ہوا ہے بلکہ بہت سارے فقہاء نے

یہ بھی لکھا ہے کہ موجود مسلمان صالح الجن اور مقرب ملائک کے علاوہ کسی اور کی نیت نہ کرے چنانچہ حلبی کبیر ص ۲۴۳ میں ہے کہ ’’دون غیـــرهـــم‘‘ اسی طرح نورالایضاح میں ہے۔

’’ونية المنفرد على الملائكة فقط‘‘(نورالایضاح ص ۷۱)

نیز بیشتر فقہاء کرام نے ’’تفضيل البشر على الملائكة ‘‘ کا مسئلہ بھی یہیں لکھا ہے جس میں انبیاءؑ کا بھی تذکرہ ہے۔ مگر یہ کسی نے نہیں لکھا کہ نمازیوں کو انبیاء علیہم السلام یا اولیاء کی بھی نیت کرنا چاہئے۔ یہاں تک کہ مراقی وغیرہ میں ہے کہ جو فرشتے نمازی کے پاس (پیشانی کے اوپر) درود شریف لکھنے کے لیے بیٹھے رہتے ہیں فرشتوں میں ان کی بھی نیت کرے مگر یہ کسی فقیہ نے نہیں لکھا کہ درود لیجانے کی کیا ضرورت۔ آقائے نامدار ﷺ خود موجود ہیں سب سے پہلے ان کی نیت کی جائے۔ ہم فقہاء کے اس متفقہ مسلک کے واسطے سے کاظمی صاحب اور دوسرے ان کے ہم خیال حضرات سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ ان تمام روشن دلائل کی روشنی میں فکر آخرت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اور نبی کریم ﷺ کے ان شب و روز مساعی جمیلہ پر نظر کرتے ہوئے جو آپ ﷺ نے امت کے عقیدے اور عمل کو شرک و بدعت سے بچانے کے لیے فرمائی ہے۔ ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں اور اگر ان کی سمجھ میں بات اتر گئی تو بغیر خوف لـومة لائـم کے واشگاف الفاظ میں درست عقیدہ اور عمل کا اعلان فرمائیں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ایسے موقعوں پر ہمارا کامل راہنما ہے۔

’’ان العبد اذا اعترف ثم تاب تاب الله عليه‘‘ (بخاری ج ۲ ص ۵۹۶)

یعنی بندہ جتنے بھی گناہ اور جرائم کر چکا ہو لیکن جب وہ اپنے رب کے حضور توبہ

کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتے ہیں۔

ہم نے علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے اور بہت سارے علماء اہلسنت کے حوالوں سے یہ عرض کر دیا ہے کہ ''الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ'' کے الفاظ نبی کریم ﷺ کے تعلیم کردہ نہیں ہیں۔ اسلئے کسی صحابی نے کبھی بھی نبی کریم ﷺ کی عدم موجودگی میں ان الفاظ کو درود وسلام کے طور پر نہیں پڑھا مولوی محمد شفیع اوکاڑوی نے اور دوسرے لوگوں نے شجر وحجر کی طرف سے جو''الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ'' ثابت کرنے کی کوشش کی ہے وہ غیر ثابت ہے کیونکہ وہ اول تو نبی کریم ﷺ کا تعلیم کردہ نہیں ہے۔ ثانیاً (سیرت حلبیہ ج ا ص ۳۶۱) کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے اور سیرت حلبیہ میں یہ راوی کے الفاظ سے ہے جو کمزوری کی علامت ہے۔ ثالثاً نسیم الریاض کے حوالے سے اوکاڑوی صاحب نے نقل کیا ہے۔ نسیم الریاض کے حوالے سے اوکاڑوی صاحب نے جو لکھا ہے صحابہ کرام ''الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ'' پڑھتے تھے اس کی بھی سند غائب ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہاں یہ الفاظ ہیں ''والمنقول فی تحیۃ صلی اللہ علیہ وسلم'' یعنی نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں صحابہ اس طرح پڑھتے تھے چنانچہ آپ ﷺ کی موجودگی میں ''الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ'' یا نبی اللہ اگر پڑھا گیا تو اسکی حیثیت سلام موجودگی کی ہے اور یہ عمل بھی ہے چنانچہ روضہ منورہ پر بھی اس نظریہ کے تحت ان الفاظ سے صلوٰۃ وسلام پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن دور دراز اور نبی کریم ﷺ کے روضہ کے علاوہ کسی اور جگہ نہ تو صحابہ کرام یہ الفاظ بطور درود شریف کے پڑھ چکے ہیں اور نہ تو خیر القرون کے مسلمانوں کے اور نہ بعد کے حضرات

معتمدین نے ﴿ واضح رہے کہ اس باب میں مزید تحقیق یہ ہے کہ یہ مروجہ الفاظ بھی حضرت ﷺ کے روزہ اطہر پر نہ تو صحابہ کرام نے پڑھے اور نہ ہی تابعین حضرات میں سے کسی نے پڑھے ہیں یہ سب حضرت ﷺ کے روزہ اقدس پر حضرت ﷺ کا تلقین کردہ درود ہی پڑھا کرتے تھے ﴾ ، بلکہ یہ سب حضرات اللھم صل کے الفاظ پر مشتمل درود شریف پڑھتے تھے۔ چنانچہ قاضی عیاض نے اپنی مشہور کتاب شفا میں بہت سارے صحابہ اور بزرگان دین کے درود شریف لکھے ہیں اور وہ سب کے سب اللھم صل کے الفاظ کے ساتھ نقل فرمائے ہیں۔ اوکاڑوی صاحب وغیرہ کو یہ شبہ تھا یا انکی طرف سے یہ مغالطہ تھا کہ درود ابراہیمی نماز کے علاوہ نہیں پڑھا جاسکتا حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے بیہقی کی جس روایت کو اوکاڑوی صاحب نے مستدل بنایا ہے اس کے مقابلے میں بخاری و مسلم کی صحیح ترین روایات سے نماز کے علاوہ دوسری جگہوں پر درود ابراہیمی پڑھنے کو پسند فرمایا ہے۔ چنانچہ علامہ سمھودی فرماتے ہیں۔

والذی اختار ہ لنفسہ اللھم صل (وفاءالوفاء ج۴ ص۱۴۰۰)

نیز اللہ کے نبی ﷺ کو یہ درود وسلام سب سے زیادہ پسند ہے اس لیے تو نماز میں تجویز کیا گیا ہے۔ الغرض امت محمدیہ ﷺ کے علماء اور اولیاء کا اس پر اتفاق ہوا ہے کہ جو درود نبی کریم ﷺ نے تعلیم فرمایا ہے وہ سب سے افضل ہے اس کے ہم معنی درود وسلام بھی بزرگان دین پڑھ چکے ہیں جس کو علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فی معنی الوارد کہہ کر بیان فرماتے ہیں مگر ''الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ'' پڑھنا روضہ منورہ پر بھی ثابت نہیں ہے۔ ''ومن ادعی فعلیه الاثبات'' میں فریق مخالف کے علماء سے بھی درخواست کرتا ہوں کہ وہ ادھر ادھر کی لایعنی باتوں سے اپنے دل کو نہ بہلائیں اور امت کے سادہ

مسلمانوں کو دھوکہ نہ دیں بلکہ اپنی تمام تر توجہ اور تحقیق کو اس طرف مبذول فرمادیں اور خیر القرون میں کسی مستند اور معتمد مسلمان سے ثابت کرادیں کہ اذان سے پہلے یا اذان کے بعد یا نماز فجر یا نماز جمعہ کے بعد کب اور کہاں اور کس نے کھڑے ہوکر ''الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ'' اور ''یا نبی سلام علیک'' پڑھا ہے؟ تحقیق کرتے وقت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مسجد سے صلوٰۃ وسلام زور سے پڑھنے والوں کو نکالنے کا واقعہ بھی ذہن میں رہنا چاہئے (فتاویٰ شامی ج ۵ ص ۲۵۵) تا کہ تحقیق رساں اور برمحل ہونے کے علاوہ صحابہ کرامؓ کے خلاف نہ ہونے پائے۔

بریلوی حضرات کی مروجہ صلوٰۃ وسلام ثابت کرنے کی ہٹ دھرمی

اوکاڑوی صاحب نے صلوٰۃ وسلام کو جائز ثابت کرنے کی جو کوشش فرمائی وہ ملاحظہ ہو وہ جب کسی طرح سے بھی یہ ثابت نہ کرسکے کہ خیر القرون میں نبی کریم ﷺ کے روضہ اطہر کے علاوہ دور دراز ملکوں میں مسلمان درود ابراہیمی کی جگہ مروجہ صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں تو یہ ایک مجتہدانہ کارنامہ انجام دینے لگے کلوا واشربوا پر قیاس کرنے کے بجائے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ ہم صلوٰۃ وسلام کیسے پڑھیں اور فخر دو عالم ﷺ نے بھی ''کلوا واشربوا'' پر قیاس کرنے کا حکم دینے کے بجائے خود اللھم صل کے الفاظ تعلیم فرمائے۔اوکاڑوی صاحب کی تحقیق بالا کو کسی عجائب گھر میں آویزاں کرنے کے بجائے اب اس کے لئے مخصوص بالقیاس کی مثالیں تلاش کی جائیں۔

ببیں عقل ودانش بباید گریست

ویسے بھی ان حضرات کی کھانے پینے کے سلسلے میں جنوں حالی اوراسی کواوکاڑوی صاحب کا مستدل بنانا عجیب کے علاوہ غریب بھی ہے۔ سچ کہا گیا ہے کہ بھوکا ہر جگہ سے روٹی پکنے کی آواز سنتا ہے۔ اوکاڑوی صاحب تو اس دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں مگر انکے بعد جو حضرات موجود ہیں اوراس قسم کے مغالطّوں میں مبتلا ہیں۔انہیں اگر عملاً دین کی کتابیں دیکھنے کا وقت نہیں ملتا تو کم از کم اولیاء اللہ جن کے ساتھ عشق ومحبت کے یہ دعویدار ہیں ان کی کتابیں مطالعہ فرمائیں تا کہ عادات اور عبادات کے درمیان فرق کرسکیں۔ سنئے! شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ جنہیں یہ لوگ بھی مجدد الف ثانی تسلیم کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی یہ کہے کہ عبادات پر اضافہ کرنے کو بدعت کہتے ہو کیونکہ اس مبارک زمانے میں نہ تھا تو موجودہ زمانے کی بہت ساری چیزیں مختلف قسم کے کپڑے،شال،اور کرتہ،شلوار جو مسلمانوں کے یہاں مستعمل ہیں کیسے جائز ہوئے؟ مجدد صاحب فرماتے ہیں کہ

بردونوع عبادت است یا برطریق عرف وعادت عملیکه برسبیل عبادت بوده خلاف آن رازابدعتهائے منکر میدانیم ودر منع آن مبالغه مینمائیم که احداث دردین است و آن مردوداست ،وعملیکه بنابرعرف وعادت است خلاف آنرابدعت مفکر نمیدانیم ودرمنع آن مبالغه نمی نمائیم که بدین تعلق ندارد وجود وعدم ، آن مبنی برعرف وعادت است نه بردین وملت ،چه عرف بعضے بلاد خلاف عرف بعضے ازبلاد دیگراست۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر اول حصہ چہارم ص۲۲)

غور فرمائیے کہ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دنیا کی چیزوں کو عادات

فرما کر دین کی چیزوں سے علیحدہ فرمایا۔ کاش کہ مجدد وقت حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ملفوظ کو یہ لوگ ٹھنڈے دل سے بار بار پڑھیں۔ عبادت و عادت میں فرق سمجھیں اور امت کو غلط مبحث کے حیلہ کے ذریعے سنتوں سے ہٹا کر بدعات کی کیچڑ میں نہ ڈالتے اور یوں سنت کی برکت سے امت کا اتحاد و اتفاق برقرار رہتا ہے۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شان مجددی کا حق ادا کرتے ہوئے کیسے صریح لفظوں میں دین میں محدث اور بدعت کو ''آن مردود است'' کہہ کر ولی کامل ہونے کا ثبوت دیا ہے اور دنیاوی چیزیں جیسے کھانے پینے وغیرہ جن کے ذریعہ یہ لوگ مغالطے دیتے ہیں انکے بارے میں کیسے صاف لفظوں میں فرمایا کہ ''وعملیکه بنا برعرف وعادت است بدین تعلق ندارد ''یعنی ان چیزوں کا تعلق عرف و عادت سے ہے دین میں ان کی کوئی حیثیت نہیں لہٰذا یہ بدعت نہیں ہے۔

ایک وہم اور اس کا ازالہ

شاید کوئی نادان یہ کہے کہ مروجہ صلوٰۃ وسلام یا عرس وغیرہ بدعات ومحدثات کو بھی عادات عرفیہ قرار کیوں نہیں دیا جاتا سو واضح رہے کہ ان کا عبادت ہونا خود شریعت سے ثابت ہے اسلئے صلوٰۃ وسلام کے تمام مسائل وفضائل بلکہ کیفیات اور اوقات تک مذہب اہل سنت کی کتابوں میں موجود ہیں اسلیے ان کو عادات نہیں کہا جاسکتا۔ بلکہ عبادات کو عادات کہنا اور درحقیقت اس کی عبادت سے انکار کرنے کے مترادف ہے۔ نیز کیا یہ لوگ

اپنے ان بدعات حسنہ کے بارے میں یہ برداشت کرلیں گے کہ ''بدین تعلق ندارد'' اور ''مبنی برعرف وعادت است نہ بردین وملت''۔اگران کے نزدیک بھی نہ توان چیزوں کا دین سے کوئی تعلق ہےاور نہ دین ملت کے حصے ہیں تو پھر مسلمانوں کو کیوں لڑایا جارہاہے؟

بے خودی بے سبب نہیں غالبؔ
کچھ تو ہے جسکی پردہ داری ہے

افسوس کہ عمر بھر اولیاء اللہ کے نام پر کھانے والے ایک طرف تو اپنے آپ کو بزرگان دین کے ماننے والے قرار دے رہے ہیں مگر دوسری طرف حضرت مجدد الف ثانی جیسے کامل ولی الہند کے ارشادات سے انحراف اور ہٹ دھرمی برت رہے ہیں ۔اگر علماء دیوبند سے تمہیں اللہ واسطے کا بیر ہے تو چلئے جن کو آپ بھی مجدد تسلیم کرتے ہیں ان کی اطاعت کرلیجئے مقصد تو بدعات سے بچنا ہے۔

الکلمة الحکمة ضالة المؤمن حیث ماوجدها فهو احق بها

(ابن ماجہ ص ۳۰۷)

دادیم ترا از گنج مقصود نشانی

بدعت حسنہ کے نام پر نبی عربی ﷺ کی مبارک سنتوں سے منحرف ہونے والے اولیاء اللہ کے صاف ستھرے آئینہ میں ذرا اپنا عقیدہ مطالعہ کریں اور مجدد صاحب کی یہ عبارت بار بار پڑھیں۔

''سنت وبدعت ضديك ديگر اندوجود يكے مستلزم نفی ديگر يست''

(مکتوبات امام ربانی دفتر اول حصہ چہارم ص ۶۴)

یعنی سنت اور بدعت آپس میں مقابل ہیں۔ بدعت کا مان لینا سنت کی نفی کرنا ہے'' پس عبادت راحسنه گويند يا سيئه مستلزم رفع سنت است ''یعنی بدعت کے حسنہ یاسیئہ بہر حال سنت کوختم کرنے والی ہے۔

ہرکه عاشق شداگرچه نازنين عالم است

نازکی کے راست آيد بار ميبا يد كشيد

بدعت حسنہ کی بحث

''عن جابر بن عبد الله رضی الله عنه قال كان رسول اللهصلى الله عليه وسلم............... ويقول امابعد فان خيرالحديث كتاب الله وخير الهدى هدى محمد صلى الله عليه وسلم و شر الامور محدثاتها و كل بدعة ضلالة''

(مسلم ج ا ص ۲۸۴، ۲۸۵)

یہ لوگ بدعت حسنہ کا اعتقاد رکھتے ہیں۔کاش کہ آپ علم منطق کا پہلا رسالہ'' ایسا غوجی'' پڑھ چکے ہوتے تو آپ کو کلی اور جزئی کا فرق معلوم ہوا ہوتا۔مگر جن لوگوں کو نبی معصوم ،صاحب وحی محمد رسول اللہ ﷺ کے ارشاد عالیہ'' كل بدعة ضلالة'' پر اطمینان نہیں ہے اور وہ حیاء کے پردے چاک کرتے ہوئے بدعات کو حسنہ سمجھنے کے قائل ہوں وہ کبھی بھی قاعدہ کلیہ کو نہیں سمجھیں گے۔

ایک مغالطہ اور اس کا جواب

اہل بدعت کو جب قرآن وسنت میں کوئی چیز نہیں ملتی تو حضرت فاورق اعظم رضی اللہ عنہ کا جملہ جو انہوں نے تراویح کے بارے میں فرمایا تھا ”نعمت البدعة هذه“ سو گزارش ہے کہ اولاً تو تراویح سنت رسول اللہ ﷺ ہے اہل سنت کی معتبر کتاب فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

وهی سنة رسول الله صلی الله علیه وسلم وقیل هی سنة عمر رضی الله عنه والاول اصح (عالمگیری ج ا ص ۱۱۶)

یعنی حق اور صحیح یہ ہے کہ بیس رکعات تراویح باجماعت بھی رسول اللہ ﷺ کی سنت مبارکہ ہے۔سنت رسول ﷺ کو کیسے بدعت کہا جا سکتا ہے۔ بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ” لئن کانت هٰذه بدعة لنعمت البدعة “یعنی اس سنت رسول ﷺ کو کوئی بدعت سمجھے تو پھر یہ بہترین عبادت ہے۔مطلب یہ ہے کہ بدعت ہے ہی نہیں۔ یہ روایت کنز العمال میں بخاری کے باب خلق الافعال میں اور جعفر فریابی کی سنن میں اور اسی طرح ابن سعد اور ابن نصر کے یہاں موجود ہے گویا اس کی مثال ایسی ہوئی جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

”قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ“ (سورۂ زخرف آیت ۸۱)

یعنی کہہ دو کہ اگر اللہ رحمٰن کی کوئی اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلے عبادت کرتا۔ تو جیسا کہ اللہ رحمٰن کی کوئی اولاد نہیں ہو سکتی کوئی سنت بدعت نہیں ہو سکتی۔

رسول کریم ﷺ نے تو ارشاد فرمایا ہے کہ

"فعلیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المھدیین"

(۱) ابوداؤد ج۲ ص۲۹۰

(۲) ترمذی ج۲ ص۹۶

یہ روایت صحاح ستہ کی اکثر کتابوں میں ہے گویا آنحضرت ﷺ نے خلفاء راشدین کے طریقے کو بھی سنت کہا ہے۔اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بات بطور تمثیل کے تھی۔یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام نے نماز تراویح کو سنت و مستحب فرمایا ہے "بدعت نعمت" کی اصطلاح کہیں نہیں ہے۔جو حضرات جیسے عزابن عبدالسلام وغیرہ بدعت خمسہ کی مثالیں دے چکے ہیں وہ صرف لغوی اور سطحی طرز کی تقسیم ہے ورنہ وہ حضرات بھی **کل بدعة ضلالة** کو عام قانون سمجھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان بزرگوں نے دین میں کوئی اضافہ نہیں فرمایا۔حافظ تقی الدین ابن دقیق العید نے کیا خوب لکھا ہے

" **وردبمعناه علی حقیقتها من العموم** " (احکام الحکام جلد۲ ص۱۲۲) آگے فرماتے ہیں

"وقسمةالبدعة الی الاقسام المذکورة والی الحسنة والسئیة لیس علیها اثارة من علم لانه لم یرد دلیل دال علیها ولم یرح حدیث وردفی ھٰذا الباب رائحة القسمة قط" (حوالہ بالا) یعنی بدعت کی تقسیم اور حسنہ اور سئیہ کی باتوں میں علم کی بو بھی نہیں کیونکہ نہ تو کوئی ایسی دلیل ہے اور نہ حدیث رسول ﷺ جس میں بدعت کی قسمیں کی گئی ہوں بڑی تفصیل سے لکھنے کے بعد مزید فرماتے ہیں:

ومن ثم انکر الراسخون فی العلم الکتاب والسنة تقسیم

البدعة الى الاقسام (احکام الحکام ج۲ ص ۱۲۲)

یعنی جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن وسنت کا صحیح اور راسخ علم عطا فرمایا ہے وہ بدعت کی تقسیم کا انکار کرتے ہیں۔آگے فرماتے ہیں کہ بدعت، بدعت ہی ہوگی ''کائنا ما کان ومن کان واین ما کان وکل بدعة ضلالة علی اطلاقها'' یعنی بدعت جیسی بھی ہو اور جہاں کہیں بھی ہو وہ گمراہی ہوگی کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے یہ حدیث عام ہے۔مزید ارشاد فرماتے ہیں کہ جو لوگ بدعت کو حسنہ کہتے ہیں وہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو اپنے صحیح معنی سے اور حقیقی بنیادوں سے ہٹاتے ہیں۔'' دعت الیه اهوالهم من غیر دلیل لامن قرآن ولامن سنة ولا من اجماع ولا من قیاس جلی ویعتریه شبهة'' یعنی جو لوگ بدعتوں کو اچھا کہتے ہیں انکے پاس نہ قرآن کی کوئی دلیل ہے نہ سنت کی نہ اجماع کی اور نہ صاف ستھرے قیاس کی،مزید فرماتے ہیں۔''وحدیث الباب حجة نیرة علی کل قائل بالتقسیم والانواع'' یعنی حدیث رسول اللہ ﷺ بدعت حسنہ وغیرہ کے قائلین کے خلاف ایک روشن دلیل ہے۔

وهذا الحق الیس به خفاء ندعنی عن بینات الطریق

اولیاء اللہ نے بھی ہمیشہ بدعتوں کے خلاف جدوجہد فرمائی ہے،اولیاء ہند کے تاجدار جن کو مجددیت کا منصب عظمیٰ نصیب ہوا ہے وہ کیا خوب فرماتے ہیں گفته اند که بدعت بردونوع است حسنه وسیئه یعنی کہنے والے کہتے ہیں کہ بدعتوں میں بھی اچھی اور بری ہوتی ہے۔

این فقیر درہیچ بدعتے ازین بدعتہا حسن ونورانیه مشاہده

نمیکند وجز ظلمت و کدورت احساس نمی نماید اگر فرضاً عمل مبتدع راامروزبواسطه ضعف بصارت بطراوت ونضارت نبیند فرداکه حدید البصر گردند دانند که جزء خسارت وندامت نتیجه نداشت:

ترجمہ: یعنی اس فقیر (مجدد صاحب) کے نزدیک بدعات میں سے کسی بدعت میں حسن اور نورانیت نہیں دکھائی دیتی اور سوائے اندھیرے اور بربادی کے بدعت میں اور کچھ بھی نظر نہیں آتا اگر آج بدعتیوں کی بینائی کمزور ہے اور وہ بدعت کو عمدہ اور اچھا دیکھتے ہیں تو کل قیامت کے دن جب کہ نگاہیں تیز کردی جائیں گی تو سوائے بربادی اور شرمندگی کے اور کچھ نہ ہوگا، بوقت صبح شود ہمچو روز معلومت

که باکه باخته عشق در شب دیجور

مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ہر بدعت کو گمراہی فرمایا ہے، پس معنی حسن و بدعت چه بود، مزید لکھتے ہیں کہ حدیث تخصیص به بعض نداردپس هربدعت سیئه بود یعنی حدیث میں بدعت حسنہ کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ پس ہر بدعت بری ہی ہوگی۔ مزید ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ جن کا نام بدعت حسنہ رکھا گیا ہے غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہی سنت کو ختم کرنے والی ہے۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر اول حصہ سوئم ص ۷۲۔۷۳)

بدعت کا معنی و مفہوم

بدعت لغت میں ہر نو وجود چیز کو کہتے ہیں اور اصطلاح شریعت میں ہر اس عمل کا نام ہے جس کا داعی یعنی کرنے کی وجہ خیر القرون میں پائی گئی ہو اور دین سمجھ کر نہ کیا گیا ہو

بعد میں کرلیا جائے یہ بدعت کہلاتی ہے جوقرآن وحدیث کی روشنی میں دین دشمنی کا نام ہے۔خیرالقرون تین زمانوں کا نام ہے جن میں سب سے پہلا اورمقدس نبی کریم ﷺ کا زمانہ ہے اور دوسر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا زمانہ ہے اور تیسرا تابعین ومجتہدین ومحدثین کا زمانہ ہے۔اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے،

عن عمران بن حسين قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم خير امتى قرنى ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم (بخاری ج۱ص۵۱۵)

اس حدیث میں رسول کریم ﷺ نے تین زمانوں کو بہترین زمانہ قراردے دیا ہے۔علماء نے ارشادفرمایاہے کہ ان تینوں زمانوں میں خیر غالب رہے گا اور اصولی طور پر دین میں کوئی کمی وبیشی نہیں کی گئی۔محدثین انکو **ازمنه المشهودلها بالخير** یاالقرون کہتے ہیں ۔شاید یہی وجہ ہے کہ علماء حدیث رجال کی کتابوں میں ان تینوں زمانوں کو مقدمین کا دور کہتے ہیں۔حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

''فالهد الفاصل بين المتقدم والمتأخر هو رأس سنة ثلثمائة ''

(میزان الاعتدال ج۱ص۴)

بدعت کی مذکورہ تعریف علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الاعتصام کی (ج اص ۳۶، ۳۷) پرفرمائی ہے۔اس تعریف کے پیش نظر مروجہ بدعات باآسانی سمجھی جاسکتی ہیں۔،مثلاً صلوٰۃ وسلام کا داعی (پڑھنے کی وجہ) قرآن کریم کی آیت ہے اور احادیث مبارکہ جودرود شریف کے بارے میں آئی ہیں، نبی کریم ﷺ کے زمانے میں اذان بھی ہوتی تھی۔الغرض صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی وجوہات موجود تھیں مگرنہ تو دعامیں ان اللہ وملئکتہ کی

آیت کبھی نہیں پڑھی گئی حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خیر القرون کے مسلمانوں کو یہ مسئلہ معلوم تھا کہ دعاؤں میں درود شریف پڑھنا دعا قبول ہونے اور ثواب حاصل کرنے کا عظیم ذریعہ ہے، لہٰذا جو لوگ دعاؤں میں اہتمام کے ساتھ درود والی آیت پڑھتے ہیں وہ دین کے اندر ایک بدعت کا گناہ کرتے ہیں افسوس کہ دعا کرتے وقت اللہ تعالیٰ سے یہ گریہ وزاری اور معافی مانگنی ضروری ہوتی ہے مگر اب دعائیں بھی بدعت جیسے عظیم گناہوں کے ساتھ مانگی جاتی ہیں۔ اسی طرح اذان سے پہلے یا اذان کے بعد باوجود وجہ موجود ہونے کے خیر القرون کے مؤذنوں نے صلوٰۃ وسلام با آواز بلند کبھی نہیں پڑھا، لہٰذا اذان سے پہلے یا اذان کے بعد مروجہ صلوٰۃ وسلام پڑھنا بدعت اور گناہ ہے۔ اسی طرح محفل میلاد شریف کی وجہ نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت ہے اور اس دن کی بزرگی، شرافت اور خیر وکمال صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور خیر القرون کے مسلمانوں کو زیادہ معلوم تھا مگر انہوں نے ان تاریخوں میں میلاد کے نام سے کوئی محفل نہیں لگائی لہٰذا مروجہ محافل میلاد بھی بدعت ہیں ورنہ دینی مجالس منعقد کرنا صحیح البخاری کی کتاب العلم کی روایت کے مطابق صحابہ کرامؓ منعقد کرتے تھے اس لیے محفل میلاد پر دوسرے دینی جلسوں کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ یا تو ان کا ثبوت خیر القرون میں مل رہا ہے اور یا ان کے انعقاد کی وجہ ہی ان زمانوں میں موجود نہ تھی اس لیے وہ بدعت کی تعریف ہی میں داخل نہیں۔

طرفہ تماشہ

موجودہ زمانہ کے میلاد خوانوں نے بخاری کی ایک روایت سے استدلال کیا ہے

چونکہ یہ بہت ہی دلچسپ بات ہے اس لیے لکھ دیتا ہوں۔ کہتے ہیں کہ بخاری شریف میں ہے کہ ابولہب نے نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت کی خبر سنی تو اس نے خوشی میں اپنی ایک کنیز کو آزاد کر دیا، لہٰذا مجلس میلاد کا انعقاد ثابت ہوا۔ شاید اللہ تعالیٰ اہل بدعت کو اپنے اعمال کی سزاؤں میں سے کچھ حصہ دینا چاہتے ہیں اس لئے علماء دیوبند جیسے پکے اور سچے اہل سنت کو وہابی کے لقب سے داغدار کرنے کی پاداش میں ان کو بھی بنایا جا رہا ہے ورنہ ابولہب کے فعل سے استدلال کیسے کیا جا سکتا ہے؟ ''کَذٰلِکَ الْعَذَاب ط وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَکْبَر م لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ''(سورۂ قلم آیت ۳۳) کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اور خیر القرون کے مسلمانوں نے بلکہ چھ سو سال تک کسی بھی مسلمان نے ابولہب کی یہ تقلید نہیں کی ورنہ اہل بدعت کے چھوٹوں اور بڑوں سب کو چیلنج ہے کہ وہ ثابت کریں کہ کیا اس تاریخ کو کسی صحابی نے بھی خوشی میں یہ غلام یا کنیز آزاد کی ہے؟ اور کیا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ آئمہ فقہ وحدیث اور بزرگان اہل سنت نے بھی کبھی اس تاریخ کو منایا ہے؟

''ومن ادعی فعلیه الاثبات''

لطیفہ تحقیق

۱۲ ربیع الاول بالاتفاق تاریخ وفات ہے اور ولادت باسعادت کی تاریخ صحیح قول کے مطابق ۹ ربیع الاول ہے اس لئے آج تک مسلمانوں میں ۱۲ ربیع الاول کو بارہ وفات کے نام سے یاد کیا جاتا ہے مگر موجودہ زمانے میں یہ لوگ بارہ وفات ہی کو یوم ولادت مناتے

ہیں گویا عاشقان رسول اپنے نبی ﷺ کی وفات پر خوشیاں مناتے ہیں۔

نہ پہنچ سکے گا کبھی منزل حقیقت پر
صراط عشق میں جو تیز گام ہو نہ سکا

تاریخ ولادت کی صحیح تحقیق کے لیے ملاحظہ ہو

مقالات الکوثری (ج اول ص ۱۰۵) (سیرت النبی ﷺ ج اول ص ۱۷۲) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خیر القرون کے مسلمانوں کو اولیاء اللہ بلکہ انبیاء کرام سے بہت بڑی عقیدت اور عشق تھا انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ اولیاء اللہ اور پیغمبروں کی زندگیوں کا بیان بڑا مبارک اور روح پرور ہے اور ان کو یہ بھی خوب معلوم تھا کہ مومن کو قبر میں کامیابی پر ''نم کنومته العروس'' کہا جاتا ہے مگر ان بزرگوں نے عظیم عشق اور محبت کے باوجود کسی ولی اللہ کا تو درکنار کسی نبی اللہ بلکہ سید المخلوقات رسول اللہ ﷺ کا بھی عرس نہیں منایا لہٰذا عرس منانے والے بھی ارتکاب بدعت کرتے ہیں۔ان مختصر سی مثالوں سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ جس عمل کی بھی وجہ خیر القرون میں پائی گئی اور انہوں نے دین سمجھ کر اس کو نہیں کیا بعد میں کرنے والے بدعت کریں گے۔

اہل بدعت کے مغالطے اور ان سے بچنے کے طریقے

یہ حضرات جب اہل سنت کے براہین ودلائل سے عاجز آجاتے ہیں تو سادہ مسلمانوں کو مغالطہ دینا شروع کردیتے ہیں مثلاً لاؤڈاسپیکر کا استعمال، مدارس دینیہ کا قیام، دینی کتب کی تدوین اور قرآن وحدیث کی طباعت وغیرہ یہ لوگ انہیں بدعت ظاہر کرتے

ہیں جو کہ سب مسلمانوں کے یہاں قابل عمل ہیں۔ اس کے اصولی جوابات حافظ تقی الدین ابن دقیق العید نے اپنی کتاب احکام الاحکام (ج ا جز ۲ ص ۱۲۲) پر دے چکے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ سب کام خیر القرون میں ہو چکے ہیں نبی کریم ﷺ قرآن کریم کی سورتیں اور آیتیں صحابہ کرام سے لکھواتے تھے، خود صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بالاتفاق جمع قرآن اور تدوین حدیث کا کام کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس احادیث مبارکہ کا ایک مجموعہ تھا اور اس کا نام ''الصادقہ'' تھا نبی کریم ﷺ سے صحابہؓ قرآن وسنت سیکھتے تھے۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ دن رات صحیحین کی روایات کے مطابق اور دیگر حضرات جن کی تعداد گھٹتی بڑھتی تھی ایک ایک وقت میں دوسو اور چار سو تک حضرات پڑھنے کے لیے جمع ہوتے تھے۔ آپ جس چبوترے پر بیٹھ کر انہیں پڑھاتے تھے وہ صفہ کہلاتا ہے گویا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم طالبان دین، حضرت پاک ﷺ استاذ اعظم فداہ ابی امی اور آپ کے مدرسے کا نام صفہ ہوا گویا صفۃ العلوم کی بنیاد صاحب وحی ﷺ خود قائم فرما چکے ہیں گویا دینی مدارس کا ثبوت خیر القرون سے موجود ہے باقی دنیا کی چیزیں اگر دین کے لیے استعمال کی جائیں اور کرنے والے کی نیت اچھی ہو تو وہ جائز اور باعث ثواب ہے جیسے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال، وہ بدعت کی تعریف میں نہیں آتی ہیں کیونکہ بدعت کی تعریف تو یہ ہے کہ۔ ''

طریقة فی الدین مخترعة تضاهی الشرعیة الخ ''

(الاعتصام ج ا ص ۳۷)

یعنی دین میں نیا طریقہ نکالا جائے دنیا کی چیزیں ہرگز بدعت کے تحت نہیں آتی

ہیں۔حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مکتوب میں اس فرق کو بڑے عمدہ اور روشن طریقے سے بیان کیا ہے، ملاحظہ ہو۔(مکتوبات امام ربانی دفتر اول حصہ چہارم ص ۲۲) تفصیلات کے لیے علماء دین کتاب الاعتصام علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ کی ملاحظہ فرمائیں ۔اردو بولنے والے حضرات کے لئے محقق العصر سرفراز خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی کتاب'' راہ سنت'' کا مطالعہ مفید ہوگا جو اللہ جل جلالہ کا ایک احسان ہے۔مولانا موصوف بلاشبہ اس وقت کے امام اہل سنت، وکیل اہلسنت اور محسن اہل سنت کے مقام پر فائز ہیں۔ **بارک اللہ فی حیاته المیمونه .**

ایک علمی مغالطہ اور اس کا ازالہ

شاید کوئی یہ کہے کہ بعض حضرات بدعت کی اقسام مانتے تھے جیسے عزبن عبد السلام ؒ، حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ چند اور بزرگ! تو اگرچہ حافظ تقی الدین ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ایسی بدعتوں کی قرآن وحدیث واجماع کی روشنی میں تردید کر چکے ہیں جیسا کہ یہ حوالہ گزر گیا اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی حدیث **کل بدعة ضلالة** کو قاعدہ کلیہ کہا ہے۔جیسا کہ باحوالہ گزر گیا۔قاعدہ کلیہ کے بعد بدعت کا کوئی فرد بھی جائز نہیں ہوسکتا مگر مکرر عرض ہے کہ جن چیزوں کو بدعت حسنہ یا مندوبہ یا مباحہ بلکہ واجبہ تک کہا گیا ہے۔حقیقت میں ان میں سے ایک بھی سرے سے بدعت ہی نہیں ہے۔ مثلاً بدعت واجبہ کی مثال **علم النحو** وغیرہ سیکھنا لکھا ہے حالانکہ تاریخ نحو کی تمام کتابوں

میں یہ لکھا ہے کہ نحو کا بانی ابوالاسود الدئلی ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے اور **کل فاعل مرفوع و کل مفعول منصوب** وغیرہ اصطلاحات وہی حضرات مقرر کر چکے ہیں، کیونکہ ان چیزوں کی خیر القرون میں جب وجوہات پائی گئیں تو ان پر عمل کر لیا گیا لہٰذا **اشتغال بالنحو** بدعت ہی نہیں اسی طرح بدعت مندوبہ میں اجتماع تراویح، بنائے مدارس، کلام صوفیاء اور مجلس مناظرہ وغیرہ لکھا گیا ہے حالانکہ یہ سب کام خیر القرون میں ہو چکے ہیں تراویح بالجماعت سنن بیہقی کی روایت کے مطابق خود نبی اکرم ﷺ بیس رکعات پڑھا چکے ہیں اور پھر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں تو اس پر اجماع صحابہ ہو چکا ہے گویا یہ بدعت ہی نہیں بلکہ سنت رسول ﷺ اور سنتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہے۔ تفصیلات اقسام کے لیے ملاحظہ ہو۔

(۱) فتح الباری (ج ا ص ۲۱۳) (۲) احکام الاحکام (ج ا جز ۲ ص ۱۲۲)

سلاسل صوفیاء کی تو بنیاد ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ڈالی ہے ملاحظہ ہو سلاسل اولیاء اور لمعات التصوف وغیرہ۔ بنائے مدارس کے بارے میں صفۃ العلوم کا ذکر ابھی ابھی گزر چکا ہے خود امام مالکؒ جو خیر القرون کے زمانے کے ہیں جن کے درس میں بیک وقت ہزاروں علماء جیسے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ موجود تھے الغرض مدارس اسلامیہ کا وجود خیر القرون میں بطریق اتم موجود تھا۔ مجلس مناظرہ کا ثبوت قرآن کریم اور سنت رسول ﷺ اور تعامل خیر القرون سے ہے چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مناظرہ اپنے زمانے کے کافر کے ساتھ، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مناظرہ فرعون وقت کے ساتھ، اور نبی کریم ﷺ کا مناظرہ بلکہ مباہلہ وفد نجران

کیساتھ قرآن کریم میں موجود ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حکم سے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے خوارج سے مناظرہ کیا۔ جس کا موضوع ''ان **الحکم الا للہ**'' پھر خیر القرون کے متکلین اور محدثین کے مناظرے اتنی کثرت سے واقع ہوئے کہ آج بھی **بفضله** تعالیٰ وہی اصول ہمارے مقتداء ہیں **ومنشاء فليخرج قرنه الينا** ملاحظہ ہو **الطبقات الشافية الكبرىٰ** .

کیا بدعت حسنہ قابل عمل ہوتی ہے؟

بعض اہل بدعت اس مغالطے میں ہیں کہ اگر چہ صلوٰۃ وسلام وغیرہ بدعت ہے مگر کچھ لوگوں نے تو اس کو بدعت حسنہ بھی کہا ہے لہٰذا اس پر عمل ہوسکتا ہے یہ وسوسہ شیطان کا ہے جس میں اچھے خاصے غزالیوں کو مبتلا دیکھا گیا ہے اس لیے عرض ہے کہ خدارا فکر آخرت سامنے لائی جائے اور ''**يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْن**'' (تطفیف آیت ۶) کو ملحوظ رکھا جائے اور پھر سوچا جائے کہ نام تو اہل سنت ہے اور اصرار بدعت کے کرنے پر ہے؟

این چنیں زیبا روش کمتر بود اندر جہاں

دوسری بات جو حضرات فقہاء حنفیہ بالاتفاق لکھ چکے ہیں کہ اگر کسی عمل کے بارے میں یہ تردد ہو کہ آیا یہ سنت ہے یا بدعت تو فقہاء فرماتے ہیں کہ اس سنت کو بھی ترک کرنا ضروری ہے تاکہ بدعت جیسے گناہ سے حفاظت ہو جائے، کیونکہ بدعت سے بچنا فرض ہے ملک العلماء علامہ علاؤالدین کاسانی حنفی رحمۃ اللہ علیہ جو فریقین کے یہاں بھی مسلمہ حنفی محقق فقیہ ہیں وہ لکھتے ہیں :

والفعل اذاتردد بین السنة والبدعة تغلب جهة البدعة لان الامتناع
عن البدعة فرض ولا فرضية فی تحصیل السنة اولواجب
(بدائع الصنائع ج اص۲۰۴سطر ۱۹،۲۰)

ترجمہ: یعنی فعل جب سنت اور بدعت کے بیچ میں آگیا تو بدعت کی جہت غالب ہوگی کیونکہ بدعت سے بچنا فرض ہے اور سنت اور واجب کا انجام دینا فرض نہیں ہے۔ بریلوی حضرات کو ٹھنڈے دل سے ضد اور تعصب سے ہٹ کر سنی مسلمان ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے حاصل کرنا چاہیے کہ کس تباہ کن دلدل میں امت کو ڈالا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ گمراہ آدمی کو بھی سنت رسول ﷺ کی برکت سے ہدایت کی توفیق عطا فرمائے۔ کیونکہ یہ اصل تو کسی ایسے عمل کے بارے میں ہے جو سنت اور بدعت کے درمیان اختلافی ہو۔ یہاں تو کیفیت یہ ہے کہ جن چیزوں کو ہم بدعت کہتے ہیں جیسے مروجہ صلوٰۃ وسلام، یہ حضرات بھی اسے بدعت مانتے ہیں تب تو حسنہ کی قید لگاتے ہیں سنت اس کو یہ بھی نہیں سمجھتے ہیں انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ جب بدعت سے بچنے کے لیے سنت چھوڑنے کا حکم ہے تو بدعت حسنہ تو کوئی چیز ہی نہیں ہے کیونکہ سنت جیسی مرتبت تو بدعت حسنہ کی ہرگز نہیں ہوسکتی علاوہ ازیں اس نزاع کو اسطرح بھی ختم کیا جاسکتا ہے کہ ایک فریق ہے جن کی ساری کوشش بدعتوں کو زندہ کرنا اور بدعتوں پر جان دینا ہے دوسرا فریق وہ ہے جو بدعتوں سے نفرت کرتا ہے اور اس سے بچنے کی تلقین کرتا ہے اب اہل سنت والجماعت ان دونوں میں سے کون سا فریق ہے۔ علامہ ابن کثیر جو قرآن وحدیث وتاریخ کے مسلمہ امام ہیں ان کے الفاظ میں اہل سنت کی نشاندہی سن لیجئے وہ سورۂ احقاف آیت ۱۱ "لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُونَآ اِلَيْهِ" کی

تفسیر میں لکھتے ہیں:

"واما اهل السنة والجماعة فیقولون فی کل فعل وقول لم یثبت عن الصحابة رضی الله عنهم هو بدعة لانه لو کان خیراً لسبقونا الیه لانهم لم یترکو اخصلة من خصال الخیر الا وقدبادرواالیها

(۱) تفسیر ابن کثیر ج۴ ص۱۵۶		(۲) مختصر تفسیر ابن کثیر ج۳ ص۳۱۸

پس اہل سنت والجماعت وہ لوگ ہیں جو ہر ایسے قول وفعل کو جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (خیروالقرون) سے ثابت نہ ہواسکو بدعت کہتے ہیں کیونکہ اگر یہ قول وفعل کسی خیر کا ہوتا تو وہ ضرور اسکو کر چکے ہوتے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کوئی خیراور نیک عمل نہیں چھوڑا (بنیادی طور پر) بلکہ انہوں نے خیراور نیکی کے تمام اعمال (اصولی طور پر) انجام دیے ہیں۔ لیجئے حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ تو اہل سنت والجماعت ان لوگوں کو قرار دیتے ہیں جو کہ خیرالقرون کے بعد نومولود چیزوں کو بدعت کہتے ہیں مگر زمانے کا انقلاب دیکھئے کہ آج جو فریق اذان سے لیکر نماز ودعا تک اوراعمال سے لیکر عقائد تک بدعات میں لت پت ہیں وہ اہل سنت بنے بیٹھے ہیں اور جو بدعات کے مقابلے میں صحابہ کرامؓ اور خیرالقرون کے تعامل کو معیار عقیدہ وعمل ٹھہراتے ہیں ان کو وہابی کہتے ہیں:

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

علامہ شاطبیؒ غرناطی نے کیا خوب لکھا ہے:

"کل مبتدع یدعی انه هو صاحب السنة دون من یخالفه" (کتاب الاعتصام ج۱ ص۲۲۰)

یعنی ہر بدعتی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ بس وہی سنی ہے اور جو اسکی مخالفت کرتے ہیں وہ اہل سنت نہیں ہیں۔

بنمائے بصاحب نظرے گوہر خود را
عیسی نتوا نگشت بتصدیق خرے چند

بریلوی مکتبہ فکر کی خدمت میں ایک سادہ سی گذارش

مندرجہ بالا تفصیلات اور دلائل کی روشنی میں ثابت ہوا کہ اہلسنت کی یہ امتیازی شان ہے کہ سنت کو اپنانا اور بدعات کے خلاف کرنا اور جب ایک فریق صاف صاف کہہ رہا ہے کہ وہ بدعات پر عمل پیرا ہے تو اب ان کے اس قرار کے بعد اسے سنی نہیں، بلکہ بدعتی کہا جا سکتا ہے کیونکہ یہ بات وہ تسلیم کر چکے ہیں کہ مروجہ بہت سارے عقائد و اعمال وہ بدعت کرتے ہیں ہاں اتنا ضروری ہے کہ وہ بدعت کو حسنہ سمجھتے ہیں اور اہل حق ان کے ان اعمال کو بدعت سیئہ کہتے ہیں اور ہم ان کے اعمال کو بدعت اور کرنے والوں کو بدعتی کہہ سکتے ہیں ہاں ہم سئیہ کا لفظ بدلیں گے نہیں وہ حسنہ کا لفظ بولنے کی زحمت نہ کریں دل میں نیت کریں کہ بدعت حسنہ کر رہے ہیں لہٰذا یہ ایک نزاع تو بڑے آرام سے طے ہو جائے گا کہ وہ سنی نہیں بدعتی ہیں مگر حسنی ہیں۔

کل میاں حجام جہاں مونڈھتا تھا اوروں کا سر
آج اسی کوچہ میں خود اس کی حجامت ہوگئی

اور اگر یہ لوگ نہ مانیں تو پتہ چلا کہ دل میں یہ بھی مانتے ہیں کہ بدعت خلاف

سنت عمل کا نام ہوتا ہے اوراس کے کرنے والے اگرچہ حسنہ کی نیت کرلیں تو سنی نہیں کہلائے جاسکتے بلکہ بدعتی کہلائیں گے۔تو حضرات! جن کا ظاہر و باطن ایک نہ ہووہ کیسے سچے مومن ہوسکتے ہیں؟''**یقولون بالسنتھم مالیس فی قلوبھم**''

شیشے کے گھر میں بیٹھ کر پتھر ہی پھینکتے
دیوار آہنی پہ حماقت تو دیکھئے

اسلام میں مجدد کا مقام اور پروگرام

جو حضرات ہماری یہ گذارشات پڑھیں گے ان پر عیاں ہوگا کہ ہم نے بدعات کے رد میں حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ المعروف بہ مجدد الف ثانی کے مکتوبات شریف کے حوالے بکثرت دیئے ہیں شاید بعض دوستوں کو مجدد کے بارے میں پوری معلومات نہ ہو اس لئے مختصراً عرض ہے کہ سنن ابوداؤد کے اندر نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی موجود ہے

ان اللہ عزوجل یبعث لھٰذا الامۃ علی رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا (رواہ ابوداؤد مشکوۃ شریف ج اص ۳۶)

یعنی بیشک اللہ تعالیٰ اس امت میں ہر سو سال کے آغاز میں ایک مجدد پیدا فرماتے ہیں جو اس امت کے دین کو نئے سرے سے پیش کرے یعنی گذرے ہوئے سو سال میں جتنی بدعات اور محدثات دین میں پیدا ہوئی ہوں ان سب کے مقابلے میں سنت کو زندہ کرے۔ واضح رہے کہ بعض لوگوں نے **علی راس کل مائۃ سنۃ** کا ترجمہ ہر صدی کے آخر سے کیا ہے کیونکہ ایک صدی کا آغاز گذری ہوئی صدی کا آخر ہوتا ہے۔ چونکہ حدیث میں سنت کو زندہ

کرنے کے لیے **من یجدد** کا لفظ آیا ہے اس لیے اس مبارک ہستی کا نام امت کے یہاں مجدد پڑ گیا۔ تاریخ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر حضرت مجدد الف ثانی تک مجدد دین کا یہ سلسلہ جاری رہا مگر کوئی ایک بزرگ بھی مجدد کے نام سے اتنے معروف ومشہور نہیں ہوئے جتنے حضرت مجدد صاحب ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت شیخ احمد سرہندی کے اصل نام کے بارے میں بہت کم لوگوں کو علم ہے بلکہ آپ کا نام گرامی ہی مجدد بن چکا ہے۔ حضرت نے پوری زندگی جو تجدیدی کارنامے انجام دیے ہیں۔ ان میں سے سب سے بڑا کارنامہ خاندان مغلیہ کے فرعون وقت جلال الدین اکبر کے گھڑے ہوئے دین الٰہی کو ختم کرنے کا ہے۔ تاریخ ہند کا مطالعہ کرنے والا کوئی بھی شخص اس سے بے خبر نہیں ہوگا کہ دین الٰہی کو قرآن وحدیث کے دلائل کی روشنی میں ارض ہند سے ختم کرنا ہی وہ کارنامہ تھا جس کی بدولت حضرت مجدد مانے گئے۔

آپ کا دوسرا عظیم کارنامہ بدعات کی بیخ کنی ہے جن میں سے بدعت حسنہ کے خلاف آپ نے جو راست اقدامات فرمائے ہیں وہ بھی آپ کے تجدیدی کام کا درخشاں باب ہے زمانوں کے گذرنے سے جہاں بہت ساری خرابیاں پیدا ہوگئی تھیں ان میں سے ایک خرابی بدعت حسنہ کی اصطلاح تھی جس کو آپ نے فراست، ولایت اور نور ایمان سے بھانپ لیا اور صرف یہ نہیں کہ بدعت حسنہ کی اصطلاح سے انکار فرمایا بلکہ آپ نے ٹھوس دلائل اور پوری زندگی کے مساعی کے زور سے نبی کریم ﷺ کی حدیث مبارک ’’**کل بدعة ضلالة**‘‘ کو اپنے تجدیدی کام کا معیار بنایا اور واشگاف لفظوں میں بدعت خواہ حسنہ ہو یا سئیہ سنت کے خلاف بغاوت اور دشمنی ثابت فرمایا آپ کی وہ وصیت جو علماء اور مشائخ

اہلسنت کے نام آپ نے فرمائی تا ابدنشان رہے گی کہ خواہ کچھ بھی ہو لیکن سنت کی لاج رکھتے ہوئے بدعت کو کبھی حسنہ نہ فرمائیں اور نہ ایسا فتویٰ دیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

''علماء وقت را حضرت حق سبحانه وتعالیٰ توفیق دہاد که بحسن ہیچ بدعت لب نه کشایند وباتیان ہیچ بدعت فتویٰ نه دہند اگرآں بدعت درنظر شان دررنگ فلق صبح روشن درآید''۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر دوئم حصہ ششم ص ۵۷)

یعنی علماء دین کو اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے کہ کسی بھی بدعت کو حسنہ ہرگز نہ کہیں اور نہ بدعت حسنہ کے فتوے دیں۔ اگرچہ بدعت بظاہر صبح کی طرح چمکتی ہوئی کیوں نہ نظر آئے۔ آگے فرماتے ہیں ''چه تسویلات شیطان رادرماورائے سنت سلطان عظیم است''یعنی یہ سب کچھ شیطان کا دھوکہ ہوگا ورنہ بدعت کبھی حسنہ نہیں ہوسکتی کیونکہ نبی کریم ﷺ فرما چکے ہیں کل بدعة ضلالة کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ یہاں یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ مجدد سے متعلق اس حدیث کی شرح میں تمام شراح حدیث نے یہ لکھا ہے کہ مجدد سنت کو زندہ کرے گا اور بدعت مٹائے گا۔ اس سلسلے میں حضرت مجدد الف ثانی کا تجدیدی کارنامہ بہت ہی روشن ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ تحریر لکھتے وقت تک ہمیں کوئی بھی ایسا مسلمان معلوم نہیں ہے جس کو حضرت بطور مجدد کے تسلیم نہ ہوں، آپ کا یہ اتفاقی مقام اس بات کا متقاضی ہے کہ بدعت حسنہ کے بہانے سنتوں کو مزید تباہ نہ کیا جائے کیونکہ حضرت مجددؒ صاحب تو ان اوہام اور مغالطوں کو زائل کرنے کے لیے تشریف لائے تھے اب آپ کو مجدد ماننا اور پھر بعض لوگوں کی ان باتوں پر باور کرنا کہ ''نیک بات اگرچہ بدعت ونو پیدا ہو اسکا کرنے والا سنی ہی کہلائے گا نہ بدعتی نیز ہر اچھی بدعت

سنت میں داخل ہے اور قیامت تک نئی نئی نیک باتیں پیدا کرنے کی اجازت ہے‘‘

(ملاحظہ ہو فتاویٰ افریقہ ص ۱۱۳۔۱۱۴ مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی بندر روڈ کراچی)

یہ دو متضاد نظریئے ہرگز جمع نہیں ہو سکتے اور چونکہ مجدد صاحبؒ متفق علیہ مجدد ہیں اور حضرت کی بمقتضائے حدیث ذمہ داری یہی تھی کہ دین میں نو مولود چیزوں کو رد کر دیں اور حضرت نے یہ فریضہ منصبی بڑی خوش اسلوبی سے ادا فرمایا تو یہ جہاں تک حضرت مجدد صاحبؒ کے مجدد کامل ہونے کی دلیل ہے وہاں قیامت تک دین میں نئی نئی چیزوں کو داخل کرنے والوں اور ان بدعات کی ترویج کرنے والوں کے جھوٹا ہونے کی بھی بڑی وزنی دلیل ہے۔ مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے علماء دین کو وصیت فرماتے ہوئے یہ دعا فرمائی ہے کہ وہ بدعات کو حسنہ کہنے سے پرہیز کریں۔ الحمدللہ مجدد صاحب جیسے ولی کامل کی یہ دعائے توفیق جن لوگوں کو نصیب ہوئی ہے وہ بدعات کو حسنہ کے مقابلے میں سنتوں کو حسن و نور بیان فرماتے ہیں اور جو لوگ انبیاء اور اولیاء سے کٹ چکے ہیں وہ دین میں نئی نئی چیزوں کو داخل کرنا عبادت اور سنت سمجھتے ہیں اور نبی کریم ﷺ نے بدعتیوں کو جو دعائیں فرمائی ہیں ان کے مصداق بن رہے ہیں۔ اب قارئین حضرات خود فیصلہ فرمائیں کہ حق پر کون ہے اور باطل پر کون اور سنی کون ہے اور بدعتی کون؟

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ط وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (سورۃ ال عمران آیت ۱۰۵)

ترجمہ: اور ان لوگوں کی طرح نہ بنو جنہوں نے دین میں تفرقہ اور اختلاف کیا، حالانکہ ان کے پاس روشن دلائل آ چکے تھے اور یہی وہ لوگ ہیں جن کو بڑا عذاب ہوگا۔ ہماری اس

تحریر کے وقت رابطہ عالم اسلامی جو دنیا کے بہت سارے علماء پر مشتمل ایک دینی تنظیم ہے اسکی طرف سے ممالک اسلامیہ سے یہ سفارش کی گئی کہ اذان کے اول وآخر میں جو الفاظ صلوٰۃ وسلام کے ایجاد کئے گئے ہیں ان سے پرہیز کرنا چاہیے۔ وزارت اوقاف نے اس سرکلر کو مساجد اوقاف کے نام روانہ کردیا مگر افسوس کہ اس ایمان افروز اور نظریات اہل سنت کے نمائندہ سرکلر کو بعض ذمہ داران حکومت نے عملی جامہ پہنانے کے بجائے پرلے درجے کی مداہنت اور فرائض منصبی کی ادائیگی سے غفلت برتنے کا ثبوت دیا، حالانکہ اولاً تو جو حکومت اپنے آپ کو اسلامی کہلانے کی دعویدار ہو قرآن وسنت اور چودہ سوسال کے متفقہ تعامل امت کی روشنی میں اس کا فرض ہے کہ وہ بدعات پر سخت قسم کی پابندیاں لگائے اور اس سلسلے میں کسی لچک آمیز رویے کو اپنائے بغیر اللہ کی مدد ونصرت پر بھروسہ کرتے ہوئے اہل بدعت کے حوصلوں کو توڑ کر رکھ دیتی کیونکہ مسلمانوں کے دنیاوی مسائل سے بڑھ کر دینی مسائل کے تحفظ کی ذمہ داری حکومت اسلامیہ پر عائد ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ط وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ. (سورۂ حج آیت ۴۱)

ترجمہ: یعنی کہ جن لوگوں کو ہم نے زمین میں حکومت واختیار دیا ہے انہوں نے نظام صلوٰۃ وزکوٰۃ کو قائم کرنا ہے اور نیکی کی تلقین اور برائیوں کے خلاف سینہ سپر ہونا ہے اور تمام کاموں کا انجام اللہ کے حوالے ہے۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے:

والمرادمن هذاتمكن السلطنة ونفاذ القول على الخلق

(تفسیر کبیر پارہ ۱۷ سورۂ حج ص ۴۱)

یعنی آیت میں سلطنت وحکومت کی ذمہ داریاں بیان ہوئی ہیں جس کی بڑی ذمہ داری اللہ کے قانون کا مخلوق پر نفاذ ہے۔ تفسیر کبیر میں یہ بھی درج ہے کہ ہمیشہ حکومت اللہ تعالیٰ کی رہے گی۔ دوسری حکومتیں لازماً ختم ہوکر رہیں گی۔ گویا ذمہ داران حکومت کو درس قرآن ہے کہ وہ اپنی عارضی عزت کو بچاتے ہوئے بدعات کا ہرگز ساتھ نہ دیں کیونکہ یہ ان کی ان ذمہ داریوں کے خلاف ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر عائد ہیں۔ علماء اہل سنت نے یہ بھی لکھا ہے کہ حکمرانان وقت بدعات پر قدغن لگائے رکھیں۔ مشہور محقق عالم علامہ ماوردیؒ فرماتے ہیں کہ اگر سلف صالحین کے عمل کے خلاف کچھ لوگ دین میں اضافہ وایجاد کرلیں جو لوگوں کو اس طرف دعوت دیتے ہوں اور گمراہ کرتے ہوں تو بادشاہ وقت پر فرض ہے کہ وہ طاقت کے زور سے اس بدعت کو ختم کردے اور دلائل شرعیہ کی روشنی میں ان کے نظریات کے فساد کو رعایا پر واضح کردے۔ علامہ ماوردیؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ بدعات کرنے والوں کے بھی حامی پیدا ہوسکتے ہیں۔ جیسا کہ ہر گمراہ کے ساتھ دینے والے ہوتے ہیں، علامہ ماوردی رحمۃ اللہ علیہ کی عربی عبارت ملاحظہ ہو۔

لزم السلطان ان یحسم بزو اجر السلطانة ظهور بدعة ویوضح بدلائل الشرع فساد مقالة فان کل بدعة مستمعاً ولکل مستغوٍ متبعاً

(الاحکام السلطانیۃ ص ۱۸۹)

علامہ ماوردی رحمۃ اللہ علیہ نے حکمرانِ وقت کی اس ذمہ داری کو اس اہمیت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ اگر کچھ لوگ ایسے ہوں جو کہلاتے تو علماء ہیں مگر ان کا نظریہ اور عمل

اجماع سلف اور قرآن وسنت کے خلاف بدعت کا ہو اور علماء حق نے ان باتوں کو مسترد کیا ہو اور وہ نہ مانتے ہوں تو بادشاہ ان کو منوائے اور اگر وہ باز آجائیں اور توبہ کریں تو انہیں معاف کردے ورنہ بادشاہِ وقت پر دین کا یہ حق ہے کہ وہ انہیں اخلاقِ دین سکھائے اور انہیں بدعات سے باز رکھے۔ علامہ ماوردی رحمۃ اللہ علیہ کی عربی عبارت ملاحظہ ہو

وھٰکذا لو ابتدع بعض المنتسبین الی العلم قولا خرق به الاجماع وخالف فیه النص وردقوله علماء عصره انکره علیه وزجره عنه فان اتلع وتاب والافلسطان بتهذیب الدین احق (الاحکام السلطانیہ ص۲۳۹)

علامہ ماوردی رحمۃ اللہ علیہ کی ان تحقیقات سے روزِ روشن کی طرح یہ بات واضح ہوئی کہ حکومت اسلامیہ کا عظیم فریضہ ہے کہ وہ بدعات پر پابندیاں لگائے بلکہ علامہ ماوردیؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر قرآن کے ترجمہ وتفسیر کے اندر کسی نے خیانت یا بدعت وتحریف کا ارتکاب کیا ہو تو حکومت وقت اس کے خلاف بھی سختی سے نوٹس لے۔ معلوم ہوا کہ اذان سے قبل یا اذان کے بعد مروجہ صلوٰۃ وسلام جو کہ فریق مخالف کے یہاں بھی مسلمہ بدعت ہے، پابندیاں لگانا رابطہ عالم اسلامی سے بڑھ کر حکومت پاکستان کی ذمہ داری تھی۔ اور اس سلسلے میں جس فرقہ نے بدعات کے لیے ماحول بنانے کے لیے قرآن کریم جیسی عظیم امانت خداوندی میں ترجمہ وتفسیر کے بہانے سے خیانت وبدعت کا جو ارتکاب کیا ہے جس کا واضح ثبوت حرمین شریفین کے علماء حق کا ''جو مرکز اسلام کی حیثیت رکھتے ہیں'' اس ترجمہ وتفسیر پر پابندی لگانے کا اقدام ہے بالکل یہی ذمہ داری سب سے زیادہ حکومت پاکستان پر عائد ہوئی ہے کہ وہ اللہ کے دین پر غیرت کرتے ہوئے قرآن عظیم کو تحریف سے بچاتے ہوئے

برادر اسلامی ملکوں کے ساتھ اتحاد کا ثبوت دیتے ہوئے اس ترجمہ وتفسیر پر پابندی لگائے اور اپنے فرائض منصبی جو اسلام کی طرف سے ان پر عائد ہیں ان سے سبکدوش ہو جائے کیونکہ علماء اہل سنت نے ترقی ونجات کا راستہ یہی بتایا ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

فالسعيد من تمسک بما كان عليه السلف و اجتنب عن ماحدث الخ (فتح الباری ج ۱۳ ص ۲۱۳)

یعنی سعادت مندی اور ترقی اس پر موقوف ہے کہ سلف صالحین کے طریقہ کو اپنایا جائے اور بعد میں آنے والوں نے جو بدعات نکالی ہیں ان سے بچ کر رہیں۔ مفسر اہل سنت علامہ آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ان القول بخلاف ماستقر عليه رای اهل سنة ابتدا ع .

(روح المعانی پارہ نمبر ۱۵ ص ۱۲۰)

بیشک سلف صالحین کے خلاف نظریہ اور عمل اختیار کرنا بدعت ہی ہے۔

ہم نے علماء اہل سنت کے یہ فیصلے اس لیے مدلل ذکر کر دیئے تا کہ حکمرانان وقت یہ سوچیں کہ رابطہ عالم اسلامی کی طرف سے بدعات کے خلاف سفارش ایک دینی پیغام تھا جس کو خوشدلی کے ساتھ قبول کرنا جہاں مسلمانوں کا فرض تھا وہاں حکومت وقت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے پابند تھی کہ وہ اس کو قانونی شکل میں نافذ کرتی۔ کیونکہ اللہ کے دین کے مقابلے میں کسی کا لحاظ کرنا اللہ کے عذاب کو دعوت دینے کے مترادف ہے جس کے بعد تمام نقشے بہت جلد کالعدم ہو جاتے ہیں۔ اگر ذمہ داران حکومت اس سلسلے میں مخلص اور سنجیدہ

ہیں تو وہ اس پر دونوں فریق کے سر برآوردہ علماء کو اپنے سامنے مباحثے کی دعوت دیں ہمیں اللہ جل جلالہ کی ذات اقدس پر اعتماد ہے کہ سات سو سال بعد کے ایجاد کردہ عمل کو دین کا حصہ کوئی بھی نہیں بنا سکتا اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ: ''الیوم اکملت لکم دینکم'' اٹل ہے اور اگر فریق مخالف یہ مان گیا کہ یہ دین کا حصہ نہیں ہے تو حکومت کا فرض ہوگا کہ وہ بغیر تاخیر کے قانونی حیثیت سے اس کو بند کر دے۔ ہمارا یہ بھی مخلصانہ مشورہ ہے کہ حرمین شریفین کے آئمہ جو در حقیقت کل کائنات کے مسلمانوں کے آئمہ ہیں، انہیں فیصلہ کرنے کا منصب سپرد کر دیا جائے۔

''لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ'' (سورۂ انفال آیت ۸)

اگر اس عظیم فرائض منصبی سے غفلت برتی گئی اور وقتی اغراض کے لیے بات گول مول کر لی گئی تو پھر یہ شکلیں بھی عنقریب گول مول نظر آئیں گی کیونکہ خالق کو مخلوق کے لئے یا اغراض نفسانیہ کے لیے ناراض کرنے والے کبھی بھی گرفت خداوندی سے بچ نہیں سکتے۔

''وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَ هُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ط بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ'' (سورۂ مؤمنون آیت ۷۱)

حکومت سے گذارش سے پیوستہ!

قرآن وسنت کے مسلمات کی روشنی میں یہ ایک حقیقت ہیکہ جہاں علماء اسلام کا فرض ہے کہ وہ حقانیت اسلام کو بغیر روک ٹوک کے بیان کریں، وہاں ارباب حکومت پر بھی یہ فرض ہے کہ اسلام کو منوائیں۔ (ملاحظہ ہو تفسیر کبیر پارہ ۲۵ ص ۱۲۵ سورۂ سجدہ) گویا فرائض

منصبی تقسیم کئے گئے ہیں کہ علماء کرام کے ذمہ بیان ہوا اور ارباب حکومت کے ذمہ نفاذ ہو۔ اب اگر یہ لوگ اپنے اپنے فرائض بجالائیں تو انبیاء کے جانشین ہوں گے اور اللہ جل جلالہ کا سایہ رحمت ہوگا۔ مگر اپنے مقررہ امور کو نظر انداز کرنے کے بعد ان کا جو حال ہوت ہے وہ شافع محشر ﷺ کے ارشاد کی روشنی میں سن لیجئے

" اذاظهرت الفتن وسب اصحابى فليظهر العالم علمه فمن لم يفعل فعليه لعنة الله والملئكة والناس اجمعين لايقبل الله منه صرفاً ولا عدلا"

(میزان الاعتدال ج ۳ ص ۶۳۰)

"جب فتنے اور بدعات ظاہر ہونے لگیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہا جانے لگے تو علماء کو چاہیے کہ وہ اپنے علم کے ذریعے مقابلہ کریں اور اگر نہیں کیا تو اس پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور تمام مخلوقات کی لعنت ہو۔ اللہ نہ ان کا فرض قبول کرے گا اور نہ نفل"۔ معلوم ہوا کہ ساری عزت دین کے لئے تھی اور جب اس دین کا بیان یا نفاذ نہ کیا تو اب اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا سخت غضب و پھٹکار برس رہا ہے۔

بحمد اللہ تم

احسن العطر فی تحقیق الرکعتین بعد الوتر

یعنی

رات کی آخری نماز وتر ہونی کی تحقیق

فہرست

(۱) ایک علمی شبہ اور اس کا جواب	۹۸
(۲) رکعتین بعد الوتر کے بارے میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی آراء گرامی	۹۹
(۳) یہاں پر مندرجہ ذیل فوائد سمجھنے کے ہیں	۱۰۰
(۴) صرف روایات میں آنا عمل کے لئے کافی نہیں	۱۰۲
(۵) طرفہ تماشہ	۱۰۳

عرضِ مؤلف

الحمد للہ رب العالمین وسلام علیٰ عبادہ المرسلین لا سیما علیٰ سید الاولین والآخرین امام الانبیاء و المتقین شفیع المذنبین یوم الدین وعلیٰ الہ و اصحابہ افضل الخلائق بعد النبیین اما بعد

وتروں کے بعد دو رکعت نفل پڑھنے کی جو عادت ہے کہ بعض حضرات وتروں کے بعد کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر دو رکعت نفل بھی پڑھتے ہیں جبکہ محققین کے نزدیک وتروں کے بعد کوئی نفل پڑھنا خلاف تحقیق اور غیر مستحب ہے اور اس قسم کے تمام نوافل وتروں سے پہلے پڑھنا چاہیے۔ اس وقت احسن المسائل میں ہم نے اختصار کے ساتھ عوام کی اصلاح اور اہل علم کی اطلاع کے لئے عرض کیا تھا کہ فقہاءِ دین اور آئمہ مجتہدین وتروں کے بعد دو رکعت نفل پڑھنے کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ خود رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی وتروں کو آخر میں پڑھنے کے بارے میں ہے اور آپ ﷺ کا عمل مبارک بھی وتروں کو آخر میں پڑھنے کا تھا۔ ہماری فقہ حنفی کی کسی مستند کتاب میں وتروں کے بعد دو رکعت نفل پڑھنے کو نہیں لکھا ہے۔ بلکہ **نور الا یضاح** اور **قدوری** سے لیکر **ھدایہ** اور فتح القدیر تک اور خلاصۃ الفتاویٰ سے عالمگیری اور شامی تک، البحر الرائق اور نصب الرایہ، بزازیہ اور قاضی خان وغیرہ تمام مستند

اور معتمد کتب میں وتروں کا آخر میں پڑھنے کو بہتر اور افضل کہا گیا ہے۔ وتروں کے بعد نوافل کو ذکر ہی نہیں کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں چونکہ کچھ اہل علم کی طرف سے اشکالات سامنے آئے ہیں اس لئے راقم الحروف نے اس موضوع پر رسالہ لکھنے کا ارادہ کیا جو انشاء اللہ العزیز اس بحث کیلئے معلومات اور تسلی کا باعث ثابت ہوگا۔

نمبر ۱ : زیرِ نظر رسالہ حاشا وکلا کوئی نئی چیز منوانے یا علماء کو کسی چیز پر مجبور کرنے کے لئے ہر گز نہیں لکھا گیا بلکہ ارباب علم کی خدمت میں دعوتِ علمی ہے اور اس بارے میں اگر حدیث اور رجال سمجھنے والے حضرات کچھ فرما دیں تو انشاء اللہ العزیز دل کی گہرائیوں سے بصد شکر صرف قبول نہیں کی جائیگی بلکہ اطاعت کی جائیگی ۔ ہاں بات فن کی ہو اور موضوع سے متعلق ہو، جو لوگ حدیث اور رجال سمجھے بغیر صرف عوام کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں تو ان کو اتنا عرض ہے کہ

تیرا جی نہ چاہے تو بہانے ہزار ہیں
آنکھیں اگر بند ہیں تو پھر دن بھی رات ہے

نمبر ۲ : جو حضرات ذوقِ علم رکھتے ہوں اور رسالہ ھذا کو غور سے پڑھیں وہ یقیناً وتروں سے پہلے نفل پڑھنے کو ترجیح دیں گے جو کہ اس رسالے کا مقصد تصنیف ہے۔ مگر جو حضرات رسالہ ھذا کو پڑھنے کے بعد بھی نہ سمجھیں تو ان سے معذرت ہے۔ اگر وہ حسبِ سابق پڑھنا چاہیں تو پڑھتے رہیں، ہمیں ان سے کوئی سروکار نہیں۔

نمبر ۳ : زیرِ نظر رسالہ چونکہ وتروں کے بعد دو نفل پڑھنے سے متعلق ہے اس لئے دیگر نوافل اور سنن کی بحث سے اس میں اجتناب کیا گیا ہے۔ تہجد کا ذکر بھی ضمناً آچکا ہے جیسا

کہ قارئین حضرات پر واضح ہوگا۔

”احسن العطر فی تحقیق الرکعتین بعد الوتر“

رکعتین بعد الوتر پہ بحث کرتے ہوئے علماءِ حنفیہ کے سرخیل اور رجال اور اسانید کے ماہر شیخ جمال الدین زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نصب الرایہ میں رقم طراز ہیں:

حدیث فی الصلوٰۃ بعد الوتر ، اخرجه مسلم ، عن عائشه رضی الله عنها فی حدیث طویل، قالت کنا نعد له سواکه وطهوره ، فیبعثه الله ماشاء ان یبعثه من اللیل فیتسوک ویتوضاء و یصلی تسع رکعات لا یجلس فیهن الا فی الثامنة فیذکر الله ویمجده و یدعوه ثم یسلم تسلیماً یسمعنا ثم یصلی رکعتیں بعد ما یسلم، وهو قاعد، وفی لفظ : کان یصلی ثمان رکعات ثم یوتر ثم یصلی رکعتیں وهو جالس فاذا اراد ان یرکع ، قام فرکع ، قال النووی فی "الخلاصه" ورویت صلاة الرکعتیں بعد الوتر ، عن النبی ﷺ من حدیث ابی امامة رضی الله عنه و انس رضی الله عنه و ام سلمةرضی الله عنها و ثوبان رضی الله عنه و معظمها ضعیف ، و حدیث عائشة رضی الله عنها محمول علیٰ انه علیه السلام فعله مرة ،او مرات ، لبیان الجواز فان الروایة الصحیحة عن عائشه رضی الله عنها و خلائق من الصحابة ، ان آخر صلا ته فی اللیل کان وترا ، مع حدیث ابن عمر رضی الله عنه ان النبیﷺ قال اجعلو اٰخر صلاتکم باللیل وترا (متفق علیه) والله اعلم انتهیٰ کلامه (نصب الرایہ ج۲ص۱۳۷)

ترجمہ: وتروں کے بعد نماز کی حدیث کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے طویل نقل کیا ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ ہم آنحضرت ﷺ کے لئے مسواک اور آپ ﷺ کے وضو کا پانی تیار رکھتے تھے، پس اللہ آپ ﷺ کو اٹھنے کی توفیق عطا فرمادیتے، جب بھی آپ ﷺ رات کو اٹھتے مسواک فرماتے وضو کرکے نو رکعات پڑھتے آٹھ رکعات کے بعد آپ ﷺ بیٹھ جاتے، اللہ کا ذکر اور بڑائی بیان کرنے میں مصروف رہتے پھر سلام پھیرتے اور ہمیں سناتے۔ سلام کے بعد دو رکعات پڑھتے اور آپ ﷺ بیٹھے ہوئے ہوتے اور یہ الفاظ بھی ہیں کہ آپ آٹھ رکعات پڑھتے اور دو رکعات بیٹھ کر پڑھتے۔ پس جب آپ ﷺ رکوع کا ارادہ فرماتے تو کھڑے ہوکر رکوع فرماتے۔ امام نوویؒ نے **خلاصہ** میں کہا ہے کہ وتروں کے بعد دو رکعات حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے لیکن یہ روایات بنیادی طور پر ضعیف ہیں۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت بیان جواز پر محمول ہے اس لئے کہ صحیح روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اور دیگر مخلوقات صحابہ سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کی آخری نماز وتر ہوتی تھی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم رات کی آخری نماز وتر پڑھو۔

امام زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے وتر کے بعد کے نوافل کی روایت کو ضعیف قرار دیا ہے اور وتر کو رات کی آخری نماز بنانے کو صحیح قرار دیا ہے۔ اور یہی حق ہے۔

محقق علی الاطلاق وکیل الحنفیہ بالاتفاق حافظ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

اوتر قبل النوم ثم قام من الليل فصلی لا یوتر ثانیاً لقولهﷺ لا وتران فی لیلة و لزمه ترک المستحب المفاد بقولهﷺ اجعلوا آخر صلاتکم باللیل وترا لانه لایمکن شفع الاول لا متناع التنفل برکعة اوثلاث (فتح القدیر ج۱ص۳۸۲)

ترجمہ : سونے سے پہلے وتر پڑھ لے پھر رات کو اور نماز پڑھے تو وتر دوبارہ نہ پڑھے اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک رات میں دومرتبہ وتر پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ ہاں وتر پڑھنے سے مستحب کا ترک لازم آ گیا جو تقاضہ ہے آنحضرت ﷺ کی اس حدیث کا جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ وتر کو رات کی آخری نماز بناؤ اس لئے کہ وتروں کے بعد نماز پڑھنے سے وتر کا آخر میں ہونا ختم ہو جاتا ہے ۔

ابن القاسم کہتے ہیں" **و سألت مالکاً عن الرجل یوتر فی المسجد ثم یرید ان یتنفل فی المسجد ،قال یترک قلیلاً ثم یقوم فیتنفل ما بدا له ، قالت فان اوتر فی المسجد ثم انقلب الیٰ بیته ایرکع ان شاء قال نعم** "(المدونۃ الکبریٰ ج۱ص۹۸)

ترجمہ : ابن القاسم کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جس نے مسجد میں وتر پڑھ لئے پھر اس کا ارادہ ہوا مسجد میں نفل پڑھنے کا ؟ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ کچھ دیر ٹھہرے پھر کھڑے ہو کر نفل پڑھ سکتا ہے۔ میں نے کہا کہ اگر مسجد میں وتر پڑھنے کے بعد گھر چلا گیا اور وہاں نفل پڑھنا چاہے، اس پر امام مالکؒ نے کہا کہ پڑھ سکتا ہے۔

رکعتیں بعد الوتر کی جملہ روایات رکعتین قبل الوتر پر محمول ہو سکتی ہیں۔جیسا کہ محدث کبیر الشیخ البنوری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح ابواب الوتر میں لکھا ہے۔امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے

رکعتین بعد الوتر کے تمام طرق نقل کرنے کے بعد لکھا ہے **قال الامام یحتمل ان یکون المراد به رکعتان بعد الوتر ویحتمل ان یکون اراد فاذا اراد ان یوتر فلیرکع رکعتین قبل الوتر** (السنن الکبری للبیہقی ج ۳ ص ۳۳)

ترجمہ : دو رکعات وتروں کے بعد پڑھی گئی ہو اور یہ بھی احتمال ہے یہ دو رکعات وتروں سے پہلے کی ہوں۔

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں احتمال ثانی یعنی رکعتین قبل الوتر کو اختیار کرتا ہوں اور میرے شیخ امام العصر مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے کشف الستر کے اندر اسی کو اختیار فرمایا ہے۔

ایسا ہی ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ میں اور طبقات شافعیہ میں بھی رکعتین قبل الوتر کو اختیار کیا ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ظاہر فرمایا ہے کہ وتر کے بعد رکعتین منسوخ ہوئی ہیں چنانچہ انہوں نے باب باندھا ہے

باب من قال یجعل اٰخر صلاته وترا وان الرکعتین بعدها ترکتا

(بیہقی ج ۳ ص ۳۴)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے آخری نماز وتر ہونے کے سلسلے میں تمام روایات باسانید جلیلہ صحیحہ نقل فرمائیں جن سے آخر میں وتر پڑھنے کی تاکید ثابت ہوتی ہے۔ امام دارمی رحمۃ اللہ علیہ اور امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ بزرگوں نے اپنے اپنے سنن میں یہ روایت نقل کی ہے کہ وتر کے بعد دو رکعات نفل پڑھی جائیں یہ تہجد کے قائم مقام ہوں گی۔ اس سلسلے میں اسانید سے قطع نظر امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ان دو رکعت کو قبل الوتر پر محمول

فرمایا ہے اور حافظ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے وتروں کے بعد نفل کو غیر مستحب یعنی غیر اولیٰ فرمایا ہے۔ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ شام کے اندر عشاء کے بعد جو نفل پڑھے جائیں ان کو تہجد کے قائم مقام معتبر فرمایا ہے ملاحظہ ہو ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

وما كان بعد صلوٰة العشاء هو من الليل وهذا يفيد ان هذه السنة تحصل بتنفل بعد صلوٰة العشاء قبل النوم (فتاوٰی شام ج۱ص۴۵۹)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے رکعتین بعد الوتر کی روایت کو اعتناءً ذکر نہیں فرمایا اس لئے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جو روایت قابل اعتبار ہوتی ہے اس پر باب باندھتے ہیں چنانچہ محدث العصر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شرح ابواب الوتر میں یہی جواب دیا ہے بلکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یوں باب باندھا ہے

"باب ليجعل اٰخر صلاته وترا" (بخاری ج۱ص۱۳۶)

اور اس کے بعد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ "**اجعلوا اٰخر صلوتكم بالليل وتراً**" جو باتفاق محدثین والفقہاء اصح ترین روایت ہے جیسا کہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان سے ظاہر ہوا ہے۔واضح رہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ابواب الوتر میں رکعتین بعد الوتر کے قولاً وفعلاً خلاف موجود ہے۔ہم بطور نمونہ کے کچھ عرض کرتے ہیں قولی روایت تو ابن عمر رضی اللہ عنہ کی گزر گئی قولاً دوسری بھی ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ہے چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

"ان رجلا سئل النبی ﷺ من صلوٰة الليل فقال رسول اللهﷺ صلوٰة الليل مثنى مثنى

فاذا خشی احدکم الصبح صلی رکعة واحدة یوتر له (بخاری ج ۱ ص ۱۳۵)

ترجمہ: ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے رات کی نماز پوچھی آپ ﷺ نے فرمایا کے رات کو دو دو رکعات نفل پڑھنا چاہئیں جب صبح ہونے لگے تو (دو رکعات کیساتھ) ایک اور رکعات ملا دی جائے اور وتر پڑھ لئے جائیں۔ اس روایت میں صاف وصریح الفاظ کے اندر نبی کریم ﷺ نے رات کی نماز کے آخر میں وتر بیان فرمائے اور دو رکعت بعد الوتر کا کوئی ذکر نہیں فرمایا چنانچہ اسی روایت کے ذیل میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

واستدل بهذا علی انه لا صلوٰة بعد الوتر (فتح الباری ج ۲ ص ۳۹۹)

یعنی اس روایت سے استدلال کیا گیا ہے کہ وتروں کے بعد (نفل کی) کوئی نماز نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ابوسلمہ رضی اللہ عنہا کے واسطے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو نقل کر کے علماء کی طرف سے جواب دیدیا۔ روایت یوں ہے'' **کان یصلی رکعتین بعد الوتر جالسا**'' آپ وتروں کے بعد دو رکعت بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ **اجاب من لم یقل بذالک بان الرکعتین المذکورتین هما رکعتا الفجر** (**فتح الباری**) اس بات کی ہم ان شاءاللہ وضاحت کریں گے کہ وتروں کے بعد کی رکعات کی جملہ روایات یا تو ضعیف ہیں اور یا رکعتین فجر کی ہیں اور یا رکعتین قبل الوتر پر محمول ہیں ''**کما فی البیهقیؒ والمرقاة للقاریؒ وشرح ابواب الوتر للبنوری**'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر رات کو ٹھہرا تا کہ آنحضرت ﷺ کے معمولات شب دیکھ سکوں۔ اس تفصیلی روایت کے آخر میں ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

''ثم صلیٰ رکعتین ثم صلیٰ رکعتین ثم صلیٰ رکعتین ثم صلیٰ رکعتین ثم صلیٰ رکعتین ثم صلیٰ رکعتین ثم اوتر ثم اضطجع حتی جاء المؤذن فقام فصلی رکعتین ثم خرج فصلی الصبح (بخاری ج۱ص۱۳۵)

اس روایت میں تمام نوافل وتر سے پہلے ہیں۔ وتروں کی آپ ﷺ نے جو دو رکعت پڑھی ہیں وہ **رکعتین قبل الفجر** ہیں ایسے ہی بخاری شریف میں ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے

کا ن النبی ﷺ یصلی من اللیل مثنی مثنی ویو تر برکعۃ ویصلی رکعتین قبل صلوٰۃ الغداۃ (بخاری ا ص۱۳۵،۱۳۶)

یعنی آنحضرت ﷺ رات کو دو دو رکعات نفل پڑھتے تھے آخر میں ایک اور ملا کر وتر پڑھ لیتے تھے وتروں کے بعد نماز فجر سے پہلے دو رکعات سنت فجر پڑھتے تھے اس روایت میں بھی تصریح ہے کہ آنحضرت ﷺ وتروں کے بعد جو دو رکعات پڑھتے تھے وہ فجر سے پہلے کی دو سنتیں ہوتی تھیں۔ چنانچہ بخاری شریف میں روایت ہے جس میں حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ سے آنحضرت ﷺ کی رات کی نماز جو آپ رمضان شریف میں پڑھتے تھے دریافت فرمائی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا

'' ما کان رسول اللہ ﷺ یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علیٰ احدی عشرۃ رکعۃ یصلی اربعاً فلا تسأل عن حسنھن وطولھن ثم یصلی ثلاثا

(بخاری ج۱ ص۱۵۴)

ترجمہ :جناب رسول اللہ ﷺ رمضان شریف میں اور اس طرح رمضان کے علاوہ بھی رات

کو گیارہ رکعت پڑھتے تھے جن میں آخری تین رکعت وتروں کی ہوتی تھیں اس روایت میں آخری نماز وتر کی ہے وتروں کے بعد کوئی نفل نہیں ہیں۔ واضح رہے اس روایت میں آٹھ رکعت نماز تہجد قرار دے دی گئیں ہیں چنانچہ علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ حنفی شرح بخاری میں فرماتے ہیں کہ آٹھ رکعات نماز تہجد آپ ﷺ عام طور پر پڑھتے تھے (عمدۃ القاری ج ۴ ص ۸) چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت جو بخاری کے حوالے سے اوپر گزری ہے اس میں تہجد کی بارہ رکعات مذکور تھیں جب کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت میں آٹھ رکعات کا ذکر ہے محدثین اور فقہاء نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ کبھی کبھی بارہ بھی پڑھتے تھے۔ چنانچہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بارہ رکعات تہجد کا قول نقل کیا ہے ملاحظہ ہو (شرح شمائل ترمذی ص ۱۵۸،۱۵۹)

علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے فتاوی شام (ج ۱ ص ۴۶۰) پر لکھا ہے کہ تہجد کی کم از کم دو رکعات ہیں۔ واکثرہ ثمان اور انتہائی آٹھ (۸) رکعات ہیں۔ یہ تعداد بھی عام حالات کے مطابق ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے ذیل میں بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ صرف انتہائی نماز تہجد کی تو وہ بارہ رکعات ہی ہیں جس کی وضاحت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔ بعض لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں آٹھ رکعات کو تراویح کی نماز سمجھا ہے مگر محققین نے اسے نادانی اور غفلت پر محمول کیا ہے۔ ورنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تو خود ''فی رمضان ولا فی غیرہ'' فرماتی ہیں۔ پھر تو رمضان شریف کے علاوہ بھی غیر مقلدین کو تراویح کی نماز پڑھنی پڑے گی۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ عکس نام نہد زنگی را کافور

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے جال میں صیاد آ گیا

ایسے ہی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور باب باندھا ہے۔

باب کیف صلوٰۃ اللیل و کیف کان النبی ﷺ یصلی باللیل

(بخاری ج ا ص ۱۵۳)

اس کے بعد ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل فرمائی جس کے آخر میں صرف وتر ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کے شاگرد مسروق رحمۃ اللہ علیہ نے آنحضرت ﷺ کی رات کی نماز پوچھی تو انہوں نے جواب دیا

فقالت سبع و تسع و احدیٰ عشر سوی رکعتی الفجر

(بخاری ج ا ص ۱۵۳)

اس میں بھی رات کی آخری نماز یعنی وتروں کے بعد رکعتین قبل الفجر ہیں۔ وتروں کے بعد کے نفلوں کا ذکر نہیں ہے اور اس سے زیادہ واضح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت موجود ہے۔

عن عائشہ رضی اللہ عنہا قالت کان النبی ﷺ یصلی من اللیل ثلاث عشرۃ رکعۃ منہا الوتر و رکعتا الفجر (بخاری ج ا ص ۱۵۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ رات کو تیرہ رکعات پڑھتے تھے جن میں وتر اور رکعتین قبل الفجر بھی ہوتی تھیں۔ راقم آثم عرض کرتا ہے کہ جس روایت میں حضرت عائشہ صدیقہ نے گیارہ رکعات کو ذکر فرمایا۔ اس میں رکعتین قبل الفجر سمیت

تیرہ (۱۳) ہوگئیں۔اس آخری روایت میں وتر اور فجر کی سنتیں مذکور ہیں۔اس کے ذیل میں حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ

’’ وینبغی ان یستحضر هنا ما تقدم فی ابواب الوتر من ذکر رکعتین بعد الوتر والاختلاف هل هما الرکعتین بعد الفجر او صلوٰۃ مفردۃ بعد الوتریؤیدہ ما وقع عند احمدؒ و ابی داؤد من روایت عبد اللہ بن ابی قیس عن عائشه رضی اللہ عنهابلفظ کان یوتر باربع و ثلاث و ست وثلاث و ثمان وثلاث و عشر وثلاث ولم یکن یوتر باکثر من ثلاث عشر ولاانقص من سبع و هذا اصح ما وقفت علیه من ذالک و به یجمع بینما اختلف عن عائشهؓ من ذالک (فتح الباری ج۳ص۱۷)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی تفصیل، تحقیق و تطبیق کا خلاصہ یہ ہے کہ ابواب الوتر میں وتروں کے بعد جو دو رکعت مذکور تھیں اس میں اختلاف تھا کہ وہ رکعتیں قبل الفجر ہیں یا رکعتین بعد الوتر ہیں۔یہاں یہ بات واضح ہوئی کہ وہ رکعتین قبل الفجر تھیں جس کی تائید مسند احمد، سنن ابی داؤد کے اندر عبداللہ بن ابی قیس کی روایت جو حضرت عائشہ سے ہے اس سے ہوتی ہے جس میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ آپ ﷺ چار رکعات کے ساتھ تین رکعات چھ رکعات کے ساتھ تین رکعات آٹھ رکعات کے ساتھ تین رکعات اور دس کے ساتھ تین رکعات پڑھتے تھے۔اس روایت میں تین کے بعد کوئی ذکر مزید نوافل کا نہیں ہے اور جو دو رکعات بعض روایات میں ہیں ان کا ذکر یہاں صراحت سے ہوا منها الوتر ورکعتا الفجر کہ وتروں کے بعد وہ دو رکعات سنت فجر کی تھیں۔حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے هذا اصح ما وقفت علیه کہہ کر اس کی تصحیح فرمائی۔(جامع ترمذی ج۱ص۱۰۸) ام سلمہؓ

کی روایت رکعتین بعد الوتر کی ہے مگر اس روایت میں میمون بن موسی مرائی ہے جو حد درجہ کا ضعیف ہے چنانچہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

میمون بن موسیٰ ضعیف الحدیث وقال احمد کان یدلس وقال النسائی لیس با القوی (میزان الاعتدال ج۴ص۲۳۴)

پس یہ روایت تو ضعیف ہوگئی۔ چنانچہ صاحب قوت المغتذی فی شرح الترمذی لکھتے ہیں

ھذا مخالف لقولہ ﷺ اجعلو آخر صلوتکم باللیل وترا

(قوت المغتذی علی شرح الترمذی ج۱ص۱۰۸)

یعنی یہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادگرامی کے خلاف ہے جس میں آپ ﷺ نے آخر میں وتر پڑھنا فرمایا ہے آگے آئمہ کے اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں

ولا یعتبر ممن یعتقد بسنیۃ ھاتین الرکعتین ویدعو الیہ بجھالتہ وعدم انسہ با الاحادیث الصحیحہ

(قوت المغتذی علی الترمذی ج۱ص۱۰۸)

یعنی ان لوگوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور جو بوجہ جہالت اور احادیث صحیحہ نہ سمجھنے کے لوگوں کو اس کے پڑھنے کی دعوت دیتے ہیں اور سنت سمجھتے ہیں۔ ہر روایت میں ضعیف راوی کے آنے سے روایت ضعیف ہو جاتی ہے جیسا کہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے **الباحث** ''میں اور ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے **مقدمہ**'' میں اور علامہ عبد العزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ نے ''کوثر النبی'' میں تصریح کی ہے یہ اصول محدثین کے یہاں مسلمہ

ہے جس کی تفصیل ابن ابی حاتم رازیؒ کی کتاب الجرح والتعدیل میں ہے۔ ہم نے اپنے رسالہ

التنقیح المتین فی تحقیق اطلبو العلم ولو با لصین

میں اسکو پورے بسط کے ساتھ عرض کیا ہے جوان شاء اللہ العزیز باعث تسلی ثابت ہوگا۔ بطور تمثیل کے عرض کیا جا تا ہے کہ خاتم المحد ثین وسند المفسر ین وقد وۃ آئمۃ الجرح والتعدیل امام العصر حضرت مولا نا انور شاہ الکشمیر ی الدیو بندی رحمۃ اللہ علیہ ایک روایت کو راوی کی وجہ سے ضعیف قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں

وفی سنده کلام من جا نب ابی عبید ه فا نه ضعیف عند المحد ثین

یعنی اس روایت پر ابوعبیدہ کی وجہ سے اعتراض ہے کیونکہ وہ محدثین کے نزدیک ضعیف ہے آگے چل کر مزید لکھتے ہیں ''**فلا اعلم وجه اخر اجه مع ضعف الراوی**'' یعنی باوجود راوی کے ضعیف ہونے کے اس کو کیونکر نقل کیا ہے ملاحظہ ہو(**عرف الشذی علی التر مذی ج ا ص ۱۰۸**)ابوداؤد کے اندر حضرت عائشہؓ کی روایت ہے تیرہ رکعات نماز شب کی اس کے ضمن میں علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

فیصیر وتره ثلاثاونفله ثما نیا والر کعتا ن للفجر

(عمدۃ القاری شرح بخاری ج۴ص۴)

یعنی آپ کے وتر تین رکعات اور نفل آٹھ رکعت اور فجر کی دو رکعات سنت تھیں۔ راقم آثم عرض کرتا ہے چونکہ جناب نبی کریم ﷺ وتر کو آخر میں پڑھتے تھے جن کے بعد آپ ﷺ رکعتین قبل الفجر ہی پڑھتے تھے ۔جیسا کہ حدیثوں میں وتروں کے بعد متصل

سنت فجر کا ذکر آتا ہے شاید اس وجہ سے آپ ﷺ نے بعض دفعہ تھک کر بیٹھ کر پڑھ لی جس کی وجہ سے جالساً کا ذکر آتا ہے یہ نہ کہا جائے کہ سنت فجر بیٹھ کر ثابت نہیں ہے کیونکہ ابو داؤد کی روایت میں یہ تصریح موجود ہے کہ آپ ﷺ نے بین الاذنین دو رکعات بیٹھ کر پڑھ لی اور یہ ظاہر ہے کہ اذان اور تکبیر کے درمیان فجر ہی پڑھی جاتی ہے

ان السنة اداؤهما قياما فان الجلوس كان لعذر (ترمذی ج ۱ ص ۱۰۷)

یعنی بیٹھ کر سنت فجر پڑھنا کسی عذر سے تھا یا نفس جواز سمجھانے کے لئے ملاحظہ ہو (بذل المجہود فی حل ابی داؤد ج ۲ ص ۲۵۹)

پس یہ احتمال یقین کے درجہ میں ہوا کہ وتروں کے بعد آپ ﷺ سنت فجر ہی پڑھتے تھے اگرچہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ آئمہ حدیث نے یہ فرمایا ہے کہ وتروں کے بعد دو رکعت نفل آپ ﷺ پڑھ چکے تھے۔ مگر بعد میں آپ ﷺ نے اس کو ترک فرما دیا تھا۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ یہ احتمال ہے کہ یہ دو رکعت آپ ﷺ وتروں سے پہلے پڑھتے تھے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ بھی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں تین جواب دے چکے ہیں۔ پہلا جواب کہ یہ دو رکعات ابتداء میں پڑھی جاتی تھیں بعد میں منسوخ ہوگئیں ''**اجعلو آخر صلوٰتکم بالليل وترا**'' سے اور دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ یہ دو رکعات وتروں سے پہلے پڑھی جاتی تھیں۔ اور تیسرا جواب یہ دیا ہے کہ یہ دو رکعات فجر کی دو سنتیں تھیں۔

حضرت مولانا عبدالعزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ نے رکعتین بعد الوتر کی روایت کو بمقابلہ احادیث صحیحہ قولیہ وفعلیہ کے ضعیف قرار دیتے ہوئے بطور تمثیل کے لکھا ہے کہ رکعتین بعد الوتر کی روایت ''**اجعلو اآخر صلوٰتکم باللیل وترا**'' کے مقابلے میں

مأ ول ہے یعنی (محتاج تاویل) آگے انہوں نے تین تاویلیں پیش کی ہیں چنانچہ لکھتے ہیں:
عن ابی امامة رضی اللہ عنه قال کان رسو ل اللہ ﷺ یصلی رکعتین بعد الوتر وھوجا لس یقرأفیھما واذا زلزلت وقل یا ایھا الکفرون رواہ احمد ،وعن ابن عمر رضی اللہ عنه یر فعه اجعلو اآخر صلو تکم با للیل وترا ، رواہ الشیخان والجو اب عنه بثلاثة وجوہ احدھا انکا ر الحد یث الاول وھو قول ما لکؒ ثانیھا ان الحدیثالاول لبیا ن الجواز والثانی علی الاستحباب ثا لثھا ان الر کعتین ملحقا ن بالو تر و ستشکل الامام احمدؒ التطبیق والتر جیح فقال لا اصلیھما ولا انھی عنھما (کوثر النبی ص۳۴)

ترجمہ ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ وتروں کے بعد دو رکعات بیٹھ کر پڑھتے تھے۔پہلی رکعت میں سورۃ زلزال اور دوسری رکعت میں سورۃ کافرون پڑھتے تھے عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وتر کو رات کی آخری نماز بناؤ۔اس کے تین طرح جوابات دیئے گئے ہیں پہلا یہ کہ وتروں کے بعد دو رکعات کی روایت سے انکار کیا گیا ہے جیسا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ انکار فرماتے تھے،دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ پہلی روایت سے صرف جواز ثابت ہوتا ہے جبکہ دوسری روایت میں امر مستحب بیان ہوا ہے یعنی ابوامامہؓ کی روایت سے زیادہ سے زیادہ وتروں کے بعد دو رکعات بیٹھ کر پڑھنے کا جواز ثابت ہوتا ہے لیکن عبداللہ ابن عمرؓ کی روایت سے وتروں کے بعد نفل نہ پڑھنا ثابت ہوتا ہے اور مستحب یہی ہے راقم آثم عرض کرتا ہے **اجعلو** اصیغہ امر کا ہے اور امر کا موجب بمقتضائے اصول وجوب کا ہے یعنی جہاں

امر اور حکم وارد ہو اس سے وجوب ثابت ہوتا ہے لہذا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے وتروں کے بعد دو رکعات سے انکار اسلئے فرمایا کہ وجوب جو تقاضہ ہے **اجعلوا** قول رسول ﷺ کا اسکے ہوتے ہوئے دو رکعات صحیح نہیں ہوسکتیں۔ دوسرے جواب کا منشاء بھی اصولی ہے وہ یہ کہ امر کا موجب کبھی استحباب ہوتا ہے لہذا نہ پڑھنا مستحب ہوا ملاحظہ ہو

(نور الانوار ص ۲۷، حسامی ص ۲۷، اصول بزدوی، اصول سرخسی **ذیل مبحث فی الامر**)

تیسرا جواب یہ کہ رکعتین بعد الوتر وتر ہی کی دو رکعات ہیں گویا راوی نے علیحدہ ذکر کیا لیکن درحقیقت یہ وتروں ہی کی دو رکعات تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں ان دو رکعات کو نہ پڑھوں گا اور نہ اس سے منع کروں گا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا منع نہ فرمانا احتیاط پر مبنی ہے ورنہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ جیسے عظیم حامل حدیث بزرگ کا وتروں کے بعد نہ پڑھنا ہی کافی ہے۔ چنانچہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح نگاروں نے لکھا ہے

سئل احمد کیف حفظت الاحادیث کلھا فاجاب ما سمعت حدیثاالا عملت به

یعنی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ نے لاکھوں احادیث کیسے یاد فرمائیں انہوں نے جواب دیا کہ جب بھی میں نے کوئی حدیث سنی ہے اس پر عمل ضرور کیا۔ واضح رہے کہ چوتھا جواب بھی موجود ہے جو ہم فتح الباری اور عمدۃ القاری کے حوالے سے نقل کر آئے ہیں وہ یہ کہ دو رکعات بعد الوتر سنت فجر تھی چنانچہ اسی جواب کو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں واشگاف الفاظ میں نقل کیا ہے جو قبل میں گزر چکا ہے۔

ایک علمی شبہ اوراس کا جواب

صحیح مسلم شریف (ج۱ص۲۵۴) رکعتین بعدالوتر کی روایت میں کـا ن یـصلـی کے الفاظ آتے ہیں ہمارے دور کے بعض فاضل علماء نے اس سے دوام اوراستمرار سمجھا ہے چنانچہ ایک گفتگو کے درمیان ہمیں یہی معلوم ہوا جبکہ امام نو وی ؒ نے شرح مسلم میں اسی حدیث کے ذیل میں اس کا جواب دیا ہے فرماتے ہیں

ولا تـغتـر بـقـولهـا كـان يـصـلـى فان مختار الذى عليه اكثرون والمحققون من الاصوليين ان لفظة كان لا يلزم منها الدوام والتكرار ملاحظہ ہو

(شرح نو وی علی المسلم ج۱ص۲۵۴)

یعنی لفظ کان سے دھوکہ نہ کھانا اس لئے کہ اکثر علماء محققین اصولیین کے نزدیک لفظ کان سے دوام وتکرار لازم نہیں آتا۔ محدث العصر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی فرمایا ہے ملاحظہ ہو۔　　　　　　　(معارف السنن ج۱ص۴۶۶، ج۵ص۱۱۴)

رکعتین بعد الوتر کے بارے میں ملا علی قاریؒ کی آراء گرامی

ابن ماجہ کی ایک روایت پر کلام کرتے ہوئے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

ولعله كان كله قبل قوله عليه الصلوٰة والسلام اجعلوا اٰخر صلوتكم بالليل وترا

یعنی وتروں کے بعد دو کی رکعات کی جملہ روایات آنحضرت ﷺ کی اس حدیث سے پہلے کی ہیں جس میں آپ ﷺ نے وتر کو آخر میں پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے جو باب باندھا تھا کہ وتروں کے بعد دو رکعات بعد میں منسوخ ہو گئیں تھیں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرما رہے ہیں (مرقاۃ ج۳ ص۳۵۴)

سنن دارمی کی ایک روایت جس میں بظاہر وتروں کے بعد دو رکعات معلوم ہوتی ہیں اس پر کلام کرتے ہوئے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

فيه دلالة على منع الايتار بواحدة والاظهر ان المراد بالوتر ثلاث ركعات والركعتان قبله نافلة قائمة مقام التهجد و قيام الليل (مرقاۃ ج۳ ص۳۵۵)

یعنی اس حدیث میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ ایک رکعت وتر پڑھنا منع ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ یہاں پر تین رکعات وتر کی مراد ہیں اور دو رکعات وتر سے پہلے کے نفل ہیں جو تہجد کے قائم مقام ہیں اور رات کی نماز کے بھی۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں دو اہم باتیں سمجھا دیں پہلی بات یہ کہ یہ دو رکعات درحقیقت قبل الوتر ہیں اور دوسری بات یہ کہ وتروں سے پہلے جو دو رکعات نفل پڑھی جاتی ہیں وہی تہجد کے قائم مقام ہے ہم

نے اس سے پہلے فتاویٰ شام کے حوالے سے بھی یہ بات عرض کی تھی کہ عشاء کے بعد وتروں سے پہلے تہجد کی نیت سے نفل پڑھنا تہجد کے قائم مقام ہے ملا علی قاریؒ کی عبارت سے یہ مسئلہ مزید واضح ہوا۔ مسند احمد کی ایک روایت جو حضرت ابوامامہؓ کے واسطے سے ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں ، **کان یصلیهما بعد الوتر وهو جالس** کہ آنحضرت ﷺ وتروں کے بعد دو رکعات بیٹھ کر پڑھتے تھے۔

اس حدیث کے ذیل میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''**کان ای اوّل الامر او احیاناً**'' یعنی آنحضرت ﷺ نے ابتدا میں یہ دو رکعات پڑھی تھیں بعد میں یہ نہیں رہیں یا یہ کہ یہ آپ کا باقاعدہ عمل نہیں رہا (مرقاۃ ج۳ص۳۵۵)

یہاں پر مندرجہ ذیل فوائد سمجھنے کے ہیں

(۱) آنحضرت ﷺ کا باقاعدہ عمل جو سنت کہلاتا ہے وتروں کے بعد نفل نہ پڑھنے کا ہے اوراس پر آپ ﷺ کے اقوال وافعال دال ہیں۔

(۲) جن روایات میں **بعد الوتر**' کے الفاظ ملتے ہیں محدثین ان کو منسوخ قرار دے رہے ہیں۔اوراس سلسلے میں ناسخ آپ ﷺ کا قطعی ارشاد **اجعلوا آخر صلوتکم بالليل وتراً** ہے۔ **ملا علی قاریؒ** اور **امام بیهقیؒ** وتروں کے بعد کی دو رکعات کو منسوخ فرماتے ہیں .

(۳) سنن دارقطنی اور سنن دارمی وغیرہ کی روایات میں وتر کے بعد دو رکعات پڑھنے کو جو تہجد کے قائم مقام فرمایا ہے وہ بھی وتروں سے قبل کی دو رکعات ہیں۔

(۴) عشاء کی نماز کے بعد وتروں سے قبل دو رکعات بنیت تہجد پڑھنا تہجد کے قائم مقام ہو سکتی ہیں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے قائل ہیں۔

(۵) وتروں کے بعد دو رکعات کی روایات کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جیسے عظیم امام الحدیث صحیح نہیں سمجھتے تھے چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

" فانکر الامام مالک ؒ حدیث الرکعتین بعد الوتر وقال لم یصح"

(لمعات شرح مشکوٰۃ ج۴ ص۹۰)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس سے منع فرمایا ہے۔

وقال ابن حجر ابیٰ اکثر اصحابنا ذالک (مرقاۃ ج۳ ص۳۵۳)

(۶) جمہور علماء یعنی محدثین اور فقہاء وتروں کے بعد نفل پڑھنے کو خلاف مستحب فرماتے ہیں۔ ملاحظہ ہو

(۱) فتح القدیر ج۱ ص۳۸۲

(۲) مرقاۃ ج۳ ص۳۵۴،۳۵۵

(۳) لمعات ج۴ ص۹۰

ابوداؤد کے ایک نسخے میں یہ موجود تھا کہ وتروں کے بعد دو رکعات نہ پڑھی جائیں

قال ابوداؤد اصحابنا لا یرون الرکعتین بعد الوتر (بذل المجہود ج۲ ص۲۹۵)

یعنی امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء وتروں کے بعد دو رکعات

پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے ،اس سے بھی یہ بات معلوم ہوئی کہ متقدمین میں ان دو رکعات سے انکار پایا جاتا تھا۔امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ وتروں کے بعد دو رکعات پڑھنے کو ہمارے زمانے کے بزرگ اچھا نہیں سمجھتے تھے

(مصنف عبدالرزاق ج۳ص ۳۱)

ہمارے حنفی فقہاء نے ان دو رکعتوں کا ذکر اپنی کتابوں میں نہیں فرمایا ہے جیسا کہ ہم نے احسن المسائل میں ذکر کیا ہے۔

صرف روایت میں آنا عمل کے لئے کافی نہیں

بعض لوگوں کو یہ مغالطہ ہوجاتا ہے ایک چیز جب کسی روایت میں آجاتی ہے تو وہ ثابت ہوجاتی ہے یہ ایک علمی لغزش ہے جس پر ہمارے بزرگ تنبیہ فرما چکے ہیں روایت میں آجانے کے ساتھ ساتھ فقہاء کا اس چیز کو قبول کرنا ضروری ہے ورنہ روایات میں بعض ایسی چیزیں ذکر ہوتی ہیں جو قابل عمل نہیں ہوتیں یہی حال مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت پڑھنے کا ہے امام دارمیؒ نے اس پر باب باندھا ہے

باب الرکعتین قبل المغرب (سنن دارمی ج۱ص ۲۷۶)

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس پر باب باندھا ہے ملاحظہ ہو

باب الرکعتین قبل المغرب (سنن دارقطنی ج۱ص ۲۶۴)

مگر ہمارے فقہاء نے اس سے انکار کیا ہے اور نا قابل عمل ہے ۔اسی طرح صحیحین کی روایت میں فرض نمازوں کے بعد ذکر بالجہر آتا ہے جیسا کہ ابن عباسؓ فرماتے

ہیں مگر مجتھدین اور فقہاء دین نے قرآن وحدیث کے مسلمہ اصول کے پیش نظر نمازوں کے بعد ایسا ذکر جو دوسروں کیلئے تشویش کا باعث ہو منع فرمایا ہے جیسا کہ فتاوی عالمگیری ،فتاوی قاضی خان، اور فتاوی بزازیہ میں موجود ہے۔اسی طرح ذکر بعد الصلوۃ کے بارے بھی یہی عرض ہے کہ فقہاء دین میں سے کسی نے بھی اس کو اختیار نہیں فرمایا اور آج اہل بدعت اس وجہ سے گمراہی کی وادیوں میں بھٹک رہے ہیں کہ وہ فقہاء کرام کا دامن چھوڑے ہوئے ہیں۔محقق ابن الھمامؒ نمازوں کے بعد ذکر بالجہر کے سلسلے میں فرماتے ہیں

لم یعرف احد من الفقهاء قاله (فتح القدیر ج۱ص۳۸۴)

فقہاء میں سے کسی نے اس کو نہیں لیا۔

طرفہ تماشہ: بدعتیوں کے اعلیٰ حضرت جن کو یہ لوگ مجدد تک کہہ جاتے ہیں احمد رضا خان بریلوی حافظ ابن الھمام رحمۃ اللہ علیہ کو محقق علی الاطلاق کہتے تھے لہذا موجودہ زمانے کے بدعتیوں کو فوراً نمازوں کے بعد ذکر بالجہر چھوڑنا چاہیے چونکہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ تو حسن اتفاق سے ان کے اعلیٰ حضرت کے یہاں بھی مستند اور معتمد ثابت ہوئے ''**والحمد لله علــى ذالک**'' نیز اسی خوش فہمی میں مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر والوں نے فتح القدیر بھی طبع کرادی اب مصنف بھی ان کے یہاں مستند اور کتاب بھی ان کے یہاں کی مطبوعہ اب بھی اگر بدعتی نہ مانیں تو اس کو سوائے ہٹ دھرمی کے کیا کہا جاسکتا ہے۔

کل میاں حجام جہاں مونڈھتا تھا اوروں کا سر
آج اسی کوچہ میں خود اسی کی حجامت ہو گئی

شاید بریلوی اپنے اعلیٰ حضرت سے اختلاف کرتے ہوئے محقق علی الاطلاق کو وہابی بالاتفاق کہنا شروع کر دیں مگر پھر بھی یہ ماننا پڑے گا کہ اس قسم کی بدعات میں یہ لوگ حنفی تو کیا کسی بھی فقہ کے تابع نہیں بلکہ نرے غیر مقلد ہیں اور غیر مقلدیت کی وجہ سے آج فقہاء دین کے مسلمہ اصول سے انحراف کرتے ہوئے تفرقۂ اعتقاد اور تفرقۂ دین کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ یہ بات ہم نے ضمناً ذکر دی تفصیلی بحث ان شاء اللہ العزیز ہمارے رسالے ''احمد رضا خان کا علمی جائزہ'' میں دیکھی جا سکتی ہے۔

تم بحمد اللہ

احسن المقال فی کراهیة صیام ستة شوال

یعنی

شوال کے چھ روزوں کے مکروہ ہونے کی تحقیق

فہرست

(۱) مقدمہ ۱۰۷
(۲) دعائی کلمات امام اہل سنت محقق العصر حضرت مولانا سرفراز خان صاحب صفدر دامت برکاتہم ۱۱۲
(۳) تقریظ استاد العرب والعجم شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب مدظلہ ۱۱۳
(۴) تقریظ شیخ المشائخ شیخ الحدیث حضرت مولانا حسن جان صاحب مدظلہ ۱۱۵
(۵) تقریظ حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی الشہید رحمۃ اللہ علیہ ۱۱۶
(۶) تقریظ حضرت مولانا قاری مفتاح اللہ صاحب مدظلہ ۱۱۷
(۷) **المبحث فی احادیث صیام ستة شوال** ۱۲۳
(۸) مؤطا امام مالک اور استذ کار بابت ستہ شوال ۱۲۸
(۹) امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کا متفق ہونا بہت وقیع بات ہے ۱۳۱
(۱۰) صیام ستہ شوال اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۱
(۱۱) **المبحث فی کلمة لابأس** ۱۳۳
(۱۲) صرف روایات میں آنا عمل کے لئے کافی نہیں ہے جب تک فقہاءِ کرام نے
اس پر عمل نہ فرمایا ہو ۱۳۴
(۱۳) اعلاء السنن اور معارف السنن کے بارے میں ایک وضاحت ۱۳۸
(۱۴) **قد یرد الحدیث مع صحة سنده** ۱۴۳

مقدمہ

الحمد لله رب العٰلمين وصلى الله وسلم على رسوله الكريم ونبيه الامين وعلى اٰله واصحابه افضل الخلائق بعد النبيين ومن بعدهم اقتدٰى وباٰثارهم اكتفىٰ من المفسرين والمحدّثين والفقهاء الىٰ يوم الجزاء

اما بعد !

علماء امت محمدیہ جو دین اسلام کے راہنمایان اور آنحضرت ﷺ اور حضرات انبیاء کے وارثین اور جانشین ہیں ان کے مناصب شریفہ میں سے اہم اور مہم منصب احقاق حق اور ابطال باطل ہے اور اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے انہیں ہمہ زندگی حدودِ شرع کا تحفظ اور اس کا دفاع کرنا پڑتا ہے۔ ” ان العلماء ورثة الانبياء“ (ترمذی ج ۲ ص ۹۷) کا منصب ملنے کے بعد ” ولا يخافون لومة لائم“ (سورۂ مائدہ آیت ۵۴) کے افتخار کے ساتھ وہ یہ فرائض منصبی ادا کرتے ہیں اس آفاقی دین اور ہمہ گیر شرائع کا خلاصہ دو اساسی مرحلوں میں سامنے آتا ہے عقیدہ کے لئے توحید جس کے لئے ہر قسم کی شرک کی نفی کرنی پڑتی ہے اور سنت جس کے لئے رسوم فاسدہ اور بدعات ومحدثات کا رد کرنا پڑتا ہے یہی وہ دو کٹھن میا

دین ہیں جن میں آ کر اہلیان حق اور اہلیان باطل کا فرق واضح ہو جاتا ہے حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے جملہ اقدامات چار دانگ عالم میں خواہ وہ جہاد کی شکل میں یا دعوت الی اللہ کی شکل میں ہوں انہی دو حقیقتوں سے وابستہ رہتے ہیں۔حضراتِ تابعین واتباعھم اور مجتہدین کرام اور محدثین عظام کی تمام کاوشوں کی روح الروح یہی ہے۔ چنانچہ وقت کے اہل باطل جیسے خوارج، معتزلہ، مرجیہ، جہمیہ، قدریہ اور کرامیہ وغیرہ سے وہ انہی مسائل میں نبرد آزما رہے۔ ان کے بعد بھی الیٰ یومناھذا علماء اور اولیاء تحفظ دین کے لئے انہی اصولِ اسلام پر کاربند رہے۔ چنانچہ جہاں عقائد واعمال کے باب میں انہیں محسوس ہوا کہ اس عمل کے ارتکاب سے کسی درجہ میں بھی کوئی بدعت پیدا ہو سکتی ہے تو انہوں نے اسے روکنے کی کوشش فرمائی چنانچہ شیخ الصحابہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ صلوۃ الضحیٰ کو بدعت فرماتے تھے اور اس سے منع فرماتے تھے ملاحظہ ہو

"فاذا عبد الله بن عمر رضی الله عنه جالس الی حجرة عائشه رضی الله عنها واذاناس یصلون فی المسجدصلوة الضحیٰ قال فسألناه عن صلوتهم فقال بدعة (بخاری ج ا ص ۲۳۸)

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اور عروہ مسجد میں داخل ہوئے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی طرف بیٹھے ہوئے تھے جبکہ کچھ لوگ مسجد نبوی میں چاشت کی نماز پڑھ رہے تھے ہم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ان کی اسطرح کی نماز کا پوچھا تو فرمایا یہ بدعت ہے باوجود اس کے کہ صلوۃ الضحیٰ کا ثبوت قولی اور فعلی روایات میں موجود ہے لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس اہتمام یا کیفیت خاصہ یا ہیئت

فی المسجد وغیرہ کــمــا ذکــرھــا الــمــحــدثــون کو دیکھ کر سرے سے عمل کو بدعت قرار دیدیا۔ معلوم ہوا کہ نفس روایت کا وارد ہونا ہمیشہ کے عمل کیلئے کافی نہیں بلکہ ہیئات اور کیفیات محدثہ کی وجہ سے بھی منع کیا جا سکتا ہے چنانچہ جامع ترمذی میں ہے کہ عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو نماز میں زور سے بسم اللہ پڑھنے سے منع فرماتے ہوئے اسے بدعت کہا حالانکہ علماء جانتے ہیں کہ نفس ثبوت روایت میں موجود ہے۔

چنانچہ ملاحظہ ہو۔

عــن عبد اللہ بن مغفل رضـی اللہ عنه قــال ســمـعنی ابی وانا فی الصلوۃ اقـول بســم اللہ الـرحــمٰن الرحیم فقال لی ای بنی محدث ایاک والحدث قال ولم اریٰ احداً من اصحاب رسول اللہ ﷺ کان ابغض الیه الحدث فی الاسلام یعنی منه (ترمذی ج ا ص ۵۷)

چنانچہ فقہاء کرام نے اس سے اصول مستنبط فرمائے ہیں کہ نفس سنت اور استحباب کو بھی اپنی حد میں رکھنے تک وہ سنت یا استحباب وہ عبادت رہے گی ۔ جہاں تجاوز ہو یا التزام اور دوام کے نظریات پیدا ہوئے وہ سنت اور مستحب نہیں رہا۔ چنانچہ بعض سورتوں کی قرأت باوجود نمازوں میں مروی ہونے کے، جیسے جمعہ کی نماز میں سورتِ سجدہ اور سورت دھر اور خود نماز جمعہ میں سورتِ غاشیہ اور سورتِ اعلیٰ یا نماز وتر میں سورت اعلیٰ سورت کافرون اور سورت اخلاص پڑھنا روایت میں وارد ہے اور اس کی سنیت مسلمہ ہے مگر بعض خطرات کی وجہ سے فقہاء نے اسے کبھی ترک کرنے کی تاکید فرمائی ہے تاکہ ناواقف لوگ اسے ضروری نہ سمجھیں ملاحظہ ہو

(۱) بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۷۲، ۳۷۳

(۲) فتح القدیر ج ۱ ص ۳۹۲، ۲۹۲

(۳) البحر الرائق ج ۱ ص ۳۴۲، ۳۴۳

(۴) ردالمحتار ج ۱ ص ۳۶۴، ۳۶۵

بلکہ علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ متعدد کتب فقہ میں وارد ہے کہ بد عت سے بچنے کے لئے سنت کا ترک ضروری ہے

(ردّالمحتار ج ۱ ص ۵۰۶، ۴۳۱)

بلکہ اس قسم کے مواقع پر ایسے اعمال کا ترک کرنا زیادہ باعث اجر وثواب ہوتا ہے۔ جیسے نفل باجماعت کی کراہت اور بدعت ہونے پر کلام کرتے ہوئے علامہ ابن عابدین لکھتے ہیں

فلو ترک امثال ھذہ الصلوٰت تارک لیعلم الناس انہ لیس من الشعار فحسن (ردالمحتار ج ۱ ص ۴۷۶)

جیسا کہ آگے چل کر اس کی مزید تفصیل آنے والی ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے شوال کے چھ روزوں کو مکروہ اور بدعت فرمایا ہے اور علماء امت کو تاکید فرمائی ہے کہ عوام کو اس سے منع فرمائیں، جیسا کہ مؤطا میں موجود ہے اور مفصل آرہا ہے اور امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے علیٰ التحقیق ان روزوں کی کراہت مروی ہے جسے ہم مفصل ثابت کررہے ہیں ۔گومتاخرین حنفیہ میں سے بعض حضرات کا میلان یا ترجیح ان روزوں کے استحباب کی طرف ہے، یہ تأثر کب سے پیدا ہوا ؟ اور اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اس قسم کی ابحاث پر ہمارا یہ رسالہ ''احسن المقال'' حق تعالیٰ شانہ کے فضل سے

مشتمل ہے۔ مجھے امید ہے کہ اگر حضرات علم نے توجہ اور انصاف سے اسے مطالعہ فرمایا تو انشاءاللہ تعالیٰ وہ اس باب میں اسے بصیرت افروز پائیں گے۔ اس سلسلے میں بعض حضرات کے فتاویٰ اور تحریرات بھی پیشِ نظر ہیں جس میں ان روزوں کے استحباب کو اصل مذہب ظاہر فرمایا ہے لیکن تحقیق سے واضح ہوا ہے کہ مذہب وہی ہے جو کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ اس باب میں ہمارا ایک اور رسالہ" **احسن الاعلام بان الفتویٰ مطلقاً علیٰ مذهب الامام** "انشاءاللہ احسن المقال کے بعد مستقل شائع ہوگا۔ زیرِ نظر رسالہ میں ہمیں مشائخ کرام کے قول استحباب سے اتفاق نہ ہو سکا، اور حضرت امام صاحب کا قول کراہیت ہم راجح اور مذہبِ حنفی سمجھتے ہیں۔ چنانچہ اس موضوع پر یہ رسالہ ترتیب دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے مجھ عاجز کے لئے اور دیگر متلاشیانِ حق کے لئے راہنما ثابت فرمائے۔

امام اہلسنت محقق العصر ترجمانِ مسلک دیوبند شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا سرفراز خان صاحب صفدر بارک اللہ فی حیاتھم القیمہ نے بوجہ امراض مختلفہ کے باقاعدہ تقریظ تو نہیں لکھی مگر حضرت کی نیک دعائیں جو مؤلف اور تالیف کے لئے فرمائیں اس پر مشتمل تحریر سرمایہ رسالہ ہے۔

تقریظ

استاد العرب والعجم شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب
شیخ الحدیث والتفسیر بجامعۃ دار العلوم الحقانیہ اکوڑہ خٹک

الحمد لله و كفىٰ وسلام على عباده الذين اصطفىٰ اما بعد.......

فقد ثلج صدرى وقرّت عيناى برؤية الكتاب الجديد الذى الفه العلامة المفتى محمد زر ولى خان المحترم رئيس الجامعه احسن العلوم (كراتشى) وشيخ الحديث بها وسماه "احسن المقال فى صيام ستة من شوّال" ولا ريب انه كتاب مبتكر ممتع فى موضوع الصيام لستة من شوال وأنه هِدية ذهبية لمكتبات العلوم الاسلامية وتدل محتويات هذا الكتاب الانيق بأن المولف الموقر قد بذل جهوده المشكوره فى تحقيق هذه المسئلة الهامة وطالع لها آلاف الصفحات لأمهات الكتب والمصادر وقد رزقه الله تعالىٰ قوة التحرير وملكة البيان فى المسائل الفقهية فأفاد وأجاد

وأبـا ن جـميع الجو انب لهذا المو ضوع مع مالها وما عليها ووفٰى حقو ق هذه المسألة من التو ضيح والتفصيل فجزاه الله احسن ما يجا زى عبا ده المحسنين و وفـقـه لما فيه رفعة الاسلا م وهد اية للمسلمين وهو ولى التو فيق والسد ا د وهـو الـمستعان وعليه التكلان وصلى الله تعا لىٰ على خير خلقه واشرف رسله وعلىٰ اٰله واصحا به اجمعين

شير على شا ه

خا دم الطلبه بجامعة دار العلوم الحقا نيه

۲۲_۳_۱۴۲۱ھ

تقریظ

شیخ المشائخ شیخ الحدیث حضرت مولانا حسن جان صاحب مدظلہ

الحمدلله والصلوٰة والسلام علىٰ سيدنا رسول الله و مولانا محمد بن عبد الله ، وعلىٰ آله و صحبه ومن والاه وعلىٰ من اختار هديه فى شؤن حياته و هداه

وبعد ، فقد طالعت هذه الرسالة الموجزه" احسن المقال " فى عجلة المستوفز لاخينا فى الله مولانا المفتى محمد زرولى خان المحترم حفظه الله ورعاه وأعجبت بما بذل فيها جهوده المشكورة و حقق الموضوع بغاية من النصفة ، واجال الفكر فى نواحيه و اثبت رأيه مدعما بالادلة المقنعة علىٰ ضوء قواعد الافتاء واقوال الائمة وخاصة الامامين الهمامين ابى حنيفة النعمان و مالک بن انس رضى الله عنهما وقد شاهدت أ نا غلو بعض المتصوفة و بعض اهالى الحرمين الشريفين فى هذه الصيام ، فلله دره وعليه مثوبته واجره وهو موافق المعين.

محمد حسن جان

تقریظ

حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی صاحب الشہید رحمۃ اللہ علیہ

اس دور میں علم وتحقیق ناپید ہے اور محقق علماء انتہائی کم ہیں۔

وقد كانو اذا عُدّوا قليلا

فقد صارو اعز من القليل

ہمارے یہاں اس دور کے محقق علماء میں سے حضرت مولانا مفتی محمد زرولی خان صاحب بانی ومہتمم وشیخ الحدیث جامعہ عربیہ احسن العلوم ایک محقق عالم ہیں۔ زیر نظر رسالہ میں حضرت مولانا موصوف نے شوال کے چھ روزوں کے استحباب وعدم استحباب کے ایک پہلو پر محققانہ بحث کی ہے یہ مسئلہ اگرچہ ہمارے فقہاء احناف کے ہاں کچھ مختلف فیہ ہے اور دونوں قسم کی عبارتیں ملتی ہیں جن میں سے بعض علماء نے ایک پہلو اور بعض دوسرے حضرات نے دوسرے پہلو کو اختیار کیا ہے۔ حضرت مولانا نے اس موضوع پر فقہ، حدیث، اصول حدیث، اور علم اسماء الرجال کی روشنی میں خوب داد تحقیق دی ہے۔ بندہ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور امت کیلئے اس کو باعث ہدایت بنادے آمین۔

نظام الدین شامزئی

۷ ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ

تقریظ

حضرت مولانا قاری مفتاح اللہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ

استاد الحدیث جامعہ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی ۵

الحمد لله رب العالمین وصلی الله وسلم علیٰ رسوله الکریم وعلیٰ آله واصحابه اجمعین اما بعد

صیام ستہ شوال کے بارے میں قرون اولیٰ سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ صحیح البخاری کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں اس کی روایات وارد ہیں جب کہ حضرت امام مالکؒ جو مالک الرجال والاسانید کہلاتے ہیں انہوں نے مؤطا میں اس کا صاف اور صریح انکار فرمایا ہے ہمارے امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی محققین نے کراہت نقل فرمائی ہے۔ جیسا کہ البحر الرائق، جامع الرموز، فتاوی تاتارخانیہ، فتاوی ھندیہ وغیرہ میں ہے بلکہ محقق ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے صوم شک کو تو مکروہ روزوں میں سے شمار کر کے مفصل کلام فرمایا ہے خود انہی کتابوں میں بعض مشائخ متاخرین سے استحباب مروی ہے جس

پر ہمارے زمانے میں جا بجا عمل ہو رہا ہے۔ضرورت تھی کہ اس پر سیر حاصل کلام ہو جاتا تا کہ قول فیصل اور درست نہج کی تعین ہو جاتی چنانچہ ہمارے محترم مولانا محمد زرولی خان صاحب شیخ الحدیث والتفسیر جامعہ عربیہ احسن العلوم نے اس موضوع پر احسن المقال لکھ کر اس قسم کے ابحاث کو نہایہ تک پہنچانے کی سعی بلیغ فرمائی ہے۔ماشاءاللہ رسالہ خوب ہے ادلہ اور براھین سے مزین ہے۔

کا الشمس فی کبد السماء وضوئها
یغشی البلاد مشارقا و مغاربا
کا لبدر فی وسط السماء و نور ها
یهدی الی عینیک نورا ثاقبا

مولانا صاحب نے ایک طرف تو روایات پر سنداً متناً کلام کیا اور یہ ثابت کیا کہ حضرت امام مالکؒ اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف برھان ساطع اور دلیل قطعی پر مبنی تھا۔دوسری طرف استحباب کے قائلین جو کہ بقول سیّد احمد طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ بعض متاخرین ہیں اس کی تنقیح فرمائی اور فقہ اور افتاء کے وہ زرّین اصول نقل کیے ہیں جن سے بڑی متانت کے ساتھ یہ فضاء صاف اور ساز گار ہوئی کہ اصل مذہب اور قوی بات وہی ہے جو امامان کبیران امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے علماء کرام کو اس سلسلے میں حضرت مولانا مفتی صاحب مدظلہ کا شکر و امتنان بجالانا چاہئے۔کہ انہوں نے اس موضوع پر خاطر خواہ فقہی اور حدیثی مواد قوی مواطن سے جمع فرمایا ہے علم و انصاف کے میزان میں یہ بات کم از کم اہل حق کی شان سے مستعبد ہوگی کہ کسی ایک پہلو پر صرف اس لئے اصرار کیا

جائے کہ کچھ عرصے سے ہمارے ہاں اس کے فضائل پر عمل ہونے لگا ہے

''احسن المقال'' کے اہداف خود اس کے آرائے صحیحہ اور مقاصد شریفہ کے لئے کافی ہیں مثلاً (۱) روایات پر سنداً و متناً مُشبع اور مُقنع کلام (۲) حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کراہت کا ثبوت اور اس سلسلے میں مضبوط مراجع سے استفادہ اور تنقیح (۳) حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے موطأ کی عبارت کی تائید اور توضیح جو کہ رسالہ کے دیکھنے سے واضح ہے چنانچہ فائدہ بعد الوقوع کے طور پر ان متصوفہ یا بعض حضرات کے اس بارے میں تشدد اور اصرار والتزام کا خاطر خواہ رد یا ان اقدامات کی حدود شرعیہ کے اندر رہتے ہوئے اصلاح عظیم مداوا سامنے آچکا ہے اس بارے میں اپنے ہی بعض حضرات کی طرف سے فتویٰ کی شکل میں جو تحریرات سامنے آئی ہیں حضرت مفتی صاحب موصوف نے ان کا علمی جائزہ لیا ہے اور ان سے اس سلسلے میں سنگین نوعیت کی فروگذاشتوں کو بڑی قوت اور متانت کے ساتھ واضح فرمایا ہے۔ مثلاً پہلا فتویٰ جو اس سلسلے میں آیا ہے اس میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول کراہت نقل کرنے سے پہلو تہی برتی گئی ہے جو کہ علم و دیانت کے شایانِ شان نہیں ہے اور پھر ایک مقلد اپنے مجتہد کے ساتھ ایسا روش برتے! حضرت مفتی صاحب نے اس پر بجا طور پر ناراضگی ظاہر فرمائی ہے اسی طرح دوسرا فتویٰ جو صادر ہوا ہے اس میں طحطاوی علی الدّر، ج ۱ ص ۲۷۰ سے قال الحلوانی رحمۃ اللہ علیہ سے عبارت نقل کی گئی ہے جو استحباب کے لئے مفید تھی مگر علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''قال الکوھستانی'' رحمۃ اللہ علیہ سے درمختار کی عبارت کی جو تصحیح فرمائی وہ نظر انداز کیا گیا ہے۔ نیز ختم بحث پر علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت کہ

''اذا عر فت ھذا فما فی المتن قول بعض المتا خرین ''

بھی نظرانداز کی گئی ہے اس قسم کی فروگذاشتوں پر تنبیہ کے لئے ''احسن المقال'' ان شاء اللہ تعالیٰ قول فیصل ثابت ہوگا۔ علاوہ ازیں علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے ردّالمحتار میں جو تحقیق علامہ قاسم ابن قطلو بغا رحمۃ اللہ علیہ مرحوم کی نقل فرمائی ہے احسن المقال میں اسے جمہور فقہاء کے مقابلہ میں تفرد ثابت کیا گیا ہے۔

اور بھی بیش بہا علمی مباحث ہیں جو ان شاء اللہ تعالیٰ اس مسئلے کی تحقیق میں خاصے مفید ثابت ہوں گے میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولف مدظلہ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور طالبانِ حق کو ''احسن المقال'' سے احسن ثمرات اٹھانے کی توفیق عطاء فرمائے

وصلی اللہ تعا لیٰ علیٰ خیر خلقه محمد و آله و اصحا به اجمعین

وانا احقر الناس (مولانا قاری) مفتاح اللہ

۲۷ ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صحیح مسلم اور دیگر کتب صحاح اور حسان میں شوال کے چھ روزے مروی ہیں، جن کا ثواب کہیں عمر بھر (صیام الدھر) اور کہیں سال بھر کا ثواب مذکور ہے، کما فی سنن ابن ماجہ اور یہ احادیث سنداً اور متناً متکلم فیہ ہیں جیسا کہ آگے چل کر ان شاء اللہ تعالیٰ ہم اس کا مفصل جائزہ پیش کریں گے۔ امامانِ جلیلان امام اہل مدینہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مؤطا میں صراحتاً ان روزوں کا انکار اور اس کے ارتکاب کو بدعت فرمانا منقول ہے۔ اسی طرح الامام الاعظم امام ھذہ الامۃ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی معتبر کتبِ فتاویٰ اور مذہب کی معتبر کتب میں کراہت منقول ہے جس کا تفصیلی جائزہ ہم ان سطور میں ان شاء اللہ پیش کریں گے بعض حضرات روایت کو اصح فی الباب اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے انکار یا قول بالکراہیت کو غیر مختار اور ناپسندیدہ کہتے ہیں جو کہ عقلاً اور نقلاً درست نہیں۔ اس سلسلے میں ہمارے دارالافتاء کا ایک مختصر اور انتہائی بامعنیٰ فتویٰ شائع ہوا ہے جس کے جواب میں قرب و جوار کی بعض تحریرات دیکھنے میں آئیں ان تحریرات کو

دیکھنے سے تین باتیں سمجھ میں آئیں

(۱) پہلی بات یہ کہ حدیث کے صحیح یا ضعیف کی ضروری اور اہم بحث سے عمداً پہلو تہی برتی گئی ہے جو اس مسئلہ کی اصل اساس ہے۔

(۲) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا انکار اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول بالکراہیت ساقط نقول اور معدوم کتب کے ذریعے رد کیا گیا ہے، جو کہ آداب علم کے منافی ہے۔

(۳) ثالثاً ہمیں یہ الزام دیا گیا کہ ہم نے بعض عبارتیں بناء بر دیانت پوری نقل نہیں کیں جبکہ بفضل اللہ تعالیٰ ہمارے فتوے میں تمام تحریر بقید صفحہ وسطر موافق ومخالف اقوال دونوں موجود ہیں۔ اور جوابی تحریر حدیث اور فتاویٰ دونوں میں اصل مذہب جس کا بیان اور بعدہ اس پر عمل واجب ہوتا ہے اسکو نظر انداز کیا گیا ہے۔ مثلاً حدیث ابن ماجہ نقل کئے بغیر صوم الدھر کا ترجمہ سال بھر سے کیا گیا ہے۔ **فیا لضیعة العلم و التحقیق** اور بار بار روایت ابی ایوب رضی اللہ عنہ کو صحیح گردانا گیا ہے۔ جبکہ خود امام ترمذیؒ نے اس کو صحیح کے بجائے صرف حسن درجے کا تسلیم کیا ہے، پھر فقہی وحدیثی جواب دینا تو ان کا شرعی اور علمی حق تھا مگر تحریر میں اضطراب فی الحدیث اور بیان ضعفِ سند اور نقل مذاہب میں اس حقیقت کو نظر انداز کیا گیا کہ خود قرونِ اولیٰ میں اجلہ آئمہ اس قسم کی احادیث یا اس قسم کے صیام ستہ شوال کے سرے سے وجود ہی کے قائل نہیں ہیں۔ زیر نظر تحریر میں ہم ان شاء اللہ تعالیٰ اس کا مفصل اور مدلل جائزہ لے رہے ہیں۔

واللہ الموفق لکل خیر و سعادة

المبحث فی احادیث صیام ستة شوال

صحیح مسلم کی روایت جس میں مذکور ہے" من صام رمضان ثم اتبعه ستاً من شوال کان کصیام الدهر " یہ روایت چونکہ سعد بن سعید بن قیس سے ہے اور وہ متکلم فیہ۔ دیکھئے

لان فیه سعد ابن سعید و فیه مقال

(المنہل العذب المورود لشرح سنن ابی داؤد ج۱۰ ص۱۹۱)

اسی طرح مسند احمد، مسند بزار اور طبرانی کی روایت میں عمر بن ثابت ہے اور وہ ضعیف ہے اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت اس میں بھی" وفیه من لم یعرفه " کا کلام موجود ہے ابن عباس اور جابر رضی اللہ عنہما کی روایت میں یحی بن سعید مازنی متروک ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت طبرانی الاوسط میں ہے جس میں مسلمہ بن علی الخوشینی ہے اور وہ ضعیف ہے۔ بعض اسانید میں عبد الرحمٰن بن غنّام ہے جو کہ مجہول ہے

(مجمع الزوائد ج۳ ص۱۸۶، ۱۸۷)

سعد بن سعید وہ صوم ستہ شوال کے مدار ہیں ،اور وہ ضعیف اور متکلم فیہ ہیں چنانچہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

ضعفه احمد ابن حنبل وقال النسائی لیس بالقوی آگے لکھتے ہیں **وقال اخرج له مسلم من حدیث یحی ابن سعید الاموی عن سعد عن عمر ابن ثابت عن ابی ایوب حدیث صوم ست من شوال و مدار الحدیث علیه**

(میزان الاعتدال فی نقد الرجال ج۲ ص۱۲۰)

ستہ شوال کے راوی جو مدار ہیں اس پر مزید کلام ملاحظہ ہو عبدالرحمٰن بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میں نے والد سے سنا کہ وہ فرماتے ہیں ’’کہ سعد ابن سعید کی یاداشت نہیں تھی اور جو سنتا تھا آگے بڑھاتا تھا۔ ابن حبان نے بھی کتاب الثقات میں اس کو خطائیں کرنے والا لکھا ہے۔ (تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج ۱۰ ص ۲۶۴)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ بھی ان پر مفصل کلام کر چکے ہیں ۔

دیکھئے (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۴۷۰)

صحیح مسلم میں یا دیگر معتبر کتب میں متکلم فیہ راوی کا آنا تعجب انگیز نہیں ہے، چنانچہ تدریب میں ہے کہ

قال الحاکم و کتاب مسلم ’’ملآن من الشیعہ‘‘ (ج ۱ ص ۳۲۵)

چونکہ بعض چیزیں خالص علماء کرام کے لئے اطلاعاً ذکر کی جاتی ہیں اس لئے ترجمہ کی ضرورت نہیں ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مدار الحدیث سعد بن سعید پر کلام کیا ہے چنانچہ ملاحظہ ہو

’’وسعد بن سعید ھو اخو یحیی بن سعید الانصاری وقد تکلم بعض اھل الحدیث فی سعد بن سعید من قبل حفظہ‘‘

(جامع ترمذی ج ۱ ص ۱۵۹ باب ماجاء فی صیام ستۃ ایام من شوال)

امام ابو جعفر طحاوی ؒ نے بھی سعد ابن سعید کی وجہ سے صحت حدیث کا انکار کیا ہے اور فرمایا کہ محدثین بھی اس کی وجہ سے اس روایت سے اعراض کر چکے ہیں۔ **قال ابو جعفر فکان ھذا الحدیث مما لم یکن با لقوی فی قلو بنا من سعد بن سعید**

مثله فی الر وایةعند اهل الحد یث و من ر غبتهم عنه

(شرح مشکل الآ ثار ج۳ص ۱۱۷)

آ گے فرق کے بارے میں امام ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ اظہار رائے فر ما یا ہے مگران تمام روایات میں یا تو عمر بن ثابت ہے جسے امام ما لک رحمۃ اللہ علیہ نے منکراور غیر ثقہ اور نا قابل اعتماد کہا ہے جیسا کہ استذ کار کے حوالے سے آنے والا ہے یا ابن لھیہ ہے جس کے بارے میں محدثین فر ماتے ہیں۔

''احادیث ابن لهیعه لیست بنقیه فکن عنها علیٰ تقیه''

(۱) متعلقات مقدمۂ صحیح مسلم

(۲) جامع تر مذی ج۱ ص۸

(۳) معارف السنن ج۱ص ۹۲

یعنی ابن لھیعہ کی احادیث درست نہیں ہیں ان سے پر ہیز ضروری ہے۔ واضح رہے کہ صیام الدھر کی صحیح اور صریح روایت میں ممانعت آئی ہے چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ

لا صیام من صام الا بد لا صیام من صام الا بد لا صیام من صام الا بد

(صحیح مسلم ج۱ص ۳۶۶)

واضح رہے کہ ثواب کے لئے ہمیشہ ایسے اعمال اور اجور ذکر کئے جاتے ہیں جو شرعاً محمود ہوں جیسے جامع تر مذی میں ہے کہ جس نے فجر کی نماز جماعت سے پڑھی پھر بیٹھ کر ذکر کرتا رہا یہاں تک کہ سورج نکلا اور اس نے دو رکعات پڑھیں تو اس کو حج اور عمرہ کا ثواب ملیگا۔ حج اور عمرہ باعث اجر افعال ہیں۔ اس لئے وہ ثواب میں ذکر کئے گئے۔ یا

دوسری روایت جو معروف عند اصحاب السنن ہیں کما فی البخاری کہ سورۂ اخلاص تین مرتبہ پڑھنے سے ایک قرآن کا ثواب ملتا ہے۔تو چونکہ قرآن کریم پورا کرنا باعث اجر عظیم ہے اس لئے بطور ثواب ذکر کیا گیا۔صوم الدھر سے صحیح اور صریح روایت میں منع کیا گیا ہے تو اس کے ساتھ تشبیہ بھی محل نظر ہے۔ چنانچہ بعض محدثین نے اس نقطہ کو اٹھایا ہے۔

’’فلا دليل فی هذا الحديث علیٰ فضيلتها لان النبی صلیٰ الله عليه وسلم شبه صيامها بصيام الدهر وهو مكروه ‘‘

(۱)المغنی لابن قدامہ ج۳ ص۱۱۲

(۲)مرقاۃ ج۴ص۵۴۴

(۳)رسائل الارکان ص۲۲۶

اگر چہ محدثین نے اس اشکال کو پسند نہیں کیا۔

امام الاولیاء والمحدثین عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ صیام ستہ شوال پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ستہ شوال کو صوم الدہر کا ثواب سمجھنا خالص تشدد ہے جبکہ حدیث معلول اور ضعیف ہے " انه لم يصح عنده ‘‘ امام مالک کے نزدیک یہ صحیح نہیں تھی۔ چنانچہ

’’ان ترک تلک السنة اولیٰ من فعلها لضعف حديثها مع خوف وقوع الناس فی اعتقاد فرضيتها ولو علیٰ طول سنين نظيرما وقع لنصاریٰ فی زيادة صومه‘‘ (المیزان الکبریٰ ج۲ص۲۷)

ابن رشد فرماتے ہیں کہ

لم يصح عنده وهو الاظهر

کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ستہ شوال کی حدیث صحیح نہیں تھی اور یہ بالکل واضح ہے

(بدایۃ المجتہد ج۱ ص۲۲۵)

ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ شرح ترمذی میں رقم طراز ہیں:

وصلة الصوم بأيام شوال مكروهة جدا لان الناس قد صاروا يقولون شيع رمضان و كما لا يتقدم له لا يشيع ومن صام رمضان و ستة ايام من ايام الفطر له صوم الدهر قطعا با لقرآن (من جاء بالحسنة فله عشر امثالها) شهر بعشر و ستة ايام بشهرين فهذا صوم الدهر كان من شوال او غيره و ربما كان من غيره افضل او من اوسط افضل من اوله وهذا بين هو احوىٰ للشريعة و اذهب للبدعة وراى ابن المبارك و الشافعي انها فى اول الشهر و لست اراه ولو علمت من يصومها اول الشهر وملكت الامر أدبته و شردت به لان اهل الكتاب بمثل هذه الفعلة و امثلها غيروا دينهم وأبدوا رهبانيتهم

(عارضۃ الاحوذی بشرح صحیح ترمذی لامام حافظ ابن العربی المالکی ج۳ ص۲۹۳)

رمضان شریف کے فوراً بعد شوال کے روزے رکھنا سخت مکروہ ہے چونکہ لوگ کہتے ہیں کہ رمضان کو چھوڑنے کے لئے روزے رکھو۔ اور جیسا رمضان کے شروع میں شعبان کے اخیر میں روزہ رکھنا منع ہے اسی طرح رمضان ختم ہونے کے بعد۔ اور جو رمضان کے روزے رکھے تو وہ بھی منع ہے۔ اور چھ ایام الفطر کے بعد رکھے اس کو قطعاً عمر بھر روزوں کا ثواب ملتا ہے۔ کیونکہ ایک نیکی کا بدلہ دس گنا دیا جاتا ہے مزید لکھتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں

کہ یہ شوال میں ہی رکھے جائیں بلکہ شوال کے بعد رکھنا بہتر ہے یا اول کے بجائے اوسط میں رکھے جائیں اور یہ بالکل واضح ہے اوراس میں شریعت کی حفاظت ہے اور بدعات ختم کرنے کا طریقہ ہے۔امام ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اوّل شہر سے رکھنے کے قائل ہیں مگر میں ایسا نہیں کہتا اور اگر مجھے پتہ چلا کہ شروع شوال سے کوئی یہ روزہ رکھتا ہے اور مجھے اختیار ہو تو میں ان کو عبرت ناک سزا دے دیتا ایسا کہ دوسروں کے لئے نمونہ عبرت بن جاتا کیونکہ اہل کتاب نے ان جیسے افعال سے اپنے دین کو بدلا تھا اور ہمیشہ کے لئے بے دینی ڈالی تھی غور فرمایا جائے کہ امام ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ ان روزوں کو دین کے لئے خطرہ اور بدعات کا پیش خیمہ اور باعث تادیب سمجھتے تھے کیا کسی مستحب سے جب اتنے خطرات پیدا ہوں تو خطرات کے ٹالنے کے لئے اور بدعات کے ابواب بند کرنے کے لئے اس سے امت کو بچانا ضروری ہے؟ یا اس کی نشر و اشاعت اور مساجد میں سطحئی فضائل اور اپنے امام کے اقوال سے ہٹ کر کسی مذہب کی ترویج کی جائے؟

فا لیٰ اللہ المشتکیٰ

مؤطا امام مالکؒ اوراستذ کار بابت ستہ شوّال

قال یحییٰ سمعت ما لکا یقو ل فی صیا م ستة ایام بعد الفطر من رمضا ن انه لم یر احداًمن اهل العلم و الفقه یصو مها و لم یبلغنی ذلک عن احد من السلف وان اهل العلم یکر هون ذلک ویخا فو ن بد عته وان یلحق بر مضان ما لیس

منه اهل الجهالة والجفاء لو رأوا في ذلک رخصة عن اهل العلم ورأواهم يعملون ذلک۔ (مؤطا امام مالکؒ ص۲۵۶)

اولاً علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے انکار عن صیام ستہ شوال پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حدیث انفرد به عمر بن ثابت ۔ یعنی یہ عمر بن ثابت کا تفرد ہے۔

ثانیاً یہ بعض طرق میں بجائے مرفوع کے موقوف ہے۔

ثالثاً علامہ بن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کی تمام تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث اور فضائل کا انکار نہیں فرمایا ہے بلکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے انکار کی وجہ جہل وہٹ دھرم لوگوں کا غلو ہے کہ کہیں اس کے ساتھ فرائض رمضان کا برتاؤ نہ کریں ۔امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو یہ روایت یقیناً معلوم تھی البتہ یہ ان کے یہاں قابل اعتبار نہ تھی بوجہ عمر بن ثابت کے علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کی پوری عبارت ملاحظہ ہو۔

ومالکؒ لا يجهل شيئا من هذا ولم يكره من ذالک الا ما خافه على اهل الجهالة والجفاء اذا استمر ذالک ،وخشى ان يعدوه من فرائض الصيام مضافا الى رمضان ،وما اظن مالكا جهل الحديث والله اعلم لانه حديث مدنى انفرد به عمر بن ثابت ،وقد قيل انه روى عنه مالک ولو لا علمه به ما انكره واظن الشيخ عمر بن ثابت لم يكن عنده ممن يعتمد عليه .وقد ترک مالک الاحتجاج ببعض ما رواه عن بعض شيوخه اذا لم يثق بحفظه ببعض ما رواه

(الاستذکار ج۱۰ص۲۵۹)

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح کے مطابق یہ اندیشہ ہے کہ ناواقف لوگ اس کو ضروری سمجھیں لہذا یہ بدعت اور واجب الترک عمل ہے بعض لوگوں کا یہ خیال کہ عیدالفطر کے بعد یہ خدشہ جاتا رہا نا قابل فہم ہے۔ کیونکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تو تصریح فرماتے ہیں کہ ''بعد الفطر'' یعنی یوم الفطر کے بعد بھی اس کو ضروری سمجھیں تو یہ بدعت اور ناجائز ہے۔ محقق ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فتح القدیر میں یہی لکھا ہے

''وجه الكراهة انه قد يفضى الىٰ اعتقاد لزومها من العوام لكثرت المداومة''

یعنی ان روزوں کا ہمیشہ اہتمام عوام کی طرف سے لزوم کا اعتقاد ہے اور اس وجہ سے یہ مکروہ ہیں مزید لکھتے ہیں کہ ہم نے بعض لوگوں سے سنا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہماری عید عیدالفطر نہیں ہے بلکہ ہماری عید بعد میں ہوگی (یعنی چھ روزے رکھنے کے بعد)

(فتح القدیر ج۲ص۲۷۲)

مشہور زمانہ محقق فقیہ اور مفسر اور نحریر محدث فرید عبدالعزیز الجندی امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کے فوائد میں لکھتے ہیں۔

وقد وقع ما خافه حتى أنه كان في بعض بلاد خراسان يقومون لسحورها علىٰ عادتهم في رمضان

یعنی امام مالکؒ کا ستہ شوال کے عمل میں خوف بجا تھا چنانچہ خراسان کے بعض علاقوں میں لوگ رمضان شریف کی طرح اس کے لئے سحری کا اہتمام کرتے ہیں۔

(جامع الاحکام لامام القرطبی من تفسیرہ، ج۱ص۳۲۸،۳۲۷)

امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہما کا متفق ہونا بہت وقیع بات ہے

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا کسی مسئلہ پر متفق ہونا اہل علم کے ہاں بہت بڑی سند اور حجت ہوتی ہے یہاں تک کہ بڑے بڑے آئمہ اور مجتہدین کے اقوال ان کے مقابلے میں ناقابل قبول ہوجاتے ہیں کیونکہ یہ دو علم دین کے سمندر ہیں امام ابوحنیفہؒ اہل مشرق کے لئے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اہل مغرب کے لئے لہٰذا ان کے سامنے دوسرے مشائخ اوران کے اقوال کی کوئی حیثیت نہیں

انما كا نابحرين أبو حنيفة لاهل المشرق وما لك لأ هل المغرب أفنترکها ونشتغل با لسا قية .

(الجامع لأحکام القرآن للقرطبی ج۱۲ص۳۴)

صیام ستہ شوال اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

☆امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کتب فقہ اور فتاوی معتبرہ میں ستہ شوال کی کراہت متواتر منقول ہے۔ چنانچہ جامع الرموز میں ایام منہی عنہا میں سے **منها ست شوال فا ن الصوم فيها يكره مطلقاً عنده** آگے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ امام حسن رحمۃ اللہ علیہ مشائخ متاخرین اور علامہ حلوانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے اقوال موجود ہیں لیکن مذہب ،قول امام ہوتا ہے (کمافی النہر، جامع الرموز، ج۱ص۳۷۲)

☆ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی **ومنه ايضاً صوم ستة من شوال عند ابی حنيفةؒ**

متفر قاًکا ن او متتا بعاً (البحر الرائق، ج۲ص۴۵۱ مکتبہ رشیدیہ)

☆ہندیہ میں ہے ''ویکرہ صو م ستة من شوال عند ابی حنیفةؒ متفر قاًکا ن او متتا بعاً '' (عالمگیری۔ج۱ص۲۰۱)

☆واما صوم الستة بعد الفطر متتا بعة منهم من یکره ذلک

(قاضی خان علیٰ الھندیہ، ج۱ص۲۰۶)

☆الافصاح میں بھی وزیر ابن ہبیر ہ نے لکھا ہے کہ

امام ابو حنیفةؒ وما لکؒ فی قو لهمایکره ذلک ولا یستحب

(الافصاح، ج۱ص۲۵۲)

☆ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قول مطلقاً کراہت کا لکھا ہے ''و کره ابو حنیفةؒ متفر قاًکا ن او متتا بعاً''(المسویٰ شرح الموطاص ۳۰۸)

☆فتاویٰ تا تارخانیہ میں بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول مطلقاً کراہت کا منقول ہے۔

صوم ست من شوال مکروه عند ابی حنیفة متفرقاً کان او متتابعاً

(فتاویٰ تا تارخانیہ ج۲ص۳۸۸)

☆ تا تارخانیہ میں یہ بھی ہے کہ ومن المشائخ من قال ینبغی للعالم ان یصوم سراً و ینهیٰ الجهال عنه (ج۲ص۳۸۸)

☆محقق ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق : صوم ستة من شوال عن ابی حنیفة و ابی یوسف کراهة و عامة المشائخ لم یروا به بأساً واختلفوا فقیل الافضل وصلها بیوم الفطر وقیل بل تفریقها فی الشهر وجه الجواز انه قد وقع الفصل بیوم

الفطر فلم یلزم التشبه باهل الکتاب وجه کراهة انه قد یفضیٰ الیٰ اعتقاد لزومها من العوام لکثرة المداومة ولذا سمعنا من یقول یوم الفطر نحن الیٰ الآن لم یأت عید نا او نحوه فاما عند الامن من ذالک فلا بأس لورود الحدیث به .

(فتح القدیر مع الکفایہ ج۲ص۲۷۱)

☆ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح صحیح مسلم میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب مطلقاً کراہت کا نقل کیا ہے (شرح صحیح مسلم ج۱ص۳۶۹)

چنانچہ امام نووی نے مجموع شرح مہذب میں بھی یہی لکھا ہے

وقال مالک و ابو حنیفة یکره صومها (المجموع شرح مھذب ج۲ص۳۷۹)

☆ تبیین کے حواشی میں منقول ہے صوم سته من شوال عن ابی حنیفہؒ و ابی یوسفؒ کراهة و عامة المشائخ لم یروا به بأساً

(تبیین الحقائق ج۱ص۳۳۲)

☆ **المبحث فی کلمة لابأس : لا بأس (الخ) والمشهور فی هذه العبارة کونه لما خلافه اولیٰ** (فتح القدیر ج۱ص۳۸۴)

فلا بأس به و اولیٰ الا یفعل (حلبی کبیر شرح منیہ ص۶۱۲)

واضح رہے کہ کلمۃ لابأس کا اصل وضع خلافِ اولیٰ کے لئے ہے کیونکہ خود علامہ شامیؒ نے تصریح کی ہے کہ ”لأن البأس شدة“ فقہاء کرام کے یہاں بھی کلمہ لابأس خلافِ اولیٰ کے لئے آیا ہے۔ مواطنِ استحباب کیلئے احیاناً اس کا استعمال علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ کا تفرد ہے جیسا کہ حضراتِ علم جانتے ہیں ۔

صرف روایات میں آنا عمل کے لئے کافی نہیں ہے جب تک فقہاء کرام نے اس پر عمل نہ فرمایا ہو

چنانچہ محقق ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

لم یعرف احدمن الفقھاء قا له (فتح القدیر، ج ا ص ۳۸۴)

حالانکہ ذکر بالجہر یا تکبیر ''**بر فع الصوت بعد الفر اغ من الجما عۃ**'' صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مروی ہے مگر فقہاء کرام کے قبول نہ کرنے کی وجہ سے یہ عمل ترک کرنے کے لائق ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر آئمہ فقہ وحدیث نے جب ستہ شوال کے روزوں کو منع یا مکروہ فرمایا ہے تو جواز عمل یا اولیت عمل برقرار نہ رہ سکی جوابی تحریر میں اس کو بڑے شدو مد سے لکھا ہے کہ مشائخ یا حضرات متاخرین ہمارے بعض اکابر جیسے صاحب اعلاء السنن یا صاحب معارف السنن، اصح یا استحباب کا قول کر چکے ہیں۔

تو اس کے کئی جوابات ہیں۔اوّلاً امام ابوحنیفہؒ سے نقل کراہت تقریباً متواتر ہے۔

جبکہ مشائخ : اوّلاً امام کے مقلد ہیں اور مجتہد کا قول مقلد کے لئے چھوڑنا قلب موضوع اور **خروج عن المذھب** کے مترادف ہے۔

ثانیاً حضرات مشائخ نا معلوم ہیں کہ امام کے قول سے انحراف کب اور کس دلیل سے روا رکھا گیا۔

ثالثاً مشائخ نے بھی کہیں تو متفرقاً اور کہیں **فی کل اسبو ع** کا جواز پیش کیا ہے جبکہ یہ نہ تو حدیث مذکور سے مستفاد ہے اور نہ امام مذہب سے اس کا کوئی اشارہ ملتا ہے۔

رابعاً یہ تاثر ظاہر بعض روایات مشائخ سے پیدا ہو چکا ہوگا اور چونکہ روایات متکلم فیہ ہیں اس لئے مشائخ کا قول بظاہر غیر محقق اور غیر مصحح ہے۔

خامساً یہ قاسم ابن قطلو بغہ رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ تحریر الاقوال نادر الوجود ہے اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ خود تشریح کر چکے ہیں کہ نادر الوجود کتب کا حوالہ نہیں دیا جائے گا

(ردالمختار ج۴ ص۳۰۶)

سادساً جب اکثر بلکہ جمہور فقہائے حنفیہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مطلقاً کراہت نقل کر چکے ہیں جیسا کہ حوالہ جات بالا سے معلوم ہوا تو صرف تحریر الاقوال کے پیش نظر مقتدر فقہاء جن میں سے بیشتر قاسم ابن قطلو بغا رحمۃ اللہ علیہ سے متقدم ہیں ان کو ترک کرنا خلاف ضابطہ فقہ ہے۔

سابعاً امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مطلقاً ستہ شوال کا انکار فرمایا ہے اور علماء کو تاکید کی ہے کہ وہ بھی اس سے منع فرمائیں اور یہ روزہ رکھنا بدعت گردانا ہے تو اتنی تحقیق جلیل القدر امام سے موطا جیسی معتبر کتاب میں منقول صرف تحریر الاقوال کی وجہ سے نظر کرنا علماء ربانیین کی شان نہیں ہے۔

ثامناً جو روایت قرنِ اوّل میں غیر معروف اور غیر معمول بہ ہو جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے صنیع اور صراحت سے معلوم ہوا۔ بعد میں اس پر ترک عمل بہتر ہے یہ کہنا قواعد علم کے خلاف ہے کہ موطا اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہم مقلد نہیں ہیں اولاً یہ دین کا مسئلہ ہے اور ثانیاً ہمارے امام سے بھی کراہت منقول ہے۔

تاسعاً وجوہ کراہت مصرح ہیں جبکہ نصاریٰ اور یہود نے اس طرح دین میں اضافہ کیا

تھا اور اس کے اقدام سے عوام ثواب کی نیت سے بدعت کر سکتے ہیں ''کما ظهر عن المؤطا'' اس لئے ایک مستحب کے بہانے کہیں بدعت جیسی وعید وسزا کا ارتکاب نہ ہو سکے۔

عاشراً فقہاء اربعہ کا اتفاق ہے کہ اگر ایک امر بدعت اور سنت کے درمیان دائر ہو جائے تو ترک اولیٰ ہے کیونکہ کسی مستحب یا سنت کا انجام دینا فرض اور واجب نہیں ہے جبکہ بدعت سے اجتناب فرض ہے ملک العلماء علاؤالدین کاسانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کی تصریح ملاحظہ ہو۔

والفعل اذا تردد بين السنة والبدعة تغلب جهة البدعة لان الامتناع عن البدعة فرض ولا فريضة فى تحصيل السنة أو الواجب.

(بدائع الصنائع ج ا ص ۲۰۴، جامع الرموز، ج ا ص ۲۷۵)

اہل علم کو ٹھنڈے دل سے اس پر غور کرنا چاہیے کہ جب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ستہ شوال کو بدعت قرار دے رہے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقول صحیحہ کے ساتھ کراہت منقول ہے تو آخر اس مستحب کا کیا درجہ رہ گیا؟ قرونِ اولیٰ میں دین کے سب سے بڑے آئمہ جس عمل کو ناپسند فرمائیں بعد میں آنے والے اگر اسے مستحب سمجھ کر کریں تو وہ اس عمل میں کیا نیکی کمائیں گے۔ ملاعلی قاریؒ نے ایسے موقع پر ایک قاعدہ لکھا ہے کہ

فيه اشارة الىٰ ان كل سنة تكون شعار اهل البدعة تركها اولى

(مرقات ج ۴ ص ۴۴۵ مکتبہ حقانیہ)

یہ بات بھی سمجھنا ضروری ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلے میں امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال مذہب نہیں بن سکتے تفصیل کے لئے

''اعلام الا علام بان الفتویٰ مطلقاً علی مذهب النعما ن'' جیسی کتب ملاحظہ فرمائی جائیں۔ تو آخر صاحبینؒ سے مشائخ یا متاخرین کسی درجے میں بھی قابل قبول نہیں ہو سکتے

وهـذا لا يـخفٰی علیٰ من له ادنیٰ الما م بمصطلحا ت الفقهاء .باب ما جاء فی صيام ستة ايا م من شوال حدثنا احمد بن منيع نا ابو معاوية نا سعد بن سعيد عن عمر بن ثابت عن ابی ايو ب قال قال رسول اللهﷺ علیه وسلم من صام رمضان ثم اتبعه بستٍّ من شوال فذالک صيام الدهر وفی البا ب عن جابر وابی هر يره و ثوبان قا ل ابو عيسیٰ حد يث ابی ايوب حديث حسن صحيح وقد استحب قوم صيام ستة من شوال لهذا الحد يث وقال ابن المبارک هو حسن مثل صيام ثلثة ايا م من کل شهر قال ابن المبارک ويروی فی بعض الحد يث ويلحق هذا ا لصيام بر مضان واختار ابن المبارک ان يکون ستة ايام من اول الشهر وقد روی عن ابن المبا رک انه قال ان صام ستة ايام من شوال متفر قاً فهو جا ئز قال ابو عيسیٰ وقد روی عبد العزيز بن محمد عن صفوان بن سُليم وسعد بن سعيد هذاالحد يث عن عمر بن ثا بت عن ابی ايوب عن النبی ﷺ هذا وروی شعبة عن ورقا ء بن عمر عن سعد بن سعيد هذا الحد يث وسعد بن سعيد هو اخو يحيیٰ بن سعد الانصاری وقد تکلم بعض اهل الحد يث فی سعد بن سعيد من قبل حفظ (ترمذی ج۱ص۱۵۹)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے انداز تخریج سے معلوم ہوا کہ یہ روایت اور اس سے مستفاد مسئلہ قرنِ اوّل سے کمزور چلا آ رہا ہے۔مثلاً روایت میں سعد بن سعید اور عمر بن ثابت

کا موجود ہونا عمر بن ثابت پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا کلام بحوالہ استذ کار گذرا ہے اور سعد بن سعید تقریباً متفق علیہ ضعیف ہے جیسا کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے ابن المبارکؒ کا ارشاد ہے کہ اگر شوال میں روزہ رکھے اور متفرقاً رکھے تو جائز ہے معلوم ہوا کہ اول شوال یا متتابعاً کی کراہت سب کے یہاں موجود ہے نیز اسی حدیث پر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے اور اولین شارحین میں سے ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام جس میں ستہ شوال کے روزے کی ممانعت بوجوہ مذکور تھی گزرا ہے۔ جبکہ اعلاء السنن اور معارف السنن کی عبارات کے جوابات بفضل اللہ تعالی اپنے محل پر دیئے جا چکے ہیں جیسا کہ آگے آ رہا ہے

اعلاء السنن اور معارف السنن کے بارے میں ایک وضاحت

صوم ستہ شوال کے سلسلے میں اعلاء السنن میں اجمال پایا جاتا ہے اور معارف السنن میں حضرت مولانا نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کراہت کی نسبت نقل فرمائی ہے یہاں صیغہ تمریض نہیں ہے کیونکہ ہر جگہ صیغہ مجہول برائے ضعف نہیں ہوتا ورنہ قرآن کریم کی آیت ''وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ''(بقرہ ۱۱) کے بارے میں کوئی مسلمان نہیں کہہ سکتا کہ یہ صیغہ تمریض ہے ایک صریح اور ثابت حقیقت کیلئے اس قسم کے صیغے برائے تبیین ہوتے ہیں نہ کہ تمریض کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کراہت کا نقل متوارث ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مؤطا میں کراہت بلکہ شدت ممانعت اور حکم بالبدعت منقول ہے اس کو صیغہ تمریض کہنا رجال علم کی شان کے لائق نہیں ہے خود استاذ گرامی قدر حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے متاخرین علماء حنفیہ کے نقول کو

''مضطرب'' فرمایا ہے قاسم ابن قطلو بغا رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرمایا'' ولکن افرد هذا الموضوع '' کہ گویا تنہا قاسم ابن قطلو بغا رحمۃ اللہ علیہ ''تحریر الاقوال'' میں شیخین سے اس کے استحباب کے درپے ہیں ۔ (معارف السنن ج۵ ص۴۴۳)

الحمدللہ معارف السنن سے بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تائید وضاحت سے ثابت ہوئی آگے مشائخ کا تذکرہ چونکہ اصل مذہب سے معارض ہے اس لئے اس سے اصل مذہب پر کوئی اثر نہیں پڑے گا جیسا کہ آگے چل کر تعاریض تصحیح اور آداب افتاء کے ضمن میں ہم عرض کرنے والے ہیں۔

حدیث : من صام رمضان وأتبعه بست من شوال فكأ نما صا م الدهر مسلم من حديث ابى ايوب ، وجمع الد ميا طى طرقه وفى الباب عن جا بر رواه احمد بن حنبل وعبد بن حميد ،والبزار وعن ثوبا ن أخر جه النسا ئى وابن ماجه واحمد والدرامى ،والبزاروعن ابى هر يرة رواه البزار من طريق زهير بن محمد عن العلاء عن ابيه عنه ومن طريق زهير ايضاً عن سهيل عن ابيه عنه واخر جه أبو نعيم من طريق المثنىٰ بن الصباح فى الضعفاء عن المحرر بن ابى هريرة رضى الله عنه عن ابيه، و رواه الطبرانى فى الاوسط من اوجه اخرىٰ ضعيفة ، و عن ابن عباس رضى الله عنه اخرجه الطبرانى فى الاوسط ايضاً ، وعن البراء بن عازب رضى الله عنه اخرجه الدار قطنى.

(تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر ج۲ ص۸۱۹ بیروت)

ان تمام روایات کا حاصل یہی ہے کہ اصلاً ان میں عمر بن ثابت مدنی، سعید بن

سعید بن قیس اور بعض میں ابن لھیعہ موجود ہے جو کہ متکلم فیہ اور ضعیف رجال ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ کا کلام بابت مذہب مالکؒ اور مذہب حنفیہ ''اهل الجهالة لو رأوا اهل العلم انهم لا يشددون فی ترک هذه الصيام لادخلوها فی رمضان كما زاد اهل الكتاب فی الصيام''۔ شیخ الحدیث مزید لکھتے ہیں ''اعلم ان صوم ستة شوال مختلف عند الآئمة'' آگے وجوہ کراہت مفصل مذکور ہیں۔

مذہب مالکیہ کے بارے میں فرماتے ہیں''ان شراح الحديث الما لكيون أطلقوا الكر اهة وأجابوا عما يرد من الروايات فا لظاهر هو مذهب المختار

(أوجز المسالک، ج۵ص۱۷۳)

یعنی مذہبِ مالک رحمۃ اللہ علیہ کے شارحین حدیث نے ستہ شوال کو مطلق مکروہ کہا ہے اور اس سلسلے میں جو روایات آئی ہیں ان کے جوابات دیئے ہیں پس مختار مذہب مالکیہ کا ستہ شوال کے مکروہ ہونے کا ہی ہے حنفیہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

وأما الحنفية فا ختلف النقول عنهم واختلف اهل فر وعهم فی ذلک ،ففی ''البحر الرائق ''ومن المكروه صو م ستة من شوال عند ابی حنيفةرحمه الله متفر قاً كان او متتا بعاًوعن ابی يو سف رحمه الله كراهة متتابعاً لامتفر قاً لكن عا مة المتأخرين لم يروا به بأ سا انتهى وعد ها فی ''نور الايضاح''وشرحه مراقی الفلا ح '' من المند وبات وفی ''البد ئع '' ومنها (ای المكروهات) أتباع رمضا ن بست من شوال كذا قال ابو يو سفؒ كا نو يكر هون أن يتبعو

ارمضان صوماً خوفاان یلحق ذلک با لفر ضیة و کذا روی عن ما لکؒ

(اوجز المسالک ج ۵ ص ۱۷۳)

واضح رہے کہ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مطلق کراہت نقل فرمائی ہے چنانچہ فرماتے ہیں ''وقال مالکؒ وابو حنیفةؒ یکرہ ذلک ''البتہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور داؤد ظاہری اوران کے موافقین سے بحوالہ نوویؒ استحباب نقل کیا ہے(اَوجز حوالہ بالا)۔

اکثر حضرات نے جو استحباب یا ندب نقل کیا ہے خواہ وہ علماء احناف ہوں یا اور کوئی ہو یہ سب شوافع اور حنابلہ محدثین سے متاثر ہونے کی بات ہے ورنہ خود مذہب حنیفہ میں جب امام المذہب سے کراہت منقول ہے جیسا کہ متعدد معتبر کتب کے حوالے سے نقل کیا گیا تو کہیں اور جانا جائز نہ تھا ''الضیاء المعنوی شرح مقد مة الغزنوی'' میں ہے کہ احناف کا فتویٰ ہمیشہ کراہت کا رہا ہے یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر متأخرین نے مشائخ کے حوالے سے کلمۃ لا بأس کے ساتھ جواز نقل کیا بلکہ بعض حضرات نے استحباب ندب یا سنیت کا قول کیا ہے مگر اس پر فتویٰ دینے سے احتراز فرمایا۔ چنانچہ الضیاء المعنوی کی عبارت ملاحظہ ہو

وذکر فی الفتاویٰ کراھیة صوم ست من شوال

(الضیاء المعنوی ۳۴۰)

قالوا صوم ست من شوال من الیوم الثانی مندوب ونقلو افیه حدیثا عن ابی ایوب الانصاریؓ ان رسول اللہ صلیٰ اللہ علیه وسلم قال من صام رمضان

ثـم اتبـعه بست من شوال کا ن کصیا م الد هر رواه مسلم والترمذی وابو داؤد ولـفـظـه کا نما صام الدهر قال الشیخ الاکبر فی الفتو حات المکیة هذا الحد یـث عـنـدی لیـس صـحیـحا ومع هذا لیس تر کیبه علی قاعد ة النحو لان لفظ الست صـفة لـلـصیـام فینبغی ان یکون ستة با لتاء ولایو سو سک ان اسنا ده صحیح من مر ویا ت مسلم لان صحة الا سناد لا ید فع الو هم ولعل الشیخ الا کبـر قـدس سـره عـر ض علی رسو ل اللّٰہ صـلـیٰ الله عـلیه وسلم فـلـم یجده صحیحا ثم الحد یث لو صح لا ید ل علی افضلیة هذه الصیام نصا لانه یحتمل ان یکون وجه الشبه بصوم الدهر الکر اهة لا الندب

(رسائل الارکان، ص۲۲۶)

شیخ الاکبرؒ کی اصل عبارت ملاحظہ ہو۔ قـد تـقـدم ذکـر الخلاف فی وقتها وفـی هذا الخبر عندی نظر لکو ن رسو ل الله ﷺ لـم یثبت الها ء فی العدد اعنی فـی الستة وقـال واتبـعـه ستـاً مـن شوال وهو عر بی والایا م مذکرة والصوم لا یـکـون الا فـی الیـوم وهـو الـنهـا ر فـلا بد من اثبا ت الهاء فیه فهذا سبب کون الحدیث منکر المتن مع صحة طر یق الخبر (الفتوحات المکیہ ج ا ص ۶۳۷)

رسائل الا رکا ن کی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اس حد یث سے استحباب کے بجائے کراہیت ثابت ہوتی ہے کیونکہ صوم الدھر بنصوص صریحہ منع فرمائی گئی ہے جیسا کہ صحیح مسلم کے حوالہ سے گذرا ہے نیز محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ جو اولیاء اللہ کے سرخیل اور سیّد الطائفہ ہیں وہ بھی اس حدیث کو منکر اور ضعیف فرما چکے ہیں گویا علماء اور اولیاء کا ان

روایات کے ترک پر اتفاق معلوم ہو رہا ہے جو اس کے استحباب کے بجائے کراہیت کا قرینہ ہے والله اعلم وعلمه اتم واکمل.

قد يردّ الحديث مع صحة سنده

قال القرطبیؒ "قال علماء نا وهذا الحديث وان صح سنده فير ده مع يعلم على القطع والبتات" (تفسیر قرطبی ج ا ص ۱۵)

والامام مالکؒ احيانا يرد الا حاديث الصحاح بعمل اهل المدينة (تفسیر قرطبی ج ا ص ۹۵)

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ عمل اہل مدینہ کو سرچشمہ ہدایت سمجھتے ہیں اور چونکہ اپنے زمانے میں انہوں نے حرمین شریفین میں نہ تو کسی مسلمان سے حدیث ستہ شوال سنی اور نہ کسی مسلمان کو یہ چھ روزے رکھتے ہوئے دیکھا ہے۔ تو اس وجہ سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ علما کو تاکید فرماتے تھے کہ عوام کو اس سے روکیں اور ان روزوں کے عمل کو بدعت اور دین میں اضافہ سمجھتے تھے۔ ہم نے الجامع لاحکام القرآن کے حوالے سے یہ چند ضابطے اس لئے نقل کئے تا کہ مؤطا کی عبارت جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا دوٹوک فیصلہ ہے وہ اہل علم کے سامنے واضح ہو سکے اس سے پتہ چلا کہ علامہ ابن عبد البر مرحوم نے اگر چہ سنداً اور متناً اور خارجی احوال کو وجہ بنا کر امام مالکؒ کے قول کی تنقیح فرمائی مگر یہ اصل بنیاد (جو امام مالکؒ کے مذہب کے مقابلے میں کاتبتاً علماء کو معلوم ہے تا کہ اس معاملے میں علامہ مغربیؒ سے ذہول

ہوگیا ''وما کان ربک نسیا ''غور کرنے کا مقام ہے امام اہل المغرب والحجاز مقدس کا امام مالکؒ بھی منع فرما چکے ہیں۔اور امام اہل المشرق وامام سائر الدنیا امام ابوحنیفہؒ بھی مکروہ سمجھتے ہیں تو روایات بابت ستہ شوال صرف ضعیف نہیں بلکہ متروک ہیں۔

وکم من فرق بین الضعیف والمتروک کما لا یخفی علی من لہ المام بمصطلحات الحدیث والفقہ

محدثین اور فقہاء اس پر متفق ہیں۔کہ جو روایت قرونِ اولیٰ میں متروک ہو چکی ہے بعد کے زمانوں میں اس پر عمل جائز نہیں ہے جبکہ یہاں تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ نفس کراہت کے قول میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ بھی متفق ہیں گویا کہ شیخانِ امامان یعنی امام اہل مدینہ اور امام اہل عراق کے اتفاق کے بعد مذہب حنفیہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ بھی مطلقاً ومتتابعاً اس کی کراہت پر متفق ہیں اب بھی اگر ہمارے بعض کرم فرماؤں کو یہ مذہب قوی یا مطابق حدیث اور مذہب حنفی کا قول مختار معلوم نہیں ہوتا تو ہم معذرت خواہ ہیں۔

تیرا جی نہ چاہے تو بہانے ہزار ہیں
آنکھیں اگر بند ہیں تو پھر دن بھی رات ہے

ولنعم ما قال الشاعر العربی ؛

و ان کنت لا تدری فتلک مصیبۃ وان کنت تدری فالمصیبۃ اعظم

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ستہ شوال کے صوم کی کراہت تو تقریبا متواتر ہے اس وجہ سے اکثر فقہاء اجلہ جیسے صاحب بحر (ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ) ملک العلماء علامہ علاؤ

الدین کاسانی رحمۃ اللہ علیہ صاحب بدائع نے ستہ شوال کو مکروہات میں شمار فرمایا ہے یہی حال ھندیہ اور معتبر فتاوٰی کا ہے بلکہ ''الضیاء المعنوی'' کے حوالے سے تو یہ تصریح بھی آچکی ہے کہ فتوی کراہیت کا ہوگا۔ بعض حضرات نے اگر تسامحاً یا بناء بر قول متاخرین اس کو مندوب کہا جیسے درمختار کی عبارت ہے ''**وندب تفریق صوم ست من شوال**'' اس پر علامہ سید احمد طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ کوہستانی کی تصحیح نقل کرتے ہیں ''**قال الکوھستانی صوم ست من شوال یکرہ مطلقاً عندہ ومتتابعاً عند ابی یوسفؒ** ''

(طحطاوی علی الدرج اص ۴۷۰)

علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ کا بابت صوم ستہ شوال کا موقف محل نظر ہے اور یہ شکوہ علامہ موصوف سے کبار فقہاء کو رہا ہے کہ وہ بعض اوقات غیر مصحح قول کی تصحیح کے درپے ہو جاتے ہیں ملاحظہ ہو ''کتاب التعلیم والارشاد'' کی عبارت

''**وابن عابدین یعنی صاحب رد المحتار علی سعتہ وضخامتہ ترک اکثر المواضع من غیر تحریر وغفل عن التنبیہ علی اکثر ما فیہ من الاغلاط والعذر لہ فی ذالک انہ ینقل من کتب المذہب ما تیسر لہ النقل فاذا لم یجد سکت فان تکلم شیئا من عند نفسہ خانتہ قواہ .**

(مقدمۃ القدوری ص ۱۳ الدکتور غلام مصطفیٰ سندی من کبار علماء ھذا العصر)

اولاً علامہ ابن عابدین مرحوم رحمۃ اللہ علیہ نے قاسم بن قطلو بغا رحمۃ اللہ علیہ کی ''تحریر الاقوال'' پر اعتماد فرمایا ہے مگر یہ واضح نہ ہو سکا کہ ''تحریر الاقوال'' آج تک کسی نے دیکھی ہے۔

ثانیاً جب جماہیر فقہاء حنفیہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مطلقاً کراہت نقل فرما چکے ہیں جیسا کہ فتاوی معتبرہ اور دیگر کتب فقہ سے صراحتاً ثابت ہے تو علامہ قاسمؒ علامہ تبائیؒ کا رد کیسے فرماتے ہیں کیونکہ رجال الحنفیہ کا تبتاً علامہ تبانی رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کے مؤید ہیں۔

ثالثاً ایسا کوئی قاعدہ نہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا اور نہ کسی اور نے کہ قاسم بن قطلو بغاؒ کو فقہ کے معروف اور مصدقہ مسائل سے انکار کرنے کا حق ہے۔

رابعاً قطلو بغا مرحوم نے اپنے شیخ محقق علی الاطلاق ابن الہمام مرحوم کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ کبھی کبھی خروج عن المذهب وجنوح الی اهل الحدیث کرتے ہیں۔ (كما ظهر من كتاب الحج من رد المحتار)

مگر اب معلوم ہوا کہ خود قطلو بغا مرحوم بھی کبھی کبھی اس کا ارتکاب فرماتے ہیں۔

واضح رہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ صاحب المذہب سے صحیح نقل کے ساتھ کہیں بھی ستہ شوال کا استحباب مروی نہیں ہے بلکہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کے ساتھ ہیں جیسا کہ تمام کتب معتبرہ عن هذا الميدان سے واضح ہے مشائخ متاخرین (جو کہ نا معلوم ہیں) کا قول اگر اس کو کہیں اصح یا مختار کہا گیا ہے تو یہ حسب قاعدہ فقہ حنفی خلافِ مذہب ہے چنانچہ حلبی کبیر شرح منیہ میں ہے

”جعل العلماء الفتویٰ علی قوله فی العبادات مطلقاً

(حلبی کبیر ص ٦٦)

خود ابن عابدین مرحوم شرح العقود میں فرماتے ہیں

''ثم الفتویٰ علی الاطلاق علی قول ابی حنیفه''

(شرح العقود ص۱۹)

بلکہ یہاں تک وضاحت موجود ہے اگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلے میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ یا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ یا کسی اور امام کے قول پر فتویٰ دیا گیا ''فلیس حکماً'' تو یہ حکم، حکم شرع ہوگا ہی نہیں۔ یہی قاعدہ علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے ردالمختار کے مقدمہ میں لکھا ہے ملاحظہ ہو

''والا صح کما فی السراجیة وغیرها انه یفتیٰ بقول الامام علی الا طلاق ....الخ''

اس کی شرح میں ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''ثم الفتویٰ علی الاطلاق علی قول ابی حنیفہؒ'' (الخ) علی الاطلاق کی تشریح فرماتے ہیں'' ای سواء انفرد وحده فی جانب او لا کما یفید کلام السراجیة (الخ) مزید فرماتے ہیں کہ امام کے قول کو چھوڑنے کا کسی کو اختیار نہیں ہے۔

''وکذا لا تخیر لو کان احدهما قول الامام لانه لما تعارضا التصحیحان تساقطا فرجعنا الی الاصل وهو تقدیم قول الامام بل فی شهادات الفتاوی الخیریة المقرر عندنا انه لا یفتی ویُعمل الا بقول الامام الاعظم .ولا یُعدل عنه الٰی قولهما لانه صاحب المذهب او قول احدهما او غیرهما'' مزید فرماتے ہیں'' وان صرح المشائخ بان الفتوی علی قولهما لانه صاحب المذهب والامام مقدم''. مزید ''بحر'' اوقات الصلوٰۃ اور کتاب القضاء کے حوالے سے لکھتے ہیں

یحل الافتاء بقول الامام بل یجب وان لم یعلم من أین قال

(مقدمہ ردالمحتار لابن عابدین ص۷۲)

اس عبارت کے چند فوائد ملاحظہ ہوں

(۱) مذہب حنفی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال واجتہاد کا نام ہے۔

(۲) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول کسی کے لئے ترک نہیں کیا جائے گا اور اس میں کسی کا اختیار نہیں چلے گا۔

(۳) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی موجودگی میں دیگر اقوال ساقط ہوں گے اور امام کے قول کو ترجیح ہوگی کیونکہ وہی مذہب ہے اور وہی اصل ہے۔

(۴) فتویٰ اور عمل صرف امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہوگا۔

(۵) امام صاحب کا قول چھوڑ کر صاحبین یا کسی اور کے قول پر فتویٰ اور عمل جائز نہیں ہے

(۶) اگرچہ مشائخ حنیفہ صاحبینؒ کے قول پر فتویٰ بھی دے چکے ہوں تب بھی مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول اور اجتہاد کا نام ہے۔

(۷) فتویٰ امام کے قول پر دینا جائز ہے بلکہ واجب ہے۔

(۸) اس تحقیق اور تجسس کی بھی ضرورت نہیں ہے کہ امام نے یہ قول کہاں سے اختیار کیا ہے۔

(۹) جب امام کے قول کے سامنے صاحبین کے اقوال مرجوح ہیں اور ان پر فتویٰ اور عمل منع ہے تو مشائخ حنفیہ کے قول پر امام صاحب کا مذہب چھوڑنا جائز نہیں ہے۔

(۱۰) زیر بحث مسئلہ میں بھی الحمدللہ ہمارا موقف امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تائید وتشریح ہے اس لئے ہم اپنے مذہب کے مطابق عمل پیرا ہیں۔ اور دوسری تحریرات وفتاویٰ کا ٹھکا

نہ کم از کم مذہب حنفی نہیں ہے ' تلک عشر ۃ کا ملۃ '

مد عی گو برو ونکته بحا فظ مفروش

كلكِ ما نیز زبانے و بیانے دارد

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال کی یہ وقعت اور اساس مذہب ہونے کی وجہ سے ان کے شاگرد خاص امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ المشائخ فقہاء اور اولیاء کے سرتاج امام عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چونکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے خود صحابہ کو دیکھا ہے اور تابعین کے ساتھ ٹکر کے فتاویٰ دیئے ہیں اس لئے ان کا قول مضبوط اور مستحکم ہے

قال عبد الله ابن المبارک لأنه رای صحابة وزاحم التا بعين فی الفتویٰ فقو له اشد ّ واقو یٰ (مقدمہ ردّ المحتار، ص ۷۰، ۷۱)

مشہور فقیہ محمد خالد الأ تاسی لکھتے ہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول ہی کا اعتبار ہوگا کیونکہ ہم حنفی ہیں نہ کہ یوسفی وغیرہ مزید لکھتے ہیں اس لئے محقق ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے بعض ان مشائخ کا رد کیا ہے جنہوں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلے میں صا حبین کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔

"ما قلنا فی مسئلة قو لا الا وهو روا ية عن ابی حنيفة فلم يتحقق اذا جواب ولا مذ هب الا له كيفما كا ن وما نسب الیٰ غيره الا بطرق المجا ز للمو افقة فان قلت اذا رجع المجتهد عن قول لم يبق قولا له فا ذا كا ن كذلك فما قاله اصحا به مخا لفين له فيه ليس مذهبه فحينئذ صارت اقو الهم

مـذا هبـاً لهـم مـع انّـناالتز منا تقليد مذ هبه دون مذهب غيره ولذا نقول ان مذ هبنا حنفى لا يو سفى ونحوه (شرح المجلہ ،ج٦ص ٥٩،٥٨)

ان عبارات کا حاصل یہ ہے کہ فتوی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہوگا بغیر کسی دلیل شرعی کے صاحبین یا مشائخ کے قول پر فتوی دینا خلاف مذہب ہے اور اس کے مستقل دلائل موجود ہیں۔

”و لذا رد المحقق ابن الهمام على بعض المشائخ حيث افتوا بقول الامامين بانه لا يعدل عن قول الامام الالضعف دليله“

(بنوع تلخیص من ردالمحتار شرح المجلۃ ج٦ص ٥٩)

اس لئے محقق علی الاطلاق ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے ان مشائخ حنفیہ کا رد کیا ہے جنھوں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلے میں صاحبین یا کسی اور کے قول پر فتوی دیا ہے۔

ثـم ان الاقـوال واردـة فيهـا فـمـا اتـفـق عـليـه آئمتنا الثلاث لا يجوز ولـولـلـمـجتهـدفى مذهبهم ان يقول برأيه فما بالک فى غيره وان اختلفو يقدم ما اختاره الامام ابو حنيفةؒ سواء وافقه احد اصحابه ام لا (شرح المجلۃ ج٦ص ٦٢)

ہمارے آئمہ ثلاثہؒ کے اتفاق کے بعد کسی اور طرف جانا قطعاً ناجائز ہے اور امام کے قول کی موجودگی میں صاحبین کی طرف جانا بھی جائز نہیں چہ جائیکہ مشائخ حنفیہ یا کسی اور کی رائے اور قول کو قابل عمل سمجھا جائے اور ایسا کرنا جائز نہیں ہوگا۔ چنانچہ ان فقہی ابحاث سے واضح ہوا کہ چونکہ ستہ شوال کے روزے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول اور ارشاد کا ترک لازم آتا ہے اور یہ تصریح موجود ہے کہ امام سے قول بالکراہیت منقول ہے۔ جبکہ

استحباب مشائخ حنفیہ رحمۃ اللہ علیہم کی رائے ہے اسلئے مشائخ کو ترک کرنا پڑے گا اور عمل بقول الامام ضروری ہوگا ۔

کما ھو مقتضی المذھب والقواعد الفقھیۃ مفصلۃ ومدللۃ

جوابی فتوی میں مولوی صاحب محترم نے لکھا ہے شوال کے چھ روزوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی صحیح سند کے ساتھ حدیث کی مستند کتابوں میں موجود ہے۔

عن ابی ایوب الانصاری انہ حدثہ ان رسول اللہ ﷺ قال من صام رمضان ثم اتبعہ ستاً من شوال کان کصیام الدھر رواہ الجماعۃ الا البخاری والنسائی

(نیل الاوطار ج۴ص ۱۲۰ ،اعلاء السنن جزء۹ ص۱۵۳)

واضح رہے کہ یہ عبارت صحیح مسلم ج اص۳۶۹ پر موجود ہے جس میں سعد بن سعید بن قیس حد درجہ ضعیف اور غیر معتمد ہے ۔چنانچہ المنھل میں ہے

لا نہ فیہ سعد بن سعید وفیہ مقال (ج۱۰ص۲۵۹)

نیز دوسرا راوی عمر بن ثابت ہے جس کے بارے میں مولوی صاحب کے دیئے ہوئے حوالے تیس جلدوں والی استذکار میں لکھا ہے۔

واظن الشیخ عمر بن ثا بت لم یکن عند ہ ممن یعتمد علیہ

(استذکار،ج۱۰ص۲۵۹)

نیز اس روایت کے موقوف اور مرفوع ہونے کا اضطراب بھی موجود ہے

(استذکار ج۱۰ص ۲۵۸)

روایت کے متن کو بھی منکر کہا گیا ہے (فتوحات مکیہ، ج اص ۶۳۷)

علاوہ ازیں مفصل بحث فی الاسناد بفضل اللہ تعالیٰ گزشتہ صفحات میں گذر گئی ہے اس لئے یہ کہنا کہ یہ صحیح السند ہے''علم الاسانید والرجال'' سے ناواقفیت کی بات ہے۔

کل من یدعی حب لیلیٰ

ولیلیٰ لا تقر لھم بذالک

آگے لکھتے ہیں کہ فقہ حنفی کی معتبر کتابوں نے بھی ان روزوں کو مستحب وسنت قرار دیا ہے اور تنویر الابصار اور الدر المختار کے حوالے سے ندب استحباب یا تسنن کی عبارات نقل کی ہیں:

اولاً تو اس سے زیادہ معتبرات جیسے البحر الرائق، بدائع الصنائع، فتاویٰ کوہستان، جامع الرموز وغیرہ میں بشمول فتاوی ہندیہ کے ان روزوں کو مکروہات میں سے گنا ہے جو کہ ہر اعتبار سے قوی اور مؤید بالدلائل ہیں جیسے تفصیلاً گزرا ہے۔

ثانیاً اسکو بھی آگے چل کر لاباْس کے ساتھ ذکر کیا ہے جو اصلاً خلافِ اولیٰ کے لئے آتا ہے۔جیسا کہ ہم پہلے بحوالہ ذکر کر چکے ہیں۔

ثالثاً ان اقوال کی اساس متاخرین یا قاسم بن قطلو بغاؒ کی ''تحریر الاقوال'' ہے جن سے علی التحقیق ثبوت مشکل ہے''**کما ذکرنا قبل ذالک مفصلاً و مدللاً**''

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَذِکۡرٰی لِمَنۡ کَانَ لَہٗ قَلۡبٌ اَوۡ اَلۡقَی السَّمۡعَ وَھُوَ شَہِیۡد

(سورۂ ق آیت ۳۷)

رابعاً صاحبِ مذہب حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے کراہت مروی ہے اور قواعد افتاء کے مطابق امام صاحب کے مقابلے میں مشائخ کا قول مرجوح ہوتا ہے اس لئے

ندب یا استحباب کا ثبوت مشکل ہے۔

مزید لکھتے ہیں کہ محترم جناب مولانا صاحب کے فتویٰ میں فتاویٰ عالمگیری اور البحر الرائق کے حوالے سے جوان روزوں کو مکروہ کہا گیا ہے افسوس یہ ہے کہ انہوں نے فتاویٰ عالمگیری کی آدھی عبارت نقل کر کے استدلال فرمایا ہے کاش وہ بعد والی عبارت بھی پڑھ لیتے جس میں اصح قول کے مطابق کراہت کو مسترد قرار دیکر استحباب کو ثابت کر دیا ہے ،آگے مولوی صاحب محترم نے فتاویٰ عالمگیری کی عبارت نقل فرمائی ہے سو واضح رہے چونکہ یہ اقوال مشائخ کے ہیں خود امام صاحب سے عالمگیری میں مطلقاً کراہت نقل ہے اور حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے متتابعاً کراہت منقول ہے۔آگے ''والاصح انہ لا بأس بہ'' جبکہ لابأس بہ کا اصل وضع خلافِ اولیٰ کے لئے ہے جیسا کہ فقہائے کرام جانتے ہیں مزید انہوں نے ان روزوں کا استحباب متفرقاً یعنی ہر ہفتہ میں دو رکھنے کا قول فرمایا ہے اور یہ مابہ النزاع سے خارج ہے اور محترم مولوی صاحب کو مفید نہیں ہے کیونکہ وہ مطلقاً یعنی متتابعاً و متفرقاً جواز کے قائل ہیں اس لئے عالمگیری کا حوالہ اپنے لئے مفید سمجھنا نا قابل فہم ہے۔ نیز کراہت کو مسترد قرار دیکر استحباب ثابت کرنا مقلد کے دائرہ اختیار سے باہر ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو رد کرنے کا اختیار امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ و امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو بھی نہیں ہے چہ جائیکہ مشائخ کے قول سے وہ رد ہو سکے یہ بھی مولوی صاحب کی طرف سے نرالا اقدام ہے ورنہ عالمگیری میں رد و قدح کا کوئی کلمہ نہیں

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

یہی حال البحر الرائق کا ہے بفضلہٖ تعالیٰ۔کلمہ لاباس کے بارے میں مولوی صاحب محترم کا یہ لکھنا (کہ غیر متعلقہ مقام پر پیش کیا گیا ہے) باعث تعجب ہے کیونکہ یہ تو فقہی قاعدہ ہے جو حسب ضرورت پیش کیا جاتا ہے۔نیز ’’کلمة لا باس قد يستعمل فی المندوب‘‘ کی عبارت محل نظر ہے دیکھئے کتاب الجنائز اور کتاب الجہاد من البحر الرائق ۔نیز اگر کہیں اور بھی بقول مولوی صاحب کے سیاق وسباق کی مناسبت سے استعمال بھی ہوا ہو مگر یہاں چونکہ کراہت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مصرح ثابت ہے تو اس کے مقابلے میں کلمہ لاباس خلاف اولی ہی کے لئے ہے نہ کہ استحباب وندب کیلئے ۔مزید لکھتے ہیں کہ ’’فتح القدیر کی عبارت ہم نے ناقص نقل کی‘‘ جبکہ محترم موصوف نے خود بھی نقل کرتے ہوئے اساسی جگہ جو ان کی تحقیق کیلئے مضر تھی نقل نہیں فرمائی اصل عبارت ملاحظہ ہو ’’صوم ستة من شوال عن ابی حنيفةؒ وابی يوسفؒ كراهة ‘‘محقق ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے شیخین سے مطلق کراہت نقل فرمائی ہے مزید لکھتے ہیں ’’وعامة المشائخ لم يرو به بأسا ‘‘ آگے فصل اور وصل وغیرہ کی صورتیں نقل فرما کر قول کراہت کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں

’’وجه الكراهة انه قد يفضی الی اعتقاد لزومها من العوام لكثرة المداومة ولذا سمعنا من يقول يوم الفطر نحن الی الآن لم يات عيدنا او نحوه فاما عند الامن من ذالک فلا باس لورود الحديث به‘‘ (فتح القدیر ج۲ص۲۷۲،۲۷۱)

کراہت کی وجہ یہ ہے کہ کبھی یہ روزے لزوم کے اعتقاد کو پہنچتے ہیں عوام اگر کثرت سے رکھنا شروع کر دیں چنانچہ ہم نے ایسے لوگوں سے سنا ہے جو کہتے تھے عید الفطر ہماری عید

نہیں ہے بلکہ چھ روزے رکھنے کے بعد ہماری عید آئے گی اور اگر ان چیزوں سے امن ہو جائے تو مباح ہے بوجہ روایت وارد ہونے کے محقق رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے چند باتیں معلوم ہوئیں ایک کراہت کا قول دعویٰ بلا دلیل یا دعویٰ کاذبہ نہیں ہے بلکہ یہ فقہ کا مضبوط اور مستحکم فیصلہ ہے۔ نیز عوام کے اعتقاد کو اس سے نقصان پہنچ سکتا ہے یہاں تک کہ شریعت کی مقرر کردہ عید کو عید ہی نہ سمجھا جائے اور چھ روزے رکھنے کے بعد عید تصور کی جائے۔ اتنے بڑے خطرات جب ان علم وعمل کے محترم زمانوں میں موجود تھے تو بعد میں کیسے اور کب یہ خطرات ٹل گئے

نہ پہنچ سکے گا کبھی منزل حقیقت پر
صراط عشق میں جو تیز گام ہو نہ سکا

محترم نے فتح القدیر کی عبارت **وعامۃ المشائخ** سے شروع فرمائی اور ناقص نقل کرنے کا الزام ہمیں دیا

میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

محقق ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے وجہ الکراہت سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کراہت کی تائید وتوضیح فرمائی ہے اور عوام الناس کا اس سلسلے میں سوء اعتقاد اور سوء اقوال نقل فرماتے ہیں اور کلمہ لابأس سے فقہاً وحدیثاً کچھ بنتا نہیں اور حدیث سنداً اور متناً متکلم فیہ ہونے سے قرنِ اول سے ہی متروک ہے اور منکر رہی ہے جیسا کہ گزشتہ ابحاث سے مفصل معلوم ہوا۔

مولوی صاحب محترم کا یہ ارشاد فرمانا کہ ''ایک صحیح حدیث کی موجودگی میں جس کو

جمہور امت نے قدیماً اور حدیثاً تسلیم کیا ہو۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول جو کہیں میں مرفوع روایت سے موید بھی نہیں ہے ترجیح دینا اصول کے خلاف ہے'' سوعرض ہے کہ روایت اس باب میں جتنی وارد ہیں وہ سنداً اور متناً ضعاف او متکلم فیہا ہیں، جیسا کہ مفصل گزر گیا۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے منع کرنے اور امام ابوحنیفہؒ کے مکروہ فرمانے کے بعد اس کو جمہور امت کے یہاں مسلمہ کہنا آداب علم اور دیانت تحقیق کے سراسر خلاف ہے۔ امام قرطبیؒ کے حوالہ سے یہ قاعدہ گزرا تھا کہ جس مسئلہ پر امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ جمع ہو جائیں تو ان کے بعد کسی اور کے قول کا کوئی وزن اور قیمت نہیں رہتی۔ جیسا کہ بحوالہ تفصیلاً گزرا ہے بلکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تو صرف روایت نہیں بلکہ حرمین شریفین بالخصوص اہل مدینہ کا تعامل اس کے رد کرنے کے لئے پیش فرما چکے ہیں پھر موطا امام مالک جو بخاری اور مسلم کی اصل اساس ہے، ملاحظہ ہو

''**عجاله نافعه**' اور '**الحطه فی ذکر صحاح سته**''

مزید مولوی صاحب محترم کا یہ ارشاد فرمانا ''اور جو لوگ مسلکاً مالکی بھی نہ ہوں ان کا یہ کام انجام دینا تو باعث حیرت بھی ہے'' سوعرض یہ ہے کہ اگر مسلک کی پابندی آپ مضر سمجھتے ہیں تو بخاری اور مسلم کے حوالے پیش کرنا بھی ٹھیک نہ ہوگا۔

'' **حفظت شيئاً و غابت عنک اشياء**'' ایسے ہی موقع پر کہا گیا ہے۔

مزید ان کا یہ لکھنا کہ ''امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مطلقاً منع تو نہیں فرمایا ہے بلکہ ان روزوں کو ضروری اور فرض قرار دینے کو منع فرمایا ہے'' باعث حیرت ہے کیونکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''**انه لم يرا احداً من اهل العلم و الفقه يصومها**'' یعنی میں نے

کسی عالم اور فقیہ کو یہ روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا، مزید لکھتے ہیں ''ولم یبلغنی ذالک عن احد من السلف''، یعنی گزشتہ بزرگوں یعنی صحابہ اور تابعین سے یہ عمل ہم تک نہیں پہنچا ہے۔ مزید فرماتے ہیں کہ

''وان اهل العلم یکرهون ذالک و یخافون بدعته''

یعنی اہل علم ان روزوں کو مکروہ اور ان سے ایسا ڈرتے تھے جیسا بدعت سے ڈرتے ہوں کیونکہ جاہل اور ناسمجھوں کو اگر اس کی اجازت اہل علموں نے دی تو وہ ان کو رمضان سے ملا دیں گے۔ (مؤطا امام مالک ص ۲۵۶) غور فرمایا جائے کہ ان عبارات واضحہ سے کسی قسم کے جواز یا اباحت کا بھی کوئی پہلو نہیں نکلتا ہے۔ اپنی طرف سے فرض یا ضروری کے پیوند لگانے سے چودہ سو سال کے متفقہ مسئلہ کی اصل حیثیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق
خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

آگے مولوی صاحب موصوف نے مذہب مالک کے ایک مقلد علامہ ابن عبد البر مرحوم کی عبارت استذکار سے اپنی منشاء کے مطابق توڑ مروڑ کر پیش فرمائی ہیں جو ان کے جمالِ دیانت اور پاسِ تفقہ کا آئینہ دار ہے۔ مزید استذکار کی عبارتیں پیش کرتے ہوئے حضرت والا نے تیس جلدوں کا بھی بارعب صنیع اختیار فرمایا ہے۔ مگر علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کا منشاء سمجھنے کی کوشش مطلقاً نہیں فرمائی۔ مثلاً علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ'' والذی کرهه له مالک أمر قد بینه و اوضحه''یعنی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ

کا ستہ شوال کے روزوں کو مکروہ سمجھنا بالکل واضح اور روشن ہے تا کہ رمضان شریف کے فرض روزوں کے ساتھ غیر ضروری چیزوں کو عوام نہ ملائیں، مزید لکھتے ہیں ''**وکان رحمہ اللہ متحفظاً کثیر الاحتیاط الدین** '' کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ دین کے محافظ اور محتاط تھے۔ان عبارات سے علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا کی بھرپور تائید اور حمایت فرمائی ہے جس کا نتیجہ صاف ظاہر ہے مزید علامہ مرحوم کا یہ لکھنا کہ ''**فان مالکا لایکرہ ذالک**'' اس کے ضعف کیلئے کلمہ ان شاء اللہ کافی ہے۔علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے مزید لکھا ہے کہ چونکہ اس روایت کے راوی عمر بن ثابت مدنی ہیں اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ان کو معتمد نہیں سمجھتے تھے اسلئے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے لوگوں سے اور بعض شیوخ سے احادیث لینا ترک فرمایا ہے (استذکار ج ۱۰ ص ۲۵۹) اگر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کسی درجہ میں ان روزاں کو مستحب سمجھتے تو علامہ ابن عبد البر مرحوم کو اتنی وجوہات اور تاویلات پیش کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات

محترم ومکرم مزید فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا ظفر احمد عثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب (اعلاء السنن جزء ۹ ص ۱۷۷) میں ان چھ روزوں کو مستحب قرار دیتے ہوئے ایک باب ''**باب استحباب صیام ستة من شوال** '' قائم کر کے مذکورہ حدیث کو ذکر کیا ہے سو عرض ہے کہ اس کے فوراً بعد علامہ موصوف نے ''**وفی الطحطاوی الست من شوال صومها مکروہ عند الامام متفرقة او متتابعة لکن عامة المتاخرین لم یرو بہ باسا** ''یعنی طحطاوی میں ہے کہ شوال کے چھ روزے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے

یہاں متفرق اور متابع دونوں طرح مکروہ ہیں اگر چہ متاخرین نے **لا باس به** کہا ہے۔اگر علامہ موصوف کے نزدیک استحباب ہی کا قول فیصلہ ہے جو بقول مولوی صاحب کے حدیث کا مقتضاء ہے تو اپنے امام سے مطلق کراہت کیوں نقل فرمائی ہے؟ معلوم ہوا کہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اعلاء السنن سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ان روزوں کو مطلقاً مکروہ فرمانے کی تائید ہوتی ہے چنانچہ مولانا نے اس مبحث کو بھی کراہت پر ختم فرمایا ہے'' **قلت الكرا هت محمو لة على احتمال سوء العقيدة لئلايظن انها من الفرائض لا تصا لها بر مضا ن** (اعلاء السنن جزء۹،ص۱۵۳)

و لله الحمد اولاً و اٰخرا

محترم جناب مولوی صاحب زید علمہ نے معارف السنن کی عبارت سے اپنے موقف پر استدلال فرمایا ہے اوران کی دورس نگاہیں صیغہ تمریض پر پڑ گئیں کہ نسب فعل مجہول جب بھی وارد ہوتو اس سے تمریض یعنی قول کا ضعف معلوم ہوتا ہے مگر محترم نے اس عموم اور طرد پر کوئی عقلی یا نقلی حوالہ پیش نہیں فرمایا ہے مگر صیغہ مجہول کبھی قوت کے لئے آتا ہی نہیں تو یہ محترم کا جدید ''علم نحو'' ہوگا۔قرآن کریم سورۃ البقرہ دوسرے رکوع کا مطالعہ ضروری تھا۔''وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ لَا تُفۡسِدُوۡا فِى الۡاَرۡضِ ''(سورۂ بقرہ آیت ۱۱)اس سے پہلے ہماری گفتگو اس سلسلے میں گزری ہے، کہ حضرت بنوری ؒ نے بھی ''**واقوال علماء نا مضطربة** ''یعنی ہمارے علماء احناف کے اقوال مضطرب ہیں(**معارف السنن ج ۵ ص ۴۴۳**)پر ارشاد فرمایا ہے۔

حضرت مولانا مرحوم نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اورامام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے

کراہت تسلیم فرمائی ہے۔اور خود علماء احناف کے اقوال کو بھی مضطرب فرمایا ہے۔آگے استحباب کا قول ''تحریر الاقوال ''پر موقوف ہے جس پر تفصیلی کلام اللہ تعالیٰ کے فضل سے پہلے گزرا ہے۔حضرت مولانا مرحوم کی مزید عبارتیں یعنی ''تفریق و تتابع بالاتفاق لاداء اصل الفضیلة بای طریق کان بغیر کراھة '' بھی تحریرالاقوال کا نتیجہ ہیں۔جیسا کہ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول بالتفریق نقل کرکے رد المحتار کے حوالے سے معلوم ہوا۔جواب فتویٰ کے اخیر میں محترم نے''الفقه الاسلامی و ادلته لدکتور وھبه الزحیلی'' سے ان روزوں کا استحباب چاروں مذاہب کے علماء کے اتفاق کے ساتھ نقل کیا ہے مگر مولوی صاحب محترم ومکرم اس ناگہانی فتح میں مذاہب کا سارا سرمایۂ علم بھول بیٹھے بھلا مؤطا امام مالک،البحر الرائق،المیزان،اورالمنھل جیسی معتبر کتب کے ہوتے ہوئے جس میں امام مالکؒ کا منع اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کراہت منقول ہے کسی محقق دکتور کی کتاب کے حوالے سے کیسے اتفاق واستحباب ثابت ہوسکتا ہے؟ مولوی صاحب محترم کو یہ خیال بھی نہیں رہا کہ'' تحریر الاقوال اور رد المحتار''جن کی عبارات پر جواب فتوی میں اعتماد کیا گیا تھا ان میں بھی مطلق کراہت کی نفی تھی،نفس کراہت وہ بھی تسلیم فرماچکے ہیں تو دکتور کی''ادله'' سے اچانک مذاہب اربعہ کے علماء کا اتفاق کیسے برآمد ہوا؟

ولنعم ما قال الشاعر العربی

الا ان للحرب رجالا ورجالا لقصعة و ثرید

اس مفصل تحقیق اور جواب فتویٰ کی تنقیح کے بعد عام مسلمانوں کے فائدہ کے لئے اس پوری بحث کا خلاصہ پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

(۱) شوال کے چھ روزے چونکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے صحیح نقول کے مطابق مکروہ منقول ہیں اور زمانۂ حال میں عوام کا اعتقاد گزشتہ زمانوں کے مقابلے میں زیادہ دین سے دوری کا ہے اس لئے یہ روزے رکھنا مکروہ اور ناپسندیدہ ہیں
(۲) انہیں مستحب سمجھنا متاخرین مشائخِ حنفیہ یا دوسرے مذاہب کے لوگوں کا خیال ہے، جبکہ مذہبِ حنفی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول اور اجتہاد کو کہتے ہیں اس لئے امام صاحب کی پیروی ضروری ہے۔

(۳) یہ روزے نہ فرض ہیں اور نہ واجب بلکہ نہ سنت مؤکدہ اور نہ مستحب نہ مندوب اتفاقیہ ہیں اس لئے ان کا ترک مناسب اور اولیٰ ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر، حافظ بدرالدین العینی اور احمد قسطلانی رحمۃ اللہ علیہم تینوں حضرات نے شروح ثلاثہ میں تصریح فرمائی ہے کہ اس قسم کے مستحب کے ترک کا ثواب اصلاح اور تبلیغِ دین کی وجہ سے زیادہ ہے۔

قد یترک الشئ المستحب لبیان الجواز ویکون فی حقه افضل لمصلحة التبلیغ

(۱) فتح الباری ج ۴ ص ۲۸۰

(۲) عمدۃ القاری ج ٦ جزء ١١ ص ١٠٦

(۳) ارشاد الساری ج ۳ ص ۴۱٦

(۴) شوال کا پہلا دن یعنی عید کا دن چھوڑ کر متفرق مہینہ کے کسی حصہ میں بھی یہ روزے رکھنا گو متأخرین حنفیہ کے قول کے مطابق مباح اور بنیت حسنہ مستحب ہو سکتے تھے مگر احادیث کے قرنِ اول میں متروک و منکر ہونے کی وجہ سے اور آئمہ کبار کے انکار اور اقوال مشائخ کے

اضطراب کے نتیجے میں اس کا ترک زیادہ بہتر ہے اور باعث ثواب ہے۔

حق تعالیٰ شانہ علماءِ دین کو احقاق حق اور ابطالِ باطل کی توفیق عطاء فرمائے، اور عوام کی ہاں میں ہاں ملانے کی عادت سے حق تعالیٰ شانہ حفاظت فرمائے۔

"واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل"

تم بحمد اللہ

احسن المناسک

قربانی کے مسائل

فہرست

(۱) قربانی کا تاریخی پس منظر	۱۶۵
(۲) قربانی کی موجودہ عبادت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظیم یادگار ہے	۱۶۹
(۳) مسائلِ عید و قربانی	۱۷۱
(۴) عید کے مستحبات	۱۷۱
(۵) طریقہ نمازِ عید	۱۷۲
(۶) تکبیراتِ تشریق	۱۷۲
(۷) قربانی کے مسائل	۱۷۳
(۸) مندرجہ ذیل حیوانات کی قربانی جائز ہے	۱۷۴
(۹) مندرجہ ذیل حیوانات کی قربانی جائز نہیں ہے	۱۷۵
(۱۰) قربانی کے گوشت کو تقسیم کرنے کا مستحب طریقہ	۱۷۶
(۱۱) قربانی کے آداب	۱۷۷
(۱۲) ذبح کرنے کے آداب	۱۷۸
(۱۳) تکملہ	۱۷۹
(۱۴) آخری گزارش	۱۸۳
(۱۵) ایک ضروری وضاحت	۱۸۵

قربانی کا تاریخی پس منظر

جب سے اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی تخلیق فرمائی ہے قربانی بھی انسانوں پر ضروری قرار دی ہے چنانچہ سورۂ مائدہ میں حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل کی قربانی کا ذکر ہے۔ اس زمانے کے دستور کے مطابق دونوں بھائیوں نے ایک اختلاف ختم کرنے کے لئے اپنی اپنی قربانی خدا کے سامنے پیش کی۔ چنانچہ تفاسیر میں ہے کہ ہابیل نے ایک مینڈھے کی قربانی کی اور قابیل نے اپنے کھیت کی پیداوار سے کچھ غلہ وغیرہ پیش کیا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

''وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَیْ اٰدَمَ بِالْحَقِ''

یعنی حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا واقعہ ان کو صحیح طرح بتا دیجئے

''اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَر''

(سورۂ مائدہ آیت ۲۷)

ان دونوں نے قربانیاں کیں ان میں سے ایک (ہابیل) کی قربانی قبول ہوئی اور دوسرے (قابیل) کی قربانی قبول نہ ہوئی۔ علاوہ ازیں قرآن کریم میں دوسرے مقامات پر مخالفین کا یہ سوال موجود ہے کہ گذشتہ انبیاء علیہم السلام کی طرح اس نبی کی قربانی کو بھی

آسمانی آگ آکر جلا دے

''حتی یأتینابقر با ن تأکله النا ر''

یعنی اس پیغمبر پر ہم جب ایمان لائیں گے کہ اس کی قربانی کو آسمانی آگ کھا لے۔ تفسیر کی کتابوں میں اس آیت کی تفسیر میں آیا ہے کہ گذشتہ انبیاء علیہم السلام کے زمانے میں قربانی کے گوشت کا استعمال کسی کے لئے جائز تھا یہاں تک کہ آسمانی آگ اس کو جلا دیتی یہ قبول ہونے کی علامت ہوتی تھی بلکہ شیخ ابوحیان اندلسی رحمۃ اللہ علیہ نے البحر المحیط میں نقل کیا ہے۔

'' قال مجا هد کا نت النا ر تأکل المردود وتر فع المقبول الی السما ء''

(تفسیر البحر المحیط ج۳ص۴۶۱)

امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو قربانی قبول نہ ہوتی اس کو آگ جلا دیتی اور جو قبول ہو جاتی اس کو آسمانی آگ آسمان پر لے جاتی۔

موجودہ قربانی کی تاریخ اور شکل تاریخ عالم کی ایک حیرت انگیز مجاہدانہ قربانی سے شروع ہوتی ہے اور وہ ابوالانبیاء حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی اس قربانی سے ہے جو انہوں نے اپنے اکلوتے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق خدا کی رضا حاصل کرنے کے لئے قربانی کے لئے پیش کیا۔ اس کا تفصیلی واقعہ قرآنِ کریم میں سورۂ صٰفٰت (آیت ۱۰۲ تا ۱۲۰) میں موجود ہے اور اس کی مزید وضاحت حدیث وسیر کی کتب میں ملے گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑی دعاؤں اور تمناؤں کے نتیجے میں

اللہ منعم ومحسن نے ایک لڑکا حضرت اسماعیل عطا فرمایا، ابھی یہ لڑکا چھوٹا ہی تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا ایک امتحانی حکم ملا کہ اپنے بیٹے حضرت اسماعیل کو مع ان کی والدہ ہاجر کے مکہ معظّمہ جو اس زمانے میں ایک چٹیل ریگستانی خطہ تھا میں چھوڑ دیں۔ حضرت نے اپنے رب کا یہ حکم پورا فرمایا، حدیث کی کتابوں میں ہے کہ جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو چھوڑا اور آپ روانہ ہوئے تو حضرت ہاجر نے پیچھے سے آواز دی'' الیٰ من ترکتموانی ؟ یعنی کن کے حوالے کر کے جا رہے ہو ؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خدا کی طرف سے ان کی طرف مڑکر دیکھنے کی اجازت نہ تھی، اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو دیکھے بغیر چلے جا رہے تھے، جب نظروں سے وہ لوگ اوجھل ہونے لگے تو حضرت ہاجر نے پوچھا کہ'' اللہ اذن لک بھٰذا؟'' خدا تعالیٰ نے تم کو اس کا حکم دیا تھا؟ حضرت نے فرمایا'' نعم '' ہاں مجھے میرے رب نے ایسا ہی فرمایا تھا، اس پر حضرت ہاجر نے ایک متوکلانہ اور مؤمنانہ جملہ ارشاد فرمایا کہ'' اذا لا یضیعنا'' یعنی اس وقت وہ خدا ہم کو ضائع نہیں فرمائے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب کچھ آگے بڑھے بیوی اور بچہ نظروں سے غائب ہوئے حدیث میں آتا ہے کہ حضرت زمین پر بیٹھ گئے اور پدری شفقت سیلاب کی طرح موجزن ہوئی اور اللہ تعالیٰ کے سامنے رو رو کر فرمایا۔

''رَبَّنَآ اِنِّیٓ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ لا رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ'' (سورۂ ابراہیم آیت ۳۷)

اے پروردگار میں نے اپنی اولاد میدان (مکہ) میں جہاں کھیتی نہیں تیری عزت (وادب) والے گھر کے پاس لا بسائی ہے اے پروردگا تا کہ یہ نماز پڑھیں۔ اس کے بعد

ایک زمانہ وہ بھی آیا کہ حضرت کو اسی بیٹے کو قربان کرنے کے لئے کہا گیا اور حضرت کو یہ حکم بذریعہ وحی خواب میں ملا تھا چنانچہ فرماتے ہیں

''اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُکَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی''

یعنی اے میرے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا کہ آپ کو ذبح کررہا ہوں آپ کی کیا رائے ہے ؟ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے انتہائی مطیعانہ جواب دیا اور فرمایا

''قَالَ یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْن''(سورۂ صٰفٰت آیت ۱۰۲)

اے ابا جان آپ وہی کرلیں جو آپ کو خدا کا حکم ہوا ہے آپ مجھے ان شاء اللہ صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل کو قربانی کے لئے پیش کردیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کو قبول فرمالیا اور فرمایا

''وَنَادَیْنٰہُ اَنْ یّٰٓاِبْرٰھِیْمُoقَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا''(سورۂ صٰفٰت آیت ۱۰۴)

اے ابراہیم آپ نے اپنا خواب سچا کرکے دکھایا۔

''وَفَدَیْنٰہُ بِذِبْحٍ عَظِیْم'' (سورۂ صٰفٰت آیت ۱۰۷)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت اسماعیل کا بدلہ ایک عظیم قربانی بنادیا۔ ایک تو یہ خود عظیم قربانی تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے سنتِ ابراہیمی کے نام سے تا قیامت ابد نشان رکھا ہے۔ دوسری طرف حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بدلے میں جنتی مینڈھا بھیج دیا گیا جس کو دیکھ کر باپ بیٹے کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی۔

قربانی کی موجودہ عبادت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظیم یادگار ہے

قربانی کی موجودہ عبادت جو اسلامی روایات کا ایک درخشاں باب ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کی یادگار ہے حدیث شریف میں آتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا

''ھذہ سنۃ ابیکم ابراھیم ''(ابن ماجہ ص ۲۳۳)

یہ تمھارے روحانی باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے تو صحابہؓ نے پوچھا ہمیں کیا ملے گا ؟ فرمایا ہر ہر بال کے بدلے میں مغفرت ملے گی۔

نیم جان بستاند وصد جان دہد

آں چہ در ہمت نہ آید آں دہد

جناب نبی کریم ﷺ نے اس تاریخی سنت کو اپنے قول اور عمل سے ایک سلسلہ تشکر وعبادت بنا دیا چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مدینہ منورہ میں دس سال قیام فرمایا اور ہر سال قربانی فرماتے تھے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہے کہ ایک سفر میں ہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے ہم نے سات آدمیوں کے طرف سے ایک گائے کی قربانی کی

(۱) ترمذی ج ۱ ص ۲۷۶

(۲) نسائی ج ۲ ص ۲۰۴

(۳) ابن ماجہ ص ۲۳۳

بعض مرتبہ کسی سفر میں قربانی کے دن آجاتے تو وہاں بھی آپ ﷺ قربانی ترک نہیں فرماتے۔ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قربانی کے دنوں میں اللہ کے نزدیک انسان کا کوئی عمل قربانی سے زیادہ محبوب نہیں۔

(ترمذی ج ۱ ص ۲۷۵، ابن ماجہ ص ۲۳۳)

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں ہم قربانیوں کو فربہ کرنے کا اہتمام کیا کرتے تھے اور سب مسلمانوں کی یہی عادت تھی۔

(صحیح البخاری کتاب الاضحیہ)

نبی کریم ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ عید کے نماز کے بعد عیدگاہ میں قربانی فرماتے تھے (ابن ماجہ ص ۲۳۳) تاکہ سب مسلمانوں کو اس حکم شرعی کی اطلاع بھی ہوجائے اور آداب قربانی بھی سیکھ لیں اور یہ بھی سب کو معلوم ہوجائے کہ عید سے پہلے قربانی جائز نہیں راقم آثم زرولی عرض کرتا ہے؛ شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ بزرگوں نے صراحت فرمائی ہے کہ عیدگاہ جاکر عید کی نماز پڑھنا عیدگاہ کے آس پاس قربانی کرنا اور جنازوں کی نماز مسجد کے باہر پڑھنا شعائر اسلام میں سے ہیں۔اس لئے فقہی مسئلہ ہے کہ عید کی نماز سے پہلے شہر والے قربانی نہ کریں۔ایک حدیث میں خود آنحضرت ﷺ نے فرمایا

”ان اول ما تبدأ من یومنا هذا ان نصلی ثم نرجع فننحر فمن فعل فقد اصاب سنتنا و من نحر فانما هو لحم یقدمه لاهله“ (بخاری ج ۲ ص ۸۳۴)

یعنی پہلا کام آج کے دن ہمارا نماز ہے پھر قربانی کریں گے۔ہاں دیہات

والوں کیلئے عید کے لئے شہر میں جانے کیلئے قربانی عید سے قبل جائز کی گئی ہے ،حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں؛

کان رسول اللہ ﷺ یذبح وینحر باالمصلیٰ (نسائی ج۲ص۲۰۲)

آنحضرت ﷺ عیدگاہ میں ہی قربانی کیا کرتے تھے۔قربانی کی عبادت کی اہمیت وفضیلت کا اندازہ اس سے لگالیا جائے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے آخری حج کے موقع پر سو اونٹوں کی قربانی فرمائی جن میں سے،۶۳،اونٹوں کا نحر آپ ﷺ نے اپنے دست اقدس سے فرمایا،باقی کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حوالے فرمایا۔(صحیح مسلم ج۱ص۳۹۹) محدثین نے لکھاہے کہ چونکہ یہ آپ ﷺ کا آخری حج اور منیٰ کا مبارک میدان تھا آپ ﷺ نے اس فضیلت کوخوب حاصل کرنے کے لئے اتنی بڑی قربانی فرمائی ورنہ اس سے قبل ہر سال دو مینڈھے قربانی کرنے کی عادت شریفہ تھی۔ (شروح بخاری)

مسائل عید وقربانی

(۱) نماز عید ہر عاقل بالغ مرد پر بشرط صحت واقامت واجب ہےاور یہ دو رکعت ہے۔

(عالمگیری ج۱ص۱۳۹،شامی ج۱ص۵۵۵)

(۲) عید کے مستحبات

صبح سویرے اٹھنا،غسل کرنا،مسواک کرنا،اپنے اچھے کپڑے پہننا نئے ہوتو بہتر ہے ورنہ دھلے ہوئے (محیط سرخسی) خوشبو لگانا،عیدالاضحیٰ کے دن نماز کے لئے آتے جاتے وقت بآواز بلند تکبیر کہنا،ایک راستے سے جانا دوسرے راستے سے آنا اور عیدگاہ کو جلدی جانا

نماز عید سے پہلے کچھ نہ کھانا واپسی پر اپنے قربانی کے گوشت میں سے کھا لینا عید کے دن خوشی ظاہر کرنا یعنی انبساط سے پیش آنا اور اپنے اہل وعیال پر کشادگی سے خرچ کرنا۔

محتاجوں اور ضرورت مندوں کا خیال رکھنا واضح رہے کہ عید کی نماز عید گاہ میں پڑھنا سنت ہے اور مسلمانوں کا ہمیشہ سے شعار رہا ہے۔ اگر عید گاہ قریب ہو تو پیدل چلنا افضل ہے۔ (فتاویٰ ظہیریہ)

(۳) طریقہ نماز عید

دو رکعت واجب نماز عید کی نیت کی جائے اور امام کے ساتھ تکبیر اولیٰ کہی جائے پھر "سبحٰنک اللھم" پڑھا جائے اس کے بعد امام تین تکبیر کہے گا اور ہر تکبیر کے بعد بمقدار تین تسبیحات کے ہاتھ کھلے چھوڑ کر کھڑا رہے گا اس دوران کچھ نہیں پڑھا جائے گا تیسرے تکبیر کے ساتھ ہاتھ باندھے اور چپ چاپ کھڑا ہو جائے باقی یہ رکعت اور نمازوں کی طر پوری کی جائے گی۔ دوسری رکعت جب امام پوری کرے تو رکوع میں جانے سے پہلے امام تین تکبیریں کہے گا اور تینوں کے ساتھ ہاتھ کھلے چھوڑنے پڑیں گے۔ بعد میں رکوع کو جانے کے لئے امام چوتھی تکبیر کہے گا باقی نماز اور نمازوں کی طرح پوری کی جائے۔

نماز کے بعد دونوں خطبے سننا سنت ہے۔

(۴) تکبیرات تشریق

۹ ذی الحجہ کی نماز فجر سے تکبیرات تشریق شروع ہو جاتی ہیں ہر مسلمان عاقل بالغ پر فرض ہے ہر فرض نماز کے بعد خواہ وہ جماعت سے پڑھی گئی ہو یا علیٰحدہ پڑھی گئی ہو ایک

مرتبہ بلند آواز سے پڑھنا ضروری ہے خاتون کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ آہستہ پڑھے۔ اگر امام بھول گیا تو مقتدیوں کو پڑھنا چاہئے یاد آتے ہی اس کا پڑھنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اگر پہلے کی قضاء نماز ایام تشریق کے دنوں میں پڑھ لی گئی تو اس فرض نماز کے بعد بھی تکبیر پڑھی جائے گی۔ اور اگر ایام تشریق کی کوئی نماز بعد میں پڑھی گئی تو تکبیریں نہیں کہی جائیں گی۔

(عالمگیری ج ۲ ص ۱۵۲)

ایام تشریق پانچ ہیں۔ یعنی ۹ ذی الحجہ کی نماز فجر سے تیرہ ذی الحجہ کی عصر تک مجموعہ تیئیس (۲۳) نمازیں کہ ہر فرض نماز کے بعد ایک مرتبہ بآواز بلند پڑھنا ضروری ہے مسبوق نمازی بھی اپنی نماز پوری کرنے کے بعد تکبیر پڑھے گا۔ نماز عید کے بعد تکبیرات تشریق پڑھنا جائز ہے۔ (نور الایضاح ص ۱۲۱، البحر الرائق ج ۲ ص ۲۸۵)

تکبیرات تشریق یہ ہیں۔

اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد

قربانی کے مسائل

(۱) ہر مسلمان عاقل، بالغ، صاحب نصاب اور مقیم پر واجب ہے

(۱) عالمگیری ج ۱ ص ۱۳۹

(۲) بدائع الصنائع ج ۵ ص ۶۳

(۳) مبسوط سرخسی ج ۱۲ ص ۸

(۴) ہدایہ رابع ص ۴۲۷

(۵) فتح القدیر ج ۸ ص ۴۳۵

(۲) واضح رہے کہ نابالغ پر بھی بشرط غنی ہونے کے قربانی واجب ہے

(قاضی خان، عالمگیری ج ۵ ص ۲۹۳)

(۳) نابالغ کی طرف سے اس کا باپ یا ولی قربانی کرے یہ ان کے لئے مستحب ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ (عالمگیری ج ۵ ص ۲۹۳)

(۴) قربانی نعمت زندگی کا شکرانہ ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی میراث کو زندہ کرنا ہے۔ (عالمگیری ج ۵ ص ۲۹۲ بحوالہ بدائع)

(۵) مسافر پر قربانی نہیں ہے قربانی کے دن متعین ہیں یعنی ذی الحجہ کی ۱۰، ۱۱ اور ۱۲ تاریخ تک ۱۰۔ ذی الحج کو صبح صادق کے بعد قربانی کرنا جائز ہے مگر نماز عید سے پہلے شہر یو ں کے لئے نا جائز ہے۔ (ہدایہ رابع کتاب الاضحیہ ص ۴۲۹)

(٦) مستحب وقت پہلا دن نماز عید اور خطبہ سننے کے بعد ہے قربانی رات کو بھی ہو سکتی ہے مگر مکروہ ہے۔ (عالمگیری ج ۵ ص ۲۹٦، ہدایہ رابع کتاب الاضحیہ)

(۷) قربانی خود کرنا افضل ہے بشرطیہ کہ وہ جانتا ہو ورنہ کسی دوسرے سے کرائے لیکن قربانی کے وقت اس کا موجود ہونا بہتر ہے۔

مندرجہ ذیل حیوانات کی قربانی جائز ہے

اونٹ (کم از کم پانچ سال کی عمر تک) گائے اور بھینس (کم از کم دو سال تک) دنبہ اور بکرا (سال بھر کا) واضح رہے کہ کوئی دنبہ اگر چھ مہینے کا ہو مگر دیکھنے میں سال بھر کا لگتا

ہوتو اس کی قربانی بھی جائز ہے اگر کسی حیوان کے دانت وغیرہ پورے نہیں نکلے ہیں مگر شکل و صورت سے وہ پورا لگتا ہے۔ اور اس کا مالک اس کی مطلوبہ عمر بتا تا ہے تو ایسے حیوان کی قربانی جائز ہے گائے بھینس اور اونٹ کے اندر سات آدمی تک شریک ہو سکتے ہیں سات سے کم ہوں تو بھی جائز ہے مگر سات سے زیادہ جائز نہیں۔

(ہدایہ رابع ص ۴۲۸ مطبوعہ رشیدیہ دہلی)

جس جانور کے سینگ بالکل نہ نکلے ہوں اس کی قربانی بھی جائز ہے خصی اور مجنون حیوان کی بھی قربانی جائز ہے چونکہ خصی کا گوشت اچھا ہوتا ہے اس لئے اس کی قربانی بہتر ہے مردے کی طرف سے بھی قربانی کی جاسکتی ہے اس کی دو صورتیں ہیں اگر مردے کی وصیت ہے تو اس قربانی کا سارا کا سارا گوشت فقراء ہی کو دیا جائے، غنی کو اس سے کھانا جائز نہیں۔ اگر مردے کی وصیت نہیں ہے بلکہ اس کیلئے بطور ثواب کے کی جاتی ہے تو قربانی کا حکم دیگر قربانیوں کی طرح ہے یعنی خود بھی کھا سکتا ہے اور غنی اور غیر غنی سب کو کھلا سکتا ہے۔

(ہدایہ جلد رابع ص ۴۳۳)

مندرجہ ذیل حیوانات کی قربانی جائز نہیں ہے

(۱) اندھے، بھینگے اور ایسے لنگڑے کی جو اپنی قربان گاہ تک نہ جا سکتا ہو اسی طرح ایسے دم کٹے اور کان کٹے جن کے کان یا دم کا نصف حصہ یا اکثر کٹ چکا ہو قربانی جائز نہیں ہے۔ اگر کان یا دم کا اکثر حصہ باقی ہے تو قربانی جائز ہے۔

(شامی ج ۵ ص ۲۰۲، ہدایہ رابع ص ۴۳۱، فتح القدیر ج ۸ ص ۴۳۴)

(۲) قربانی کے اندر اگر شرکاء قربانی میں سے کسی کی نیت قربانی کی نہیں ہے تو اس کے ساتھ تمام شرکاء کی قربانی خراب ہو جائے گی۔ (خلاصۃ الفتاوی جلد رابع کتاب الاضحیہ صفحہ ۳۲۲ ہدایہ رابع ص ۴۳۳)

قربانی کے گوشت کو تقسیم کرنے کا مستحب طریقہ

قربانی کے گوشت کو تین حصوں میں بانٹنا مستحب ہے۔ ایک حصہ اپنے لئے دوسرا حصہ رشتہ داروں اور احباب کیلئے، تیسرا حصہ فقراء اور مساکین کیلئے۔ قربانی کا گوشت خود کھانا اور ذخیرہ کرنا مستحب ہے قربانی کا گوشت کسی غنی کو فقیر کو مسلمان کو غیر مسلمان کو دے دینا سب جائز ہے۔ (عالمگیری ج ۵ ص ۳۰۰)

اگر سارا گوشت کسی کو دیدیا گیا یا سارا خود رکھ لیا تو بھی جائز ہے۔ ہاں سارا گوشت صدقہ کرنا افضل ہے۔ واضح رہے کہ اگر وہ شخص خود صاحب عیال ہے اور ضرورت مند ہے تو بہتر یہ ہے کہ سارا خود رکھ لے۔ (بدائع الصنائع کتاب الاضحیہ، عالمگیری ج ۵ صفحہ ۳۰۰)

قربانی کے دنوں میں جو شخص بوجہ قادر ہونے کے قربانی نہیں کر سکتا ہو اس کو مرغی یا مرغا ذبح کرنا مکروہ ہے اس لئے یہ مجوسیوں کی رسومات میں سے ہے۔

(عالمگیری ج ۵ ص ۳۰۰)

قربانی کے آداب

مستحب یہ ہے کہ قربانی کا جانور فربہ، خوبصورت اور موٹا ہو۔ دنبے کی قربانی افضل ہے بہتر یہ ہے کہ سینگوں والا خوبصورت اور موٹا تازہ ہو ذبح کرنے کا چھرا لوہے کا اور تیز دار

ہونا چاہئے ،مستحب یہ بھی ہے کہ ذبح کرنے کے بعد کچھ دیر انتظار بھی کیا جائے یہاں تک کہ وہ حیوان ٹھنڈا ہو جائے اور اس کی جان بالکل نکل جائے ،ذبح کر کے کھال کا فوراً کھینچنا مکروہ ہے یہودی یا عیسائی کے ہاتھوں کا ذبح کیا ہوا جائز تو ہے لیکن مکروہ ہے ۔قربانی کے جانور کو چند دن پہلے پالا جائے اور اس کے گلے میں پٹہ یا اس کے اوپر شال ڈالنا بہتر ہے ،اور اسے قربان گاہ کی طرف بہت اچھے طریقے سے اور نرمی کے ساتھ لیجایا جائے ذبح ہونے کے بعد اس کی شال یا پٹہ صدقہ کر دیا جائے ۔قربانی کے جانور سے قربانی ہونے سے پہلے فائدہ لینا مثلاً دودھ نکالنا ،روئی کٹوانا یا سوار ہونا یا کوئی اور کام لینا مکروہ ہے اگر تھنوں میں دودھ موجود ہے تو اس کو ٹھنڈے پانی سے چھینٹے دیئے جائیں تا کہ وہ سوکھ جائے ،لیکن اگر دودھ نہ نکالنے سے حیوان کو نقصان پہنچتا ہے تو دودھ نکالا جائے اور صدقہ کیا جائے ۔قربانی کے جانور کی کھال کو صدقہ کر دیا جائے ۔واضح رہے کہ کھال اگر بیچ دی گئی تو اس کی قیمت لازماً مستحق فقراء کو دے دی جائے ۔

مسئلہ: اگر کھال بیچ دی گئی تو وہ رقم فقراء کو پہنچانا ضروری ہے قربانی کا گوشت یا کھال بطور عوض کے قصاب وغیرہ کو دینا جائز نہیں ہے ۔(ہدایہ رابع کتاب الاضحیہ ص۴۳۴) **مسئلہ:** کسی سیا سی جماعت یا رفاعی ادارے میں کھالیں دینا درست نہیں یہ خالصتاً مستحقین اور نادار لوگوں کا حق ہے ۔

مسئلہ: مسجد میں یا مردے کی تجہیز وتکفین میں کھال خرچ نہیں ہوسکتی اس دور میں کھالوں کا بہترین مصرف مدارس دینیہ عربیہ ہیں جن کے نادر طلبہ کی ہمہ کفالت تقریباً اس تعاون سے

ہوتی ہے یوں دین کی نصرت ومعاونت بھی ہوجاتی ہے اور نادر مستحقین کو اپنا حق بھی پہنچ جاتا ہے۔

مسئلہ: مدرسے کی تعمیر یا اساتذہ وملازمین کی تنخواہوں میں کھال کی قیمت بھی زکوٰۃ فطرے کی طرح خرچ نہیں ہوسکتی بلکہ اس کا مصرف نادر ومستحق طلباء کی ذات ہے ان کے کھانے پینے ناشتے وظائف وعلاج ومعالجہ اور دیگر ضروریات میں خرچ ہوگی۔

وضاحت: واضح رہے کہ اہل علم اس بات کا پورا اہتمام فرماتے ہیں کہ اس قسم کی رقوم طلباء ہی پر خرچ ہوں ہم نے بھی یہ مسئلہ مزید وضاحت کے طور پر عرض کردیا۔

ذبح کرنے کے آداب

ذبح کرتے وقت زبان سے نیت کرنا غیر ضروری ہے دل میں نیت کی جائے اور زبان سے بسم اللہ اور اللہ اکبر کہنا ضروری ہے ذبح کرنے سے پہلے یہ دعا پڑھی جائے۔

"اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ" (سورۂ انعام آیت ۷۹)

"قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَo لَا شَرِیْكَ لَهٗ"

(سورۂ انعام آیت ۱۶۲، ۱۶۳)

ذبح کرنے کے بعد یہ دعا پڑھی جائے۔

اللهم تقبله منی كما تقبلت عن حبيبک محمد وخليلک ابرا هيم عليهما السلام. (بدائع الصنائع ج۵ ص۷۹، ۸۰)

اگر قربانی کسی کی طرف سے ہو تو منی کی جگہ من اور پھر اس شخص کا نام لیا جائے۔

تکملہ

(۱) نابالغ اولاد کی طرف سے قربانی کرنا افضل تو یقیناً ہے جس کو مستحب کے درجے میں فقہاء نے لکھا ہے حسن ابن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے نابالغ اولاد اور یتیم پوتے کی طرف سے باپ اور دادا پر قربانی واجب لکھی ہے مگر مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ یہ مستحب ہے اور واجب نہیں ہے عالمگیری میں ہے

والفتوی علی ظاهر الروایة (عالمگیری ج۵ ص۲۹۳)

مبسوط سرخسی کی عبارت سے بھی یہی سمجھا گیا ہے کہ واجب ہے (مبسوط سرخسی ج۶ ص۱۴) مگر تحقیق یہ ہے کہ دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ باپ یا دادا خود مالدار ہو اور اولاد یا پوتے غیر مالدار ایسی صورت میں فقہاء نے استحباب کے درجے میں ان کی طرف سے قربانی کرنا لکھا ہے جیسا کہ غلاموں کی طرف سے آقا کیلئے قربانی کرنا مستحب لکھا ہے

"ویستحب ان یضحی عن ممالیکه هکذا فی التاتارخانیة"

(عالمگیری ج۵ ص۲۹۳)

دوسری صورت وجوب کی ہے یہ تب ہوگی کہ نابالغوں کی اپنی مالیت ہو اس میں اگرچہ اختلاف رہا ہے مگر وجوب کا قول بھی کیا گیا ہے چنانچہ عالمگیری میں ہے

''وان کا ن لصغیر مال قال بعض مشائخنا تجب علی الاب کذا فی فتاویٰ قاضی خان وھو الاصح ھکذا فی الھدایہ''

(عالمگیری ج ۵ ص ۲۹۳)

درمختار کی عبارت میں جہاں آیا ہے کہ'' **عن نفسہ لا عن طفلہ**''یعنی اپنی طرف سے قربانی کرنا واجب ہے نابالغ اولاد کی طرف سے نہیں۔اس پر علامہ ابن عابدینؒ نے لکھا ہے'' **ای من مال الاب** ''یعنی باپ کے مال میں سے واجب نہیں۔آگے انہوں نے استحباب کو تسلیم کرلیا ہے۔ (فتاویٰ شامی ج ۵ ص ۲۰۰)

آگے چل کر درمختار کی عبارت میں

''ویضحی عن ولدہ الصغیر من مالہ ای من مال الصغیر''

یعنی اگر نابالغ اولاد کا اپنا مال ہو تو باپ ان کی طرف سے قربانی کرے۔علامہ شامیؒ نے یہ فرق واضح فرمایا کہ مال ہونے کی صورت میں خود نابالغ کے مال میں سے کرنا ہے۔اس کی تائید میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے علاء الدین کاسانی رحمۃ اللہ علیہ کے بدائع الصنائع کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں قربانی کے وجوب کیلئے عقل وبلوغ شرط نہیں ہے۔گویا یہ وجوب شیخین کے قول کے مطابق ہے۔اب معلوم ہوا کہ علامہ ابن عابدینؒ کا اضحیہ کی بحث کے آخر میں یہ فرمانا

''ان الصحیح عدم وجوبھا فی مال الطفل''

بنا بر اختلاف بعض مشائخ ہے مگر علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ وضاحت

کردی کہ ظاہر مذہب کے مطابق نہ تو بچے کے مال میں قربانی واجب ہے اور نہ بچے کی طرف سے باپ پر قربانی واجب ہے اس کو ظاہر روایت کہا ہے۔

(۲) اس میں اختلاف ہے کہ عیب کتنا ہو جس کی وجہ سے قربانی ناجائز ہو۔ امام ابوحنیفہؒ سے چار روایتیں ہیں چنانچہ ہندیہ میں ہے

''فعن ابی حنیفة اربع روایات'' (فتاویٰ عالمگیری ج۵ ص۲۹۸)

مشہور قول ہے۔ فقہ حنفی کے تمام متون میں یہ لکھا ہوا ہے کہ اگر نصف سے کم معیوب ہو اور اکثر حصہ درست ہو تو قربانی جائز ہے بعض کتب فتاوی میں دوسرا قول راجح سمجھا گیا ہے یعنی ایک تہائی اور اس سے کم کم تو معاف ہے لیکن ایک تہائی سے زیادہ عیب ہونے کی صورت میں قربانی جائز نہ ہوگی عالمگیری اور قاضی وغیرہ میں اس کو اختیار کیا گیا ہے آجکل اکثر دارالافتاء اس کے مطابق فتوی صادر کرتے ہیں مگر تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ پہلا قول یعنی نصف سے کم قلیل معاف ہے اور نصف یا نصف سے زیادہ ہونے کی صورت میں عیب کثیر یعنی قربانی کے لئے ناجائز ہونے کی وجہ سمجھا جائے شیخ شمس الدین سرخسیؒ فرماتے ہے کہ نصف کے اندر بھی جواز اور عدم جواز برابر ہے

''لکن لمااستوی المانع والمجوز یترجح المانع احتیاطا''.

(مبسوط سرخسی ص۱۶ جز۱۲)

یعنی بناء براحتیاط نصف عیب کو ناجائز سمجھا گیا۔

یہی تحقیق علامہ علاؤالدین کاسانی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے

(۱) بدائع الصنائع ج۵ ص۷۵

(۲) فتح القدیر ج۸ ص۴۳۴

(۳) بنایہ شرح ہدایہ ج۹ ص۱۴۴، ۱۴۵

ان تمام کتب میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا تو یہ پہلے سے قول تھا بعد میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو اختیار فرمایا چنانچہ علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہے کہ

''ھٰذا رجوع من ابی حنیفۃ الی قولہ''

(مبسوط سرخسی ج۱۲ ص۱۶)

علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ شامی میں اس کو حق اور مفتیٰ بہ کہا ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔

''وھی قولھما والیہ رجع امام ان الکثیر من کل شیء اکثرہ وفی النصف تعارض جانبان ،ای فقل لعدم الجواز احتیاطا بدائع وبہ ظھر انما فی المتن الھدایۃ والکنز والملتقی ھو الرابعۃ وعلیھا الفتوی''

(فتاویٰ شام ج۵ ص۲۰۶)

یعنی صاحبین کے قول ہونے کے علاوہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے اور نصف سے کم کم سمجھی جاتی ہے نصف میں احتیاطاً ناجائز کو اختیار کیا گیا ہے لیکن جب نصف سے زیادہ صحیح ہے اور نصف سے زیادہ میں عیب ہو تو متون اور مذہب صحیح کے مطابق فتویٰ اسی پر ہے۔

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے سعید ابن مسیّب رحمۃ اللہ

علیہ کے ایک اثر پر کلام کرتے ہوئے لکھا ہے کہ احادیث اور آثار کے مطابق امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کا یہ فرمانا کہ جب نصف سے کم ہو تو اس کو معاف سمجھا جائے یہ درست ہے کیونکہ کسی چیز کا نصف سے کم ہونا عرف میں قلیل سمجھا جاتا ہے۔

''وھذا ھو قول ابی یوسف ومحمد رجع ابو حنیفة الیہ''

(اعلاء السنن ج ۱۷ص ۲۴۳)

یعنی اب ہمارے تینوں اماموں کا یہ آخری قول ہے۔

آخری گذارش

کوشش اس بات کی کی جائے کہ جانور خریدتے وقت ایک تہائی سے زیادہ عیب والا نہ ہو تاکہ اختلاف سے حفاظت رہے مگر کہیں ایسا جانور آ گیا ہو۔ جس کے اندر ایک تہائی سے زیادہ اور نصف سے کم عیب پایا گیا تو اس کی قربانی بھی درست ہوگی کیونکہ مضبوط اور فیصل قول یہی ہے۔

(۳) شرکاءِ قربانی کے لئے یہ تو افضل ہے کہ سب کی نیت قربانی ہی کی ہو لیکن اگر قربانی کے علاوہ اور قربت یعنی ثواب کی نیت سے قربانی کر لی گئی مثلاً بعض شرکاءِ قربانی کی نیت سے شریک ہیں لیکن بعض عقیقہ کی نیت سے شریک ہیں یا بعض شرکاء نے نفلی قربانی کی نیت کی ہے اسی طرح کسی مرحوم کی طرف سے بطور ثواب کی جو نیت کی جاتی ہے یہ سب چونکہ عبادت کی قسمیں ہیں اس لئے قربانی جائز ہوگی، بلکہ اگر ولیمے کے لئے گوشت کا ارادہ ہو تو اس سے قربانی خراب نہیں ہوگی۔

(فتاویٰ ہندیہ ج ۵ص ۳۰۴، فتاویٰ شامی ج ۵ص ۲۰۷)

ہاں جہاں تک ہو سکے سب شرکاء کی نیت قربانی ہی کی ہو۔تو یہ زیادہ افضل ہے اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت کے مطابق کراہت سے بھی حفاظت رہے گی۔

اگر قربانی مرحوم کی وصیت کے مطابق مرحوم کی طرف سے ہو یا قربانی کرنے والا نذر کی نیت کر چکا ہے تو وصیت اور نذر کی قربانی کے گوشت میں سے نہ خود کھا سکتا ہے اور نہ کوئی غنی کھا سکتا ہے بلکہ سارا کا سارا فقراء کو خیرات کیا جائے گا۔(شامی ج ۵ ص ۲۰۴)

ایصال ثواب کے لئے مرحومین یا بزرگوں کی طرف سے جو قربانی بعض لوگ کرتے ہیں یہ بہت ہی بڑے ثواب کا کام ہے اور اس قربانی کا گوشت بھی اپنی قربانی کے گوشت کی طرح استعمال ہوگا۔

(۴) اگر کسی نے قربانی کا جانور قربانی کی نیت سے خریدا ہے اور بعد میں اور لوگوں کو اپنے ساتھ اسی جانور میں شریک کرنا چاہتا ہے تو اگر جانور خریدتے وقت اس نے اور لوگوں کو شریک کرنے کی نیت نہیں کی تھی تو اب اگر یہ شخص صاحب نصاب ہے جس پر اپنی قربانی واجب ہوتی ہے تو اس کے لئے ایسا کرنا مکروہ ہے اور اگر یہ شخص صاحب نصاب نہیں ہے فقیر ہے تو دوسروں کو شریک نہیں کر سکتا کیونکہ خریدا ہوا جانور اس کی نیت کی وجہ سے لازماً اس کی طرف سے قربان ہوگا۔ (شامی ج ۵ ص ۲۰۲، ۲۰۱، عالمگیری ج ۵ ص ۳۰۴)

(۵) اگر شرکاء قربانی میں سے کوئی مر گیا تو مرحوم کے ورثاء کی اجازت سے یہ لوگ قربانی کر لیں لیکن اگر ورثاء کی اجازت کے بغیر قربانی کر لی گئی تو یہ جائز نہیں ہوگا کیونکہ مرنے کے بعد مرحوم کا حق ورثاء کو منتقل ہوا۔ اب ان کی اجازت کے بغیر قربانی کرنے سے ساری قربانی خراب ہو جائے گی۔ (شامی ج ۵ ص ۲۰۷)

ایک ضروری وضاحت

عید کے دن عید کے بعد عید کی خوشیوں میں ایک دوسرے سے مصافحہ یا معانقہ کرنا عید کی خوشیاں سمجھ کر جائز بلکہ مستحسن ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جب ایک دوسرے سے عید کے دن ملاقات کرتے تو '' تقبل الله منا و منک '' کہتے علامہ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں

'' کا ن اصحا ب رسو لﷺ اذا التقوا یو م العید یقو ل بعضهم لبعض تقبل الله منا و منک '' (فتح الباری ج ۲ ص ۳۷۱)

یعنی نبی کریم ا کے صحابہ کرامؓ عید کے دن ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے ہیں '' کیونکہ قبول فرمائے اللہ تعالیٰ آپ کی طرف سے اور میری طرف سے یہ عید مبارک ہی کی اصل معلوم ہوتی ہے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی '' عید مبارک '' کو اس وجہ سے جائز فرمایا ہے (شامی ج ا ص ۵۵۷)

زمانہ رسول ﷺ میں نماز عید کے بعض جائز قسم کے کھیل کھیلے جاتے تھے محدثین نے فرمایا ہے کہ کیونکہ عید کے دن خوشیاں منانا عید کے متعلقات میں سے ہیں اس لئے عید کی خوشیوں کے طور پر اگر ایک دوسرے سے ہاتھ یا گلے ملایا جائے تو یہ بھی عید کی ہی خوشیاں سمجھی جائیں گی تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۳۷۱)

صحیح البخاری وغیرہ کی صحیح ترین حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ ارشاد موجود ہے کہ میرے گھر کچھ لڑکیاں خوش آوازی کے ساتھ جنگ بعاث کے اشعار پڑھتی تھیں

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو انہوں نے فرمایا

ابـمـزامیـر الشیطان فی بیت رسول اللہ صلیٰ اللہ علیہ وسلم وذلک فـی یو م عید فقا ل رسول اللہ صلیٰ اللہ علیہ وسلم یا ابا بکر ان لکل قوم عیداً وھذا عید نا . (بخاری ج ۱ باب سنت العید لاہل الاسلام۔فتح الباری ج ۲ ص ۳۷۱)

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب ان لڑکیوں کے اشعار کو برا مانا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ عید کا دن ہے اور عید کی خوشیوں کی وجہ سے ایسے اشعار پڑھنا درست ہے۔علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کھیل کود یا شعروشاعری فی نفسہ مباح ہے اس کو مندوب نہیں کہا جا سکتا لیکن اگر عید کی خوشیاں سمجھی جائیں تو چونکہ عید کی خوشیاں منا نا شریعت کے مطابق ہے تو یہ عبادت بن جائے گی۔

لان المبا ح قد یر تقع با لنیة الی در جة ما یثا ب علیه

یعنی مباح کام سنت صالحہ کی وجہ سے ثواب کا باعث بن جاتا ہے مصافحہ اور معانقہ عید کی خوشیوں میں سے ہیں اور یہ کھیل اور شعروشاعری سے کسی درجے میں کم نہیں ہو سکتے بلکہ مصافحہ کے تو مستقل احادیث موجود ہیں نیز معانقہ ایک قسم کا علاج بھی ہے کیونکہ بعض روایات کے مطابق عید جیسے مبارک اوقات میں سب لوگوں کی مغفرت ہوتی ہے مگر جو شخص کسی مسلمان کے لئے دل میں بغض و کینہ رکھتا ہو اس کی مغفرت نہیں ہوگی اس لئے ہمارے ان علاقوں میں عید کے دن گلے ملتے ہیں گویا ایک قسم کا علاج بھی ہے تا کہ سینے میں کسی قسم کا کھوٹ اور کینہ نہ رہے۔ملاحظہ المدخل علامہ ابن الحاج رحمۃ اللہ علیہ کی۔

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے عمدۃ القاری شرح بخاری میں اس کی طرف

اشارہ کیا ہے یہ نہ کہا جائے کہ بعض اکابر سے ممانعت آئی ہے کیونکہ بہت سارے اکابر سے جواز بھی مروی ہیں تفصیلات کے لئے سورۃ الفتح کا آخری تفسیر روح المعانی میں ملاحظہ ہو۔

سلطان العلماء عز بن عبد السلام رحمۃ اللہ علیہ بھی جواز کے قائلین میں سے ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ مصافحہ اول ملاقات کے وقت ہے عید سے پہلے لوگوں کا ملنا اور پھر ملنا درست نہیں تو گذارش یہ ہے کہ اول ملاقات کا مصافحہ بھی ثابت ہے لیکن دوسرے اوقات میں مصافحہ کی ممانعت نہیں آئی بلکہ خوشی اور سرور کے موقع پر مصافحہ اور معانقہ دونوں مروی ہیں بہتر یہ ہے کہ مصافحہ اور معانقہ کو بدعت ہرگز نہ کہا جائے اور سنت بھی نہ کہا جائے ہاں عید کے خوشیوں کے طور پر استحسان کے درجے میں اس کو تسلیم کر لیا جائے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی عید کے دن مصافحہ اور معانقہ کو ضروری سمجھنا بدعت کہا ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۰۲)

ظاہر ہے کہ جب اس کو سنت نہ سمجھا جائے بلکہ عید کی خوشیاں سمجھ کر کر لیا جائے تو ضروری ہرگز نہ رہی۔ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو کسی موقع پر اس کی مزید تفصیل عرض کر دی جائے گی۔

تم بحمد اللہ

احسن المسائل والفضائل

رمضان شریف کے مسائل

فہرست

(۱) روزہ کی شرعی حیثیت	۱۹۳
(۲) روزہ کی فرضیت کی شرائط	۱۹۴
(۳) فائدہ	۱۹۴
(۴) روزہ کے مفسدات	۱۹۵
(۵) اصول	۱۹۶
(۶) مندرجہ ذیل صورتوں میں روزی ٹوٹ جانے سے قضاء اور کفارہ دونوں لازم ہو جاتے ہیں	۱۹۸
(۷) ضروری وضاحت	۱۹۹
(۸) روزہ کے مکروہات	۱۹۹
(۹) روزہ کے مستحبات	۲۰۰
(۱۰) وہ اعذار جن کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے کی اجازت مل جاتی ہے	۲۰۲
(۱۱) مسائل اعتکاف	۲۰۳
(۱۲) سنت اعتکاف کے آداب وشرائط	۲۰۵
(۱۳) ضرورت شرعیہ کی مثال	۲۰۵
(۱۴) ضرورت طبعیہ کی مثال	۲۰۶
(۱۵) مسئلہ	۲۰۷
(۱۶) مسئلہ	۲۰۷
(۱۷) تراویح کے مسائل	۲۰۸
(۱۸) ایک ضروری وضاحت	۲۰۹
(۱۹) شبِ قدر	۲۱۱
(۲۰) صدقہ فطر	۲۱۲
(۲۱) نمازِ عید الفطر کا طریقہ	۲۱۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رمضان المبارک کا مہینہ اسلامی روایات کے مطابق بڑی عظمت و برکت خیر وسعادت کا مہینہ ہے اس ماہ مبارک میں اسلام کا چوتھا رکن ادا کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس ماہ کا تذکرہ قرآن کریم کے اندر فرمایا ہے

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰن (سورۂ بقرہ آیت ۱۸۵)

رمضان المبارک کا مہینہ وہ بزرگ مہینہ ہے جس میں قرآن کریم جیسی عظیم ترین کتاب نازل ہوئی۔ یہ رمضان المبارک کی تاریخی حیثیت اور تاریخی برکات ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دیا۔ حدیث کے اندر جناب نبی کریم ﷺ نے رمضان المبارک کی برکات وفضائل بڑی تفصیل سے بیان فرمائے ہیں جناب رسول اللہ ﷺ اس ماہ محترم کیلئے بڑا اہتمام فرماتے تھے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں آتا ہے کہ جب رمضان شریف کا مہینہ قریب آنے لگتا تو

کان رسول اللہ ﷺ اذا دخل العشر احیی اللیل وایقظ اھلہ وجدّ و شدّ المئزر (مسلم شریف ج۱ص۳۷۲)

یعنی آنحضرت ﷺ رمضان شریف کیلئے کمر بستہ ہو جاتے تھے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے شعبان کے آخر میں ہمیں خطبہ دیا

اور فرمایا کہ

یا ایھاالناس قد اظلکم شھر عظیم شھر مبارک

(مشکوٰۃ شریف ج ۱ ص ۱۷۳)

ترجمہ اے لوگو تمھارے اوپر عظمت اور برکت کا مہینہ آ گیا ہے اور پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ ایسا مہینہ ہے کہ اس کے اندر ایک فرض نماز پڑھنا ستر (۷۰) فرضوں کے برابر ہے یہاں تک کہ اس میں نفل پڑھنے کا ثواب فرض کے برابر ملتا ہے۔ اور فرمایا کہ کسی روزہ دار کو افطار کرانا جہنم کی آگ سے نجات حاصل کرنے کے برابر ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ حضرت ہم میں سے ہر شخص کسی کو روزہ افطار کرانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ فرمایا کہ یہ ثواب تو ایک گھونٹ پانی پلانے اور ایک کھجور کھلانے سے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے اس تاریخی اور بنیادی خطبے میں یہ بھی فرمایا تھا کہ

جعل اللہ صیامه فریضۃو قیام لیله تطوعاً

ترجمہ اللہ تعالیٰ نے اس مہینے کے روزوں کو فرض اور رات کی نماز یعنی تراویح کو سنت مقرر فرمایا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ ایسا مہینہ ہے کہ

اوله رحمة و اوسطه مغفرة و اٰخره عتق من النار (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۷۳)

ترجمہ اس کا پہلا عشرہ خدا کی رحمت اور دوسرا خدا کی بخشش کا باعث ہے جبکہ آخری عشرے میں جہنم سے برأت ہو جاتی ہے۔

ہم نے یہ مختصر سی گزارشات فہرستِ فضائل کے طور پر ذکر کر دی ہیں۔ فضائل کی تفصیلات

کے لئے دفاتر درکار ہیں جسکا ہمارا یہ رسالہ ہرگز متحمل نہیں ہے۔

روزہ کی شرعی تعریف

و امارکنه فا لامساک عن الاکل والشرب والجماع

(بدائع الصنائع ج۲ص۲۳۶)

ترجمہ روزہ کی شرعی تعریف یہ ہے، کہ مخصوص چیزوں سے پرہیز کیا جائے اور وہ کھانا پینا اور جماع ہے یعنی صبح صادق سے غروبِ آفتاب تک ان چیزوں کا استعمال ترک کرنا ہے۔

روزہ فرض ہے قرآن پاک میں ہے

''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ'' (سورۃ البقرہ آیت۱۸۲)

دوسری آیت میں ہے ''فَمَنْ شَھِدَ مِنْکُمُ الشَّھْرَ فَلْیَصُمْهُ'' (سورۂ بقرہ)

حدیث میں ہے

بنی الا سلام علی خمس شهادة ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله واقام الصلاةوایتاء الز کا ة وصوم رمضان وحج البیت من استطا ع الیه سبیلا

(بخاری ج۱ص۶،ومسلم ج۱ص۳۲)

دوسری حدیث وہ ہے جسے آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا

ایها الناس اعبدوا ربکم وصلوا خمسکم وصوموا اشهرکم وحجوا بیت ربکم وادوا زکاة اموا لکم طیبةبها انفسکم تد خلو اجنة ربکم

(بدائع الصنائع ج۲ص۲۹۰،۲۱۰)

واما الا جماع فان الا مۃاجمعت علی فریضۃ شھر رمضان لا یجحد ھا الا کا فر (بدائع الصنائع ج۲ص۲۱۰)

روزے کی فرضیت کے شرائط

روزہ ہر مسلمان عاقل بالغ تندرست پر فرض ہے۔غیر مسلم یا نابالغ یا مجنون پر روزہ فرض نہیں ہے۔ (بدائع الصنائع ج۲ص۷۵)

روزے کی نیت فرض ہے اگر صبح سے شام تک بغیر نیت نہ کھائے اور نہ پیے تو یہ روزہ نہیں ہوا۔ (شامی ج۲ص۸۱)

فائدہ واضح رہے کہ بیمار یا نابالغ یا مسافر پر روزہ رکھنا فرض تو نہیں لیکن رکھنے سے ان کا روزہ ہو جائے گا۔

(۱) شامی ج۳ص۱۰۵

(۲) بدائع الصنائع ج اص۹۰

روزے کی نیت کیلئے کچھ الفاظ پڑھنا غیر ضروری ہے کیونکہ نیت قلب کے ارادے اور قصد کو کہتے ہیں زبان سے بول لینا بہتر ہے رہ گئے یہ الفاظ **وبصوم غد نویت من شھر رمضان** تو یہ الفاظ محققین کے نزدیک کسی حدیث وروایت سے ثابت نہیں ہیں صرف عربی جملے ہیں جو عوام سے لازماً نیت کرانے کیلئے تجویز کئے گئے ہیں اسکو سنت اور حدیث نہ سمجھا جائے۔ (مرقات شرح مشکوٰۃ ج۴ص۲۸۵)

روزہ کے مفسدات

روزے کی حالت میں کچھ کھالینا یا پی لینا بشرط ارادہ ونیت یا کلی کرتے وقت یا ناک میں پانی ڈالتے وقت پانی حلق سے اتر گیا یا کسی نے روزہ دار کی طرف کوئی چیز پھینکی اوراس کے حلق میں اتر گئی یا نہاتے وقت پانی حلق سے اتر گیا یا سوتے میں کچھ پیا یا سنگر یزہ، گٹھلی، ڈھلا، کپاس، کاغذ وغیرہ نگل لیا تو ان سب سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اگر کوئی ایسی چیز کھالی گئی جو عموماً کھائی جاتی ہو مثلاً کچے چاول، دال، تربوز اور خربوزے کے چھلکے اور مٹی اور بہت سارا نمک تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضا لازم آئے گی۔ لیکن اگر ان چیزوں کے کھانے کا عادی ہو تو قضا کے ساتھ کفارہ بھی لازم آئے گا

(۱) عالمگیری ج ا ص ۲۰۶

(۲) البدائع الصنائع ج ا ص ۹۹

(۳) شامی ج ۳ ص ۳۶۸

اگر دانتوں کے بیچ میں پھنسا ہوا ریزہ نکالا گیا اور کھایا گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا کفارہ اس صورت میں نہیں ہے۔ دانتوں کے اندر پھنسی ہوئی چیز اگر چنے سے کم ہو تو اس کے کھانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا اگر چنے کے دانے کے برابر یا اس سے زیادہ ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا لیکن باہر سے کوئی چیز بھی کھائی گئی وہ تھوڑی ہو یا زیادہ روزہ بہر حال ٹوٹ جائے گا اگر مثلاً گیہوں وغیرہ کا دانہ چبایا گیا اور وہ منہ میں گم ہو گیا اور حلق میں کچھ اثر محسوس ہوا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

(i) فتح القدیر ج ا ص ۲۵۸

(ii) قاضیخان ہامش ہندیہ ج ا ص ۲۰۸

(iii) عالمگیری ج ا ص ۲۰۲

اگر کسی کا لعاب نگل لیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا لیکن کفارہ نہیں آئے گا اگر یہ لعاب دوست یا بیوی کا ہو تو کفارہ لازم آئے گا۔ اگر دانتوں سے خون نکلا اور حلق سے اتر گیا تو اگر خون کم اور لعاب زیادہ تھا تو روزہ نہیں ٹوٹا اور اگر خون زیادہ تھا تو روزہ ٹوٹ گیا۔

(عالمگیری ج ا ص ۲۰۳)

اصول

(۱) جس چیز کا کھالینا نہ تو مقصود ہے نہ اس سے بچنا ممکن ہے تو اس کے نگلنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا جیسے حلق سے مکھی کا اتر جانا۔ (عالمگیری ج ا ص ۲۰۳)

(۲) اگر کسی نے جمائی لی اور سر اٹھایا پرنالہ سے پانی کا قطرہ حلق سے اتر گیا تو روزہ ٹوٹ جائیگا۔

(۳) یہی حال بارش اور برف کا ہے اگر آنسو روزہ دار کے منہ میں گرے تو ایک یا دو قطروں سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، لیکن اگر زیادہ ہوں تو روزہ ٹوٹ جائیگا۔ یہی حکم روزہ دار کے چہرے کے پسینے کا ہے۔

(۴) جو چیز معدے میں بذریعہ مسام پہنچی اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا ہاں اگر بغیر مسام کے پہنچی تو روزہ ٹوٹ جائیگا۔ عام طور پہ انجکشن وغیرہ سے روزہ نہیں ٹوٹتا، ہاں اگر انجکشن کے

ذریعے بغیر مسام بدن کے براہِ راست معدہ یا دماغ کو دوا پہنچا دی گئی تو روزہ ٹوٹ جائیگا۔

(i) فتاوٰی عالمگیری ج ۱ ص ۲۰۳

(ii) فتح القدیر ج ۲ ص ۲۶۶

(iii) بدائع الصنائع ج ۲ ص ۱۹۸

(۵) اگر آنکھ میں دوائی ڈالی گئی تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

(۱) فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۲۰۳

(۲) فتح القدیر ج ۲ ص ۲۵۷

آنکھوں کی دوا کا اثر حلق میں محسوس بھی ہو تب بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا ۔محقق ابن الھمامؒ نے فرمایا ''لانه اثره لا عينه'' یعنی وہ دوا کا اثر ہے خود دوا نہیں۔

(فتح القدیر ج ۲ ص ۲۵۷)

(۶) آنکھوں میں سرمہ ڈالنا یا سر میں تیل لگانا جائز ہے اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

(۱) عالمگیری ج ۱ ص ۲۰۳

(۲) فتح القدیر ج ۲ ص ۲۵۷

(۷) اگر کسی کو قے آئی اور خود بخود لوٹ گئی اگر چہ منہ بھر کے ہو تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، یا قصداً قے کی اور منہ بھرنے سے کم ہو اگر چہ اس نے لوٹا بھی دی تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔لیکن اگر اس نے قصداً قے کی یا قصداً لوٹا دی اور منہ بھر کر قے ہو تو روزہ ٹوٹ جائیگا۔

(۱) عالمگیری ج ۱ ص ۲۰۴

(۲) نور الایضاح ص ۱۴۶، ۱۴۷

نوٹ : واضح رہے کہ یہ قے کھانے یا پانی وغیرہ کی شکل میں ہو، بلغم قے کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ کان میں پانی جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اسی طرح اگر دوائی ڈالی یا تیل وغیرہ ڈالا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا (کیونکہ تحقیق سے یہ بات پتہ چلی ہے کہ دوا کان کے ذریعے دماغ تک نہیں پہنچتی اس لئے ایسی صورت میں روزہ نہیں ٹوٹتا، یہ ہماری تحقیق ہے اگرچہ فتویٰ اس کے برخلاف ہے) احتلام ہو جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

(فتح القدیر ج۲ص۲٦۰)

مندرجہ ذیل صورتوں میں روزہ ٹوٹ جانے سے قضاء اور کفارہ دونوں لازم ہو جاتے ہیں

روزہ کی حالت میں نیت کرنے کے بعد قصداً کھانا پینا یا جماع کرنا، کوئی ایسی چیز جو بطور غذا یا دوا کے استعمال ہو سکتی ہو قصداً کھا لینا، اسی طرح اگر بارش کے قطرے یا برف کے ٹکڑے ارادہ کر کے کھائے گئے یا کوئی ایسی مٹی جیسے ملتانی مٹی جو عادت کے طور پر کھائی جاتی ہو کھائی گئی اسیطرح کسی ایسے درخت کے پتے یا کچا پھل کھایا گیا جو عرف کے اندر کھائے جاتے ہوں یا کھانے والے کی عادت تھی تو قضاء کے ساتھ کفارہ بھی لازم ہو جائے گا۔ نمک اگر تھوڑا سا کھایا گیا اور حلق سے اتر گیا تو قضاء کے ساتھ کفارہ لازم ہے واضح رہے کہ زیادہ نمک کھانے سے صرف قضاء لازم آتی ہے جبکہ تھوڑے سے نمک سے قضاء اور کفارہ دونوں لازم آتے ہیں۔ فقہاء نے اسکی وجہ یہ بیان فرمائی ہے چونکہ تھوڑا نمک کھانے کی عادت بھی ہوتی ہے اور اسے لذت وحلاوت بھی ملتی ہے، تو قضاء کے ساتھ کفارہ

بھی لازم آیا مگر نمک کا ڈھیلہ یا بہت سارا کھا لینا عادت کے خلاف ہے اس لئے روزہ کی قضاء آئے گی نہ کہ کفارہ۔ (نور الایضاح ص ۱۴۶)

بھول کر کھا لینے یا پی لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا فقہاء نے لکھا ہے اگر وہ بھولنے والا شخص روزہ برداشت کرنے کی پوری طاقت رکھتا ہے تو اس کو بتانا بہتر ہے جیسے تندرست اور جوان آدمی ہو لیکن اگر کوئی شخص کمزور ناتواں یا حد درجے کا بوڑھا ہو تو نہ بتانا بہتر ہے۔ ملاحظہ ہو

(i) شامی ج۳ ص۳۶۵ (ii) فتح القدیر ج۲ ص۲۵۴

(iii) بدائع الصنائع ج۳ ص۹۰

ضروری وضاحت

اگر بھول کر کھانے والے کو یاد دلا دیا گیا لیکن اس کو یاد نہیں آ رہا تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا (عالمگیری ج۱ ص۲۰۲، قاضی خان ہامش ہندیہ ج۱ ص۲۰۳)

اگر کسی کو زبردستی کھلایا گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا ہاں کفارہ اس صورت میں بھی نہیں ہوگا۔

اگر پانی کی نمی کو کلی کرنے کے بعد لعاب کے ساتھ نگل لیا گیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

اگر کسی مشین یا چکی کا غبار یا دوائیوں کا ذائقہ یا دھواں وغیرہ حلق میں داخل ہو جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔

روزے کے مکروہات

روزہ کی حالت میں کسی چیز کو چکھ لینا بغیر عذر کے مکروہ ہے اسی طرح چبانا بھی مکروہ ہے فقہاء نے لکھا ہے۔

"لو كان زوج المرأة و سيدها سيئى الخلق فذاقت المر قة"

(عالمگیری ج ا ص ۱۹۹، قاضی خان ہاشم ہندیہ ج اص ۲۰۴)

یعنی اگر کسی خاتون کا شوہر تند خو اور سخت مزاج ہو تو دفع نزاع کے طور پر وہ خاتون شوربا وغیرہ چکھ سکتی ہے۔ دوسرا عذر یہ ہے کہ چھوٹے بچے کے لئے کوئی چیز چبائی جائے یعنی وہاں کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو اس کیلئے چبا سکے یا نرم کر سکے۔

مسی وغیرہ چبانا مکروہ ہے۔ منہ میں لعاب جمع کر کے نگل لینا مکروہ ہے۔ خریدتے وقت کوئی چیز چکھنا مکروہ ہے (قاضی خان ج اص ۲۰۴، عالمگیری ج اص ۲۰۰) لیکن اگر شدید مجبوری ہو مثلاً اگر چکھے بغیر خریدا گیا تو نقصان عظیم کا اندیشہ ہے یا نزاع و جھگڑا بعد میں پیدا ہو سکتا ہے تو ایسی صورت میں چکھ سکتا ہے۔ حالت جنابت یا احتلام کی صورت میں صبح کر لینا یا سحری کھا لینا جائز ہے اور روزہ درست رہے گا ہاں ایسا کرنا نا مناسب ضرور ہے۔

روزہ کے مستحبات

سحری کھانا اور سحری کھانے میں دیر کرنا۔ غروب ہوتے ہی افطار کرنا اور تاخیر نہ کرنا۔ واضح رہے کہ سحری کھانے میں اتنی دیر نہ کی جائے کہ وقت مشکوک داخل ہو جائے ایسا کرنا خلاف سنت ہے۔ اسطرح بادل اور ابر کے دن افطار میں جلدی کے بجائے تاخیر کرنا مستحب ہے۔

(i) شامی ج ۳ ص ۴۰۰

(ii) عالمگیری ج اص ۲۰۰

(iii) نور الایضاح ص ۱۴۸

افطار کرتے وقت نبی کریم ﷺ سے چند دعائیں ثابت ہیں مثلاً

واسع الفضل اغفرلی (مرقاۃ ج۴ ص۴۸۹)

کبھی آنحضرت ﷺ یہ بھی پڑھتے تھے

" الحمد للہ الذی اعاننی فصمت ورزقنی فافطرت " یہ دعا زیادہ مشہور ہے اور حدیث کی اکثر کتابوں میں موجود ہے

"اللھم لک صمت وعلیٰ رزقک افطرت" (ابوداؤد ج۱ص۳۲۲)

ابوداؤد میں ایک دوسری دعا بھی موجود ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ﷺ جب افطار فرماتے تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے

"ذھب الظمأو ابتلت العروق وثبت الاجر ان شاء اللہ"

(ابوداؤد ج۱ص۳۲۱۔سنن الکبریٰ للبیھقی ج۲ص۲۳۹)

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں یہ دعا

اللھم لک صمت وعلیٰ رزقک افطرت وا ما ما ا شتھر علی الالسنۃ اللھم لک صمت وبک آمنت وعلی رزقک افطرت ،فزیادۃ وبک اٰمنت لا اصل لھا (مرقات شرح مشکوٰۃ ج۴ص۲۵۸)

یعنی لوگوں میں جو الفاظ مشہور ہیں مثلاً

وبک اٰمنت وعلیک توکلت

یہ حدیث کے الفاظ نہیں ہیں، اضافہ اور بے اصل ہیں۔ ہماری عاجزانہ گزارش ہے کہ چونکہ محققین نے ان الفاظ کو غیر صحیح قرار دیا ہے لہذا صرف حدیث میں آئی ہوئی دعا پر اکتفا

کیا جائے اور اجر وثواب کیلئے وہی کافی ہے اس سلسلے میں فن حدیث کے رجال اگر کچھ مزید وضاحت کرسکیں تو ہم شکر گزار رہوں گے ہاں حدیث کا مسئلہ فن حدیث سے حل کرنا پڑے گا کسی اور فن کا حوالہ غیر مقبول اور غیر مسموع ہوگا۔

وہ اعذار جن کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے کی رخصت مل جاتی ہے

ا ۔مسافر ہونا کم از کم اپنے شہر وبستی سے اڑتالیس میل دور جانے کا ارادہ کرنا۔جب یہ شخص اپنی آبادی سے نکلے گا اور نماز میں قصر کرنے کا حکم ملے گا تو اس کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت یا رخصت بھی ملے گی ۔اس فرق کے ساتھ نماز قصر کرنا حتمی اور ضروری ہے اگر ارادہ سے پوری نماز پڑھ لی گئی تو گناہگار ہوگا جبکہ روزہ رکھنا افضل ہے اس سے کوئی سر کار نہیں کہ سفر کا راہ بس کا ہے یا ٹرین اور طیارہ کا ہے یا اونٹ اور گھوڑے کا ہے وہاں تک جانے میں ہفتے اور دن لگتے ہیں یا مختصر اوقات مگر اس سفر کا حکم سفر ملحق کا ہوگا اگر کوئی شخص سفر پر جارہا ہے اور باوجود عظیم تکالیف اور مشقت ومحنت کے روزہ رکھ رہا ہے تو یہ گناہگار ہوگا حدیث میں ایسوں کو نافرمان کہا گیا ہے لیکن اگر کوئی تکلیف اور دشواری برداشت کئے بغیر روزہ رکھ لے تو یہ بہتر ہے (نورالانوار ص ٦٥)

٢۔اگر کسی شخص کو ایسی بیماری اور تکلیف لاحق ہوئی کہ اسکی جان خطرے میں پڑ گئی تو اسکی دو صورتیں ہیں (ا) امتداد مرض (ب) خوفِ ہلاکت مثلاً کوئی حکیم حاذق صالح یا مسلمان ڈاکٹر صالح یہ مشورہ دے کہ اس بیماری اور کرب میں اگر روزہ رکھا گیا تو بیماری میں شدت پیدا ہونے یا ہلاک ہونے کا اندیشہ ہے تو اس صورت میں کسی صحیح العقیدہ متین عالم ومفتی سے

اجازت لیکر روزہ نہ رکھنے کی گنجائش نکل سکتی ہے۔

(i) فتح القدیر ج۲ ص۲۷۲ (ii) مبسوط سرخسی ج۳ ص۹۹

(iii) بدائع الصنائع ج۲ ص۹۴ (iv) خلاصۃ الفتاویٰ ج۱ ص۲۶۵

اگر روزہ کی حالت میں خاتون کو حیض یا نفاس عارض ہوا تو روزہ جاتا رہا مزید تفصیلات کتب فقہ وفتاوی سے معلوم کی جاسکتی ہیں۔

مسائل اعتکاف

اعتکاف بہت بڑی عبادت ہے رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ تشریف لے جانے کے بعد ہمیشہ اعتکاف فرمایا اور آپ کے بعد ازواج مطہرات باقاعدگی سے اعتکاف فرماتی تھیں

(الانصاف فی باب الاعتکاف مولانا عبدالحئی لکھنوی)

اعتکاف کی بڑی فضیلت آئی ہے۔خود قرآن کریم میں معتکفین کا ذکر بڑے اکرام سے ہوا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت اللہ شریف تعمیر کرنے کا جو حکم اللہ تعالیٰ نے دیا تھا۔تو بیت اللہ شریف کی عظیم عبادتوں میں سے ایک عبادت اعتکاف بھی فرمائی تھی۔خود رمضان شریف سے متعلقہ آیات کے آخر میں اعتکاف کے احکام وآداب بیان فرمائے ہیں حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ معتکف دنیا کی تمام کدورتوں اور نامناسب حالات کو چھوڑ کر خود کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے شیخ عطاء رحمۃ اللہ علیہ جو ہمارے امام سیدنا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاد تھے اور کبار اولیاء اللہ میں سے تھے وہ فرماتے ہیں معتکف کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کسی سخی اور کریم کے دروازے پر جا بیٹھے اور یہ کہے کہ جب تک آپ نے مجھے کچھ

دیانہیں میں نہیں جاؤں گا۔ معتکف بھی اللہ کے گھر میں اللہ کے گھر کی چوکھٹ پکڑ کر اپنے گنا ہوں کو بخشوانے کے درپے رہتا ہے حدیث کی کتابوں میں صراحت سے آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ معتکفین کے گناہوں کو معاف فرمادیتے ہیں ان کے درجات کو بلند کردیتے ہیں اورانکی دعاؤں کو قبول فرماتے ہیں

عرفی اگر بگریہ میسر شدے وصال
صد سال می توان تنا گریستن

اعتکاف کے معنی لغت میں ٹھہرنے کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں اللہ تعالیٰ کے گھر میں (مسجد میں) وقت متعینہ معلومہ گزارنے کو کہتے ہیں۔ اعتکاف کی تین قسمین ہیں۔ ایک واجب، دوسرا سنت، تیسرا نفل۔

(۱) واجب اعتکاف

مثلاً یہ نذر مانی گئی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے میری مشکل حل کی یا بیمار کو شفادی یا فلان مراد پوری کی تو میں اتنے دنوں کا اعتکاف کروں گا۔ یہ اعتکاف واجب کہلاتا ہے۔ اوراس کا پورا کرنا واجب ہوجاتا ہے

(۲) سنت اعتکاف

رمضان المبارک کی اکیسویں رات سے لیکر عید الفطر کی رات تک مسجد میں رہنا سنت اعتکاف کہلاتا ہے۔

(۳) نفلی اعتکاف

مسجد میں غیر معینہ اور غیر مقررہ مدت تک کے لئے بیٹھنا مثلاً مسجد میں داخل ہوتے وقت یہ نیت کی گئی کہ جب تک مسجد میں رہوں گا معتکف رہوں گا یہ اعتکاف ایک لمحہ کا بھی ہوسکتا ہے اوراس کے لئے کچھ شرائط نہیں ہیں فقہاء نے یہاں تک لکھا ہے کہ مسجد کے ایک دروازے سے اگر داخل ہوا اور نفلی اعتکاف کی نیت کر لی اور دوسرے دروازے سے نکل گیا تو یہ لمحہ اعتکاف کا گزرا۔ ملاحظہ ہو

(i) شامی ج ۳ ص ۴۳۱ (ii) عالمگیری ج ۱ ص ۲۱۱

(iii) نورالایضاح ص ۱۳۵

سنت اعتکاف کے آداب اور شرائط

رمضان شریف کی بیسویں تاریخ کو مغرب سے پہلے پہلے کسی جامع مسجد یا ایسی مسجد جہاں پنج وقتہ جماعت ہوتی ہو بیٹھ جانا۔ مسجد میں بیٹھتے ہی یہ شخص معتکف ہو گیا اب بجز ضرورت شرعیہ یا طبعیہ کے مسجد سے باہر نہیں نکل سکتا۔ یہاں تک نماز جنازہ پڑھنے یا مریض کی عیادت کرنے بھی نہیں جا سکتا۔ حدیث کی کتابوں میں ہے کہ معتکف کو بغیر شریک ہوئے ان اعمال کا اجر وثواب ملتا ہے

ضرورت شرعیہ کی مثال

مثلاً اگر معتکف کسی ایسی مسجد میں اعتکاف کر رہا ہے جہاں جمعہ کی نماز نہیں ہوتی تو یہ معتکف قریبی جامع مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھنے جا سکتا ہے یہ ضرورت شرعیہ کہلاتی ہے

(ہدایہ ج ا ص ۲۱۱، نورالایضاح ص ۱۵۲)

ضرورت طبعیہ کی مثال

مثلاً پیشاب اور قضائے حاجت وغیرہ کے لئے مسجد سے باہر جانا ضروری ہے۔ضروری غسل وغیرہ کے لئے جا سکتا ہے لیکن نماز جمعہ کے غسل کیلئے یا ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے نہیں جا سکتا۔

(i) بدائع الصنائع ج ۲ ص ۱۱۵ (ii) فتح القدیر ج ۲ ص ۳۰۹

(iii) شامی ج ۳ ص ۴۳۵ (iv) عالمگیری ج ا ص ۲۱۲

اگر ان ضرورتوں کے علاوہ کوئی معتکف ایک سیکنڈ کے لئے بھی پاؤں مسجد سے باہر رکھے تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔اگر خدانخواستہ کسی کا اعتکاف ٹوٹ گیا تو وہ اعتکاف جاری رکھے فقہی اصول کے مطابق وہ جا نہیں سکتا۔کیونکہ ایک اعتکاف ٹوٹنے سے اعتکاف کا ایک حصہ پورا ہوا مزید بیٹھنے سے دوسرا حصہ شروع ہو رہا ہے۔واضح رہے اعتکاف کی قضاء نہیں ہوتی۔

(i) ہدایہ ج ا ص ۲۱۰ (ii) بدائع الصنائع ج ۲ ص ۱۱۵

(iii) شامی ج ۳ ص ۴۳۷ (iv) عالمگیری ج ا ص ۲۱۲

معتکف اپنے زیادہ تر اوقات عبادات مثلاً تلاوت، نماز، درود، تسبیح یا دینی کتب کا مطالعہ اور تعلیم و تدریس میں گزارے۔امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ معتکف کے لئے دعا زیادہ مفید سمجھتے تھے۔واضح رہے کہ اعتکاف میں بالکل چپ بیٹھنا یا بے ضرورت باتیں کرنا منع ہے۔

ذکر کر ذکر خدا اور ہے تذکیر عبث
جز کلام حق کے ہے ہر بات میں تقریر عبث

مسئلہ رمضان شریف کے آخری عشرے میں محلے کی مسجد میں کم از کم ایک آدمی کا اعتکاف کے لئے بیٹھنا سنت مؤکدہ کفایہ ہے۔ اگر کسی محلے میں خدانخواستہ کوئی نہ بیٹھا تو سب گناہگار رہوں گے۔ زیادہ سے زیادہ آدمیوں کا اعتکاف کرنا اسلاف اور بزرگوں کی سنت اور خدائے رحیم کی بے پناہ رحمتوں کے نزول کا باعث ہے۔

مسئلہ خاتون اپنے گھر میں اعتکاف کرسکتی ہے اس کو چاہئے کہ اپنے گھر کے اس حصے میں خلوت نشین ہو جائے جہاں وہ ہمیشہ نماز پڑھتی چلی آئی ہے۔ اگر کوئی جگہ گھر میں مقرر نہیں ہے تو رمضان شریف میں اعتکاف کے لئے جگہ مقرر کرلے۔ خواتین کے لئے مردوں کی نسبت اعتکاف میں زیادہ مراعات اور سہولتیں ہیں۔ وہ اپنے معتکف (جاءِ اعتکاف) میں بیٹھے بیٹھے گھر کی دیگر خواتیں سے کام وغیرہ بھی کراسکتی ہے۔

(عالمگیری ج ۱ ص ۲۱۱)

تراویح کے مسائل

رمضان شریف میں روزانہ عشاء کے بعد بیس رکعت تراویح کی نماز پڑھنا سنت مئوکدہ ہے رسول اللہ ﷺ سے یہی ثابت ہے۔ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کا اس

پر اجماع ہے اسی طرح اہل سنت والجماعت کے چاروں آئمہ اور مجتہدین امام ابوحنیفہؒ امام ما لکؒ امام شافعیؒ امام احمدؒ وغیرہ بزرگ بھی بیس رکعت تراویح کے قائل ہیں لہٰذا صحابہ کرامؓ کے اجماع کے بعد مجتہدین کا اجماع بھی بیس رکعت تراویح پر ہو گیا اس لئے محقق ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں (**فما ذا بعد الحق الا الضلال**) یعنی اتنے بڑے اجماع اور اتفاق صحابہؓ اور آئمہ کے بعد اختلاف کرنا حق تو نہیں ہاں گمراہی ہی ہو سکتی ہے۔

آٹھ رکعت اور بارہ رکعت تراویح کا تصور نا قابل اعتبار لوگوں کا ہے اور غیر شرعی اور غیر صحیح ہے تفصیلات کے لئے ابو بکر کاسانی رحمۃ اللہ علیہ کی بدائع الصنائع اور محقق ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ کی فتح القدیر، علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ کی البحر الرائق، اور شیخنا المحتر م محدث العصر فقیہ الکبیر محقق بے نظیر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی معارف السنن دیکھنے کی ہیں۔ تراویح میں میں ایک بار پورا قرآن سننا سنت ہے۔

(نور الایضاح ص ۹۸، طحطاوی ج ا ص ۴۱۴)

اگر فرضوں کی جماعت کسی کی فوت ہوئی تو ایسا شخص تراویح یا وتر با جماعت پڑھ سکتا ہے عوام میں جو مشہور ہے کہ جس کے فرض نماز جماعت سے ادا نہ ہو تو وہ وتر با جماعت نہیں پڑھ سکتا یہ صحیح نہیں بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی کو تراویح کی ایک رکعت بھی جماعت سے نہ ملے تو وہ وتر با جماعت نہیں پڑھ سکتا ہے۔

(طحطاوی ج ا ص ۴۱۲ امداد الفتاوی، ج ا ص ۳۲۹)

چار رکعت تراویح کے بعد ترویحہ کرنا یعنی کچھ دیر تک بیٹھنا مستحب ہے اس وقفہ میں تسبیحات پڑھی جا سکتی ہیں۔ ایک تسبیح (**سبحان ذی الملک و الملکوت**) بھی لوگ

پڑھتے ہیں یہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے کوہستانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقل کی ہے۔ بعض محققین نے اس کی دلیل نہ ملنے کی وجہ سے اس کے بجائے اور تسبیحات کو پسند فرمایا ہے۔
رمضان شریف میں وتر باجماعت پڑھے جاتے ہیں اس لئے جماعت سے پڑھنا بہتر ہے بعض لوگ سال کے اور دنوں کی طرح رمضان شریف میں بھی وتر بجائے جماعت سے پڑھنے کے تہجد کے بعد پڑھتے ہیں یہ صحیح نہیں ہے بلکہ سال کے گیارہ مہینے تو وتر تہجد کے بعد یعنی رات کے بالکل آخری حصہ میں پڑھنا بہتر ہے مگر رمضان شریف میں چونکہ وتروں کی جماعت کی سعادت نصیب ہوتی ہے جو کہ سال کے گیارہ مہینوں میں حاصل نہیں ہوسکتی ہے لہٰذا رمضان المبارک میں وتر تراویح کے بعد باجماعت پڑھنے چاہئے۔

ایک ضروری وضاحت

لوگوں میں ایک رواج ہے کہ وتروں کے بعد دو رکعت نفل پڑھتے ہیں اس بارے میں تحقیق یہ ہے کہ یہ نہ پڑھے جائیں اس لئے کہ صحیحین کی صحیح ترین روایت میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا اجعلوا اٰخر صلوتکم باللیل وترا" (بخاری ج ۱ ص ۱۳۶) یعنی رات کی آخری نماز وتر بناؤ۔ اسکے پیش نظر وتروں کے بعد دو رکعت پڑھنے کی روایت کو ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ ہمارے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس سلسلے میں کوئی روایت نہیں ہے امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے میں نے ایک مرتبہ پڑھی ہے آئندہ نہیں پڑھوں گا امام مالکؒ اس کو حرام سمجھتے تھے۔ ہماری فقہ کی کسی معتبر کتاب میں اس کا ذکر نہیں ملتا ہے۔

نورالایضاح سے ہدایہ اور فتح القدیر تک خلاصۃ الفتاوی، شامی، بزازیہ، عالمگیری اور قاضی خان تک تمام کتابوں میں اشراق کی دو رکعت، چاشت کی چار رکعات، ظہر سے پہلے کے نوافل ظہر کے بعد کے نوافل، عصر سے پہلے کے نوافل یا سنت، مغرب کے بعد کی چھ رکعات اوابین اور عشاء سے پہلے دو اور چار رکعات نفل عشاء کی نماز کے بعد چار نفل وتر اور تہجد کی دو رکعات، آٹھ رکعات سے بارہ رکعات تک سب کے تذکرے ملتے ہیں۔ مگر ان دو رکعت بعد الوتر کا کہیں ثبوت نہیں ہمارے شیخ محدث کبیر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ جیسے محقق عالم اس سے منع فرماتے تھے ملاحظہ ہو

(شرح ابواب الوتر للبنوری ص۴۰ تا۱۴۱ص۹۲تا۹۳ کوثر النبی ص۳۴)

نوٹ :اس مسئلہ کی پوری تفصیل اور دلائل ہمارے رسالہ ''احسن العطر فی تحقیق الرکعتین بعد الوتر''میں دیکھی جاسکتی ہے

شبِ قدر

رمضان المبارک کی راتوں میں سے ایک رات ہے جو شبِ قدر کہلاتی ہے یہ رات بہت بڑی فضیلت کی ہے قرآن کریم میں سورہ قدر میں اللہ تعالیٰ نے اس رات کا ذکر فرمایا ہے کہ اس رات کی عبادت ایک ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے۔اور مغرب ہوتے ہی نزول رحمت وسلامتی شروع ہو جاتی ہے اور صبح صادق تک یہ بارانِ رحمت رہتی ہے۔شیخ آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے روح المعانی میں اور مولانا شاہ عبدالعزیز محدث

دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک طویل العمر (بڑی عمر والا شخص جو بہت عبادت کر چکا تھا) شخص کا ذکر آنحضرت ﷺ نے فرمایا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بڑا رشک کیا کہ ہماری عمریں چھوٹی ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر اس امت کو نصیب فرمائی۔ (روح المعانی ذیل سورۃ القدر ج ۳۰ و تفسیر فتح العزیز)

یہ رات رمضان شریف کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں زیادہ متوقع ہے اکیسویں تیئسویں، پچیسویں، ستائیسویں، انتیسویں، شب اور پھر ستائیسویں شب میں بہت زیادہ متوقع ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کی حدیث جو صحیحین میں ہے اس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم شب قدر، رمضان شریف کے آخری دس راتوں میں اور پھر ستائیسویں میں ڈھونڈو۔ ان راتوں میں بڑی محنت سے عبادت کرنی چاہیئے، نوافل وتلاوت، ذکر و درود، توبہ استغفار اور دعا میں خلوص دل سے مشغول رہے۔ اگر تمام رات جاگنے کی طاقت و فرصت نہ ہو تو جتنا ہو سکے جاگے۔ اور معمولات میں لگا رہے اگر خدانخواستہ کسی سے یہ نہ ہو سکے تو عشاء اور صبح کی نماز با جماعت پڑھنے کا اہتمام کرے۔ حدیث میں ہے کہ یہ بھی رات بھر جاگنے کے حکم میں ہے۔ ان راتوں کو جلسوں، تقریروں اور ہنگامہ آرائیوں میں صرف کرنا حد درجہ بدبختی اور محرومی ہے۔ یہ رسمی تقریریں اور جلسے ہر رات ہو سکتے ہیں مگر شب قدر سال میں ایک مرتبہ آتی ہے۔ ترغیب اور نصیحت کے طور پر اگر اس رات سے متعلق کچھ کہا سنا جائے تو مضائقہ نہیں۔ یہ رات عبادت کی اور دعا کی ہے نہ کہ تقریروں اور شور وغل کی۔

نوٹ: کچھ لوگوں نے بعض اشتہارت کے ذریعے کچھ مخصوص عبادتیں لکھی ہیں مگر یہ

سب بے بنیاد اور بے سند باتیں ہیں اس رات کے اندر کوئی مخصوص عبادت شریعت کی طرف سے مقرر نہیں ہے لہٰذا جس سے جتنا ہو سکے وہ کرلے مگر بدعات اور رسومات سے بچ کر رہے اس لئے کہ بدعتی کی نہ عبادت قبول ہوتی ہے اور نہ دعا۔

(المدخل ج ا ص ۳۱۲، کتاب الاعتصام)

صدقہ فطر

رمضان شریف کے اختتام پر بطور خوشی اور شکریہ کے خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں پر ایک صدقہ مقرر فرمایا ہے جسے صدقہ فطر کہتے ہیں۔صدقہ فطر ہر مسلمان پر واجب ہے جبکہ وہ بقدر نصاب مال کا مالک بن جائے صدقہ فطر کے مال نصاب پر سال بھر گزرنا بھی شرط نہیں بلکہ اسی روز نصاب کا مالک ہوا ہو تو بھی صدقہ فطر ادا کرنا واجب ہے۔

مسئلہ: ہر شخص مالک نصاب پر اپنی طرف سے اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے صدقہ فطر دینا واجب ہے۔لیکن نابالغوں کا اگر اپنا مال ہو تو ان کے مال میں سے ادا کرے۔

مسئلہ: عید کے دن صبح صادق ہوتے ہی یہ صدقہ واجب ہو جاتا ہے۔عید کے دن عید کی نماز کو جانے سے پہلے ادا کرنا بہتر ہے اور نماز کے بعد ادا کرے تو یہ بھی جائز ہے۔لیکن بغیر وجہ کے ایسا کرنا مکروہ ہے۔

مسئلہ: صدقہ فطر واجب ہے لہٰذا ادا کرنا ہی ہے جب تک ادا نہیں کیا ہو یہ ذمے پر قضاء رہے گا۔ (شامی ج ۳ ص ۳۱۲، عالمگیری ج ا ص ۱۹۲)

مسئلہ : صدقہ فطر میں ہر قسم کا غلہ اور قیمت دینا جائز ہے۔اس کی تفصیل یہ ہے اگر گیہوں یا

اس کا آٹا دے تو فی آدمی پونے دو سیر دینا چاہئے۔ جس کی قیمت اسی وقت لگائی جا سکتی ہے

مسئلہ: صدقہ فطر عید سے پہلے بھی اور رمضان سے پہلے بھی دیا جا سکتا ہے اور اگر محتاجوں کی ضرورت پیش نظر ہو تو عید سے پہلے دینا افضل ہے تا کہ وہ اپنے حوائج پورے کر سکیں۔

(شامی ج ۳ ص ۳۲۲)

مسئلہ: زکواۃ کے مصارف، صدقۃ الفطر کے مصارف ہیں۔ یعنی جن لوگوں کو زکوٰۃ دی جائے گی وہی لوگ فطرانہ لے سکتے ہیں۔ اس دور میں متعارف مدارس دینیہ عربیہ کو دینا زیادہ اجر کا باعث ہے۔ کہ اسطرح ان کی حاجت بھی پوری ہو جاتی ہے اور دین کی نصرت بھی۔

نمازِ عید الفطر کا طریقہ

عید الفطر کی نماز واجب ہے اور یہ دو رکعت پڑھی جاتی ہیں اور اس کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے نیت اس طرح کریں کہ میں عید الفطر کی واجب نماز مع چھ زائد تکبیروں کے اس امام کے پیچھے پڑھتا ہوں پھر تکبیر تحریمہ کہہ کر ہاتھ باندھ لیں اور ثناء پڑھیں۔ پھر دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھاتے ہوئے ''اللہ اکبر'' کہہ کر دونوں ہاتھ چھوڑ دیں پھر دوسری بار ہاتھ کانوں تک اٹھاتے ہوئے اللہ اکبر کہہ کر دونوں ہاتھ چھوڑ دیں۔ پھر تیسری بار ہاتھ کانوں تک اٹھا کر تکبیر کہہ کر ہاتھ باندھ لیں۔ اب امام قرأت کرے اور مقتدی خاموش کھڑے ہو جائیں۔ یہ رکعت یوں پوری ہو جائے گی، دوسری رکعت کے لئے جب کھڑے ہوں اور قرأت سے فارغ ہو جائیں تو تکبیر کہیں اور ہاتھ چھوڑ دیں پھر دوسری بار تکبیر کہہ کر ہاتھ چھوڑ دیں پھر تیسری بار تکبیر کہیں اور ہاتھ چھوڑ دیں۔ پھر بغیر ہاتھ اٹھائے چوتھی تکبیر کہہ کر رکوع

میں جائیں اور قاعدے کے موافق نماز پوری کریں۔ پھر امام کھڑے ہو کر خطبہ پڑھے اور تمام لوگ خاموش بیٹھ کر سنیں۔

تمّ بحمد اللہ

دعا خطبۂ عید کے بعد ہی مناسب ہے

اس مضمون کے بارے میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب رحمہ اللہ اپنی گرامی قدر رائے کا اظہار فرماتے ہوئے لکھتے ہیں

مکرم ومحترم مولانا زرولی خان صاحب کی تحریر پڑھی بعد خطبہ دعا مانگنا حضرت مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق انیق کے مطابق زیادہ بہتر ہے (کفایت المفتی ج۳ ص۲۵۲) حضرت محدث العصر مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً پندرہ سال پہلے ایک بار راقم کی موجودگی میں نماز عید پڑھائی اور خطبہ عید کے بعد فرمایا رسول اکرم ﷺ سے خصوصی طور پر دعا تو ثابت نہیں البتہ مسلمانوں کا اجتماع ہے اور ایسے موقعوں پر اقرب الی الاجابت ہے اس لیے دعا کرلیں اور مختصر سی جامع دعا فرمائی اور حاضرین کو عید مبارک دی۔

واللہ تعالیٰ اعلم

بحوالہ ماہنامہ بینات شمارہ بابت رمضان وشوال ۱۴۰۴ھ

''**ماھنامه البلاغ** '' کراچی بابت رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ میں مولانا عبدالرؤف صاحب سکھروی کا ایک تحقیقی مقالہ بعنوان ''منکراتِ عید'' شائع ہوا تھا جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ ''نمازِ عید کے بعد اور خطبہ سے پہلے ہی اجتماعی دعا سنت اور مستحب ہے'' چونکہ قواعد شرعیہ اور حقائق اس کے خلاف ہیں، اس لئے آئندہ صفحات میں ہم اکابر محققین کی تصریحات کی روشنی میں اس کا جائزہ لیں گے۔

محققین کی تصریح کے مطابق عیدین کی نمازیں ہجرت کے پہلے سال مشروع ہوئی تھیں، البحر الرائق میں ہے کہ

''وکانت صلوٰة عید الفطر فی السنة الاولیٰ من الهجرة کما رواه ابوداؤد مسنداً الیٰ انس رضی الله عنه قال قدم رسول الله صلیٰ الله علیه وسلم المدینة ولهم یومان یلعبون فیهما فقال ما هذان الیومان قالوا کنا نلعب فیهما فی الجاهلیة فقال رسول الله صلیٰ الله علیه وسلم ان الله ابدلکم منهما یوم الاضحیٰ ویوم الفطر (البحر الرائق ج ۱ ص ۱۷۰)

محدث العصر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

'' وقد صلوٰة العیدین تسع سنین '' (معارف السنن ج ۴ ص ۴۲۹)

نبی کریم ﷺ نماز کے فوراً بعد خطبہ کیلئے کھڑے ہوجاتے تھے یہی عمل صحابہ کرام

رضوان اللہ علیہم اجمعین، مجتہدین اور علماء امت کا رہا ہے جس کی تائید ''کتاب العیدین'' میں متعلقہ احادیث اور فقہ کی تمام کتابوں میں موجود ہے۔نمازِ عید اور خطبہ کے دوران فصل و تاخیر کبھی بھی برداشت نہیں کی گئی، ہماری کوتاہ نظر میں صراحتاً تو درکنار اشارتاً اور کنایتاً بھی نمازِ عید اور خطبہ کے دوران کسی قسم کی فصل اور تاخیر ثابت نہیں۔ نبی کریم ﷺ نمازِ عید پڑھانے کے فوراً بعد خطبہ دیتے تھے آپ ﷺ کا خطبہ مسلمانوں کے تمام مصالح پر مشتمل ہوتا تھا جیسا کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے جو کہ

(۱) بخاری ج۱ص۱۳۴　　　(۲) مشکوٰۃ ج ۱ ص۱۲۵

میں موجود ہے، احادیث میں مسلمانوں کی دعا کا تذکرہ بھی موجود ہے اور اس دعا کے بارے میں محدثین نے تصریح فرمائی ہے کہ نماز کے بعد نہیں ہوتی تھی۔ امام العصر حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

''و یدعون بدعائهم للمؤمنين فی خلال الخطبه لانه لم يثبت عنه ﷺ بعد صلوٰة العيدين دعاء''　　**(فیض الباری ج۲ص۳۶۲)**

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سے خطبہ سے پہلے اور نماز کے بعد کوئی دعا ثابت نہیں بلکہ نماز کے بعد آپ ﷺ خطبہ ہی دیتے تھے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ خطبہ اور نماز کے درمیان دعا کو ایک اجنبی چیز سمجھتے ہوئے رد فرماتے ہیں جیسا کہ علماء کرام نے نماز عید کے بعد خطبہ میں وعظ و نصیحت کو نا مناسب سمجھتے ہوئے نماز سے قبل کی فرصت میں مناسب جانا بالکل اسی طرح دعا کو بھی خطبہ عید کے بعد مناسب اور مستحسن سمجھا کیونکہ عید کے مسنون اور واجب اعمال نماز اور خطبہ ہیں۔لہذا

مستحسنات (وعظ یا دعا وغیرہ) سے مقصودی اعمال کو متاثر نہ ہونے دیا جائے اور فقہاء کے یہاں یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر اجتماع خیر کے اختتام پر دعا اقرب الی الاجابت یعنی قبولیت کے زیادہ قریب ہے۔ چنانچہ غایة المواعظ میں ہے

''عند کل ختمة دعوة مستجابة (ج۲ ص۲۲۸)

اور خطبہ کے بغیر صرف نماز عید سے عمل مکمل نہیں ہوتا بلکہ خطبہ دراصل عید کیلئے ایک مستقل سنت اور واجب کا درجہ رکھتا ہے ملاحظہ ہو

(۱) نہایہ فی شرح الہدایہ ج۲ص۸۷۵ (۲) مبسوط سرخسی ج۲ص۱۳۰

نیز فقہاء کرام نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ نماز کے بعد سنن مؤکدہ کو غیر مؤکدہ اعمال سے مؤخر نہ کیا جائے بلکہ وہ اوراد و وظائف جو احادیث میں بعد المکتوبات مذکور ہیں وہ بھی سنن مئوکدہ کے بعد کیے جائیں کیونکہ سنن فرائض کیلئے مکملات اور متممات ہیں ملاحظہ ہو۔

(۱) مبسوط سرخسی ج۱ص۳۸ (۲) فتح القدیر ج۱ص۳۸۴

(۳) البحر الرائق ج۲ص۵۳

محقق ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہ اختلاف بھی نقل کیا ہے کہ اگر سنتوں کو مؤخر کیا گیا تو فقہاء کے ایک قول کے مطابق تاخیر سے سنت ختم ہو جائے گی اور وہ نفل پڑھی جائیں گی اس قول کے مطابق خطبہ مسنون کو دعا سے مؤخر کرنے میں سنت کا فاسد ہونا لازم آتا ہے دوسرے قول کے مطابق تاخیر سے اگرچہ سنت ختم نہیں ہوگی مگر خلاف سنت ہونا لازم آتا ہے اس لئے علامہ ابن الھمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

''فینبغی استنان تاخیرہ عن السنة البتة'' (فتح القدیر ج۱ص۳۸۴)

یعنی مناسب یہی ہے کہ اوراد وتسبیحات سنت سے مؤخر کیے جائیں اس قول کو ترجیح دی گئی ہے اور اس کے مطابق خطبہ سے قبل دعا میں مشغول ہونے سے خطبہ خلاف سنت ہو جاتا ہے بہت سارے فقہاء کرام نے (جن نمازوں کے بعد سنن ہوں) سنتوں سے قبل کسی اور چیز میں مشغول ہونے کو مکروہ اور خلاف اولیٰ لکھا ہے ملاحظہ ہو

(۱) خلاصۃ الفتاویٰ ج۱ص۱۰۵ (۲) بزازیہ علی الہندیہ ج۴ص۳۸۰

(۳) المدخل ج۲ص۳۰۳

ان تمام گزارشات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نماز عید کے بعد خطبہ کو مؤخر کرنا خلاف سنت اور نا مناسب ہے خطبہ کو مسنون طریقے پر نماز عید کے بعد ہی رکھا جائے اور خطبہ پر چونکہ اعمال عید مکمل ہو جاتے ہیں اسلئے اختتام عمل خیر اور اجتماع مسلمین کے وقت دعاء ثابت اور مستجاب ہے۔اسلئے بعد از خطبہ دعا کرنا مناسب ہے جس میں کوئی خرابی نہیں

حافظ ابن حجرؒ کی ایک عبارت سے بھی استنباط کے طور پر اس دعاء کا جواز اور استحسان معلوم ہوتا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں

"ویحتمل ان یوجد بان الدعاء بعد صلوٰۃ العید یؤخذ حکمه من جواز اللعب بعدھابطریق الاولی" (فتح الباری ج۲ص۳۷۱)

خلاصہ یہ کہ نماز عید اور خطبہ سے فارغ ہونے پر چونکہ شریعت میں جائز خوشی کرنا ثابت ہے تو اختتام پر دعا زیادہ مناسب ہے اس عبارت کا وہ مطلب بھی درست ہے کہ بعد الفراغت عید مبارک کے وقت جو دعا دی جاتی ہے کیونکہ یہ سب دعائیں نماز عید اور خطبے سے فراغت پر ہیں۔ یہ ساری گفتگو ان نمازوں کے بارے میں ہے جن کے بعد سنن ہوں

چونکہ فجر اور عصر کے بعد سنت نہیں اسلئے ان کے بعد تفصیلی اوراد و تسبیحات میں بھی اختلاف نہیں اس تحقیق کے بعد یہ کہنا کہ خطبہ جمعہ کے بعد بھی تو دعا نہیں صحیح نہیں ہے کیونکہ خطبہ جمعہ کے بعد نماز جمعہ باقی ہے شاید یہاں کسی کو اشکال بھی ہو کہ پھر تو فرائض کے بعد والی دعاء (جیسا کہ اہل حق کی مساجد میں ہوتا ہے) بھی سنن کے بعد مناسب ہے اس کے دو جواب عرض کیے جاتے ہیں۔

اول تو یہ کہ شریعت میں فرض نمازوں کے بعد سنن کیلئے جگہ بدلنے بلکہ گھروں میں پڑھنے کو افضل فرمایا ہے ملاحظہ ہو (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۱۵۹،۱۶۰)

گویا فرائض کے بعد کوئی ایسا عمل باقی نہیں ہے جس کیلئے لوگوں کا رکنا ضروری ہو مگر نماز عید کے بعد خطبے کیلئے ٹھہرنا اور خطبے کو دل جمعی سے سننا ضروری ہے بلکہ خطبہ سننا واجب ہے (معارف السنن ج ۴ ص ۳۶۶)

دوم اگر سب لوگ سنت مسجد میں پڑھیں اور اختتام پر اجتماعی دعاء ہو جائے تو یہ اگر چہ اباحت کے درجے میں شامل ہوسکتی ہے۔ (معارف السنن ج ۳ ص ۱۲۴)

مگر یہ چونکہ اہل بدعت کا شعار اور انکے فرقے کی پہچان بن چکا ہے اسلئے اس کا نہ کرنا ہی مناسب ہے جیسا کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

''وفیه اشارة الیٰ ان کل سنة تکون شعار اهل بدعة ترکها اولی''

(مرقاۃ ج ۴ ص ۶۱۳)

یعنی جو چیز اہل بدعت کا شعار اور علامت بن جائے اس کا نہ کرنا بہتر ہے یہی حال نماز جنازہ کے بعد کی دعا کا ہے کیونکہ تدفین جیسے اہم کام میں تاخیر کے علاوہ یہ اہل بدعت کا

شعار بھی بن چکا ہے لہذا نہ کرنا بہتر و اقرب ہے بعض حضرات کی طرف کچھ ایسے فتاویٰ منسوب ہیں جن سے خطبے کے بعد دعاء کی ممانعت معلوم ہوتی ہے اس سلسلے میں چند باتیں عرض ہیں :

(۱) یہ حضرات بقدر **اللھم انت السلام الخ** جو قائم مقام ذکر کے ہے دعاء کرتے ہونگے کیونکہ تفصیلی دعائیں نہ احادیث سے ثابت ہیں اور نہ فقہاء نے پسند فرمائی ہیں محدث العصر استاذ مکرم حضرت بنوریؒ فرماتے ہیں

واکثر ما جائت الادعیة بعد المکتوبة فھی علیٰ شانالاذکار لا سوال الحاجات (معارف السنن ج۳ص۱۲۴)

یعنی یہ دعائیں اذکار کی شکل میں تھیں مستقل حاجات مانگنے کی تفصیلی نہ تھیں۔ ذکر مختصر یا دعاء بمقدار **اللھم انت السلام الخ** میں اختلاف نہیں۔ مگر چونکہ دعا بھی ذکر کی ایک قسم ہے اس لئے عرف میں آدابِ دعا کے طور پہ ہاتھ بھی اٹھائے جاتے ہیں ،امام سفیان ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ جو کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ ہیں وہ فرماتے ہیں کہ

الثناء الیٰ الکریم دعاء لانہ یعرف حاجتہ

(ارشاد الساری الیٰ مناسک القاری ص۱۳۶)

یعنی اللہ کریم کی ثناء بھی دعا ہے۔ کیونکہ وہ بندوں کی حاجت جانتے ہیں۔ نمازِ عید کے بعد تاخیر خطبہ کی وجہ سے دعا کا رد امام العصر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ صراحتاً اور حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ اشارتاً فرما چکے ہیں جیسا کہ گزر چکا ہے۔

(۲) خود ان بزرگوں سے بھی خطبۂ عید کے بعد دعا مانگنا ثابت ہے، چنانچہ حضرت مولانا

اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بہشتی زیور میں عیدین کی نماز کے بیان میں لکھتے ہیں ''مسئلہ نمبر۴ : بعد نماز عیدین کے یا خطبہ کے دعا مانگنا'' اور آگے حضرت نے اس کا اثبات فرمایا ہے۔ (بہشتی زیور مکمل ص۲۴۷)

اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی خطبہ کے بعد دعا کرنا ناجائز نہیں بلکہ یہ بھی نماز کے بعد دعا کے حکم میں ہے۔

فائدہ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت چونکہ مسلمہ آئمہ تحقیق کے مطابق ہے اس لئے ہمارے نزدیک یہی فیصل ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تحقیق کے پیش نظر خطبے کے بعد دعاء کو خلاف سنت اور منکر کہنے سے احتراز کرنا چاہئے۔ چنانچہ بعض حضرات نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تحقیق کے پیش نظر دعاء بعد الخطبہ کو جائز اور بہتر کہا ہے جیسا کہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سے جب ایک استفتاء میں یہ سوال ہوا کہ صلوٰۃ العیدین اور انکے خطبے کے بعد دعاء مانگنا بہتر ہے یا نہ مانگنا سلف کا کیا معمول ہے ؟ تو انہوں نے لکھا

الجواب : ''احادیث سے دعاء کا اثبات ہوتا ہے مگر ضروری نہیں بہتر یہ ہے کہ دعاء کرلیا کریں اجتماع مسلمین کے وقت دعاء قبول ہوتی ہے '' ۴ ذی الحجہ

(امداد الاحکام ج ا ص ۶۵۵،۶۵۴)

چونکہ بعض حضرات نے مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت کو

بالکل بدل دیا ہے اس لئے ہم نے سوال اور جواب باللفظ نقل کر دیا۔ حضرت مولانا سے سوال میں خطبہ عید کے بعد کی دعاء پوچھی گئی تھی اس لئے مولانا کا جواب بھی خطبہ کے بعد کی دعاء کا ہے۔

حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی خطبے کے بعد دعاء کو تسلیم کرتے ہیں اور خطبے کے بعد دعاء کو نماز کے بعد کے حکم میں داخل سمجھتے ہیں نیز نماز عید اور خطبے کے درمیان فصل وتاخیر کو ناپسند فرماتے ہیں ملاحظہ ہو :

عیدالفطر کے بعد دعا مانگنا

ان حدیثوں سے استدلال میں کلام ہے اور استحباب الدعاء بعد الصلوات کے کلیہ میں ادخال بھی بایں وجہ مخدوش ہے کہ نماز عید کے بعد متصل بلا فصل خطبہ ہے۔ علاوہ ازیں خطبہ بھی دعاء ہی ہے مزید بریں نماز عید کے بعد دعاء میں مندرجہ ذیل بدعات بھی شامل کر دی گئی ہیں

(۱) دعاء کا التزام، اور تارک پر نکیر شدید اس سے تو امر مستحب بھی واجب الترک ہو جاتا ہے۔

(۲) رفع الیدین کا التزام، دعاء بعد النوافل میں استحباب رفع الیدین متفق علیہ ہے اور دعاء بعد الفرائض میں مختلف فیہ، عدم ثبوت راجح ہے جس کی تفصیل تتمہ احسن الفتاویٰ میں ہے نماز عید بحکم فرائض ہے۔

(۳) جہر اور اس کا ایسا التزام کہ اسے کسی حالت میں بھی نہیں چھوڑا جا سکتا۔

(۴) اجتماعیت اور اسکا التزام نمبر (۳) سے بھی زیادہ۔

(۵) اتمام بالا مام اور اسکا التزام۔ اس پر شدت بھی اوپر کے نمبروں سے کم نہیں وجوہ مذکورہ کی بناء پر اس رسمی دعاء سے احتراز لازم ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ رمضان المبارک ۱۳۷۴ھ

(احسن الفتاوٰی جدید ج ۴ ص ۱۲۵)

بحمد اللہ تم

پیغامِ مسرت

چند سال قبل اہل محلّہ کے کچھ بزرگ حضرات نے مختلف دارالافتاؤں سے اس مسئلہ کے بارے میں فتاویٰ حاصل کئے کہ مسجد میں درس وتدریس کی آواز لاؤڈ سپیکر کے ذریعے مسجد سے باہر جانا ٹھیک نہیں ہے۔ قرآن وحدیث اور فقہ کی روشنی میں یہ بات بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ حضرت الشیخ نے اُس زمانے میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر اس مسئلہ کی مکمل تحقیق فرمائی اور اس بات کو ثابت کیا کہ مسجد میں ہونے والے درس وتدریس اور تقاریر کی آواز مسجد سے باہر جانا درست اور صحیح ہے۔ حضرت الشیخ کی اس تحقیق پر مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تقریظ بھی لکھی جس کا عکس اگلے صفحے پر موجود ہے۔ (محمد ہمایوں مغل)

فہرست

(۱) مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی ولی حسن صاحب کی تحریر کا عکس ۲۲۹

(۲) انتساب ۲۳۰

(۳) ایک شبہ اور اس کی وضاحت ۲۴۰

(۴) ایک اشکال اور اس کا تدفیعہ ۲۵۰

(۵) تلاوت قرآن کی آواز کا خواہ نماز میں ہو یا نماز کے علاوہ ہو مسجد سے باہر پہنچنا کئی فوائد پر مشتمل ہے ۲۵۱

(۶) تلاوت قرآن کی صورت میں سننے والوں کے لئے سجدۂ تلاوت کا حکم ۲۵۶

(۷) آدابِ تلاوتِ قرآن کریم اور ایک مشہور شبہ ۲۵۹

(۸) ازالہ شبہ ۲۵۹

(۹) تحقیقاتِ بالا سے مندرجہ ذیل امور واضح ہوئے ۲۶۰

(۱۰) امورِ شرعیہ میں بیجا تشدد کرنا بہت بڑا گناہ اور جرم ہے ۲۶۴

(۱۱) آخری وضاحت ۲۶۷

فقیہ العصر محدث اعظم مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر کا عکس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مولانا زرولی خان صاحب مہتمم جامعہ عربیہ احسن العلوم گلشن اقبال کراچی کا تحریر فرمودہ رسالہ ''پیغام مسرت'' جس میں ایک شرعی مسئلہ کی وضاحت فرمائی ہے۔ مکہ مکرمہ کے قیام میں عصر کی نماز کے بعد دیکھا ماشاء اللہ رسالہ خوب ہے اور حدیث وفقہ کے ادلہ سے مزین ہے۔ اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو نافع بنائے اور طالبانِ حق کو اس سے روشنی عطا فرمائے۔ آمین

الانتساب

یہ فقیر اس مختصر رسالہ کی نسبت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کرتے ہوئے سعادت حاصل کرتا ہے، جو شریعت وطریقت کے جامع اور امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کی ان قابلِ قدر ہستیوں میں سے تھے، جن کے علمی اور عملی کارناموں پر امت مرحومہ بجا طور پر فخر کرسکتی ہے اور جن کے ساتھ حسنِ عقیدت کی برکت سے ہم جیسے ناکاراؤں کو اولیاء اللہ اور اولیاء دنیا میں فرق کرنے کی توفیق نصیب ہوئی۔

﴿ شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا ﴾

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العٰلمين و صلى الله تعالىٰ و سلامه على نبيهٖ محمد رحمة للعٰلمين و على اٰلهٖ و اصحابه بجوم الهدبته والدين و من بهديهم اقتداء من سائر العٰلمين الىٰ يوم الدين.

امابعد! جب سے حق تعالیٰ شانہٗ نے نوع انسان کو پیدا فرمایا ہے اوران کی ہدایت وارشاد کے لئے حضرات انبیاء ورُسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کومبعوث فرمایا ہے، اُس وقت سے مخلوق کوخالق سے جوڑنے کے لئے اورراس انسان کوفکرِ آخرت سے آشنا کرنے کے لئے منصب تبلیغ کونفع رسانی کاعظیم ذریعہ قرار دے دیا۔ ہر دوراور ہر زمانے میں حق تعالیٰ شانہٗ کے انبیاء ومرسلین نے اوران کے متبعین صالحین نے یہ فرض منصبی نہایت خوش اسلوبی سے ادا فرمایا ہے، مگرتمام انبیاء کے خاتم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف فرما ہوئے اورآپ کوکل کائنات کارسُول اعظم اور نبی مکرم بنا کر یہ اعزاز بخشا۔ يَـا اَيُّهَـا الـنَّـاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا. (اعراف آیت ۱۵۸)اورجیسا کہ صحیح البخاری اورصحیح المسلم کی حدیث میں آپ نے اپنے اورامت کے اوپر حق تعالیٰ شانہٗ کے مخصوص احسانات کو گنتے ہوئے اس میں یہ بھی ارشادفرمایا:

وَ کان النبی یبعث الی قومہ خاصۃ و بعثت الی الناس عامۃ

(بخاری ج ا ص ۴۸)

قرآنی آیت اور حدیث صحیح سے آپ ﷺ کے منصب کا اور اس کے ساتھ آپ کے پیغام کا پوری کائنات کے لئے عام ہونا ثابت ہو چکا ہے۔ اللہ جل ذکرہٗ نے آپ ﷺ کی دعوت حقہ کو شرفِ عموم دیتے ہوئے فرمایا ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ط وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ ط وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ (سورۂ مائدہ آیت ۶۷)

اسی طرح

اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَقُرْاٰنَہٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰہُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَہٗ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ

(سورۂ قیٰمۃ آیت ۱۷ تا ۱۹)

بلکہ حضرت اقدس ﷺ کی سیرت طیبہ چونکہ قرآن مجید کا مقدمہ اور تفسیر مفصل ہے اس لئے اس کے عام کرنے کے لئے حق تعالیٰ شانہٗ نے یہ وعدہ فرمایا تھا ''وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ'' کہ ہم آپ کے ذکر خیر کو بلند کریں گے۔ ان نصوص قطعیہ کے پیشِ نظر قرآن پاک کے احکام کو اور آنحضرت ﷺ کے مقام اور پروگرام کا پورے کائنات کو پہنچانے کی جو بشارتیں اور وعدے ذکر ہوئے ہیں ان کی روشنی میں امت مرحومہ کو یہ عظیم فریضہ سونپا گیا کہ وہ اس امانت خداوندی کو ہمہ زندگی اہلیان عالم ناسوت کو پہنچانے کی سعی فرمائیں۔ الحمد للہ امت محمد یہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ حق تعالیٰ شانہٗ کے دین حقہ کا صحیح داعی بنی ہے اور اس دعوت کے سلسلے میں جو تدابیر اختیار کی گئیں، خواہ وہ درس و تدریس ہو یا تعلیم و تلقین ہو، یا

دعوت وتبلیغ ہو، حقیقت میں یہ فرائض منصبی سے عہدہ برآں ہونے کے اسباب ہیں، جوحق تعالیٰ شانہٗ کی رضا جوئی کے لئے ستعمال کئے جاتے ہیں اور چونکہ دین درجہ رکھتے ہیں۔

کمالا یخفی علی من له اطلاع باصول الدین

دعوت جب سب کے لئے ہو تو راستہ بھی وہی اختیار کیا جاتا ہے جس سے اللہ کی مخلوق مستفید ہو سکے۔ جب دنیا میں ایسا کوئی ذریعہ موجود نہ تھا جو تذکیر وموعظت کو دور تک پہنچا سکے۔

تو حق تعالیٰ جل شانہ نے ہر قوم اور ہر خطے کے تقاضے کے پیش نظر انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے اور ان پیغمبروں کو ایسے معجزات عطا فرمائے کہ ان کی وہ قدسی آواز کسی ایک مجلس ومحفل یا چند افراد تک محدود نہ رہی، بلکہ بہت دور تک سنائی دی گئی۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ تاریخ وتفسیر کی کتابوں میں سند جید کے ساتھ موجود ہے کہ جب آپ تعمیر خانہ کعبہ سے فارغ ہوئے، تو حق تعالیٰ شانہٗ نے آپ کو حکم دیا کہ کعبہ کی دیوار پر چڑھ کر یا جبل ابی قبیس پر سے میری مخلوق کو حج کی دعوت دیں، حضرت نے فرمایا، یا رب وما یبلغ صوتی، قال اذن و علی البلاغ اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بحکم خدا اپنے بساط کے مطابق اوپر چڑھ کر آواز لگائی تو حدیث صحیح میں وارد ہے، فاجا بوه بالتلبیته فی اصلاب الرجال و ارحام النساءِ غور کرنے کا مقام ہے کہ خدائی پیغام کسی خاص مجلس یا افراد تک محدود نہ تھی، بلکہ قیامت تک آنے والے انسانوں کو سنانا ضروری تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اوپر چڑھنا اور کانوں میں انگلیاں ٹھونسنا آپ کی اس وقت کی کوشش تھی، جو بعد میں آواز دور تک پہنچانے والے آلہ کے جواز اور ضرورت کی دلیل ہے۔ یہ واقعہ

محدث ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ، اور امام ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہ اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل فرمایا ہے۔ جناب نبی کریم ﷺ نے بھی یہ اعلان فرمایا تھا

لیبلغ الشاهد الغائب فا ن الشاهد عسى ان يبلغ من هوا وعىٰ له منه

(بخاری ج ۱ ص ۱۶)

کہ جو لوگ موجود ہیں وہ ان تک پہنچا دیں، جو غیر موجود ہیں، کیونکہ بہت ممکن ہے کہ وہ زیادہ یادر کھنے والے ہوں۔

حق تعالیٰ شانہٗ نے آنحضرت ﷺ کو یہ معجزہ عطا فرمایا تھا کہ آپ کی آواز دور تک پہنچتی تھی، چنانچہ شیخ جلال الدین سیوطی نے اس پر باب قائم کیا ہے۔

باب الآياة صوته ﷺ و بلوغه حيث لا يبلغه صوت غيره

(خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۶۶)

امام بیہقیؒ نے آپ ﷺ کے معجزات میں سے اسے شمار فرمایا ہے، ملاحظہ ہو۔

دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۲۵۶، ۲۵۷ علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو مرقاۃ ج ۲ ص ۲۹۲، چونکہ حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو یہ معجزہ عطا فرمایا تھا۔ کہ آپ ﷺ کی آواز دور دور تک پھیلتی تھی۔ جیسا کہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے قبیلہ بنو غنم میں اور ام ہانی رضی اللہ عنہا نے اپنے گھر پر اور دیگر متعدد صحابہ کرامؓ نے بازاروں میں اور خواتین نے گھروں میں بار ہا سنا ہے، جس کی تفصیل آنے والی ہے۔ علماء اسلام نے یہ ضابطہ لکھا ہے کہ جو کام پیغمبر کو بطور معجزہ کے آسان ہوا ہو (بشرطیکہ مخصوصات

کے قبیل میں سے نہ ہو) وہ امت کے ولی کو بطور کرامت کے، اور دیگر لوگوں کو سبب و مادہ سے حاصل ہوسکتا ہے، ملاحظہ ہو، موافقات شیخ شاطبی کی، اور فیض الباری شرح بخاری، امام العصر مولانا انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی زمانہ حاضر میں لاؤڈ اسپیکر کا ایجاد ہونا اس قبیل میں سے ہے، یہی وجہ ہے کہ آخر، علماء کرام نے اس کے استعمال کو دین کے لئے جائز اور مطلوب مانا، ملاحظہ ہو، آلات جدیدہ، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور بوادر النوادر، حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کا استعمال زمانہ حاضر میں دین پہنچانے کا بہت ہی موثر اور فائدہ مند ذریعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تقریباً پورے عالم میں حتیٰ کہ حرمین شریفین اور دیگر ممالک اسلامیہ میں مسلمانوں کے یہاں اس کا ستعمال عام ہے، جس سے احکام دین اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم دور تک پہنچانا کافی سہل ہو چکا ہے، اس وقت تقریباً اس مسئلہ پر اجماع امت ہو چکا ہے، عرب وعجم کے علماء راسخین، اولیاء ربانیین کی تلاوت اور قرأت اذان وتقریر، خطبہ و نماز، درس اور بیان، اس کے ذریعے نشر ہوتے رہتے ہیں، جس سے اہلِ ایمان خوب فائدے اٹھا رہے ہیں، اس واسطے اس موضوع پر کچھ لکھنے کی ضرورت نہ تھی، مگر ہمیں حیرت ہے کہ زمانہ حاضر میں بعض تحریرات ایسی نظر سے گزریں جن میں لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے تلاوت وقرأت، یا وعظ اور بیان کو مسجد یا کسی اور محفل میں باہر والوں کے لئے غیر شرعی اقدام بتایا ہے۔

نصوص دین کی روشنی میں یہ تقلید یا محض خودساختہ شرائط غلط اور الفاظ صحیفہ مقاصد

نبوت سے ناشناسائی پر مبنی معلوم ہوئی۔اس لئے ہم نے خالصتاً لوجہ اللہ الکریم امت محمد یہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کے صحیح موقف کو عامۂ مومنین اور خواصِ دین کے سامنے پیش کرنے کا ارادہ کیا ہے۔امید ہے کہ جن کا مقصد دین ہواور وہ واقعی اہل حق سے وابستگی رکھتے ہیں وہ اس سلسلے میں حق سامنے آنے کے بعد باطل پر ڈٹنے کی ضد نہیں کریں گے اور جو اہل باطل ہیں،جن کا پروگرام ہی یُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ہے۔انکے شر اور فساد سے ہمارے مسلمان بھائی آسانی سے بچ سکیں گے، وباللہ التوفیق ذیل میں ان لوگوں کے مغالطوں کا خلاصہ عرض کیا جاتا ہے جو لاؤڈ اسپیکر کی آواز کو ایک محدود محفل اور تعداد کے علاوہ باہر کے لوگوں کے لئے باعث مضر سمجھتے ہیں۔

(ا) مائک کی آواز صرف اور صرف محفل ہی میں محدود رکھی جائے، جہاں سننے کے لئے لوگ حاضر ہو، جلسے کے باہر دور کی دوکانوں، گھروں اور دوسرے مختلف مقامات یا مشاغل میں مصروف ومبتلا لوگوں کو، اور مصلین اور نائمین کو یا بیماروں کو لاؤڈ اسپیکر کی آواز سے پریشانی لاحق ہوتی ہے، آگے ان کے نزدیک لاؤڈ اسپیکر کی آواز کا باہر جانا ہی (معاذ اللہ) مسلمانوں کے سکون وراحت میں خلل ڈالنے کا سبب ہے، خواہ وہ تلاوتِ قرآن ہو، یا نماز کی قرأت ہو، یا تقریر اور درس کی آواز ہو۔

ذیل میں ہم نے ان تمام وجوہ کو جناب نبی ﷺ کی احادیث مبارکہ اور سلف صالحین کے اعمال کی روشنی میں غلط ثابت کرنا ہے، اور یہ بتانا ہے کہ اس قسم کے شبہات اور وساوس کا دلائل دین کی روشنی میں کوئی وزن وحیثیت نہیں ہے۔علماء امت کا اس بات پر

اجماع ہو چکا ہے کہ تبلیغ دین کے لئے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال دلائل شرعیہ کی روشنی میں صرف جائز ہی نہیں، بلکہ مرغوب اور بعض اوقات تقاضہ دین کے پیش نظر وقت کے اہم ضروریات میں سے ہے۔ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ وعظ وتقریر، درس وتدریس وغیرہ میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کی ضرورت ومشروعیت پر تحقیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ذرائع عبادت کے متعلق شریعت میں بڑی وسعت ہے، اُن کا کوئی خاص طریقہ یا خاص وضع لازم ومقرر نہیں، ان میں کمی بیشی بھی کوئی جرم نہیں، جبکہ اصل عبادت میں کمی بیشی نہ ہو، اور ان میں ضروریات زمانہ واختلاف مقام کی وجہ سے تغیر وتبدل بھی کوئی گناہ نہیں۔ بشرطیکہ یہ تغیر خود کسی شرعی حکم کے خلاف نہ ہو۔ (آلات جدیدہ ص ۱۸)
جب لاؤڈ اسپیکر دینی نشر واشاعت اور اسلامی احکام واقدار کی تبلیغی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لئے ایک مستحسن ذریعہ ثابت ہوا، جیسا کہ حضرت مفتی صاحب مرحوم ومغفور کی تحقیق بالا سے واضح ہوا اور مسجد کے اندر یا موجود افراد کے لئے اس کا استعمال تو سب کے ہاں معمول ہے۔ حالانکہ جب یہ ضرورت بھی بعض اکابر اور اجلہ علماء پر واضح نہ تھی تو لاؤڈ اسپیکر کے وجود کو بھی آداب مسجد کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی ایک سابقہ تحریر ملاحظہ ہو۔ کیونکہ اس آلہ (لاؤڈ اسپیکر) کو مسجد میں داخل کرنا ہوگا، جو کہ اس کے احترام کے خلاف ہے، نیز تشبہ ہے مجالس غیر مشروعہ کے ساتھ ملاحظہ ہو (بوادر النوادر ص ۴۹۳ سطر نمبر ۵)

یہ صرف ضرورت واضح نہ ہونے کی وجہ تھی یا اس آلہ کے بارے میں ماہرین فن کی اطلاعات کی کوتاہی تھی ورنہ حضرت تھانویؒ کی دِقتِ نظر اور تفقہ راسخ ہندوستان کے علماء

میں مسلمہ حیثیت رکھتی ہے، اب جبکہ لاؤڈ اسپیکر کا استعمال تقاضہ وقت ثابت ہوا اور اس کا استعمال مسجد و خانقاہ وغیرہ میں بھی مندوب و مستحسن ٹھہرا تو اب اس کے استعمال کو باوجود مسلمانوں کی عظیم دینی ضرورتوں کے مسجدوں کی حد تک یا صرف محدود سامعین تک مقید سمجھنا دلائل شرعیہ اور قواعد فقہیہ کے صریح خلاف ہے، جو بطور خلاصہ کے حضرت مفتی صاحب کی تحقیق سے واضح ہوا ہے، اور پھر تعامل امت کا وجود جس کے تحت تمام دینی تقریبات میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال سے صرف پاس بیٹھنے والے نہیں، بلکہ دور دور تک مسلمان مستفید ہوتے ہیں۔ صدہا صلحاء و اجلہ فقہاء کی تقاریر، مواعظ اور درس وغیرہ پورے پورے محلوں میں بستیوں میں اور شہروں میں سنے گئے ہیں اور آج تک یہی طریقہ ہے بلکہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی تفسیر معارف القرآن لکھنے کا سبب ہی یہ بنا کہ حضرت مفتی صاحب کا درس ریڈیو پاکستان سے نشر ہونے لگا۔ چنانچہ حضرت مفتی صاحبؒ خود فرماتے ہیں کہ قرآن کی تفسیر لکھنے کا ارادہ نہ تھا مگر نیرنگیٔ تقدیر سے اس کے اسباب اس طرح شروع ہوئے کہ ریڈیو پاکستان سے روزانہ نشر ہونے والے درس قرآن سے متعلق مجھ سے فرمائش کی گئی، مزید فرماتے ہیں کہ پھر انہوں نے ایک دوسری تجویز پیش کی، کہ روزانہ درس کے سلسلے سے الگ ایک ہفتہ وار درس بنام ''معارف القرآن' جاری کیا جائے، جس میں پورے قرآن کی تفسیر پیش نظر نہ ہو بلکہ عام مسلمانوں کی موجودہ ضرورت کے پیشِ نظر خاص خاص آیات کا انتخاب کر کے ان کی تفسیر اور متعلقہ احکام بیان ہوا کریں، احقر نے اس کو اس شرط کے ساتھ منظور کر لیا کہ درس کا کوئی معاوضہ نہ لوں گا اور کسی ایسی پابندی کو بھی قبول نہ کروں گا، جو میرے نزدیک درس قرآن کے مناسب نہ ہو۔ یہ شرط منظور کر لی گئی، بنام خداوندی یہ

درس بنام ''معارف القرآن'' ۳ شوال ۱۳۸۳ھ ۲ جولائی ۱۹۵۴ء سے شروع ہوا اور تقریباً گیارہ سال پابندی سے جاری رہا۔ (معارف القرآن ج ۱ ص ۶۳، ۶۴)

غور کرنے کا مقام ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز تو زیادہ سے زیادہ ایک دو محلوں تک پہنچ سکتی ہے، مگر ریڈیو پاکستان سے نشر ہونے والا درس تو چاردانگِ عالم میں سنائی دیتا تھا۔ اہل فکر کے لئے ایک ہی واقعہ خود عظیم الشان دلیل ہے کیونکہ اس میں بھی مجلس کی کوئی قید نہیں ہوتی، بلکہ مجلس تو ہوتی نہیں، پھر (معاذ اللہ) یہ کہنا کہ ایک مخصوص مجلس سے آواز کا باہر ہونا خلاف دین ہے، یا بعضوں کے یہاں نیکی ہی نہیں، بلکہ اذیت ہے۔ کس قدر دلیری اور روح علم کے خلاف جرأت و بے باکی ہے، چنانچہ حضرت مفتی صاحبؒ اس درس کے سلسلہ میں دور دراز کے مسلمانوں کے استفادہ اور دینی تشکروں کا ذکر کرتے ہوئے خود فرماتے ہیں جب یہاں درس نشر ہونا شروع ہوا، تو پاکستان کے سب علاقوں سے، اور اُن سے زیادہ غیر ممالک، افریقہ، یورپ وغیرہ میں سننے والے مسلمانوں کی طرف سے بے شمار خطوط ریڈیو پاکستان کو اور خود احقر کو وصول ہوئے، جن سے معلوم ہوا کہ بہت سے دیندار اور نو تعلیم یافتہ مسلمان اس درس سے بہت شغف رکھتے ہیں افریقہ میں چونکہ یہ درس آخر شب یا بالکل صبح صادق کے وقت پہنچتا تھا، وہاں کے لوگوں نے اس کو ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ محفوظ کر کے بعد میں سب کو بار بار سنانے کا اہتمام کیا، ملاحظہ ہو۔

(معارف القرآن ج ۱ ص ۶۴)

ایک اور شبہ اور اس کی وضاحت

شاید کسی کو یہ شبہ پیدا ہو، کہ لاؤڈ اسپیکر اور ریڈیو کے نشر میں فرق ہے۔

اولاً تو یہ عرض ہے کہ محفل اور چار دیواری کا ختم ہونا دونوں میں قدر مشترک ہے۔

ثانیاً جیسا کہ لاؤڈ اسپیکر صرف مسجد سے باہر کے مسلمانوں تک پہنچ سکتا ہے۔اسی طرح ریڈیو کے ذریعے نشر ہونے والا بیان بھی اُسے زیادہ اور دور تک مسلمانوں کو سُنانا مقصود ہوتا ہے۔

ثالثاً جیسا کہ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے جو تقریر یا درس ہو رہے ہوں، تو اگر کسی عذر کی بناء پر مسلمان نہ سننا چاہیں تو گھروں کے اندر ہی نہ سننا بہت ہی سہل ہے، جیسا کہ ریڈیو نہ کھولیں یا کم آواز رکھنا مشاہدہ ہے۔

رابعاً اگر مسجد یا ایک مخصوص محل سے باہر آواز پہنچانا از روئے شرع ناجائز ہے تو ریڈیو کے ذریعہ پہنچانا کس دلیل سے جائز ہوگا۔

خامساً اگر قرب وجوار کے باشندوں کے فرضی ایذاء کی وجہ سے لاؤڈ اسپیکر کی آواز کا پھیلاؤ ناجائز ہوسکتا ہے، تو یہ علت ریڈیو کے نشریئے میں کئی گنا زیادہ پائی جاتی ہے۔

سادِساً چونکہ اصل مقصود ایذاء نہیں۔ ابلاغ دین اور مسلمانوں کی دینی نفع رسانی ہے۔اس واسطے دیگر خدشے ناقابل التفات ہیں۔علماء اصول نے ایک قانون لکھا ہے کہ **قد یحتمل الضرر الخاص لدفع الضرر العام** (الاشباہ والنظائر) لہٰذا زمانہ حاضر میں

چونکہ ماحول ویسے ہی بے دینی کی لپیٹ میں ہے اور فسق و فجور پورے زور وشور کے ساتھ متصادم ہے۔ اگر ان دینی آوازوں کو اور پیغام رسانی کے سلسلوں کو اپنی طبعی کمزوریوں کو یا مقاصد دین نہ سمجھنے کی وجہ سے نا جائز کہا جائے تو اس سے مسلمانوں کے ایک بہت بڑے نقصان ہو جانے کا احتمال ، جو قرب الیقین ہے، ہوسکتا ہے، اس لئے اگر غیر ارادی و اختیاری طور پر کہیں ایسا خدشہ پیدا بھی ہو سکے تو وہ معاف ہے، حافظ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے ،الاشباہ والنظائر میں فقہاءِ دین کا ایک ضابطہ لکھا ہے کہ ”**الامور بمقاصد ھا**“اور چونکہ مقصد یہاں خالص دینی اور رضائے خداوندی ہے، اسی لئے کوئی خلاف شرع حکم عائد نہیں ہوسکتا، اس کی سینکڑوں مثالیں فقہ اور اصول میں موجود ہیں، یہ ہم نے صرف دفع شبہ کے لئے عرض کر دیا، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کو درس قرآن یا تلاوت قرآن سے کبھی بھی اذیت نہیں ہوسکتی، حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے۔

”**وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَاهُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ لا وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا**“ (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۸۲)

جس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کے لئے تلاوت قرآن شفاء اور رحمت ہے۔ البتہ ظالموں کا اس سے نقصان ہونا یا اُن کو اذیت پہنچنا، یہ یقینی امر ہے۔ صحیح البخاری وغیرہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی نماز اور سوز و گداز کے ساتھ تلاوت کا تذکرہ ہے کہ مشرکین نے یہ شکایت کی تھی کہ یہ اپنے رب کی عبادت اپنے گھر میں کرتا رہے لیکن یہ آواز سے نہ پڑھے کیونکہ اس کی آواز سے ہماری عورتیں اور بچے متاثر ہوتے ہیں جس سے ہمیں ایذاء ہوتی

ہے۔صحیح البخاری کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

مرابابکر فلیعبد ربه فی داره فلیصل فیها ولیقرأ ماشاء ولا یوذینا بذالک ولا یستعلن به فانا نخشی اَن یقتن نسآء نا و ابنآ ء نا

(صحیح بخاری ج ا ص ۵۵۲)

یعنی مشرکین نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سفارشی ابن دغنہ سے کہا کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کہ کہیں کہ وہ اپنے رب کی عبادت اپنے گھر پر کرے، اس میں نماز پڑھے اور جو چاہے پڑھے اور ہم کو ایذاء نہ دے اور نہ اس کا اعلان کرے کیونکہ آواز کے باہر جانے سے ہماری عورتیں اور بچے متاثر ہوتے ہیں، جو ہمارے لئے فتنے اور ایذاء کی بات ہے، یہاں چند باتیں سمجھنے کی ہیں۔

(۱) یہ پابندی لگانا کہ صرف آواز مسجد کے اندر ہی رہے، قطعاً غیر اسلامی ہے اور سب سے پہلے یہ مشرکین نے مسلمانوں پر عائد کرنا چاہا تھا۔

(۲) آواز دین کو صرف ایک مجلس تک محدود نہ سمجھنا، اور اس کا باہر تک پھیلاؤ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سنت ہے۔

(۳) تلاوت قرآن اور درس یا بیان سے ایذاء غیر مسلموں کو پہنچتی تھی جیسا کہ مشرکین نے شکایت کی۔

(۴) دینی عشق جب اخلاص کے ساتھ ہو تو آواز دوسروں تک پہنچنا تبلیغ دین کا عظیم ذریعہ ہے۔صحیح بخاری کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

وکان ابو بکر رجلا بکاء ولا یملک عینیه اذ قراء القراٰن.

(۵) دین جب اخلاص اور عشق صحیح کے ساتھ بیان ہو رہا ہو، تو کچھ لوگوں کو اذیت ہونا ایک فطری امر ہے۔ بخاری کا لفظ دال ہے۔

''فافزع ذالک اشراف قریش من المشرکین''

(بخاری شریف ج ا ص ۶۸، ۶۹)

(۶) صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنے گھر پر مسجد بنا چکے تھے۔ امام بخاریؒ نے اس پر بند باندھا ہے۔ **باب المسجد یکون فی الطریق من غیر ضرر بالناس فیه** (ج ا ص ۶۸)

ثم بداء لا بی بکر فابتنیٰ مسجد اًبفناء دارہٖ (بخاری ج ا ص ۵۵۳)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی مسجد میں نماز اور قرأت فرماتے تھے، آپ کا ارادہ ایذاء پہنچانے کا ہرگز نہ تھا۔ امام بخاریؒ نے من غیر ضرر بالناس سے اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اذیت کا اتہام مشرکین کی طرف سے ناحق تھا۔

۷) وہ لوگ چونکہ اہلِ زبان تھے، اس لئے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نفس قرأت اور تلاوت، درس اور موعظت کا کام کرتی تھی۔ چنانچہ علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں۔

لا نه قصد تبلیغ کتاب اللہ و اظهارہ مع الخوف علی نفسه

(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۵۶ جز ۴)

۸) حافظ بدر العینی کی تحقیق کے مطابق صدیق اکبرؓ کا ارادہ کتاب اللہ کی تبلیغ کا تھا اور حضرت جان کی پرواہ کئے بغیر یہ قربانی دیتے تھے۔

۹) جب ارادہ تبلیغ دین کا ہو، تو اس کے نتیجے میں جن لوگوں کا باطن ٹوٹتا ہے وہ اس کو اپنے لئے ایذاء سمجھتے ہیں۔

۱۰) تفسیر و حدیث کی تاریخ میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جس میں مسلمانوں نے تلاوت قرآن یا درس و وعظ سے ایذاء کی شکایت کی ہو۔

تلک عشرة كاملة

اند کے پیش تو گفتم غم دل، ترسیدم

که دل آزرده شوی ورنه سخن بسیاراست

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک خطبے (جو کہ تقاریر اور درس ہوتے تھے) صحابہ کرام گھروں میں بازاروں میں اور دور دراز کے قبیلوں میں سنتے تھے۔

صحاح میں جناب نبی کریم ﷺ کے جمعہ کے خطبے کے بارے میں ہے کہ جب آپ خطبہ دیتے تھے تو آواز بہت اونچی ہو جاتی تھی اور مزاج اقدس میں غصہ سا پیدا ہو جاتا تھا۔

(۱) صحیح مسلم کے الفاظ ملاحظہ ہوں

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا خطب احمرت عيناه و علا صوته و اشتد غضبه. (صحیح مسلم ج۱ص۲۸۴)

۲) **مستدرك على الصحيحين** میں ہے (**حتى لو ان رجلا كان بالسوق تسمعه** (مستدرک ج ۱ ص ۲۸۷) خطبہ کے دوران جناب نبی کریم ﷺ کی آواز اتنی اونچی ہو جاتی تھی کہ مسجد سے باہر بازاروں میں بھی سنی جاسکتی تھی۔

۳) امام بخاریؒ نے اس پر باب باندھا ہے "**باب من رفع صوته بالعلم**" (بخاری ج ۱ص۱۴) آنحضرت ﷺ کے خطبہ کی تشریح کرتے ہوئے حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں۔

وانما يتم الاستد لال بذالك حيث تدعو الحاجة اليه لبعد ا و كثرة جمع

او غیر ذالک و یلحق بذالک ما اذا کان فی موعظة

(فتح الباری ج ۱ ص ۱۳۲)

یعنی اگر ضرورت ہو جیسے دور والوں کو سننا ہو یا جمع کثیر ہو، خاص کر وعظ وغیرہ میں آواز دور تک پہنچانا چاہیے۔ امام احمدؒ کی مسند میں ہے۔

۵) حدثنا عبد الله حدثنی ابی قال ثنا عبد الرزاق نا اسمٰعیل عن سماک بن حرب انه سمع عن نعمان بن بشیرؓ یقول قال رسول الله صلی الله علیه وسلم انذر تکم النار انذر تکم النار حتی لو کان رجل کان فی اقصی السوق سمعه و سمع اهل السوق صوته و هو علی المنبر .

(i) مسند احمد ج ۴ ص ۲۷۲

(ii) فتح الباری ج ۱ ص ۱۳۳

۶) جناب نبی کریم ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے اور آپ کا خطبہ صحابہ کرامؓ دور دور کے بازاروں میں سنتے تھے، مزید تفصیل کے لئے

(i) مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ ص ۱۵۸ حدیث نمبر ۱۵۹۸۳

(ii) الترغیب والترھیب ج ۴ ص ۴۵۲

(۷) عن عائشه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم جلس علی المنبر یوم الجمعه فقال: اجلسوا فسمع عبد الله بن رواحة قول رسول الله صلی الله علیه وسلم اجلسو ا فجلس فی بنی غنم (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۲۵۶)

(۸) ان عبد الله بن رواحة اتی النبی ﷺ ذات یوم وهو یخطب فسمعه وهو

یقول اجلسو ا فجلس مکانه خارجاً من المسجد

(دلائل النبوۃ ج٦ص٢٥٧)

ان دونوں روایتوں میں یہ تصریح موجود ہے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ بنوغنم میں مسجد نبوی سے باہر کسی جگہ میں سنا تھا اور اطاعت رسول اللہ ﷺ کے جذبہ سے سرشار ہونے کی وجہ سے وہیں اس پر عمل کر کے بیٹھ گئے۔ بعد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائے خیر دیتے ہوئے طلب فرمایا۔

(۹) جناب نبی کریم ﷺ کا خطبہ ہی آپ کی تقریر ہوتا تھا۔

کیف کانت خطبة قال کلام یعظ به الناس

(مستدرک ج١ص٢٨٦)

سومعلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی تقریر مبارک بھی حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم مسجد نبوی سے باہر سن چکے تھے، جناب نبی ﷺ کے صحابہؓ نے معاذ اللہ اس میں ایذاء نہیں سمجھا بلکہ اس کو دین جان کر اس پر عمل فرمایا۔

(۱۰)اخرج البیهقی و ابو نعیم عن البراءؓ قال خطبنا رسول الله صلی الله علیه وسلم حتی اسمع العواتق فی خدور هن۔

(i) خصائص کبریٰ ج ١ص٦٦

(ii) دلائل النبوۃ ج٦ص٢٥٦

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا اور اتنی اونچی آواز سے کہ پردہ نشین عورتوں نے اپنے اپنے گھروں میں سنا۔

(۱۱) و اخرج ابو نعیم عن بریدةؓ. قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوما ثم انفتل فنادیٰ بصوت اسمع العواتق فی اجواف الخدور.

(خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۶۶)

(۱۲) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم ﷺ نے ایک دن نماز کے بعد اتنی بلند آواز سے بیان فرمایا کہ پردہ نشین عورتوں کو گھروں میں بھی سنائی دیا۔

(۱۳) و اخرج ابو نعیم عن ابی برزہ. قال خرج علینا رسول اللہ ﷺ بالھا جرة العلیاء فخطبنا بصوت یسمع العواتق فی خدورھن

(خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۶۶)

جناب نبی کریم ﷺ نے دوپہر یا ظہر کے وقت تقریر فرمائی جسے خواتین نے گھروں میں سنا۔

۱۴) محدث ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن معاذ تیمی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ حضرت ﷺ نے منیٰ میں ہمیں خطبہ دیا جسے خدا کے فضل و کرم سے ہم نے اپنے اپنے خیموں میں سنا۔

(خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۶۶)

ان متعدد احادیث صحیحہ اور روایات معتبرہ سے یہ بات واضح ہوئی کہ آنحضرت ﷺ کا خطبہ، درس تقریر اور بیان مسجد نبوی ﷺ تک محدود نہ تھے۔ صحابہ کرامؓ کا متواتر بیان موجود ہے کہ وہ مسجد نبوی ﷺ سے باہر، بازاروں میں اور خواتین اپنے اپنے گھروں میں سنتی تھیں، سو یہ کہنا کہ تقریر یا درس و بیان کی آواز مسجد تک محدود رکھی جائے سراسر ناواقفیت پر مبنی ہے جو علم و

عرفان کی روشنی میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ جناب نبی کریم ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تلاوت وقرأت کی آواز بھی مسجد تک محدود نہ تھی بلکہ مسجد سے باہر بھی سنی جاتی تھی۔

(۱)عن ام هانی قالت کنت أسمع قرأت النبی صلی اللہ علیه وسلم و انا علی عریش اهلی

(i) دلائل النبوۃ للبیہقی ج۶ ص۲۵۷

(ii) خصائص کبریٰ ج۱ ص۶۶

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اپنے گھر میں بستر پر جناب نبی کریم ﷺ کی قرأت کی آواز سنتی تھی۔

(۲) عن ام هانی قالت کنا نسمع قرأت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فی جوف اللیل عند الکعبة و أنا علی عریشی (حوالہ بالا)

ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم حضرت محمد ﷺ کی قرأت کعبہ شریف کے سامنے اندھیری رات میں گھروں میں سنتے تھے۔

۳) شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے سنن ابن ماجہ کا حوالہ دیا ہے، ملاحظہ ہو۔

(خصائص ج۱ ص۶۶)

العریش، البیت الذی یستظل به . (محیط المحیط ص۵۸۹)

عبد الرزاق عن عبد اللہ بن عمررضی اللہ عنه عن ابن سهیل بن مالک عن ابیه قال کانت تسمع قرأت عمر رضی اللہ عنه فی صلوٰة الصبح من دار

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنه

(مصنف عبدالرزاق ج ۲ص ۴۰۳ حدیث نمبر ۳۸۵۹)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نماز فجر کی قرأت حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے گھر کے پاس سنی جاتی تھی، اور یہ واضح ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا گھر مسجد نبوی سے باہر تھا۔

(۵) عبد الرزاق عن مالک عن عمه ابی سهیل بن مالک عن ابیه . قال کانت قرأت عمر رضی اللہ عنه تسمع من البلاط.

(مصنف عبدالرزاق ج ۱ص ۲۰۳ حدیث نمبر ۳۸۶۰)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قرأت باہر میدانوں اور گھروں میں سنی جاتی تھی۔

البلاط: الارض المستوية الملساء و صفائح الحجارة التی تفرش فی الدارو غیرها. و کل ارض فرشت بالحجارة وبالاجر.

(محیط المحیط ص ۵۲)

بلاط کی تحقیق میں لغات الحدیث کے امام حافظ ابن الاثیرؒ فرماتے ہیں۔ **البلاط ضرب من الحجارة تفرش به الارض ثم سمی المکان بلاطا اتساعاً ، وهو موضع معروف بالمدینه.** (نہایۃ ابن الاثیر ج ۱ص ۱۵۲)

معلوم ہوا کہ بلاط نامی کوئی جگہ تھی مدینہ منورہ میں، اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں فجر کی نماز پڑھاتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ آپ کی قرأت کی آواز وہاں تک پہنچتی تھی۔ سو معلوم ہوا کہ درس وتقریر کے علاوہ نماز کی قرأت کی آواز بھی

مسجد سے باہر سننا جائز اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا اتفاقی عمل ہے اور اسے علت ایذاء سمجھنا ناجائز اور حرام ہے۔ بلکہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے دین اور عمل پر ایک قسم کا حملہ ہے۔جس کے برے نتائج سے اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو محفوظ فرمائے۔

ایک اشکال اور اس کا تدفیعہ

کہیں سے یہ غلط فہمی نہ پیدا ہو جائے کہ یہ حضرت ﷺ کا معجزہ تھا یا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی کرامت تھی کیونکہ معجزہ اور کرامت آیات بینات اور دلائل دین ہیں جبکہ نصوص صیحہ سے ثابت ہوں اور وجہ تخصیص نہ ہو، کما نبہ علیہ امام العصر الشیخ انور فی فیض الباری شرح بخاری۔ چنانچہ شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ فرماتے ہیں، اور حق یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے معجزات شمار سے متجاوز ہیں اور س لئے آپ کا ہر قول اور فعل اور ہر حال عجیب وغریب مصالح اور اسرار وحکم پر مشتمل ہونے کی وجہ سے خارق للعادۃ ہے اور معجزہ ہے۔

(سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ج ۳ ص ۴۲۷)

بلکہ یہ جواز کی مزید تقویت ہے کیونکہ جس چیز کو حق تعالیٰ شانہ نبی کا معجزہ اور ولی کی کرامت بنا دیں، اس میں نفع اور فیض ہوتا ہے، مسلمانوں کے لئے اس میں اذیت کا ادنیٰ احتمال بھی نہیں ہوسکتا۔ ورنہ معجزہ معجزہ اور کرامت کرامت نہ رہی، حق تعالیٰ شانہٗ کا اشاد ہے۔

”وَاِذَا مَآ اُنزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًاج فَاَمَّا

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ o وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ o"

(سورۂ توبہ آیت ۱۲۴، ۱۲۵)

اور جب نازل ہوتی تھی کوئی سورۃ تو بعض ان میں کہتے ہیں کس کا تم میں سے زیادہ کردیا اس سورت نے ایمان، سو جو لوگ ایمان رکھتے ہیں ان کا زیادہ کردیا اس سورت نے ایمان، اور وہ خوش وقت ہوتے ہیں اور جن کے دل میں مرض ہے سو ان کے لئے بڑھا دی گندگی پر گندگی، اور وہ مرنے تک کافر ہی رہے۔

تلاوت قرآن کی آواز کا خواہ نماز میں ہو یا نماز کے علاوہ ہو مسجد سے باہر پہنچنا کئی فوائد اور مصالح پر مشتمل ہے۔

حضرت جُبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مسلمان ہونے سے پہلے ایک مرتبہ مدینہ طیبہ اس لئے آیا کہ رسول اللہ ﷺ سے بدر کے قیدیوں سے متعلق گفتگو کروں میں پہنچا تو رسول اللہ ﷺ مغرب کی نماز میں سورۂ طور پڑھ رہے تھے، اور آواز مسجد سے باہر تک پہنچ رہی تھی، جب یہ آیت پڑھی (ان عذاب ربک لواقع ماله من دافع) اچانک میری یہ حالت ہوئی گویا میرا دل خوف سے پھٹ جائیگا۔ میں نے فوراً اسلام قبول کیا، مجھے اس وقت یہ محسوس ہو رہا تھا کہ میں اس جگہ سے ہٹ نہیں سکوں گا کہ مجھ پر عذاب آجائے گا،

(i) قرطبی

(ii) معارف القرآن ج ۸ ص ۱۸۰

(iii) تفسیر کشاف ج۴ ص۲۳

(iv) تفسیر الدر المنثور ج۶ ص ۱۱۸

(v) تفسیر روح المعانی پ۲۷ ص۲۹

(vi) تفسیر خازن ج۴ ص ۱۸۷

ان تفاسیر میں یہ صراحت موجود ہے، ''وصوتہ یخرج من المسجد فسمعتہ'' حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی تلاوت کی آواز مسجد نبوی ﷺ سے باہر سنی اور اس کی برکت سے وہ ایمان سے مشرف ہوئے۔ معلوم ہوا کہ ایمان جیسی دولت وہ قرأت تلاوت سے نصیب ہوئی تو مسلمان آبادیوں میں اس دورِ فتن میں تلاوت کی آواز خواہ نماز میں ہو رہی ہو یا تراویح اور سحری کے وقت مسلمانوں کو جگانے کی نیت سے ہو۔ فوائد سے خالی نہیں۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے یہاں تلاوت کے ذریعہ ایک دوسرے کو نیند سے جگانا معمول تھا۔

امام ترمذیؒ نے باب باندھا ہے۔ باب ماجاء فی القرأت باللیل .

عن ابی قتادہؓ ان النبی ﷺ قال لابی بکر مررت بک و انت تقرء و انت تخفض من صوتک ، فقال انی اسمعت من ناجیت، قال ارفع قلیلا، وقال لعمر مررت بک و انت ترفع صوتک. فقال انی او قظ الوسنان و اطر دالشیطان، قال اخفض قلیلا (ترمذی ج ۱ص۱۰۰)

جناب نبی کریم ﷺ نے ایک دفعہ رات کو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے معمولات

شب ملاحظہ فرمائے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ اتنا آہستہ کیوں پڑھ رہے تھے، فرمایا کہ جس سے سرگوشی کر رہا تھا، وہ خوب سن رہے تھے فرمایا کہ قدرے اونچا پڑھا کریں۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ اتنی بلند آواز سے پڑھ رہے تھے؟ فرمایا کہ تاکہ سوئے ہوئے لوگوں کو جگا دوں اور شیطانوں کو بھگاؤں۔ آنحضرت ﷺ نے قدرے اعتدال کی تلقین فرمائی، مگر سوئے ہوؤں کو جگانے کی مصلحت اور شیطان کے بھگانے کی حکمت کو آپ نے اپنے حال پر برقرار فرمایا جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وحی سے اور تعامل سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اگر مسجد سے تلاوت خواہ نماز میں کیوں نہ ہو، ان مصلحتوں کیلئے ہو یا اور کچھ فوائد دین پیش نظر ہوں، تو بلند آواز سے تلاوت جائز اور منفعت پر مبنی ہے۔ اس میں ایذاء کا احتمال پیدا کرنا از روئے وحی و تعامل صحابہؓ نا جائز ہے، یہ واقعہ مستدرک۔ ج ۱، ص ۳۱۰ معارف السنن، ج ۴، ص ۱۵۸ پر اور دیگر احادیث کے متداول اور معتبر کتب میں موجود ہے، چنانچہ فقہاء کرام نے ایک قانون لکھا ہے کہ رمضان شریف میں اگر کوئی ذکر یا تسبیح (تلاوت) بلند آواز سے ہو، جس سے اور لوگوں کے اشغال میں خلل آسکتا ہو، تو درست نہیں

"الا اذا کان الغرض منها ایقاظ الناس فی رمضان لا ن فی ذالک منفعتالهم"

(کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۱ ص ۳۲۶)

لیکن اگر غرض سوئے ہوئے لوگوں کو سحری یا تہجد کے لئے جگانا ہو تو بالکل جائز ہے کیونکہ یہ لوگوں کے فائدے کی بات ہے، فقہ کے اس قانون سے معلوم ہوا کہ بعض جزئیات جو ایسے

ہیں کہ جن میں نائمین یا مصلین کے اصرار کی وجہ سے منع لکھا ہے، وہ کسی غرض صحیح نہ ہونے کے لئے جو تلاوت ہو، یہی وجہ ہے کہ اس میں اوقات کا بڑا لحاظ کیا جاتا ہے۔ اگر وقت ایسا ہے کہ لوگوں کا آرام ضروری ہے، اور از روئے شرع اس وقت مسلمانوں کا جاگنا یا جگانا مطلوب نہیں تو ایسے وقت میں بلند آواز سے بذریعہ لاؤڈ اسپیکر تلاوت یا بیان ناجائز ہوگا۔ لیکن یہ طریقہ سوائے اہلِ بدعت غلاۃ کے اور کسی کے ہاں نہیں چنانچہ ''ہندیہ'' میں ہے۔

''لو قراء علی السطح فی اللیل جھراً یا ثم کذافی الغرائب''

(فتاویٰ ہندیہ ج۵ ص ۳۱۸)

یہی وجہ ہے کہ مساجد میں تلاوت اکثر ان اوقات میں ہوا کرتی ہے۔ جو لوگوں کے سننے کے ہوتے ہیں۔ مثلاً نماز تراویح میں یا نماز جمعہ اور عید کے موقع پر یا اور کسی تقریب اور جلسے کے آغاز میں جس سے مقصد ترغیب اور دعوت دین ہوتی ہے۔ مسلمان ایسے موقعوں پر دلی توجہ سے سننا چاہتے ہیں، صرف اس احتمال سے منع کرنا کہ ہوسکتا ہے کسی کو ایذاء ہوتی ہو۔ صحیح نہیں ہے۔ ''ہندیہ'' میں ہے۔

اذا اراد ان یقرأا لقراٰن و یخاف ان یدخل علیه الریالا یترک القرأت لا جل ذالک کذا فی المحیط

(فتاویٰ ہندیہ ج۵ ص ۳۱۸)

یعنی صرف اس احتمال سے قرآن مجید کی تلاوت ترک کرنا کہ مجھ میں اس سے ریا پیدا ہوتی ہے، درست نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اگرچہ فقہ حنفی کا قانون یہ ہے کہ ذکر اور دعا وغیرہ آہستہ ہونا چاہیے۔

الاصل فی الاذکار والدعاء هوا الاخفاء

(قاضی خان علی الھندیہ ج اص ۲۴۵)

لیکن قرآن مجید کی تلاوت کو جھر سے پڑھنا افضل لکھا ہے۔

الافضل فی قرأت القراٰن خارج الصلوٰۃ الجھر

(فتاویٰ ہندیہ ج ۵ص ۳۱۶)

باقی یہ شبہ کہ خارج از مسجد لوگ اپنے کاموں میں مشغول ہوتے ہیں جن کے لئے سننا دشوار ہوتا ہے۔تو ایسے لوگ از روئے فقہ معاف اور معذور ہیں، ہندیہ میں ہے۔

صبی یقرأ فی البیت و أهله مشغولون بالعمل یعذرون فی ترک الاستماع ان افتتحو العمل قبل القرأت والافلا" (ہندیہ ج ۵ص ۳۱۷)

ہماری گذشتہ گفتگو سے یہ ثابت ہوا کہ درس وتقریر کے علاوہ، تلاوت اور قرأت کی آواز مسجد سے باہر محلے والوں تک پہنچانا نبی کریم ﷺ اور حضرات صحابہؓ کے اعمال سے ثابت ہے اور دینی مقصد خواہ وہ دعوت وتبلیغ کے علاوہ اصلاح اور ترغیب کیوں نہ ہو اس امر کا تقاضاء دین ہونا فقہاء کرام کے مسلمہ قوانین سے ثابت ہے، جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری اور قاضی خان وغیرہ کے جزئیات سے معلوم ہوا، لیکن ہم اس کے قائل ہرگز نہیں کہ وقت بے وقت لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے بغیر کسی مقصد اور مصلحت کے بلند آواز سے تلاوت وغیرہ گھنٹوں جاری رکھی جائے کیونکہ ایسا کرنا روایت اور درایت کی روشنی میں ناجائز معلوم ہو رہا ہے۔وضاحت کے لئے فقہاء کا یہ جزیہ ملاحظہ ہو۔

لا یقراء جهراً عند المشتغلین بالاعمال (ہندیہ ج ۵ص ۳۱۶)

اعتدال اس امت کی امتیازی شان رہی ہے باب فکر ونظر قرآن مجید کی آیت ”و کذالک جعلنکم امة وسطا“ (سورۂ بقرہ آیت ۱۴۳) سے یہی استنباط فرما چکے ہیں جیسا کہ اہل علم پر واضح ہے فقہاء کرام نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کسی ضروری شغل میں ہوں جس کی اہمیت دین کی روشنی میں ثابت ہو چکی ہو، ایسے موقعوں پر آواز پہنچنے کے باوجود نہ سننے والے معاف ہیں۔ عالمگیری میں ہے۔

مدرس یدر س فی المسجد وفیه مقری یقرأ القراٰن بحیث لو سکت عن درسه یسمع القراٰن یعذرفی درسه (عالمگیری ج۵ص۳۱۷)

چونکہ درس اور تعلیم دین کا نفسِ تلاوت سے اہم ہونا اصول دین سے ثابت ہے۔

حکی عن ابی مطیع انه قال النظر فی کتب اصحابنا من غیر سماع افضل من قیام لیلة کذا فی الخلاصه (فتاوٰی عالمگیری ج۵ص۳۱۸)

جس کا حاصل یہ ہے کہ کتب فقہ کا سرسری مطالعہ بھی پوری رات کی نفلی عبادت سے افضل ہے، چنانچہ خود عالمگیری میں ہے۔

یکر رمن الفقی و غیره یقرأ القراٰن لا یلزمه الاستماع قال الوبری فی المسجد عظة و قرأت القراٰن فالا ستماع الی العظمة اولیٰ کذافی القنیه

(ہندیہ ج ۵ص۳۱۸)

تلاوت قرآن کی صورت میں سننے والوں کیلئے سجدہ تلاوت کا حکم

قرآن مجید کی وہ چودہ آیات جن کے پڑھنے سے اور سننے سے سجدہ تلاوت واجب ہوتا ہے، اول تو ایسے مقامات پر جہاں ازروئے شرع جہر ضروری نہ ہو، آہستہ پڑھنا

چاہیے، جیسا کہ فقہاء کرام نے لکھا ہے، اور یہی عمل ہے۔

ہندیہ میں ہے۔ **القاری اذا کان عندہٗ قوم ان کانو ا متأ ھیین لسجود، و یقع فی قلبہ انہ لا یشق علیھم اداء السجدہ، ینبغی ان یقرأ جھراً و ان کانو ا محدثین او یظن أنھم یسمعون ولا یسجدون او لیشق علیھم أداء السجدہ ینبغی ان یقرأ فی نفسہٖ سواء کان فی الصلوٰۃ او خارج الصلوٰۃ. کذافی الخلاصہ.** (ہندیہ ج ا ص ۱۳۵)

اور جب جھراً پڑھ لیا گیا تو سننے والوں کو اطلاع دینا ضروری ہے، چنانچہ یہی معمول ہے کہ پڑھنے والا شروع میں یا بعد میں اعلان کرتا ہے اور مسلمانوں کو معلوم ہو جانے کے بعد سجدہ تلاوت کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اگر اعلان اور علم کے باوجود بھی کوئی سجدہ تلاوت نہ کرے تو پڑھنے والا بری الذمہ ہے، جیسا کہ مسلمانوں کو معلوم ہے کہ نمازیں فرض ہیں۔ اب اگر کوئی نہ پڑھے تو یہ گناہ اس کا اپنا ہے اور اگر سننے والے کو علم نہ ہوسکا تو تاخیر سے معلوم ہونے تک بالاتفاق عذر شرعی ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

ولو قرء بالعربیہ یلزمہ مطلقًا ، لکن یعذربا لتأخیر مالم یعلم

(ہندیہ ج ا ص ۱۳۳)

سجدۂ تلاوت کے بقیہ احکام ومسائل

لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ اگر اہل محلّہ آیات سجدہ سنیں مگر جب تک ان کو معلوم نہ ہو جائے، خواہ کسی کے بتانے سے کیوں نہ ہو کیونکہ سبب وجوب گو اصلاً تلاوت یا سماعت ہے، مگر محققین نے عجمیوں کے لئے علم کی شرط بھی لکھی ہے، یعنی جاننا کہ اس وقت جن آیات کی

تلاوت مجھے سننا نصیب ہوا۔ وہ آیات سجدہ ہیں، اور اگر یہ معلوم نہ ہوسکا تو سرے سے سجدہ واجب ہی نہ ہوا، چنانچہ جامع الرموز میں ہے۔

والمتبادر أنها لا تجب الا اذا علم أ نها آية السجدة ولو بالاخبار

(ii) جامع الرموز ج ا ص ۲۴۱

(ii) اللباب فی شرح الکتاب ج ا ص ۱۰۳

(iii) طحطاوی حاشیہ مراقی ص ۲۶۴

(iv) فتح القدیر شرح ہدایہ میں ہے" **لكن لا يحب على الاعجمى ما لم يعلم** "

فتح القدیر مع الکفایہ ج ا ص ۴۶۶

(v) ردالمحتار ج ا ص ۵۱۴

(vi) حلبی کبیر میں ہے " **و ان لم يفهمها من العجم اذا اخبر بها اجماعاً** "

(حلبی کبیر شرح منیہ ص ۵۰۱)

ایک ضروری تنبیہ نمبر ۱: یہ عنوان قائم کرنا کہ "لاؤڈ اسپیکر سے سجدہ تلاوت تمام محلّہ والوں پر اور خواتین پر واجب کرنے کے وبال سے نجات حاصل کریں، باعث افسوس ہے کیونکہ سجدہ تلاوت کا واجب ہونا وبال ہرگز نہیں، قرآن مجید کی آیت پر غور کرنے سے اس کا خطرہ اہل علم پر واضح ہوسکتا ہے۔" **والذين اذا ذكروا بايٰت ربهم لم يخروا عليها صما و عميانا**" (سورۂ فرقان آیت ۷۳) کیونکہ سجدہ تلاوت کا واجب ہونا وہاں ہرگز نہیں۔ وبال واجب سجدہ کا ترک ہے۔ امید ہے اگر عناد اور ضد رکاوٹ نہ بنی تو عنوان پر پورے مسئلہ کی طرح نظر ثانی کرنے کا موقع نصیب ہوجائے گا۔

تنبیہ نمبر۲: سجدہ تلاوت کا واجب ہونا اور نہ واجب کرنا وبال دین ہے۔ اگر ایسی بات ہوتی تو فقہاء کرام سجود تلاوت کے مبحث میں لکھ دیتے کہ خبر دار کہ اونچی آوازِ تلاوت سے آیت سجدہ پڑھے کیونکہ اگر واجب ہوا تو یہ وبال کا باعث ہے، اور چونکہ ایسا کوئی جزیہ انشاء اللہ العزیز متون سے لے کر شروح تک اور حوادث ونوازل سے لے کر فتاویٰ تک کہیں نہیں ہے۔ اس لئے اس عنوان کا غلط ہونا اظہر من الشمس ہے۔

آداب تلاوت قرآن کریم اور ایک مشہور شبہ

بعض حضرات کو یہ شبہ بھی رہا ہے کہ اگر لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے تلاوت قرآن یا قرأت کی آواز باہر کے لوگوں تک پہنچنے لگے تو چونکہ قرآن کا سننا نماز کے باہر بھی واجب ہے اور باہر کے لوگ سننے کی پابندی نہیں کر سکتے جس سے گناہ لازم آئے گا۔

ازالۂ شبہ

عرض یہ ہے، اگر چہ یہ رائے رہی ہے، لیکن احادیث صحیحہ سے جو قواعد فقہ زیادہ ہم آہنگ ہیں ان کی روشنی میں یہ شبہ درست نہیں ہے، امام ابوبکر جصاص رازی الحنفیہ ''واذا قری القرآن فاستمعو لہ وانصتوا'' کی تفسیر میں قاعدہ فقہ ذکر فرماتے ہیں ''المؤمن فی سعت من الاستماع الیہ الا فی الصلوٰۃ مفروضۃ'' (احکام القرآن ج۳ ص۳۹) جس کا حاصل یہ ہے کہ نماز کے علاوہ قرآن پاک سننے کے لئے یہ پابندی نہیں ہے بلکہ گنجائش ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے بھی لکھا ہے کہ احادیث صحیحہ سے یہ بات ثابت ہے کہ رسول کریم ﷺ رات کی نماز میں جہر قرأت فرماتے تھے اور ازواج مطہرات اس وقت نیند

مین ہوتی تھیں، بعض اوقات حجرہ سے باہر بھی آنحضرت ﷺ کی آواز سنی جاتی تھی اور بخاری اور مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ ایک سفر مین رات کو پڑاؤ دالنے کے بعد صبح کو فرمایا کہ میں نے اپنے اشعری رفقاء، سفر کو ان کی تلاوت کی آوازوں سے رات کے اندھیرے میں پہچان لیا کہ اس کے خیمے کس طرف اور کہاں ہیں، اگر چہ دن میں مجھے ان کی جاءِ قیام کا علم نہیں تھا۔ اس واقعہ میں بھی رسول کریم ﷺ نے اشعری حضرات کو اس سے منع نہیں فرمایا کہ بلند آواز سے کیوں قرأت کی اور نہ سونے والوں کو ہدایت فرمائی کہ جب قرآن پڑھا جارہا ہو تو تم سب اُٹھ بیٹھو اور قرآن سنو اس قسم کی روایات سے فقہاء نے خارج نماز کی تلاوت کے معاملے میں کچھ گنجائش دی ہے

(معارف القرآن ج ۴ ص ۱۶۴)

تحقیقاتِ بالا سے مندرجہ ذیل امور واضح ہوئے

(۱) قرأت سننے کا وجوب صرف نماز تک اور وہ بھی نمازی حضرات کے لئے ہے۔

(۲) نماز کے علاوہ تلاوت و قرأت سننے کا چونکہ اختیار ہے اس لئے گناہ لازم نہیں ہوتا۔

(۳) جناب نبی کریم ﷺ اور صحابہؓ کے زمانے میں قرأت و تلاوت کا یہ معمول رہا ہے جس سے دور و قریب کے لوگ مستفیض ہوتے تھے۔

(۴) محقق قول یہی ہے جیسا کہ امام رازیؒ اور مولانا مفتی محمد شفیع صابؒ کی تحقیقات سے معلوم ہوا، بلکہ امام ابن المنذرؒ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ نماز اور خطبے کے علاوہ کسی اور موقع پر سننا واجب نہیں ہے کیونکہ ہر ایک پر استماع و انصات (کان لگا کر سننا) اگر واجب

کردیا جائے تو حرجِ عظیم لازم آئے گا، کیونکہ اس کا یہ تقاضہ ہے کہ علم میں مشغول آدمی اس کے سننے کے لئے اپنا علمی شغل ترک کردے اوراسی طرح دیگرامورضروریہ خواہ وہ دینی ہو یا طبعی چھوڑ دے (حاصل ترجمہ) اہل علم حضرات کی تسکین و تطمین کے لئے عربی عبارات ملاحظ ہو۔

" و حكى ابن المنذر الاجماع على عدم وجوب الاستماع والانصات فى غير الصلاة و الخطبة و ذالک أن ايجابهما على كل من يسمع احدا يقرأ فيه حرج عظيم لا نه يقتضى أن يترک له المشتغل بالعلم علمه، والمشتغل بالحكم حكمهٔ والمتباعان مساومتهما و تعاقد هما و كل ذى شغل شغله " (تفسیر المنارج ۹ص۵۵۲،۵۵۳)

جب تحریرکردہ دلائل سے معلوم ہوا کہ نصوص دین کی روشنی میں درس یا تقریر تلاوت یا قرأت کی آواز مسجد سے باہر جاسکتی ہے، اوراس کا سننا اور وہاں تک پہنچانے کا اہتمام کرنا دلائل شرعیہ کی روشنی میں درست ہے تو اب کوئی فتویٰ یا تحقیق اس کے مقابلے میں شرعی حیثیت نہیں رکھتی،اس کے دلائل اوروجوہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱) نصوص کے مقابلے میں قیاس اورآراء کا خلاف شرع ہونا اصول فقہ کا مشہور مسئلہ ہے۔

(ii) اصول سرخسی ج۲ص۱۴۹

(ii) الملل والنحل ج۱ص۲۰۰

(iii) المغنی فی اصول فقہ ص۲۹۲

صاحب ہدایہ نے سینکڑوں مقامات پر **ترکنا القیاس عند الاثر** کہہ کریہی اصول واضح

فرمائے ہیں۔

(۲) ہمارے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بلکہ دیگر آئمہ ثلاثہ سے بھی مروی ہے کہ اگر ہماری تحقیق اور قول کے مقابلے میں حدیث صحیح ملی تو وہ میرا مذہب ہوگا۔

اذا صح الحديث فهو مذهبی کا مقولہ ان بزرگوں کی طرف سے متداول اور معتبر کتب میں شہرت پا چکا ہے۔ بعض تفصیلات کے لئے علامہ ابن عابدینؒ المعروف بہ مفتی شام کے "آداب رسم المفتی" ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔ (عقود رسم المفتی ص ۳۱، ۳۲)

(۳) فقہاء کے مسلمہ اصول کے پیش نظر ادلہ شرعیہ سے جو محقق قول سامنے آیا وہ اصل مذہب ہوتا ہے، اس کے بعض امثلہ کی طرف بھی علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے آداب رسم مفتی میں اشارہ فرمایا ہے۔

اس قانون کے پیش نظر صاحبین کا اختلاف فقہ حنفی میں پایا جاتا ہے۔

(۴) چنانچہ صاحبین کا قول، یا امام زفر رحمۃ اللہ علیہ یا امام حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال پر بھی ادلہ قوی ہونے کی وجہ سے فتویٰ موجود ہے، اور وہ عین مذہب حنفی ہے۔

(۵) امام العصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ جنہیں حق تعالیٰ شانہٗ نے حدیث وفقہ کی امامت کا درجہ عطا فرما دیا تھا اور جنہوں نے اپنی مجتہدانہ بصیرت اور ملکات سے سینکڑوں سال تک دنیا حنفیت کو مسلح فرمایا ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ اگر نوادر اور شاذ روایات بھی حدیث صحیح کے مطابق ہو تو میں اس پر فتویٰ دینا چاہتا ہوں اور یہ حنفی مذہب ہی ہوگا۔ ملاحظہ ہو فیض الباری شرح البخاری، دیگر فقہائے کرام نے بھی لکھا ہے۔

"ان الاعتبار لقوة الدليل" (عقود رسم المفتی ۲۸)

(٦) آج کل سوء اتفاق سے اکثر دارالافتاؤں میں براہ راست ذمہ دار اور صاحب استعداد مفتی کو لکھنا کم پڑتا ہے۔ اکثر معین اور حدیث العہد بالتحقیق والافتاء اجوبہ لکھتے ہیں جن کی عدم ممارست اور قلت واقفیت سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا، ورنہ جن بزرگوں کو خود تحقیق کرنیکا موقع ملا ہے تو انہوں نے واقعی تحقیق کا حق ادا فرمایا ہے۔ چنانچہ زیر بحث مسئلہ کے بارے میں جب فقیہ وقت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ''آلات جدیدہ'' کے نام سے جو تحقیق فرمائی ہے وہ ہمارے مدعا کی دلیل اور اپنی نظیر آپ ہے۔

چنانچہ حضرت خود فرماتے ہیں، وعظ، تقریر، درس اور تدریس وغیرہ میں آلہ مکبر الصوت (لاؤڈ اسپیکر) کا استعمال ایسا ہی جائز ہے جیسے سفر حج میں موٹر و ہوائی جہاز کا یا جہاد میں ٹینک اور بم کا۔ (آلاتِ جدیدہ ص ١٩)

حضرت مفتی صاحب ؒ کی یہ تحقیق اس قسم کے مغالطوں سے بچنے کے لئے آہنی حیثیت رکھتی ہے اور جن علماء وفقہاء کو خود لکھنا پڑا یا مسئلہ پر غور کرنے کا موقع ملا تو انہوں نے بھی درست اور صحیح فتویٰ لکھا ہے، جیسا کہ آگے چل کر حضرت مولانا مفتی رضاء الحق صاحب کے ایک تحریر کردہ فتویٰ پر استاذ العالم فقیہہ العصر محدث اعظم و مفتی اعظم حضرت الاستاذ مولانا مفتی ولی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصدیق وتصویب کے ساتھ ہم عرض کرنے والے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امور مشروعہ میں بیجا تشدد کرنا بہت بڑا گناہ اور جرم ہے۔

جیسا کہ دلائل شرعیہ سے واضح ہوا کہ لاؤڈ اسپیکر خواہ مسجد کے اندر موجود سامعین کے لئے ہو یا مسجد کے باہر کے لوگوں کو سنانے کے لئے ہو، جائز اور درست ہے اور عرب و عجم کے علماء کرام اور مسلمانوں کا عمل ہے۔ جیسا کہ سب جانتے ہیں پھر اس کے خلاف استفتاء کرنا اور اشتہارات اور پوسٹرز نکالنا بیجا سختی اور دینیات میں مداخلت کے مترادف ہے جس کا از روئے شرع ناجائز ہونا واضح ہے۔ یہاں یہ بات قابل فہم ہے کہ اگر کسی کی طبعی کمزوری وغیرہ کے پیش نظر وہ اس کا تحمل نہیں کر سکتا، تو وہ معاف ہے۔ چنانچہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ خانقاہ کے اندر اپنے بیان کے بلند آواز سے بھی گرانی طبع محسوس فرماتے تھے، چنانچہ فرماتے ہیں بعض مرتبہ مجمع کثیر ہونے کی وجہ سے تقریر میں آواز بلند ہو جاتی ہے، اور یہ امر طبعی ہے جی چاہتا ہے کہ سب سنیں جس کا اثر دیر تک دماغ پر رہتا ہے۔ یہ بھی ایک تکلیف ہے۔

(ملفوظات حکیم الامت ج ا ص ۲۴ سطر ۱۰، ۱۱)

غور فرمانے کا مقام ہے کہ حضرت کو اپنی تقریر میں اپنی آواز کے بلند ہونے سے تکلیف اور گرانی ہوتی تھی، مگر اخلاق نبوت سے متصف ہونے کی برکت سے فرماتے ہیں کہ ’’جی چاہتا ہے کہ سب سنیں‘‘ واقعی جنہیں حق تعالیٰ شانہٗ خیر کے ارادے سے نوازیں، ان

کا یہی حال ہوتا ہے مگر سمجھنے کی بات یہ ہے کہ حضرت نہ تو اسے حرام سمجھتے ہیں اور نہ اس کے خلاف کوئی حکم صادر فرماتے ہیں، یہ شریعت کے جامع ہونے کی ایک واضح مثال ہے، امور طبیعہ کی وجہ سے مسائل دین میں سختی پیدا کرنا احادیث مبارکہ کی روشنی میں عظیم جرم ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔

ان اعظم المسلمین جرما من سئل عن شئی لم یحرم فحرم لا جل مسئلته

(بخاری ج ۲ ص ۱۰۸۲)

شراح حدیث نے اس حدیث کی شرح میں جس میں جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں میں سب سے عظیم مجرم وہ شخص ہیں جو کسی ایسی چیز کے بارے میں سوال کرلے جو کہ حرام نہ ہوں اور اس کے سوال کی وجہ سے وہ حرام ہو جائے۔ حافظ الحدیث علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں

ان السوال عن الشئی بحیث یصیر سبباً لتحریم شئی مُباح هوا عظم الجرم لانه صار سببا لتضیق الامر علیٰ جمیع المکلفین فالفتل مثلاً کبیرة ولکن مضرته راجعة الی المقتول وحده أ والیٰ من هو منه بسبیل بخلاف صورة المسئلة فضر ره عام للجمیع

(فتح الباری ج ۱۳ ص ۲۶۸، ۲۶۹)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی شرح کا حاصل یہ ہے کہ کسی ایسی چیز کے بارے میں سوال کرنا جو کسی مباح یعنی جائز کام کو نا جائز بنانے کی وجہ بنے بہت بڑا جرم ہے کیونکہ اس طرح مسلمانوں کے ساتھ تنگی اور سختی پیدا ہوگی۔ سو قتل بھی ایک گناہ ہے مگر اس کا نقصان

صرف مقتول یا وہ جو مرتکب قتل ہے، ان کو پہنچتا ہے مگر اس سوال کرنے میں تمام مسلمانوں کے ساتھ سختی کرنا اور ان کا نقصان کرنا ہے۔ مزید ملاحظہ ہو

(i) عمدۃ القدی ج ۱۲ جز ۲۵ ص ۳۲، ۳۳

(ii) ارشاد الساری ج ۱۰ ص ۳۰۹

(iii) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۳۰

حق تعالیٰ شانہٗ سب مسلمانوں کو نیکی برباد گناہ لازم کے ارتکاب سے محفوظ فرمائے یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہؓ میں سے اگر کسی سے باوجود اخلاص نیت کے کہیں سختی اور تشدد ہو جاتا تو حضرات صحابہؓ اس کو ناپسند فرماتے تھے اور تشدد کرنے والے کو منع فرماتے تھے، ملاحظہ ہو۔

''کان ابو موسیٰ الاشعریؓ یشدد فی البول'' الخ'' فقال حذیفۃؓ، لیت امسک ''(بخاری ج ۱ ص ۳۶) کے الفاظ صریح موجود ہیں۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔ دیکھئے، تنزہ عن البول شریعت میں اس درجہ مطلوب ہے کہ اس میں کوتاہی کرنے پر وعید شدید بھی وارد ہے اور ایسا **''مبالغہ فی التنزہ''** آسانی سے ممکن بھی ہے کیونکہ شیشی قارورہ کی ہر شخص کو میسر ہوسکتی ہے، مگر پھر بھی نہ آنحضرت ﷺ نے اس کا اہتمام فرمایا، نہ حضرات صحابہؓ نے اور اگر حضرت ابوموسیٰؓ نے غلبہ رجال سے اس کا اہتمام بھی کیا تو حضرت حذیفہؓ نے ان پر نکیر فرمائی اور حضرت ابوموسیٰ نے نہ اس نکیر پر کچھ کلام فرمایا، نہ دوسروں کو ایسا کرنے کی رائے دی۔ اس سلسلے میں مزید فرماتے ہیں، تو اس میں ایسا مبالغہ کرنا اور اس

کی اطاعت کا اہتمام کرنا "یسر فی الدین" کے سراسر خلاف ہے، و فی ھذا اکفایة لمن طلب الحق (بو ادر النوادر ص ۴۹۲) حضرات صحابہؓ کے ان ارشادات کی روشنی میں حضرت تھانویؒ کی شرح وتفصیل سے جائز کو ناجائز کرنے والوں اور اس سلسلے میں نشر واشاعت کرنے والوں کو دیدہ عبرت کھول دینا چاہیے کہ کہیں نیکی یا اذیت کا طوق اپنے گلے میں آویزاں نہ ہو؟

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

آخری وضاحت

پیش کردہ تفاصیل اور دلائل سے جیسا کہ پڑھنے والے حضرات پر یہ واضح ہو چکا ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے مناسب اوقات میں تلاوت یا درس وتقریر بالکل جائز اور شریعت اور وقت کا عین تقاضہ ہے۔ جو حضرات اس سلسلے میں آواز کو مسجد یا کسی دوسری مجلس تک محدود رکھنا ضروری سمجھتے ہیں اور باہر کے لوگوں تک آواز کا پہنچنا یا اس کا اہتمام کرنا ناجائز سمجھتے ہیں۔ ان کے اس کہنے کا غلط ہونا ان شرعی دلائل کی روشنی میں بفضلہٖ تعالیٰ واضح ہو چکا ہے۔ تنبیہ مزید کے طور پر عرض کرنا بھی بیجا نہ ہوگا کہ جن حضرات نے اس سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے، انہوں نے حُرمت کی علت اذیت بتائی ہے جیسا کہ ایک صاحب علم سے ایک گفتگو کے دوران یہ معلوم ہوا تھا۔ سو عرض ہے کہ ہماری سابقہ تحقیق وتحریر سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ یہ علت اصول دین کی روشنی میں کالعدم ہیں اگر بالفرض یہ علت درست ہوتی تو

یہی ایذاء جب مسجد کے اندر درس یا بیان ہو تو بھی موجود ہوتی ہے کیونکہ مسجد کے اندر والے لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کے یہ حضرات خود بھی قائل بلکہ اس پر عمل پیرا ہیں، جیسا کہ ان کی تحریرات اور اعمال سے ظاہر ہے۔ کیونکہ درس و بیان، وعظ یا تقریر نمازوں کے اوقات ہی میں ہوتے ہیں، غیر اوقات نماز میں عمل کسی کا نہیں ہے اور تقریباً تمام اوقات میں نماز پڑھنے والے آتے رہتے ہیں اور از روئے شرح چونکہ وہ بنیت نماز ہی مسجد میں آتے ہیں اور اس وقت کا سب سے بڑا فریضہ بھی نماز ہی ہوتا ہے جس کی وجہ سے ان کو نماز پڑھنے سے نہیں منع کیا جا سکتا، تو بیان یا درس سے یقیناً ان کی نماز میں حرج واقع ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں ایذاء کی علت متحقق ہوتی ہے کیونکہ مسجد سے باہر محلے کے لوگ تو بجائے صحن کے، کمرے میں، یا کمرے کے بھی دروازہ اور کھڑکی بند کر سکتے ہیں۔ لیکن مسجد میں آنے والے بعد میں نماز پڑھنے والوں کو سخت اذیت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، تو پھر مسجد کے اندر بھی ان کی تحقیق کے مطابق درس یا تقریر نا جائز ہونا چاہیے۔ حالانکہ اس کے ماننے کے لئے کوئی بھی تیار نہیں ہے، خود جناب نبی کریم ﷺ اور حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ہاں بھی اوقات نماز میں ذکر و تعلیم کا سلسلہ اوقات نماز میں رہتا تھا۔ جیسا کہ گزشتہ تحریرات سے معلوم ہوا ہے۔ اہل علم کے مزید اطلاع کے لئے بخاری شریف

”باب الذكر بعد الصلوٰة“ اور ”ان رفع الصوت بالذكر حين ينصرف الناس من المكتوبة كان على عهد النبی ﷺ و قال ابن عباس كنت اعلم اذاانصرفو ا بذالک اذا سمعته　　　　(بخاری شریف ج۱ ص۱۱۶)

پرغور کرنا کافی ہے۔

اگر کسی نے مزید تفصیل دیکھنی ہو تو

(i) بذل المجھود ج ۷ ص ۹۴

(ii) المدخل ج ۱ ج ۳ ص ۱۰۳

(iii) البرھان فی علوم القرآن ج ا ص ۴۷۵ ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

بلکہ مسجد کے باہر لوگوں کے سکون سے زیادہ مسجد میں نماز پڑھنے والوں کے سکون کا لحاظ ضروری ہے۔ فتاویٰ عالمگیری کی وضاحت کافی ہے

واذا اضاق المسجد کان للمصلی ان یزعج القائد عن موضعه یصلی فیه و ان کان مشتغلا بالذکر ا والدرس اوقرأة القرآن او الاعتکاف.

(فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۳۲۲)

چونکہ یہ اشارات خالص اہل علم کے لئے ہیں اس لئے ترجمہ کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ ان تمام باتوں کے باوجود درس اور تقریر بیان اور وعظ مساجد میں اسلام کے دور اول سے آج تک بفضلہٖ تعالیٰ جاری ہیں۔ سو معلوم ہوا کہ ارادہ نفع رسانی کا ہو، اور مقصد اصلاح تعلیم و تبلیغ دین ہو اس قسم کے علل غیر مطردہ کا اعتبار نہیں ہوتا ہے، اور اصول کا مشہور قانون "**الامور بمقاصدھا**" الاشباہ والنظائر ج ۱ ص ۴۳ نافذ العمل ہوتا ہے۔ ہم نے از حد کوشش کی کہ بات مختصر اور مدلل اور سلف اور خلف کے متفقہ موقف کی روشنی میں ہو۔ جس کی وجہ سے سینکڑوں دلائل ضبط تحریر میں نہیں لا سکے، جو کچھ لکھا گیا ہے گو مختصر ہے مگر امید ہے کہ طالبان تحقیق کے لئے باعث تسلی و تشفی اور علماء دین کے لئے اطلاع مبین کا باعث تسلی و تشفی اور علماء دین کے لئے اطلاع مبین کا باعث ثابت ہوگا۔ اس سلسلے میں فقیہہ العالم

محدث اعظم ومفتی اعظم پاکستان استاذنا المکرّم حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب دامت برکاتہم کا مصدقہ فتویٰ حرف آخر اور قول فیصل کی حیثیت سے پیش خدمت ہے جو ہمارے رسالہ کے لئے تکمیل اور مقاصد کے لئے تتمیم اور طالبان حق کے لئے تبشیر اور نعمت عظمیٰ کی حیثیت رکھتا ہے۔

تمّ بحمد اللہ

صدر اول کے طبقات مفسرین
قرآن کریم

فہرست

(۱) ضروری وضاحت	۲۷۹
(۲) تفسیرِ قرآن کے بڑے ماہرین جن کو آئمہ تفسیر کہتے ہیں	۲۷۹
(۳) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	۲۷۹
(۴) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ	۲۷۹
(۵) حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ	۲۸۰
(۶) حضرت علی رضی اللہ عنہ	۲۸۰
(۷) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ	۲۸۰
(۸) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی سندِ تفسیر یوں ہے	۲۸۰
(۹) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ	۲۸۱
(۱۰) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ	۲۸۱
(۱۱) ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا	۲۸۲
(۱۲) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ	۲۸۲
(۱۳) حضرت ابوالعالیہ رفیع بن مہران بصری رحمۃ اللہ علیہ	۲۸۳
(۱۴) سعید بن جبیر ہشام الاسدی رحمۃ اللہ علیہ	۲۸۳

(۱۵) نوٹ ٢٨٤
(۱٦) اباالاسود بن عمرو بن اسفیان رحمۃ اللہ علیہ ٢٨٤
(۱۷) ضحاک بن مزاحم رحمۃ اللہ علیہ ٢٨٤
(۱۸) حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ ٢٨٥
(۱۹) مجاہد بن جبر رحمۃ اللہ علیہ ٢٨٥
(۲۰) طاؤس بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ ٢٨٦
(۲۱) عطاء بن رباح رحمۃ اللہ علیہ ٢٨٦
(۲۲) حافظ ابوالخطاب قتادہ بن دعامہ رحمۃ اللہ علیہ ٢٨٦
(۲۳) امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ٢٨٧
(۲۴) عطیہ بن سعد رحمۃ اللہ علیہ ٢٨٧
(۲۵) محمد بن کعب قرضی رحمۃ اللہ علیہ ٢٨٧
(۲٦) قیس بن مسلم الجدلی الکوفی رحمۃ اللہ علیہ ٢٨٨
(۲۷) اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ ٢٨٨
(۲۸) عبداللہ بن نجیح المکی رحمۃ اللہ علیہ ٢٨٨
(۲۹) زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ ٢٨٩
(۳۰) الربیع بن انس رحمۃ اللہ علیہ ٢٨٩
(۳۱) علی بن ابی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ ٢٨٩
(۳۲) عمرو بن عبید بن باب ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ ٢٩٠

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ’’وَلَا یَاْتُوْنَکَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰکَ بِالْحَقِّ وَ اَحْسَنَ تَفْسِیْرًا‘‘ (الفرقان آیت ۳۳)

ترجمہ ’’اور یہ لوگ نہیں آتے ہیں آپ کے پاس کوئی پیچیدہ سوال لیکر مگر ہم لے آتے ہیں دوٹوک جواب اور بہترین تفسیر۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ شانہ نے قرآ ن کریم کے بعض مقامات کی تفسیر خود فرمائی، مثلاً حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے

’’وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلاً وَّاِیَّایَ فَاتَّقُوْن ‘‘(سورۂ بقرہ آیت ۴۱)

اس کی تفسیر خود قرآن کریم میں موجود ہے ’’فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ یَکْتُبُوْنَ الْکِتٰبَ بِاَیْدِیْھِمْ ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ ھٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ لِیَشْتَرُوْا بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلاً ‘‘(سورۂ بقرہ آیت ۷۹)

پہلی آیت سے حکم نا معلوم تھا کہ مصداق آیت کا کونسا طبقہ ہے اور دوسری آیت میں وضاحت کردی گئی کہ جو لوگ دین میں تحریف کرتے ہیں اور اغراض دنیا کیلئے غلط مسائل بتاتے ہیں یہ وعید اُن لوگوں کیلئے ہے۔

مثال۲۔ ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡٓا اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ''(سورہ نساء آیت ۵۹)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے بعد اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا گیا، اولوالامر کی تفسیر میں مفسر اعظم ابن جریر طبریؒ نے اپنی تفسیر جس کو حافظ ابن تیمیہ مرحوم اصل التفسیر اورام التفسیر کہا کرتے تھے (دیکھئے منہاج السنۃ) نے متعدد اقوال نقل کئے ہیں مثلاً شیخین، خلفائے راشدین، حضرات صحابہ ؓ اور فقہاء کرام اور حکمرانان اسلام وغیرہ، لیکن اولی الامر سے مراد دین کا وہ طبقہ ہے جن کا علم استنباط اور استخراج کے درجے میں ہو۔ ان سے حضرات مجتہدین اور فقہاء کرام مراد ہیں اور یہ تفسیر خود قرآن کریم سے ثابت ہے، شائد یہی وجہ ہے کہ قرآن وسنت میں فقہ اور فقہاء کا ذکر آیا ہے اور علم کے کسی دوسرے درجے یا مقام کا ذکر نہیں ہے۔ مثلاً آنحضرت ﷺ کا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو دعا دیتے وقت یہ ارشاد فرمانا ''اللّٰھم فقھه فی الدین''(بخاری ج۱ص۲۶) ''اللھم علمه الکتٰب''(بخاری ج۱ص۱۷).

آنحضرت ﷺ نے علماء امت کا منصب اور ضرورت فی الدین بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ''فقیه واحداشدعلیٰ الشیطٰن من الف عابد''(ترمذی ج۲ص۹۷)

اس سے ان لوگوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں جو حدیث کے نام پر بے دینی کا پروپیگنڈہ کر کے فقہ اور فقہاء سے امت کو متنفر کرنے کا مذموم اور ناروا گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔ انہیں جناب رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے جس میں آپ ﷺ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجتے ہوئے فرمایا کہ وہاں پہنچ کر لوگوں کے فیصلے کس سے کرو گے؟

حضرت معاذؓ نے کہا ’’بکتاب اللہ فقال فان لم تجدہ فیہ قال فبسنۃ رسول اللہ قال فان لم تجد فیھا قال اجتھد برأیی ‘‘(ترمذی ج ا ص ۲۴۷)

(وقدصحّحہ ابن القیم فی اعلام الموقعین)

’’قال السیوطی فی تدریبہ علیٰ تقریب النوی وقدیحکم للحدیث بالصحۃ اذاتلقتہ الامۃ بالقبول وان لم یکن لہ اسنادصحیح‘‘

بہرحال حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فقہ اور اجتہاد کے مطابق فیصلے کرنے کا سن کر آنحضرت ﷺ خوش ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا حمد اور شکر بجالائے۔

تفسیر کا دوسرا درجہ جس میں آنحضرت ﷺ نے تفسیر فرمائی ہو، آنحضرت ﷺ کی پوری زندگی قرآن کریم کے زندہ وتابندہ علمی وعملی تفسیر ہے ،حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے ’’انّاانزلنا الیک الکتٰب بالحق...الخ (النساء آیت ۱۰۵)

دوسری جگہ ارشاد ہے ’’وانزل اللہ علیک الکتٰب......الخ (النساء آیت ۱۱۳)

اور ’’لتبیّن للنّاس مانزل الیہ ‘‘ (النحل آیت ۴۴) بہرحال یہ تفسیر بہت طویل ہے اور احادیث کی ان گنت کتابیں اور تفاسیر اس سے لبریز ہیں۔آئمہ حدیث نے کتب احادیث میں جو تفاسیر کے عناوین قائم کئے ہیں جیسے امام بخاری کی کتاب التفسیر،امام ترمذی کی کتاب التفسیر،امام حاکم نیشاپوری کی کتاب التفسیر وغیرہ کے علاوہ دیگر احکام اور امور پر مشتمل احادیث بھی درحقیقت قرآن کریم ہی کی تفاسیر ہیں۔قرآن کریم اور سنت نبوی ﷺ کے بعد حضرات صحابہ،تابعین اور ائمہ اجتہاد اور فقہ کی مختلف اور متنوع جدوجہد بھی تفسیر کا شاہکار ہے۔

تفسیر زاہدی میں انشاء اللہ تعالیٰ اس مختصر جائزے کی تفصیل ملے گی جو علماء کرام اور زبان فارسی کے شناوروں کیلئے بہترین خزائن علم اور دولت سرمدی ثابت ہوگی۔

حق تعالیٰ شانہ نے قرآن کریم میں نبی کریم ﷺ کا منصب بیان فرمایا ہے

''ویعلمهم الكتٰب و الحكمة'' (الجمعہ آیت۲) اور ''لتبين للناس مانزل اليه''

یعنی آنحضرت ﷺ کا منصب قرآن وسنت سمجھانا تھا۔ صحیح بخاری میں جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ہمیں استخارہ فی الاموراپسا سمجھاتے تھے

'' كمايعلمناسورة من القراٰن'' (بخاری ج۱ص۱۵۵)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک ایک سورۃ حضرات صحابہ کرام کو سبقاً سمجھایا اور پڑھایا کرتے تھے۔ ابن عباسؓ کو رات کے اندھیرے میں خدمت عزیزہ پر آنحضرت ﷺ کی دعا تفسیر قرآن جاننے کی اس سلسلہ تعلیم ہی کی کڑی تھی اور ابن عباسؓ سے بخاری کتاب التفسیر وغیرہ میں مروی ہے کہ وہ مشکل آیات کی تفسیر حضرت عمرؓ سے سمجھنے کے انتظار میں رہتے تھے۔ دیکھئے بخاری کتاب التفسیر ''ان تتوبا الى الله فقد صغت قلوبكما'' (بخاری ج۲ص۷۳۰) چنانچہ آنحضرت ﷺ کے اصحاب کی یہ شان تھی کہ ''اعمقهم علماً'' یعنی ان کے علوم بڑے گہرے تھے۔ صحابہ کرام کے شاگرد حضرات تابعین بھی تفسیر قرآن کے خاصے ماہر تھے۔ چنانچہ امام مجاہد بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ، المتوفی ۱۰۲ھ نے تفسیری روایات جمع فرمائی تھی، جس سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، امام حاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے بڑا کام لیا ہے۔ اسی طرح ابیؓ بن کعبؓ کی تفسیر اور ابن عباسؓ کی تفسیر بروایت علی بن ابی طلحہ، المتوفی ۱۴۳ھ

پر بھی اعتماد رہا ہے۔ ابن خلکانؒ نے کہا ہے کہ ابن جریج ''اول من جمع الاحادیث بمکة ''(مقدمہ فتح الباری) ابن جریج کی تفسیر مکتوب تفاسیر میں اول سمجھی گئی۔ چنانچہ ابن ابی تغلب ، المتوفی ۲۴۲ھ محمد بن سائب کلبی ، المتوفی ۱۴۴ھ اور نحو کے امام ، امام کسائی ، المتوفی ۱۸۲ھ اور امام العربیہ قُطرب المتوفی ۲۰۶ھ اور معانی قرآن کے امام فراء ، المتوفی ۲۰۷ھ جن کے بارے میں مشہور ہے ''لولا الفراء لبطلت العربیة''

ہندوستان کے دور آخر کے سب سے بڑے عالم امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ تفاسیر قرآن کی تعداد دو لاکھ تک پہنچ چکی ہے (یتیمۃ البیان ص ۲۶ لشیخنا مولانا یوسف البنوری رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ استاذ گرامی قدر حضرت مولانا لطف اللہ صاحب جہانگیروی رحمۃ اللہ علیہ)

بزرگ بن شہر یار رامہرمزی نے (عجائب الہند) میں لکھا ہے کہ محروق بن رائق بادشاہ نے ۲۷۰ھ میں عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز گورنر منصورہ کو لکھا کہ میرے پاس ایک ایسا عالم بھیج دو جو قرآن کریم کا ترجمہ وتفسیر ہندی زبان میں کر سکے ، چنانچہ مسلمان بادشاہ نے مہاراجہ کے پاس اپنا عالم بھیجا اور انہوں نے ہندی زبان میں قرآن کا ترجمہ ومفہوم پڑھانا شروع کر دیا ، جب سورۃ یٰسین کی (آیت ۷۹) ''قل یحییها الذی انشأها اول مرة وهو بکل خلق علیم '' پر پہنچے تو عالم دین کی تشریح وترجمہ سن کر مہاراجہ نے زمین بوس ہو کر زار وقطار رونے کے بعد اسلام قبول کر لیا۔

(رجال الہند والسند ص ۲۵۴)

مفسر عراقی نے جو ترجمہ یا تفسیر سندھی زبان میں لکھی تھی یہ قرآن کا پہلا ترجمہ تھا اور یہ

اسی عالم کا تھا جس کے ہاتھ پر مہاراجہ مسلمان ہوا تھا۔ مشہور محدث عبد بن حمید، المتوفی ۲۴۹ھ جو سندھ میں علاقہ ''کچھ'' کے رہنے والے تھے۔ سید محمد گیسو دراز المتوفی ۸۲۵ھ اور علی مہائمی بمباوی کی تفسیر بھی قدر کی نگاہ سے دیکھی گئی ہے۔ قاضی شہاب الدین دولت آبادی کی تفسیر ''بہر مواج'' بزبان فارسی ۸۴۸ھ سے پہلے لکھی گئی ہے۔ شیخ لطف اللہ نوح ہالائی کا ترجمہ قرآن فارسی ۹۹۸ھ سے پہلے مکمل ہوا۔ اورنگزیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ ملا جیون جونپوری رحمۃ اللہ علیہ کی ''تفسیرات احمدیہ'' پر بھی ایک حد تک اعتماد رہا ہے۔

ضروری وضاحت

اس سے پتہ چلتا ہے کہ جن حضرات نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے صاحبزادوں کے تراجم وتفاسیر کو فارسی کے اول تراجم کہا ہے درست نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے بے شمار تراجم وتفاسیر موجود ہیں۔

تفسیرِ قرآن کے بڑے ماہرین جن کو ائمہ تفسیر کہتے ہیں

(۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۲) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مرتبے ومقام کا یہ عالم تھا کہ ان کے حق

میں ۲۰ سے ۲۸ تک آیات نازل ہوئی ہیں جن کو جلال الدین سیوطی نے مستقل رسالے کے شکل میں جمع کر کے نام رکھا ہے "الیانع التمر فی موافقات عمر" جو الحاوی للفتاویٰ کے ساتھ شائع ہوا ہے۔

(۳) حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ۔

آپ رضی اللہ عنہ جناب نبی کریم ﷺ کے داماد تھے اور صحابہ کی جماعت میں وہ واحد صحابی ہیں جنہیں عثمان جامع القرآن کا خطاب ملا۔

(۴) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

(۵) حضرت ابیؓ بن کعب رضی اللہ عنہ

آپ ان چھ بزرگ ہستیوں میں سے تھے جنہوں نے آنحضرت ﷺ کی موجودگی میں حفظ کیا تھا، کاتب وحی ہونے کے علاوہ مشہور مفتی تھے، آپ رضی اللہ عنہ قرآن کمیٹی کے صدر تھے ، آپ رضی اللہ عنہ سید القراء کہلاتے تھے اور آپ ہی کو پیغمبر ﷺ نے "اقرأ هٰذه الامة" اس امت کا سب سے بڑا قاری کہا ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ کی سند تفسیر یوں ہے

ابوجعفر رازی عن ربیع بن انس عن ابی العالیہ، ابوالعالیہ کی وفات ۹۲ھ میں ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اس سے زیادہ کام کیا ہے۔ حاجی خلیفہؒ نے کشف الظنون میں کہا ہے کہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے تفسیر کا بڑا حصہ منقول ہے جو سنداً صحیح ہے۔ تاش کبریٰ زادہؒ نے مفتاح السعادہ میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی ضخیم

تفسیر بحوالہ ابوجعفر رازیؒ بسند صحیح ذکر کیا ہے۔(مفتاح السعادۃ ج ۱ ص ۴۰۴)

(٦) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

جن کی کنیت ام عبد ہے، بخاری وغیرہ میں بھی آپ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے مسواک، تکیے اور جوتے اٹھاتے اور خدمت کے لئے ساتھ ساتھ رہا کرتے تھے "صاحب النعلین والطهور والوساد" (بخاری ج ا ص ۲۷) کہلاتے تھے، آنحضرت ﷺ نے آپ سے قرآن سنا ہے، ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ہم دس آیات سمجھ کر عمل کر کے آگے بڑھتے تھے، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کے تعداد (۴۰۰۰) چار ہزار سے متجاوز ہے، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دیر تک کوفہ میں رہے، وہیں ان کا فیض علم پھیلا، شاگردوں کی ایک بڑی تعداد وہیں تھی، کوفہ کو دینی علوم کی ترویج کیلئے مرکزیت حاصل تھی، اس لئے فقیہ عراق امام ابوحنیفہؒ نے اپنی فقہ اور اجتہاد کی بنیاد یہیں رکھی۔(فقه اهل العراق و حديثهم للاما م زاهد الكوثرى)

(٧) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

آپ رضی اللہ عنہ معمر ترین افراد امت میں سے تھے۔ مشہور ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی عمر ۲۵۰ سال تھی، مگر امام العصر مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ۳۵۰ سال نقل فرمائی "واعلم ان عمر سلمان كان ثلث مائة وخمسين سنة" (فیض الباری ج ۴ ص ۹۸۴) ۳۵ھ میں مدائن میں انتقال ہوا ہے، شمس الائمہ سرخسیؒ نے اپنی معروف اور مستند کتاب مبسوط

میں لکھا ہے کہ فارس (ایران) کے نومسلموں نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں خط لکھا کہ وہ چونکہ ابھی ابھی اسلام لے آئے ہیں اس لئے عربی زبان میں نماز نہیں پڑھ سکتے اس لئے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ان کو سورۃ فاتحہ کا فارسی ترجمہ کر کے بھیجا کہ عربی سیکھنے تک اس سے نماز پڑھا کرو۔ (مبسوط ج ا ص ۳۷ طبع مصر)

(۸) ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

آپؓ آنحضرت ﷺ کی زوجہ وناموس تھیں ''فی الدنیا والاٰخرۃ'' نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں ''خلفائے راشدین کے بعد سب سے بڑی فقیہا تھیں، آپ رضی اللہ عنہا کے علمی مواخذات کبار اصحاب پر مشہور ہیں مقبلی یمنی نے مستقل جمع کئے ہیں۔ (**مسند عائشة فی مااخذت عائشه علی الصحابه**) آپ رضی اللہ عنہا کی وفات ۵۸ھ ۱۷ رمضان المبارک ۱۳ جون ۶۷۸ء میں ہوئی اور جنت البقیع میں مدفون ہیں۔

(۹) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

آپ کی پیدائش ہجرت سے تین سال قبل ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے ابن عم تھے اور ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے تھے، آپ رضی اللہ عنہ چھوٹی عمر سے خدمت رسول میں حاضر تھے، آپ رضی اللہ عنہ صغرسنی کے باوجود علم کبیر سے مالا مال تھے، آپ رضی اللہ عنہ کے وسیع وعریض علوم کے صحابہ گواہ تھے، جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کی پنچائیت مشہور تھی۔ بیشتر تابعین مفسرین آپ رضی اللہ عنہ ہی کے

تلامذہ تھے، امام التفسیر امام مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے استاذ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ۳۰ مرتبہ قرآن کریم پڑھا، آپ کے شاگردوں میں سعید بن جبیر، عکرمہ، طاؤس، ضحاک، عطاء مشہور ہیں عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے تنویر المقباس فی تفسیر بن عباس ابوطاہر محمد یعقوب المتوفی ۸۱۰ھ نے جمع کی ہے، اس کا سلسلہ اسانید بوجہ محمد بن مروان الکلبی، غیر مستندر ہا ہے تاہم ابن عباس رضی اللہ عنہ سے صحیح روایات کا مجموعہ بھی اس میں ضخیم موجود ہے۔ آپ کی وفات ۶۸ھ میں ہوئی۔

(۱۰) ابوالعالیہ رفیع بن مہران بصری

آپ کا نام رفیع بن مہران اور کنیت ابوالعالیہ ہے۔ آنحضرت کے وصال کے دو سال بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مشرف باسلام ہوئے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے تین مرتبہ قرآن پڑھا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے تفسیر پڑھی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ تو ان کو اپنے پاس بٹھاتے تھے۔ آپ قرآن کریم کے بہترین حافظ شمار کئے جاتے تھے۔ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ ان کا انتقال ۹۳ھ میں ہوا ہے۔

(۱۱) سعید بن جبیر ہشام الاسدی

آپ نسلاً حبشی تھے، ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے خاص شاگرد تھے، ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جب لوگ مسائل پوچھنے آتے ابن عباس رضی اللہ عنہ سعید بن جبیر کی طرف اشارہ کرتے گویا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ان پر بڑا اعتماد تھا، قتادہ

نے کہا ہے کہ تابعین میں سب سے زیادہ قرآن جاننے والے سعید بن جبیر ہیں، طبری نے کہا ہے ''هو ثقة امام المسلمين حجة ''ابن حبان نے کہا ہے ''کان عبداً فاضلاً ورعا ''شمس الدین ذہبیؒ نے فرمایا ''هو احدا علام '' آپ پر ارباب صحاح ستہ نے حسن اعتماد کیا ہے، عبدالملک بن مروان کے التماس پر آپ نے قرآن کی ایک باقاعدہ تفسیر لکھی جس سے خلیفہ نے اپنے کتب خانہ کو آراستہ کیا، حجاج بن یوسف ثقفی نے سیاسی بربریت کا انہیں نشانہ بنایا اور ۹۵ھ میں شہید کر دئے گئے۔

نوٹ: حجاج بن یوسف نے عراق میں ۲۰ سال حکومت کی اس دوران (۱۲۰۰۰۰) ایک لاکھ بیس ہزار انسان مرے، جیل خانوں میں پچاس ہزار مرد اور عورتیں شہید ہوئیں، سعید بن جبیر کی شہادت کے بعد حجاج بن یوسف سونہ سکا ایک دن راحت کا گذار نہ سکا۔ یہ چند حضرات جو ائمہ تفسیر بلکہ ان کے بھی مشائخ تھے، مختصراً ذکر دئے گئے۔

(۱۲) ابا الاسود بن عمرو بن اسفیان

یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے، ان کی وفات ابن حجر کے خیال میں ۹۹ھ میں ہوئی ہے اور ایک قول ۱۰۱ھ کا بھی مشہور ہے۔

(۱۳) ضحاک بن مزاحم

ہلال خراسان کے مشہور عالم اور مفسر قرآن تھے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی توثیق کی ہے، آپ سے پڑھنے والے اتنی بڑی تعداد میں تھے کہ آپ سواری پر بیٹھ کر طلباء کی حاضری اور نگرانی فرماتے تھے، کسی کسی دن آپ کے ہاں تین ہزار شاگردوں تک تعداد پہنچتی

تھی، قرآن کی تفسیر ان سے منقول ہے ۱۰۲ ھ میں خراسان میں انتقال ہوا۔

(۱۴) حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ

آپ کا وطن افریقہ تھا ابن عباس کے غلام تھے انہی سے پورا علم حاصل کیا۔ عبداللہ ابن عباس کے بیٹوں نے باپ کے علم کے احترام میں آزاد کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت علی، حضرت ابو ہریرہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی کسب فیض کیا۔ بخاری، مسلم میں ان کی روایات کثرت سے موجود ہیں۔ آپ کی وفات ۱۰۴ ھ میں ہوئی۔

(۱۵) مجاہد بن جبر

آپ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں پیدا ہوئے۔ آپ کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے (۳۰) تیس مرتبہ قرآن کریم پڑھا۔ اصحاب ابن عباس میں آپ سب سے قابل سمجھے جاتے تھے۔ ابن سعد، ابن حبان اور ابن جریر نے آپ کی تفسیر پر اعتماد کیا ہے۔ امام ابن جریر اپنی تفسیر میں ابو بکر حنفی سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری کو کہتے سنا ہے کہ ”جب مجاہد سے منقول کوئی تفسیر تمہیں میسر آ جائے تو اسے کافی سمجھو“ (تفسیر ابن جریر ج ا ص ۳۰)۔ مجاہد ۱۰۴ ھ میں بحالت سجدہ مکہ میں فوت ہوا۔ ۱۰۱ھ ۱۰۲ھ ۱۰۳ھ سب روایات موجود ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے علاوہ آپ نے حضرت علی، حضرت عائشہ، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ ابن عمر اور حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہم سے

بھی کسب فیض فرمایا ہے، آج کل امام مجاہد کی تفسیر باقاعدہ شائع ہو چکی ہے۔

(۱۶) طاؤس بن کیسان

یمن کے رہنے والے تھے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے علاوہ ۴۹ صحابہ کے شاگرد رہے ان کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کا جملہ مشہور ہے ''**انی لاظن طاؤس من اهل الجنة**'' مجھے امید ہے کی طاؤس جنتیوں میں سے ہے۔ صحاح ستہ میں آپ کی روایات موجود ہیں، آپ نے چالیس حج کئے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تفسیر پر روایات مرتب کر چکے۔ آپ ۱۰۶ھ میں مکہ میں فوت ہوئے۔

وضاحت : امام صاغانی نے کہا ہے کہ بہتر ہے کہ طاؤس ایک ''ؤ'' کے ساتھ لکھا جائے۔

(۱۷) عطاء بن ابی رباح

آپ کی پیدائش مکہ مکرمہ میں ۲۷ھ کو ہوئی۔ آپ جسمانی اعتبار سے کمزور تھے لیکن علم اور عمل میں با کمال تھے۔ آپ نے ابن عباس، ابن عمر اور عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم سے کسب فیض کیا۔ کود ان کا بیان ہے کہ میں نے دوسو (۲۰۰) صحابہ کا زمانہ پایا ہے۔ اہل مکہ آپ پر بہیت اعتماد کرتے تھے اور اپنے زمانے میں آپ علم کا معیار سمجھے جاتے تھے۔ آپ کی وفات مکہ مکرمہ میں ۱۰۶ھ میں ہوئی۔

(۱۸) حافظ ابو الخطاب قتادہ بن دعامہ

آپ عربی الاصل اور مادرزاد نابینا تھے۔ امام ابن سیرین کے شاگرد تھے اور ابن

سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو حافظ کہا ہے۔امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ قتادہ تفسیر قرآن میں اور اختلاف الفقہاء میں سب سے مقدم ہیں۔علماء عراق نے آپ کو بصرہ کا بڑا عالم مانا ہے۔آپ کا انتقال ۱۱۷ھ میں ہوا۔

(۱۹)امام حسن بصری

ابن سعد نے آپ کے بارے میں لکھا ہے کہ ''حسن بصری خلافتِ فاروقی کے آخری دو سالوں میں پیدا ہوئے اور وادیٔ القریٰ میں پروان چڑھے''۔آپ کی والدہ حضرت خیرہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ باندھی تھیں۔آپ کبارِ تابعین میں سے تھے۔آپ بڑے فصیح، بلیغ، عابد، زاہد اور یکتائے روزگار خطیب تھے۔آپ قرآن کریم کے بہت بڑے ماہر تھے اور احکامِ حلال وحرام میں اعلیٰ پائے کی بصیرت رکھتے تھے۔صحاح میں آپ کی روایات موجود ہیں۔آپ کی وفات ۱۱۰ھ میں ہوئی۔

(۲۰)عطیہ بن سعد

آپ نے کسب علم حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے کیا۔ان کے علاوہ دیگر کبار اصحاب اور تابعین بھی آپ کے اساتذہ میں شامل ہیں۔آپ کو معانی قرآن پر کافی عبور حاصل تھا۔آپ کی وفات ۱۱۱ھ میں ہوئی۔

(۲۱)محمد بن کعب قرضی

آپ بھی ابن عباس رضی اللہ عنہا اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے، تفسیر کا یہ

عالم ہے کہ کہا گیا ہے کہ جس روایت کو محمد بن کعب قرضی نہیں جانتے وہ روایت تفسیر کی نہیں ہوسکتی۔ ابن عون کا قول ہے کہ ''میں نے محمد بن کعب سے بڑھ کر مفسر قرآن نہیں دیکھا۔آپ کی وفات وعظ کے دوران چھت کرنے سے ۱۱۸ھ میں ہوئی۔

(۲۲) قیس بن مسلم الجد لی الکوفی

آپ کو قرآن کا بہت بڑا ماہر تصور کیا جاتا تھا۔آپ نے کسبِ علم جلیل القدر تابعین سے حاصل کیا جن میں سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ، سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور شعبہ رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں۔آپ کی وفات ۱۲۰ھ میں ہوئی۔

(۲۳) اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن

آپ سدّی کے نام سے مشہور ہے سدّی کا معنیٰ دروازہ ہے، جامع مسجد کوفہ کے دروازہ کے باہر آپ خرید وفروخت کرتے تھے اس لئے سدی مشہور ہیں، حضرت انس بن مالک اور ابن عباس کے تفسیر کے شاگرد ہیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ دوسرے محدثین نے آپ سے روایت کی ہے، آپ کی وفات ۱۲۷ھ میں ہے۔

فائدہ : سدی کے نام سے دو مفسر مشہور ہیں پہلے کو السدی کبیر کہتے ہیں اور دوسرے کو السدی صغیر کہتے ہیں۔

(۲۴) عبداللہ بن ابی نجیح المکی

آپ امام مجاہد کے خاص شاگرد تھے اور تفسیر قرآن کے بڑے ماہر تھے۔آپ کی

وفات ۱۳۱ھ میں ہوئی۔

(۲۵) زید بن اسلم

آپ مدینہ منورہ کے باشندہ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے غلام تھے۔ علم تفسیر میں اونچے مقام پر فائز تھے۔ علی بن حسین بن علی آپ کے درس میں بیٹھتے تھے۔ آپ کے بڑے شاگردوں میں امام مالکؒ ہیں ۱۳۶ھ میں فوت ہوئے۔

(۲۶) الربیع بن انس

آپ کا تعلق بصریٰ سے تھے اور آپ حضرت بکر بن وائل کی اولاد میں سے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر، انس بن مالک اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم سے آپ کو ملاقات کا شرف حاصل تھا۔ حجاج بن یوسف کے زمانے میں آپ بصریٰ سے مروا چلے گئے اور وہاں سکونت اختیار کرلی۔ ابوجعفر کی خلافت کے زمانے میں ۱۳۶ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

(۲۷) علی بن ابی طلحہ

آپ کی کنیت ابوالحسن تھی ولادت جزیرہ میں ہوئی، زمانہ علم حمص میں گزارا، قرآن کریم کی تفسیر وتشریح ابن عباسؓ سے نقل کی اس نام کا ایک صحیفہ تیار کیا جو امام لیث المتوفی ۱۴۳ھ کے پاس موجود تھا، کہا جاتا ہے کہ بخاری اور ابن جریر نے اپنی اپنی تفسیریں ان سے نقل کی ہیں، امام احمدؒ کا ارشاد ہے کہ مصر میں تفسیری صحیفہ ہے جو علی بن ابی طلحہ سے روایت ہے، اگر مصر کیلئے صرف اس کا سفر کیا جائے تو کوئی مہنگا سودا نہیں، ابن کثیر وغیرہ کے ہاں ان

کے اقوال موجود ہیں، علی بن ابی طلحہ کی وفات ۱۴۳ھ کو ہوئی۔

(۲۸) عمرو بن عبید بن باب ابو عثمان

آپ بڑے زاہد، متقی اور متکلم مشہور تھے۔ آپ کا تعلق موسیٰ بن عقیل سے تھا۔ آپ کی کتاب التفسیر عن الحسن بصری مشہور ہے۔ آپ کی وفات کے بارے میں متعدد اقوال ہیں۔ ۱۴۲ھ، ۱۴۳، ۱۴۴ھ اور ۱۴۸ھ۔

بحمد اللہ تعالیٰ

دینی امور پر اجرت لینا جائز ہے

اسلام دشمن عناصر وقتاً فوقتاً اسلام کے خلاف زبان درازی کرتے رہتے ہیں۔ انہی عناصر میں سے ایک کیپٹن عثمانی کا فرقہ بھی ہے جس نے ایک زمانے میں ایک رسالہ لکھا تھا کہ مساجد کے آئمہ اور مؤذنین چونکہ تنخواہ لیتے ہیں اس لئے ان کے پیچھے نماز وغیرہ پڑھنا حرام ناجائز ہے۔ حضرت الشیخ کی نظر اس قسم کے دسیسہ کاروں کی طرف تھی اس لئے وقت کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے حضرت الشیخ نے اس کا رد کرتے ہوئے یہ رسالہ تحریر کیا اور اس مسئلہ کو قرآن، حدیث اور فقہ کی روشنی میں حل کیا۔ (محمد ہمایوں مغل)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ و کفیٰ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد!

اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر نے دین اسلام مخلوق کی ہدایت کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ ''ان الدین عنداللہ الاسلام'' (سورۃ ال عمران آیت نمبر ۱۹) دین ماننے اور جاننے کے لئے جناب نبی کریم ﷺ کو مبعوث فرمایا ہے اور کل کائنات کو ان کی اتباع کرنے کا پابند فرمایا ہے۔

''وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰه'' (سورۃ نساء آیت نمبر ۶۴)

آنحضرت ﷺ کو جو لائحہ عمل دیا ہے وہ قرآن کریم ہے اور قرآن کے جاننے کے لئے اور اس پر صحیح عمل کرنے کے لئے نبی کریم ﷺ کی زندگی کو واجب الاطاعت بنایا ہے

''وَ کَيۡفَ تَکۡفُرُوۡنَ وَاَنۡتُمۡ تُتۡلٰی عَلَيۡکُمۡ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيۡکُمۡ رَسُوۡلُه''

(سورۃ ال عمران آیت ۱۰۱)

اللہ تعالیٰ کی کتاب اور نبی ﷺ کی زندگی ہی اصل دین ہے لیکن یہ دین اللہ رب العالمین نے اولاً حضرت صحابہؓ کو سمجھنے اور آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائی صحابہ کرامؓ کی

ان کاوشوں کو جس جماعت نے مسائل واحکام کے ساتھ مرتب فرمایا ہے وہ فقہاء کرام ہیں اور جن حضرات نے احادیث رسول اور آثار صحابہ اور تابعین کی محافظت فرمائی ہے وہ محدثین کہلاتے ہیں، قیامت تک دین پر چلنے والوں کے لیے یہ ضروری قرار دے دیا گیا کہ وہ ان اکابرین امت کا احترام کریں احکام ومسائل میں حضرات فقہاء جو بحکم قرآن ''اولی الامر'' ہیں اور حضرات محدثین جو ناقلین حدیث اور راویان اسلام ہیں ان کی پیروی کریں ۔چودہ سوسالہ تاریخ اسلام گواہ ہے کہ لوگوں میں اسلام اور ایمان کی محافظت اور بقاء کی وجہ قرآن وحدیث کے ان شاہسواروں پر اعتماد رہا ہے جن کی وجہ سے دین دنیا میں تاباں ہے مگر بدنصیب لوگ جیسے پیغمبر خدا ﷺ کے زمانے میں صحابہ کرامؓ کے قدر ومنزلت کے منکر ہوکر ہمیشہ کے لیے منافقین قرار دے دیئے گئے اسی طرح بعد کے زمانے میں فقہاء کے مقام پر بے اعتمادی کرنے والے اور محدثین کی خدمات جلیلہ پر شک کرنے والے مختلف ناقدین اور انکے باطل فرقے وجود میں آئے ہیں۔ یہ لوگ قرآن کریم کا باقاعدہ انکار تو نہ کر سکے اور نہ حدیث کا صریح لفظوں میں انکار کی جرأت کر سکے کیونکہ اس طرح ان کی کافرانہ رفتار میں سست روی واقع ہوجاتی مگر آئمہ اربعہ جیسے متبوعین کی تقلید کو قرآن وسنت سے اپنے سامنے سے ہٹانے لگے، بالکل اسی طرح زمانہ حال میں مختلف فرقے اور فتنے ہیں جن میں سے بعض تو صراحت کے ساتھ علماء کرام ''جو ہر دور اور ہر زمانے میں اسلام کی حفاظت کا ہراول دستہ اور دین کے اعتماد کا عظیم سرمایہ رہا ہے'' سے اعتماد ہٹانے لگے کیونکہ جب تک علماء دین سے اعتماد نہ ہٹے اور لوگ ان کو نفرت کی نگاہ سے نہ دیکھنے لگیں کوئی بھی فرقہ اور فتنہ اپنے ناروا نظریات میں اور بے ہودہ خیالات میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ

غلام احمد قادیانی نے یہ شوشہ چھوڑا کہ حضرت عیسیٰؑ کی حیات کا عقیدہ علماء کرام کا قرآن و سنت سے متصادم ہے جبکہ اس عقیدے پر ہر زمانہ میں اجماع رہا ہے اور اس کے ثبوت کے لیے قرآن کریم کی متعدد آیات اور صحیح احادیث موجود ہیں، دیکھئے ''عقیدۃ الاسلام'' اور التصریح'' وغیرہ۔

اسی طرح عنایت اللہ مشرقی نے فتنہ انکار حدیث کو پروان چڑھانے کے لیے علماء کرام پر ناروا حملے کئے اور ''مولوی کا غلط مذہب'' وغیرہ رسائل لکھے۔ حال ہی میں ایک فرقہ نے اپنے ان روحانی آباؤ اجداد کے ایصال ثواب کے لیے اور ان کے پیغام افتتان کو مشتہر کرنے کے لیے یہ پروپیگنڈہ شروع کیا کہ دینی امور جیسے تدریس، امامت، تعلیم اذان وغیرہ پر معاوضہ لینا معاذ اللہ حرام اور ناجائز ہے اور یہ علماء ان حرام کاموں کے مرتکب ہیں مقصد یہی تھا کہ جب تک ان علماء پر مطلوبہ اعتماد برقرار ہوگا ہمارے ہر غلط عقیدے کے سلسلے میں عوام ان سے رجوع کریں گے اور ان کی نشاندہی کے بعد ہمارا وہ نظریہ اور عمل آگے نہیں بڑھ سکے گا لہٰذا ان دین کے ستونوں سے مطلوبہ اعتماد اٹھانے کے لیے خود انہیں بے دین کہہ دیا جائے تاکہ سو میں سے پانچ یا دس بھی ہمارے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر ان پر مطلوبہ اعتماد کھو بیٹھیں اور یوں وہ ہمارے نظریات کے شکار ہو سکیں۔ اسی طرح انہیں یہ بہت مشکل تھا کہ مسلمانوں میں یہ بات پھیلا دیتے کہ نماز باجماعت نہ پڑھا کریں یا اذان کا احترام نہ کریں یا مدارس دارالعلوم اور جامعات کو دینی درسگاہیں نہ سمجھا کریں کیونکہ ایسا کہنے میں شاید کوئی بھی ان کا ساتھ نہ دیتا لہٰذا دوسرا راستہ اختیار کیا کہ یہ تعلیم و تدریس امامت و تاذین جس پر عموماً ضروریات بشریہ کی وجہ سے معاوضہ لیا اور دیا جاتا ہے انہیں بے

دین اور حرام خور کہا جائے تو خود بخود لوگوں کا آئمہ اور علماء سے اعتماد اٹھ کر نماز باجماعت چھوٹ جائے گی اور اذان کا احترام ختم ہو کر معاذ اللہ مساجد ویران ہونے لگیں گی۔ مدارس اور جامعات سے بے اعتماد ہو کر بڑے سے بڑے فتنے اور فرقے کے لیے ماحول سازگار ہو سکے گا۔

"یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ"

(الصّف آیت ۸)

زیرِ نظر رسالہ میں ہم اس بات کا جائزہ لینا چاہتے ہیں کہ امور دین جیسے تدریس اور تعلیم امامت اور اذان وغیرہ پر ضرورتاً معاوضہ لینا کہاں تک جائز ہے، علماء متقدمین اور متاخرین کے درمیان جو وجوہ زیر بحث ہیں میں انہیں زیر بحث نہیں لانا چاہتا ہوں علماء کرام اس سلسلے میں میری معذرت قبول فرمائیں۔

اس کے لیے امہات فقہ تفسیر و حدیث یہ عظیم کائنات الحمد اللہ پوری تابانیت کے ساتھ موجود ہیں میں زمانہ حال میں ان امور دین پر اجرت کے جواز قرآن وسنت اور ادلہ دین کی روشنی میں پیش کرنا چاہتا ہوں تا کہ شیطانی فرقوں نے علماء اور آئمہ کے خلاف جو زہر اگلنا شروع کیا ہے ان کے ان شیطانی داؤ پیچ سے عامتہ المسلمین محفوظ رہ سکیں۔ عام طور پر کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ آیت

"وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا وَّاِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ"

(بقرہ آیت نمبر ۴۱)

ایسے مواقع سے متعلق ہے اور وہ اسکے ترجمہ سے تعلیم دین امامت اور اذان یا تدریس وغیرہ

کا حرام ہونا ثابت کرتے ہیں جبکہ اس آیت کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اصول تفسیر کے مطابق تفسیر کا پہلا درجہ وہ تفسیر الایۃ بالایۃ ہے حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے۔

" وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَ اَحْسَنَ تَفْسِيْرًا"

(الفرقان آیت نمبر ۳۳)

اور یہ نہیں لاتے ہیں آپ کے پاس کوئی پیچیدگی مگر ہم لے آتے ہیں آپ کے پاس حق اور بہترین تفسیر کر کے۔

مفسرین نے " القران یفسر بعضه بعضا" حدیث سے بھی تفسیر کا یہ اونچا درجہ مستفاد فرمایا ہے جیسا کہ معتبرات تفاسیر کے مقدمات میں موجود ہے ملاحظہ ہو "یتیمة البیان" "الاتقان" "وغیرہ لہٰذا "ولا تشتروا" آیت کی تفسیر بھی قرآن کریم میں موجود ہے۔

"فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا" (البقرہ آیت نمبر ۷۹)

پس تباہی ہے ایسے لوگوں کی جو لکھتے ہیں کتاب اپنے ہاتھوں سے اور پھر کہتے ہیں یہ ہے اللہ کی طرف سے تا کہ لیں اس پر تھوڑا سا مال۔ معلوم ہوا کہ آیت کا تعلق تعلیم دین، امامت اور مؤذنی پر تنخواہ سے ہرگز نہیں بلکہ جو لوگ غلط مسائل لکھ کر انہیں دین کا حصہ بتاتے ہیں، آیت میں وعید شدید ایسے لوگوں کے لئے ہے چنانچہ مشہور زمانہ مفسر علامہ آلوسی بغدادیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا

"وقد صح انهم قالوا یا رسول اللہ اناخذ علی التعلیم اجرا فقال ان خیر ما اخذتم علیہ اجرا کتاب اللہ تعالیٰ وقد تظافرت اقوال العلماء علی جواز ذالک" (روح المعانی پارہ نمبر ۱ صفحہ نمبر ۲۴۵)

اور صحیح حدیث میں آیا ہے کہ صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ کیا ہم تعلیم پر اجرت لے سکتے ہیں؟ سو آپ ﷺ نے فرمایا کہ بہترین اجرت وہ ہے جو تمہیں کتاب اللہ کی تعظیم میں ملے اور علماء کے اقوال بے شمار اس کے جواز میں موجود ہیں مزید لکھتے ہیں کہ جن لوگوں نے آیت سے تعلیم پر تنخواہ کا ناجائز ہونا سمجھا ہے وہ غلطی پر ہیں

"ولا دلیل فی الآیۃ علی ما ادعاہ ھذا الذاھب کما لا یخفی والمسئلۃ مبینۃ فی الفروع" (پارہ نمبر ۱ ص ۲۴۵)

بعض لوگوں نے سورۂ انعام کی آیت "قل لا اسئلکم علیہ اجرا ان ھوا لا ذکریٰ للعٰلمین (الانعام آیت نمبر ۹۰) سے بحوالہ مدارک قرآن وحدیث کی تعلیم پر اجرت ناجائز لکھا ہے مگر یہ درست تفسیر نہیں ہے قواعد دین کے مطابق جو تفسیر کی گئی ہے وہ ملاحظہ فرمائیں علامہ آلوسی بغدادی لکھتے ہیں

" واستدل بالآیۃ علی انہ یحل اخذ الاجر للتعلیم وتبلیغ الا حکام کلام للفقھاء علی طولہ"

(مشہور غنی عن البیان ج ۷ ص ۲۱۸)

اس آیت سے تعلیم اور تبلیغ احکام پر اجرت لینا ثابت ہوا ہے بعض لوگوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن پر اجرت لینے کو اپنی صحیح میں گناہ فرمایا ہے

اور باب باندھا ہے

''باب من رایا بقراء ۃ القران اوتاکل اوفجربہ فجربہ

(بخاری ج ۲ص۷۵۶)

مگر واضح رہے اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کوئی ایسی حدیث ذکر نہیں فرمائی جس سے تنخواہ کی حرمت معلوم ہوتی ہو بلکہ اس کے بعد کتاب النکاح میں متعدد طرق سے صحیح مرفوع اور مسند حدیث نقل فرمائی کہ جس تنگدست صحابیؓ کے پاس مہر کے پیسے نہیں تھے تو آنحضرت ﷺ نے قرآن کی چند سورتیں جو انہیں یاد تھیں خاتون کا عوض مہر بنا کر اس کے ساتھ نکاح پڑھایا چنانچہ ملاحظہ ہو (بخاری ج۔۲ ص ، ۷۷۱،۷۷۲، ۷۷۴، ۷۵۹،۷۶۲، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹) بلکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ باب

''باب التزویج علی القراٰن وبغیر صداق''

(بخاری ج ۲ص۷۷۳)

ایسے لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہیں بعض لوگوں نے کچھ روایات پیش کی ہیں جن سے اجرت کا ناجائز ہونا انہوں نے سمجھا ہے مگر علی التحقیق ایسی تمام روایات ضعیف ہیں علامہ آلوسی بغدادی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

''وروی فی ذلک ایضا احادیث لا تصح''

(روح المعانی ج۲ص۲۴۵)

صحیح البخاری، ابوداؤد اور دیگر صحاح ستہ میں حضرت عمرو بن سلمہؓ کا واقعہ موجود ہے کہ ان کو نبی کریم ﷺ کے زمانے میں اپنے قبیلے نے امام چنا تھا اور ضرورت کی وجہ

سے قوم نے مل کر ان کے لیے چندہ کیا اور ان کے کپڑے سی کر دے دئے ابوداؤد (ج ۱ صفحہ ۸۶) بخاری (ج۔۲ صفحہ ۶۱۶) اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں بھی امامت وغیرہ پر بشری ضروریات کی کفالت رائج تھی اور یہ جائز اور عبادت سمجھ کر کئے جاتے تھے۔اسی طرح بخاری شریف اور دیگر کتب میں آنحضرت ﷺ کے صحابہ ؓ کا سورہ فاتحہ پڑھنے پر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا بکریوں کا ایک ریوڑ جوتیس بکریوں پر اور بعض روایات میں اس سے زیادہ پر مشتمل تھا لینا ثابت ہے صحابہ کرام ؓ کو اعتراض تھا کہ اس نے قرآن کریم پر یہ اجرت لی ہے لیکن آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا " **احق مااخذتم علیه اجرا کتاب الله** " کہ سب سے زیادہ حقدار تم اس اجرت کے ہو جو تمھیں کتاب اللہ پر ملے اور تسلی خاطر کے لیے فرمایا کہ تم نے بہت اچھا کیا ہے

"**اقسموا و اضربوا لی معکم سهمًا**" (بخاری ج ۱ص ۳۰۴)

کہ آپس میں تقسیم کر دو اور میرا حصہ بھی اپنے ساتھ مقرر کر لو۔

یہ بات اپنی جگہ کہ یہ رقیہ تھی یا علاج یا دوسری کوئی وجہ لیکن حضرت ﷺ کا ارشاد کتاب اللہ پر اجرت لینے کے جواز میں صریح ہے اسی لیے حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں

"**واستدل به للجمهور فی جواز اخذ الاجرت علی تعلیم القران**"

(فتح الباری ج ۴ص ۵۳۰)

یعنی جمہور جو تعلیم قرآن کی اجرت کے جواز کے قائل ہیں انکے لئے اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سلف صالحین سے تقریباً اجماع نقل کیا ہے کہ وہ جواز اجرت کے قائل تھے۔

"وقال الحکم لم اسمع احدا کرہ اجر المعلم" (بخاری ج۱ص۳۰۴)

کہ حضرت ﷺ حکم فرماتے ہیں کہ میں نے کسی آدمی سے نہیں سنا جو تعلیم دینے والے کی تنخواہ اور اجرت کو ناجائز سمجھتا ہو اسی طرح امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ معلم کو بغیر شرط کے جو کچھ دیا جائے وہ اسے قبول کرے، امام حسن بصریؒ اور امام ابن سیرینؒ بھی جواز کے قائل تھے (بخاری ج ۱ ص ۳۰۴)

خود خیر القرون میں مال فئی اور غنیمت کے بعض حصے آنحضرت ﷺ کے بعد علماء ائمہ کرام، مؤذنین جنہیں ضرورت بھی نہیں ہوتی تھی انہیں تنخواہیں دی جاتی تھیں (روح المعانی پارہ نمبر ۲۸ صفحہ ۴۶ سورہ حشر) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اصول کے پیش نظر احناف متاخرین نے تعلیم، امامت مؤذنی وغیرہ پر اجرت کے جواز کا فتوی دیا ہے جس کے لیے مندرجہ ذیل معتبر کتابیں ملاحظہ ہوں۔

(۱) ہدایہ ج۳ص۳۰۱

" وبعض مشائخنا استحسنوا الا ستیجار تعلیم القران الیوم لانه ظهر التوالی فی الامور الدینیة ففی الامتناع تضییح حفظ القرآن وعلیه الفتوی "

(۲) فتح القدیر ج۸ص۴۰،۴۱

(۳) کفایہ ج۸ص۴۰،۴۱

(۴) البحر الرائق ج۸ص۱۹

(۵) مبسوط سرخسی جزء۱۶ص۳۷

(۶) قاضی خان علی الہندیہ ج۲ص۳۲۵

(۷) عالمگیری ج ۴ ص ۴۴۸

(۸) شرح مجلّہ لرستم باز ص ۳۳

(۹) رسائل ابن عابدین ج ۱ ص ۱۶۰، ۱۶۱

(۱۰) فتاوی شام (ردالمختار) ج ۵ ص ۳۸

(۱۱) فتح الباری ج ۴ ص ۵۳۰

(۱۲) المنحل العذب المورود ج ۳ ص ۲۰۸ تا ۲۱۰

(۱۳) بنایہ شرح ہدایہ ج ۷ ص ۹۴۲

(۱۴) فیض الباری ج ۳ ص ۲۷۶، ۲۷۷

بعض لوگوں نے مولانا محمد طاہر صاحب پنجپیر والے (رحمۃ اللہ علیہ) کے اپنے بزرگوں اور اساتذہ کے بارے میں پرتشدد جملے نقل کئے ہیں سو یہ کوئی فتوی یا تحقیقی مقالہ نہیں ہے بلکہ ردعمل ہے جیسا کہ ''ضیاء النور'' سے واضح ہے چنانچہ اس بارے میں حتمی اور دوٹوک فیصلہ محدث کبیر مفسر اعظم حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا ملاحظہ فرمائیں

''اما علی المختار للفتوی فی زماننا فیجوز أخذا لأجر للامام والمؤذن والمعلم والمفتی کماصرحابه فی کتاب الاجارات ،اقول ولکن الدلیل عام فیمکن ان یعم الحکم فی کل ماظهر فیه التوالی وعدم العنایة الائقة بشأنه واللہ أعلم'' (معارف السنن ج ۲ ص ۲۴۱)

مندرجہ بالا کتب حدیث، فقہ تفاسیر اور شروح معتبرہ سے واضح ہوا کہ زمانہ حال

میں امامت مؤذنی، تعلیم، تدریس، اور دیگر تمام امور دینیہ پر اجرت اور تنخواہ وغیرہ لینا شرعاً درست اور جائز ہے جو لوگ اسکے خلاف کہتے ہیں وہ خالص کار خناس انجام دیتے ہیں جو مسلمانوں کے دلوں میں وساوس پیدا کرتے ہیں اس لئے قرآن کریم کی آخری سورتوں میں ایسے لوگوں کے شر سے پناہ مانگنے کی امت مسلمہ کو تاکید فرمائی گئی ہے کیونکہ یہ فتنہ آخر زمان ہے جس کا کام احترام دین کو نقصان پہنچانا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ اہل باطل کے دسیسوں سے اور وساوس سے حفاظت عطا فرمائیں (آمین)

بحمد اللہ تم

تقریر ختم بخاری شریف

فہرست

(۱) سب سے پہلے کیا چیز پیدا ہوئی	۳۰۶
(۲) ایک غلط خیال اور اس کا ازالہ	۳۰۷
(۳) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ضروری وضاحت	۳۰۹
(۴) جہاد کی اہمیت اور ضرورت	۳۰۹
(۵) آواز کی تشہیر کا مسئلہ	۳۱۱
(۶) نماز میں قرأت سنت کے مطابق ہونی چاہئے	۳۱۳
(۷) آپ ﷺ کی زندگی مکمل طور پر محفوظ فرمائی گئی ہے	۳۱٤
(۸) احادیث مبارکہ کی تفہیم کے دو طریقے	۳۱۸
(۹) ایک وہم اور اس کا ازالہ	۳۲۰
(۱۰) علم سے متعلق کچھ ضروری آداب	۳۲۱
(۱۱) دین ہر اعتبار سے دنیا سے افضل ہے	۳۲٤
(۱۲) حکمرانوں کیلئے لمحہ فکریہ	۳۲۹
(۱۳) دین اسلام کی مخالفت کرنے والے ہر دور میں موجود رہے ہیں	۳۳۱
(۱۴) حدیث پر کلام کی ابتداء	۳۳۳
(۱۵) میزان عدل کی تحقیق	۳۳۳
(۱۶) اعمال کو تولنے کی کیفیت کیا ہوگی	۳۳٤
(۱۷) لفظ قسطاس کی تحقیق	۳۳٦
(۱۸) سند کے راویوں کا تعارف	۳۳۷
(۱۹) حدیث مبارکہ کی تشریح	۳٤۰

الحمد لله جل و علا و صلىٰ الله و سلم علىٰ رسوله المصطفىٰ و نبيه المجتبىٰ و امينه علىٰ وحى السماء وعلىٰ اٰله النجباء و اصحابه الاتقياء افضل الخلائق بعد الانبياء ومن بهديهم اقتدٰى وبآثارهم اكتفىٰ من المفسرين والمحدثين و الفقهآء الىٰ يوم الجزآء اما بعد

فبالسّند المتصل الىٰ امير المومنين فى الحديث ابى عبد الله محمد بن اسماعيل البخارى الحافظ الحجة الثقة الذى اتفق العلماء علىٰ جلالته ووسعة اطلاعه و غزارة علمه فى الأثار و الاخبار والاسانيد شرقا و غربا رحمه الله تعالىٰ رحمة واسعة قال رحمه الله

باب قول الله ونضع الموازين القسط ليوم القيٰمة وان اعمال بنى آدم و قولهم يوزن وقال مجاهد القسطاس العدل بالرومية ويقال القسط مصدر المقسط وهو العادل واما القاسط فهو الجائر **حدثنا** احمد ابن اشكاب قال حدثنا محمد بن فضيل عن عمارة بن القعقاع عن ابى زرعة عن ابى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال قال النبى صلّى الله

علیہ وسلم کلمتان حبیبتان الی الرحمٰن خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم ۔

وصلیٰ اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین

اللہ تعالیٰ نے انسان کی رشد و ہدایت کے لئے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام مبعوث فرمائے۔ اسلامی عقائد کے مطابق پہلے انسان بھی آدم علیہ السلام ہیں اور پہلے پیغمبر بھی حضرت آدم علیہ السلام ہیں، آدم علیہ السلام سے پہلے قرآن کریم نے کہا ہے

''وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ'' (سورۃ الحجر آیت ۲۷)

جنات کی تخلیق پہلے ہے۔

سب سے پہلے کیا چیز پیدا ہوئی ؟

یہ مسئلہ کے سب سے پہلے کیا چیز پیدا ہوئی اس میں تین چار روایتیں ہیں

''اول ما خلق اللہ العقل''

یہ روافض کے یہاں معروف ہے اور اہل سنت کے یہاں بالاتفاق مکذوب و موضوع ہے۔ دوسری روایت جابر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے کہ یہ'' **مصنف عبد الرزاق**'' میں موجود ہے، زرقانی وغیرہ نے بے احتیاطی کر کے اس کے حوالے دیئے ہیں اور وہیں سے ''نشر الطیب'' میں بھی حوالہ آیا ہے۔ رأس المبتدعین نے اسی روایت پر اپنے عقائد کی بنیاد رکھی ہے۔

''یا جابر ان اول ما خلق اللہ نور نبیک''

لیکن ہماری معلومات کے مطابق اب تک مصنف عبدالرزاق کے سترہ (۱۷) مختلف نسخے چھپ چکے ہیں اور دنیا میں رائج ہیں ان میں یہ روایت کسی بھی زاویے میں موجود نہیں ہے، اور یہ بات قرآن کریم سے اقرب ہے کہ یہ درست نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی کسی آیت میں صراحتاً یا اشارتاً یہ نہیں فرمایا ہے جس سے اس روایت کی کوئی تائید ہوتی ہو بلکہ اس کا عکس ہوا ہے

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (سورۂ ذاریٰت آیت ۵۶)

جن وانس ہی عبادت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں، ملائک تو تھے ہی عبادت کے لئے لیکن وہ ملکوتی مخلوق ہیں

''وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ'' (سورۂ نجم ۲۶)

ارضی مخالیق میں جن وانس مکلّف ہیں یا معشر الجن والانس اور اس میں ایک روایت اس طرح آئی ہے کہ

اول ما خلق الله القلم فقال اكتب قال ما اكتب قال اكتب القدر ما كان وما هو كائن الیٰ الابد (ترمذی ج۲ص۳۸)

یعنی من الصفات والاسماء یہ روایت اصح فی الباب ہے، کیونکہ ابوداؤد اور ترمذی دونوں میں یہ روایت موجود ہے، اوران کے علاوہ بھی کئی معتبرات میں موجود ہے۔

ایک غلط خیال اور اس کا ازالہ

دوسرے لوگ کبھی تو کہتے ہیں کہ انسان پہلے بندر تھا، کبھی کہتے ہیں کہ یہ کچھوے

کی شکل میں تھا۔ یہ سرگردانی کا عالم ہے کیونکہ بیماری میں جب آدمی سرگردان ہوتو وہ کمزور باتیں کرتا ہے۔اس قسم کی بہکی بہکی باتیں وحی کے مذاہب نے کبھی نہیں کیں۔انسان کی شکل کبھی بھی غیر انسان کی نہیں تھی، یہ بات قرآن کریم کے بھی خلاف ہے،قرآن کریم نے جو ان کی سزائیں ذکر کی ہیں وہ ان کے برے اعمال کے بعد ہیں قرآن کریم میں ہے کہ

''ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ'' (سورۃ التین آیت ۵)

یہ اسفل السافلین اور درک اسفل کی جو سزائیں ہیں یہ برے اعمال کے بعد مقرر ہوئی ہیں اس سے پہلے کوئی دور ایسا نہیں گزرا، یہ سب باتیں خلاف عقل اور خلاف روایت ہیں۔ پہلے انسان اور پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں ۔بعض معتزلہ اور بعض خوارج اور مرزائی لوگوں کا یہ خیال ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام پیغمبر نہیں تھے۔لیکن یہ خیال کتاب وسنت کی روشنی میں غلط اور بے بنیاد ہے۔

آدم علیہ السلام کے ساتھ جو خطاب ہوا ہے اور جو ان کے شرائف اور فضائل بیان ہوئے ہیں اور انہیں مسجود ملائک بنایا گیا ہے یہ ان کی نبوت اور رسالت کے تکوینی ادلہ ہیں۔ اسلامی عقائد کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام پہلے انسان اور پہلے پیغمبر ہیں اور انبیاء کرام کا سلسلہ حضرت آدم سے شروع ہوکر جناب نبی کریم ﷺ پر ختم ہوا ہے۔آنحضرت ﷺ کے بعد قیامت تک کسی قسم کی نبوت ورسالت باقی نہیں۔البتہ ایک پیغمبر جماعت انبیاء میں سے ایسے ہیں کہ جن کی دعا قبول ہوئی ہے اور شرف امت محمدیہ کے حصول کے طور پر وہ دنیا میں تشریف لائیں گے، وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ضروری عقائد

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ عقائد رکھنا ضروری ہیں کہ

(۱) وہ انسان تھے۔

(۲) وہ بغیر مس بشر کے حضرت مریم کے بطن سے پیدا ہوئے۔

(۳) وہ خدا کے پیغمبر تھے۔ ''وَرَسُوۡلًا اِلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ''

(سورۂ آل عمران آیت ۴۹)

(۴) وہ عنصری موت نہیں مرے ہیں۔

(۵) وہ آسمانوں پہ اٹھائے گئے ہیں۔

(۶) قرب قیامت پھر نزول فرمائیں گے

(۷) وہ اس امت کے اعلیٰ اور وفادار جنرل ہونگے۔

جہاد کی اہمیت اور ضرورت

جنرل تو اب بھی ہیں لیکن وہ کمزور ہیں۔ وہ اپنے حق میں کم اور دوسروں کے حق میں کام زیادہ کرتے ہیں۔ اس کو پتہ نہیں کہ جہاد کس کو کہتے ہیں اور دہشت گردی کس کو کہتے ہیں ایک عرصہ تک کہتا رہا کہ جہاد اور دہشت گردی میں بہت فرق ہے، اب جب ان کے آقاؤں کا دباؤ بڑھ گیا تو وہ کہنے لگا کہ ان مجاہدوں میں دہشت گرد بھی شامل ہیں معاذ اللہ استغفر اللہ جہاد تو امت محمدیہ کا طرۂ امتیاز ہے جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا

الجهاد ماض منذ بعثنى الله الى ان يقاتل اٰخر هذه الامة الدجال لا يبطله

جور جائر ولا عدل عادل (ابوداؤد ج اص ۱۷)

یہ جہاد جاری رہے گا اگر روئے زمین ساری عدل سے بھر جائے تب بھی جہاد کی ضرورت رہے گی اور اگر روئے زمین پر ظلم ستم پھیل جائے تب بھی جہاد کی ضرورت رہے گی۔ جہاد مار دھاڑ کو نہیں کہتے جہاد **اعلاء کلمۃ اللہ** اور قمع باطل کی کوششوں اور تدابیر کو کہتے ہیں۔سورۃ الفرقان کی آیت'' **وجاھدھم به جهاد اكبيرا**''(فرقان آیت ۵۲) مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ آیت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی مکہ مکرمہ میں تیرہ سال تک آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین صبر اور عفو کی زندگی گزار رہے تھے بالفعل جہاد نہیں تھا مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد دوسرے سال جہاد شروع ہوا ہے اور جہاد کی اجازت آئی ہے اور پھر بدر سے شروع ہو کر تبوک تک جا کر غزوات مکمل ہوئے۔آیت نازل ہوئی ہے مکہ مکرمہ میں اور جہاد بالفعل نہیں تھا تو علماء کرام فرماتے ہیں کہ جہاد کی تیاری کرنا بھی جہاد ہے حکمت عملی اور مصلحت ہے۔تیرہ سال تک نبی نبوت کی آنکھ سے دیکھتے رہے اور کعبۃ اللہ اور مکہ پر مشرکین کا تسلط تھا اور آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کو نماز پڑھنے کی اجازت نہیں تھی۔قرآن کریم میں سورہ علق میں یہ مضمون موجود ہے:

اَرَءَ يْتَ الَّذِىْ يَنْهٰىo عَبْدًا اِذَا صَلّٰىo (سورۂ علق آیت ۹،۱۰)

کہ یہ لوگ حضرت کو نماز نہیں پڑھنے دیتے تھے **حتیٰ اسلم عمر** یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایمان لے آئے اور ہم سب قوی ہو گئے۔وہ تیرہ سال جو آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام نے مکہ مکرمہ میں گزارے وہ بھی جہاد کی زندگی ہے یہ مدینہ منورہ کی زندگی کیلئے تیاری فرمائی ہے۔مفسرین حضرات نے لکھا ہے کہ جو ہتھیار اور اسلحہ موجود نہ ہو ان

کے دستیاب ہونے تک انتظار کرنا بھی جہاد ہی کا مرحلہ ہے، جیسے مسلمان بادشاہوں نے ایک عرصے تک غفلت کی ہے اوران کی غفلت سے کفار نے فائدہ اٹھا کر جدید اسلحہ تیار کر لیا حالانکہ ہمارے پیغمبر پر جب یہ آیت نازل ہوئی

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّة (سورۂ انفال آیت۶۰)

توصحابہ کرام نے پوچھا کہ ''ما القوۃ'' کہ حضرت قوت کیا ہے؟ ''قال ھو الرمی'' (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۳۳۶) فرمایا کہ یہ تو رمی ہے یعنی دور سے مارنا ہے۔محدثین کو یا مفسرین کو اگر اور کوئی چیز نہیں ملی۔اورانہوں نے سہم اور تیر کے پھینکنے کو رمی کہا ہے۔تو یہ ان کا ایک عذر تھا جب سواریوں کا ذکر ہوتا تھا تو لوگ اونٹ اور خچر اور گدھے کا ذکر کرتے تھے سائیکل اور موٹر سائیکل کار اور ٹرک بس اور ریل گاڑی ہیلی کاپٹر اور ہوائی جہاز کا ذکر نہیں کرتے تھے ان کا وجود نہیں تھا،لیکن ذکر نہ کرنا یہ دلیل عدم وجود کی نہیں ہے،محدثین کے یہاں بھی ایک قاعدہ ہے!

''عدم ذکر الشئی لیس بدلیل لعدم وجود الشیء''

آواز کی تشہیر کا مسئلہ

کبھی کبھی ایک چیز بتدریج آموجود ہوتی ہے اور یہ طویل مبحث ہے ایسے ہزاروں لاکھوں مسائل ہیں جن کا وجود وقت کے ساتھ پیدا ہوا آنحضرت ﷺ کا معجزہ تھا آپ حجۃ الوداع میں خطبہ دے رہے تھے سوا لاکھ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین تو معروفین تھے اس سے بڑی تعداد اور حضرات کی موجود تھی اتفاق سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو خیمہ سب سے آ

خر میں ملا تھا اور انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت ایسے خطبہ دے رہے تھے **''فکانہ یخاطبنی ''** گویا مجھے خطاب کرر ہے ہیں، یہ آپ کا معجزتھا آواز دور تک جاتی تھی۔اب وہ ضرورت لاؤڈ اسپیکر نے پوری کی ہے دیگر آلات نے پوری کی ہے۔

شاطبی غرناطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب''**موافقات**''میں نقل کیا ہے کہ جو ضرورت نبی کی وحی سے اور معجزے کے طور پر پوری ہوجائے اور وہ مخصوصات کے قبیل میں سے نہ ہو جیسے معراج پر جانا اور قرآن کریم کا نازل ہونا یہ مخصوصات ہیں ایک ایسا معجزہ جو نبی کو بطور اعجاز کے ملے اور وہ مخصوصات کے قبیل میں سے نہ ہو امت مادی محنت اور مشقت کے ذریعے سے اس کو حاصل کرسکتی ہے،اس کا ذکر میں نے پیغام مسرت میں بھی کیا ہے۔ انکو یہ بھی تکلیف ہونے لگی کہ جی مولویوں کے پاس لاؤڈ اسپیکر ہوتا ہے،اس کی آواز دور تک جاتی ہے لوگوں کو متاثر کرتے ہیں ، کچھ نقصان اپنوں نے کیا تھا ،تو انہوں نے کہا دور کا قریب کا باہر کا اور اندر کا فرق ہے اسی کو لیکر کے انہوں نے اس کے خلاف استعمال کیا ہے ۔اس عاجز نے آج سے دس پندرہ سال پہلے اس موضوع پر ایک رسالہ لکھا ہے اس میں لاؤڈ اسپیکر کے مسئلے کی شرعی حیثیت پر کلام کیا ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز دور تک جاسکتی ہے،اس پر پابندی لگانا شرعاً قانوناً عرفاً غلط ہے وہ کتاب موجود اور چھپی ہوئی ہے،اور عام دنیا میں بٹی ہوئی ہے''**پیغامِ مسرت**'' اور وقت کے مقتدر فقیہ اور علی الاطلاق مفتی اعظم پاکستان حدیث اور اسلامی علوم کے اسکالر ہمارے استاذ حضرت اقدس حضرت مفتی ولی حسن رحمہ اللہ صاحب کی تقریظ اور تصدیق دونوں اس کو حاصل ہے۔ یہ بھی معجزات میں سے ہے،حضرت عمر رضی اللہ عنہ فجر کی نماز پڑھا رہے تھے حضرت سعد ابن ابی

وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے بازار میں حضرت کی آواز سنی کہ نماز شروع ہوگئی اور وہاں کسی ضروری کام سے جلدی گئے اور واپس آئے، پھر سنت پڑھی اور جماعت میں شامل ہو گئے۔

نماز میں قرأت سنت کے مطابق ہونی چاہئے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فجر کی نماز میں سنت کے مطابق طویل سورتیں پڑھتے تھے ،سورۃ کہف اور سورۃ یوسف آپ کا عام معمول تھا۔ سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جو واقعہ بیان کرتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلی رکعت میں سورت یٰسین مکمل پڑھی ہے اب یہ بھی ایک سہولت کر دی گئی کہ قرأت مختصر سی ہو قطع نظر اس کے کہ درسگاہ ہے لوگوں کی عظیم تعلیم گاہ ہے اور لوگ وہاں دین سیکھنے آتے ہیں بلکہ درسگاہوں کی مساجد میں اور بھی زیادہ خفیف قرأت کی جاتی ہے، والیٰ الله المشتکی. 'وہ طبقہ جو خالص دین کیلئے ہے وہ کیسے قرأت کے اندر تھکتا ہے یا طویل نماز سے اکتاتا ہے۔ نماز تو مقاصد میں سے ہے زوائد میں سے نہیں ہے۔ ہمارے اکابر اور بزرگوں نے یومیہ قرأت پر عمل کیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی ہر دن کی قرأت معلوم ہے احادیث و آثار میں ہر نماز کیلئے سورتیں معلوم ہیں اور پسندیدہ اور ارشاد فرمودہ سورتیں بتائی گئی ہیں۔ نمازیں سنت کے مطابق پڑھائی جائیں قرأت میں ان تمام سورتوں کی پڑھنے کی کوشش کی جائے، جو سنت سے ثابت ہیں۔ بعض آئمہ اپنی منزل کے اعتبار سے پڑھتے ہیں قطع نظر اس کے کہ یہ خلاف سنت ہے، بعض ایسے بھی ہیں جو چاند کی تاریخوں سے پڑھتے ہیں کہ آج یکم ہے جی تو میں پہلا پارہ پڑھتا ہوں، کل دو ہے دوسرا

پارہ پڑھتا ہوں یہ سب خلاف سنت باتیں ہیں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے اس طرح منزل آدمی بیٹھ کر پڑھے یا نفلوں میں پڑھے فرائض کے اندر پوری قوم کا لحاظ ہے اور دین اور سنت کا باقاعدہ لحاظ ضروری ہے اس واسطے جناب نبی کریم ﷺ کو کہا گیا!

وَاِذَا کُنۡتَ فِيۡهِمۡ فَاَقَمۡتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ (سورۂ نساء آیت ۱۰۲)

جب آپ تشریف فرما ہیں تو نماز آپ پڑھائیں۔

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام بخاری رحمہ اللہ دونوں فرماتے ہیں!

اهل العلم والفضل احق با لامامة (بخاری ج ۱ ص ۹۳)

علماء فقہ اور فضیلت والے وہ نمازیں پڑھایا کریں۔قاری صاحب اور حافظ صاحب کی ضرورت اس کے بعد ہے، پہلے علم کی ضرورت ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ''امالی'' میں ہے، کہ جب حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ! عالم آدمی نمازیں پڑھائیں تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت قرأت کی ضرورت تو دو رکعتوں میں ہے، فرض نماز کی دو رکعتوں میں قرأت ضروری ہے باقی آخری دو میں ''ان شاء قرأ وان شاء سکت وانشاء سبح'' ہدایہ میں ہے۔تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سنا کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرأت کی ضرورت تو دو رکعتوں میں ہے، تو حضرت نے فرمایا اور علم کی ضرورت نماز کے ہر جز میں ہے، ہر ہر جز میں علم درکار ہے، جہاں سے علم فوت ہوگیا وہاں اندیشہ ہے کہ فساد آجائے گا۔

آپ ﷺ کی زندگی مکمل طور پر محفوظ فرمائی گئی ہے

جناب نبی کریم ﷺ کی پوری زندگی اللہ تعالیٰ نے محفوظ فرمائی ہے، اور اس حفاظت کیلئے تکوینی نظام دو طریقے سے چلائے گئے، ایک تو جو کتاب جناب نبی کریم ﷺ پر نازل ہوئی قرآن کریم اس کی حفاظت فرمائی گئی " اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ " (سورۂ حجر آیت ۹) ۔اور یہ حفاظت پیغمبر ﷺ کے ذریعے پیغمبرؑ کے صحابہ ؓ کے ذریعے تابعینؒ کے ذریعے پوری فرمادی گئی۔

بخاری شریف میں ایک کمسن بچے کا ذکر ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم ایک ایسی جگہ رہتے تھے، جہاں سے لوگ گزرتے تھے "کان ممر الناس " اور بعض کہتے ہیں کہ اس جگہ میں پانی کا چشمہ تھا لوگ وہاں پانی پینے اور پانی بھرنے قافلے والے آتے تھے، اور لوگ تذکرے کرتے تھے۔ کہ ایک شخص مکہ میں پیدا ہوا اور اس نے نبوت کا دعویٰ کیا ان میں اور ان کی قوم میں سخت اختلاف ہے اور پھر یہ باتیں بھی ہونے لگیں کہ اس نے مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ منورہ ہجرت کی۔ وہ بچہ کہتا ہے کہ اس وقت یہ بھی بیان ہوتا تھا کہ اس پیغمبر پر کونسی سورۃ نازل ہوئی، وہ تلاوت ہوجاتی تھی، اور میرے دل میں بیٹھ جاتی تھی، میرا سینہ قرآن سے بھر جاتا تھا۔

جب ۸ھ میں مکہ مکرمہ فتح ہوا، اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عزت دی اور ان کی تکالیف ختم فرمائیں، اس وقت ان کا قبیلہ اور دیگر قبائل کیساتھ منتظر تھا کہ اگر یہ پیغمبر برحق ہیں تو مکہ سے اور کعبہ سے زیادہ دور نہیں رہے گا۔ جب حضرت ﷺ نے مکہ مکرمہ فتح کیا

تو لوگ جوق در جوق اسلام لانے کیلئے ٹوٹ پڑے، ہمارا قبیلہ بھی چلا آیا، اور مسلمان ہو گیا آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا! تم میں جس کو قرآن زیادہ یاد ہو وہ نماز پڑھائے، تو فرمایا مجھے تو پہلے سے زیادہ سورتیں یاد ہوئی تھیں، انہوں نے میرے علاوہ کسی کو نہیں پایا، جس کو مجھ سے زیادہ قرآن یاد ہو، اور مجھے امامت کیلئے مقرر فرمایا، اور آگے بڑھایا۔ تو ظاہر ہے ایسے کم سن بچوں کے دل و دماغ میں بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم بٹھایا ہے، یہ حفظ قرآن کا اعجا ہے

قرآن کریم کے حفظ کیساتھ نبی کی زندگی محفوظ ہو رہی تھی، اور نبی کی زندگی چند چیزوں پر مشتمل تھی موافقین مخلصین جیسے صحابہ کرامؓ ان کے احوال بھی ضبط ہو گئے۔ اور مخالفین کافرین یا منافقین ان کے ذمائم بھی جمع ہو گئے محفوظ ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو ایسا نازل فرمایا کہ جن میں معنیٰ اور الفاظ دونوں منزل من اللہ ہیں۔ اور آنحضرت ﷺ کی زندگی کو بھی محفوظ فرمایا اس شان سے اور اس ضرورت سے کہ صحابہ کرام کا حال بنا۔ پیغمبر کے ارشادات اور ہدایات پر عمل کرنے میں ان کو ایسی مہارت عطا کی گئی کہ ابوسفیان نے ایک موقع پر کہا ہے اور اس وقت کہا کہ وہ اسلام بھی نہیں لائے تھے کہ میں نے مشرق اور مغرب روم اور فارس کے سفر کئے ہیں لیکن۔

''فقال ای قومِ واللہ لقد وقدت علی الملوک ووفدت علیٰ قیصر و کسریٰ والنجاشی واللہ ان رأیت ملکاً قط یعظمه اصحابه مایعظم اصحاب محمدٍ محمداً'' (بخاری ج ۱ ص ۳۷۹)

جو محبت اور تعلق اللہ تعالیٰ نے صحابہ کو جناب نبی کریم ﷺ کیساتھ نصیب فرمایا تھا وہ بالکل مثالی تھا۔

محبت تجھ کو آدابِ محبت خود سکھا دے گی

اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کیلئے پورے اسلام کو آسان فرمایا اور انہوں نے قرآن کریم کو ضبط کرنے کیساتھ ساتھ پیغمبرانہ زندگی بھی ضبط فرمائی۔ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک شخص پر ناراضگی ظاہر فرمائی اور اس سے پوچھا کہ کیا تم پیغمبر کے صحابی ہو تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے پیغمبر کی صحبت نہیں پائی، میں اس وقت موجود نہیں تھا لیکن مجھ تک پیغمبر کا علم ایسے پہنچا ہے جیسے کنواری لڑکی کو سب کچھ پتہ ہوتا ہے۔ کوئی چیز ایسی نہیں ہے کہ جو میرے علم میں نہیں ہو۔

علماء نے عجیب بات لکھی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی اور عشرہ مبشرہ اور ذوالنورین کو ایک شخص کہتا ہے کہ مجھے نبی کی زندگی مکمل یاد ہے، یہ نبی کریم ﷺ کا اعجاز ہے کہ بعد میں آنے والوں کیلئے بھی اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو آسان فرمایا۔

صحیح مسلم میں اور مسند احمد اور دیگر معتبرات میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک موقع پر صحابہؓ سے پوچھا

قد راینا اخواننا کیا تم میرے بھائیوں کو جانتے ہو

تو انہوں نے کہا کہ آپ کے بھائی تو فرشتے ہوں گے۔ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ وہ تو ملائک ہیں پھر صحابہ نے کہا کہ ہم ہوں گے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

انتم اصحابی تم تو میرے صحابہ ہو

تو صحابہ نے عرض کیا کہ آپ بتائیں کہ آپ کے بھائی کون ہے؟

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

اخوانا الذین لم یأتوا بعد (مسلم ج ۱ص ۱۲۷)

ہمارے بھائی وہ ہیں جنہوں نے ہمیں دیکھا نہیں ہوگا ہمارے بعد آئیں گے لیکن ایمان میں بڑے پختہ ہوں گے، علم وعمل میں بڑے مضبوط ہوں گے۔

کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اس بیماری میں مبتلا ہیں کہ نبی کو بھائی نہ کہا جائے۔ بڑا بھائی تو باپ کے برابر ہوتا ہے اور یہ قرآن کریم سے ثابت ہے۔

''والیٰ ثمود اخاھم صالحا'' ''والیٰ عاد اخاھم ھودا'' (سورۂ ہود ۵۱،۶۱)

اہل حق کا موقف عین قرآن وسنت کے مطابق ہے۔ بہر حال ایک حیثیت سے اللہ تعالیٰ نے وحی قرآن کی شکل میں محفوظ فرمائی اور دوسری حیثیت سے صاحب قرآن جن پر قرآن کا نزول ہوا تھا ان کی زندگی محفوظ فرمائی اور وہ احادیث اور سنت کی شکل میں ہے۔

احادیث مبارکہ کی تفہیم کے دو طریقے

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی زندگی کو جاننے کیلئے دو طبقے پیدا فرمائے ہیں:

پہلا طبقہ ایک طبقہ وہ جنہوں نے احادیث کے معانی اور مطالب سمجھ لئے حدیث میں اس کی مثال آئی ہے جیسے زمین پانی پی لے اور پھر اس سے فصل نکلے بہترین قسم کا اناج نکلے دوبارہ وہاں پانی موجود نہ ہو باغ لہلہاتا ہوا کھیتیاں لہلہاتی ہوئی اس طرح فقہاء ومجتہدین ہیں (بخاری ج ۱ص ۱۸)، انہوں نے احادیث کو ضبط کیا اور پھر ان سے مسائل اور استنباط کے سرسبز باغ اور لہلہاتی ہوئی کھیتیاں نکل آئیں ''کزرع اخرج شطئه'' قرآن کریم نے بھی صحابہ کرام کی جماعت کو ایک سرسبز وشاداب کھیتی کیساتھ تشبیہ دی ہے۔

وہ جماعت جنہوں نے قرآن کریم اور احادیث کو ضبط کر کے ان کے معانی اور مطالب کی روشنی میں امت کی ضرورت پوری کی اور مسائل مستنبط فرمائے اس جماعت کا نام فقہاء ہے۔ان فقہاءِ کرام کی بہت بڑی تعداد ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے امت کی ضرورت چار سے پوری کردی اور ان میں سب سے پہلے اور سب سے بڑے ہمارے مذہب کے امام،الامام الاعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں ،امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ان کے بعد ہیں ،امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ان کے بعد ہیں،امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ان کے بعد ہیں۔

ان حضرات کے فقہی اجتہادات اور مسائل سے امت کی ضرورت پوری ہوگئی ہے،اس وقت بھی اور آج بھی اور قیامت تک ،ضرورت ان ہی کے قواعد کی روشنی میں پوری ہوتی رہے گی ،کسی نئے فقیہ مجتہد کی ضرورت نہیں ہے،اور عجیب بات ہے کہ جب بھی کسی نے اسطرح کی کوشش کی تو وہ گمراہ ہوا ہندوستان میں ایک شخص آیا اور اس نے اس بات کی کوشش کی کہ کچھ روایات اور مسائل چھوڑے جائیں تو نتیجتاً انکار حدیث کا مرتکب ہوگیا ۔اور ایک شخص نے آکر کہا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ماننا ضروری نہیں ہے،اور وہ معیارِ حق نہیں ہیں تو ان کی کتابوں سے بجائے دین کے بے دینی کے مظاہرے ہونے لگے۔اور ابھی حال ہی میں ایک شخص نے کتاب لکھی ہے اور اس میں جاندار کی تصویر جائز کردی ،اپنے خیال میں اس شخص نے بڑا دھاکہ کیا ہے،لیکن اس کو یہ خیال نہیں کہ یہ دھاکہ اس نے اپنے خلاف کیا ہے اور اپنی آخرت برباد کی ہے۔

جناب نبی کریم ﷺ کی حدیث ”ان اشد الناس عذابا عند اللہ المصورون“ (بخاری شریف ج۲ص۸۸۰) اصح فی الباب ہے۔

اور ترمذی میں ہے کہ "باب ماجاء فی المصورین" (ترمذی ج۱ ص۳۰۸)
بخاری اور مسلم کی حدیث ہے اس پر عمل کرنا ایمان ہے، اس سے انحراف کرنا یہ خطرناک ہے ہاں ضروریات اور چیز ہیں سیاستدان کہتے ہیں ہم بہت مجبور ہیں میڈیا کے سامنے اس کی ضرورت ہے اور پاسپورٹ اور شناختی کارڈ کیلئے ادارے کہتے ہیں ضرورت ہے، نوٹ پر تصویریں بنائی ہے اور یہ تصاویر ہیں لیکن آیا یہ ضرورت اس درجے کی ہے جس سے اس کی اجازت ہوتی ہے۔ "هذه مسئلة طويلة الذيل فی محلها"

"اختلاف امتی رحمة" (الدرر المنتثرة فی الاحادیث المشتهرة ص۸)

دوسرا طبقہ جناب نبی کریم ﷺ کی زندگی مبارک احادیث کی شکل میں محدثین نے جمع فرمائی ہیں، ان محدثین میں سے عظیم المرتبت اور عظیم الرفعت جنہیں امیر المؤمنین فی الحدیث اور رأس المحدثین کہا گیا ہے وہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں ۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی کتاب **الجامع الصحیح** جسے بخاری شریف کہتے ہیں یہ آنحضرت ﷺ کا معجزہ ہے اور اس امت کے قابل مفاخر اعمال میں سے ہے۔ دنیا میں کتابیں بہت ہیں اور دین کی کتابیں ہیں، ضرورت کی کتابیں ہیں، شرف اور صحت کی کتابیں ہیں لیکن امام بخاریؒ کی بخاری شریف جیسی کتاب نہیں۔ امام بخاریؒ نے بڑے تقویٰ پرہیزگاری، احتیاط اور کمال جہد کیساتھ یہ کتاب جمع کی ہے، بہت ہی حیرت انگیز واقعات ہیں۔

ایک وہم اور اس کا ازالہ

ابھی ہمارے بزرگ دوست مولانا قاری مفتاح اللہ حفظہم اللہ امام بخاری رحمہ

اللہ کے ترجمہ نگاروں کے حوالے سے بتارہے تھے کہ یہ ہر حدیث نقل کرنے سے پہلے نہاتے تھے اور دو رکعت نفل پڑھتے تھے اور استخارہ کرتے تھے۔ یہ لکھا گیا ہے لکھنا بہت آسان ہے سوچا جاتا تو ایسا نہ لکھا جاتا۔ کیا امام بخاری رحمہ اللہ ہمہ وقت غسل خانے کے سامنے بیٹھے رہتے تھے یا دریا کے کنارے درس دے رہے تھے اور نہ ہی یہ کوئی سنت طریقہ ہے۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ آپکا درس شروع ہورہا ہے، آپ وضو کے بجائے نہائے بہت بہتر ہے چستی تازگی رہے گی اور دو رکعت بھی پڑھ لیں لیکن ہر روایت کے بعد اٹھے دو رکعت پڑھی اور استخارہ کیا یہ ہمارے شارحین نے لکھا ہے اللہ تعالیٰ ان کی لغزشیں معاف فرمائے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ بھی کوئی معمولی عمل نہیں ہے کہ ہر مجلس حدیث کی جب منعقد ہوتی تھی تو یہ تمام آداب بجالائے جاتے تھے۔

علم سے متعلق کچھ ضروری آداب

سارے مسلمانوں سے اپیل ہے اور خاص کر طلباء عزیز سے کہ علم کا کام سارا کا سارا با وضو اور طہارت کیساتھ کرو ہم نے اپنے زمانے میں ایسی بزرگ عورتوں کو دیکھا ہے کہ جو بچوں کو دودھ پلانے کیلئے بھی طہارت اختیار کرتی تھیں، اور جن دنوں میں انہیں عذر ہوتا تھا تو صرف منہ ہاتھ دھونے کو بھی ضروری سمجھتی تھیں، کیونکہ ''منیہ'' وغیرہ کے لوگوں نے لکھا ہے کہ جب مکمل وضو نہ ہو سکے تو کچھ حصہ جیسے چھوٹے بچے کیلئے امام طحاویؒ نے حکم نقل کیا ہے کہ بس وہ منہ ہاتھ دھو کر تلاوت کرسکتا ہے اس کو باقاعدہ وضو پر مجبور نہ کیا جائے۔ ترمذی میں سفیان کی روایت ہے وہ کہا کرتے تھے کہ سلف کے علوم میں برکات بہت تھیں

کیونکہ وہ متوضی اور متطہر رہتے تھے باوضو ہوتے تھے۔امام العصر مولانا انور شاہؒ کے متعلق تذکروں میں پڑھا بھی ہے اور اپنے اساتذہ سے جو براہ راست شاہ صاحبؒ کے شاگرد تھے سے سنا ہے کہ حضرت نے کبھی بھی لیٹ کر مطالعہ نہیں کیا ہمہ وقت بیٹھے رہتے تھے یہ کام ایسے عظیم لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ آسان کر دیتے ہیں، کچھ مشکل اور گرانی ان کیلئے نہیں ہوتی آپ جواب بخاری کے درس میں آئے ہیں طلباء کا آخری سبق ہے بہت سارے ہمارے بزرگوں دوستوں نے دکانیں بند کیں کارخانوں اور فیکٹریوں سے آج رخصت لی ،اپنے کام کاج آج موقوف کر دیے ،ایک تو اس لئے کہ احادیث رسول پیغمبر ﷺ کی وراثت ہے اور امت برابر کی شریک ہے ہم پڑھاتے ہیں اور طلباء نے پڑھ لیا ہے ،آپ اس کا مختلف طریقوں سے تعاون کرتے ہیں اور ہم سب کیلئے اس پر عمل ضروری ہے بعید نہیں ہے کہ قیامت کے دن یہی عمل کہ ہم بخاری شریف کا درس سننے کیلئے گئے تھے اور چھٹی کی تھی کہا جائے کہ بیڑا پار ہے یہی عمل نجات کیلئے کافی ہوجائے۔اللہ جل جلالہ کے یہاں نیکیاں جب قبول ہوتی ہیں تو چھوٹی سی نیکی بھی بہت عظیم بن جاتی ہے ''فیہ رجال یحبون ان یتطھروا واللہ یحب المطھرین ''(سورۂ توبہ آیت ۱۰۸) اللہ تعالیٰ نے مسجد قباء کے لوگوں کیلئے کہا ہے اور پھر مسجد نبوی والوں کیلئے بھی کہ یہ بڑے پاکباز لوگ ہیں اور پاکی سے ان کو محبت ہے۔

اسلام تو دین ہی طہارت کا ہے اسلام کی بنیاد ہی تقدس اور تطہر پر ہے۔مال ہو تو حلال ہو کلام ہو تو شریعت کے موافق ہو اور ہمہ وقت باوضو رہیں کوئی نقصان نہیں فائدہ ہی فائدہ ہے۔امام جعفر صادق رحمہ اللہ جب اپنی بیٹی کو رخصت کر رہے تھے گھر سے جانے کا

وقت تھا رخصتی کا تو اپنی بیٹی کو فرمایا ”یابنتی توضئی کل حین“ اے میری پیاری بیٹی ہمہ وقت باوضو رہو یہ مؤمن کیلئے زینت بھی ہے ضرورت بھی۔ وہ جو حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن علم بہت ہوگا اور عمل بالکل نہیں ہوگا تو وہ اس طرح کہ ان چیزوں کی طرف توجہ کم ہوجائے گی اللہ تعالیٰ کا احسان اور فضل ہے کہ ہمارے دینی مدرسوں میں چھوٹے چھوٹے طلباء جو میزان، نورالایضاح اور نحو میر پڑھتے ہیں وہ بھی باوضو رہتے ہیں، ایک چھوٹا بچہ وضو خانے میں بیٹھا تھا پہنچ بھی نہیں رہا تھا پہنچنے کی کوشش کرتا تو گرنے لگتا تھا اس سے میں نے کہا کہ ٹھنڈ ہے سردی ہے کیوں وضو کرتے ہو کہا سبق شروع ہو رہا ہے، میں نے کہا کہ میں آپ کیلئے لوٹے میں پانی لاتا ہوں کہا مجھے لوٹے سے وضو کرنا نہیں آتا، یہ ہمارے رسول کریم ﷺ کی طہارت کاملہ کی دلیل ہے۔ ایسا دین لیکر آئے ہیں چھوٹا بچہ بھی سخت سردی میں ٹھنڈی ہوا میں وضو خانے میں بیٹھا ہوا ہے، چھوٹے چھوٹے ہاتھ پہنچا رہا ہے پانی لے رہا ہے قرآن شریف پڑھنے کیلئے آیا ہے۔ ”اللھم صل وسلم علیٰ البنی الامی“ ایک عیسائی مجھ سے کچھ سوالات کرنے آتا تھا جب وہ آجاتا تھا تو میں اس کے پاس ایک، دو گھنٹے بیٹھتا تھا بات چیت کرتا تھا وہ لکھے ہوئے سوالات لاتا تھا، میں اس کو جوابات دیتا تھا ، جب تک اس سے گفتگو ہوتی تھی تکلیف بہت ہوتی تھی ایک دن میں نے اس سے پوچھا ، تو اس نے کہا کہ ہمارے یہاں غسل نہیں ہے ہمارے جسم سے ہمیشہ بدبو آتی ہے میں آپ کے پاس آنے سے پہلے بڑی بڑی بوتلیں عطر کی اپنے اوپر ڈالتا ہوں لیکن اگر جسم ناپاک ہو اور اس پر آپ عطر ڈالدیں تو وہ عطر بھی بدبو بن جائے گا، پاک صاف ستھرا جسم ہو اس پر آپ معمولی سی خوشبو بھی لگائیں سنت کے مطابق تو اس سے پورے طبقے اور پوری جماعت

میں خوشبو مہکے گی۔ جناب نبی کریم ﷺ کے بڑے معجزات میں سے ایک بڑا معجزہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرات محدثین سے احادیث یاد کروائیں اور محدثین کی جماعت کے سرخیل اور سرتاج وہ امام بخاریؒ ہیں، جن کی الجامع الصحیح بخاری شریف ہیں، اس پر امت کو فخر ہے اور یہ امت کا عظیم سرمایہ ہے۔

دین ہر اعتبار سے دنیا سے افضل ہے

ہمارے ان دوستوں کو پتہ نہیں کیا بلا لگ گئی ہے کہ مدرسوں والے دنیاوی نظام سیکھیں، دنیا تو بغیر سیکھے آتی ہے کوئی نہ بھی سیکھے تب بھی جب وہ جوان ہو جائے گا تنخواہ لینے کی کوشش کریگا پیسے کمائے گا، دنیا کمانے کیلئے بہت زیادہ دیوانہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے کہیں بھی آپ کچھ سامان لگائیں اور چند دن استقامت اختیار کریں اللہ تعالیٰ اس میں برکت ڈالدے گا۔ پیغمبر علیہ السلام نے بھی فرمایا ہے کہ

من اراد الدنیافلیتجر جو دنیا کمانا چاہے وہ تجارت کرے

ومن اراد الاخرۃ فلیتزھّد اور جو صرف آخرت کمانا چاہے وہ بچ کر رہے

نیز فرمایا

التاجر الصادق الامین مع الانبیاء والشھداء والصالحین

(ترمذی ج ا ص ۲۲۹ باب فی التجار)

وہ تاجر جو دیانت دار ہو وہ پیغمبروں کے ساتھ اٹھے گا، مگر دیانت داری ایک ابتلا ہے۔ اور مزید آپ ﷺ نے فرمایا کہ

"الکذب یمحو برکۃ البیع" (بخاری ج ا ص ۲۷۹ باب یمحق الکذب والکتمان فی البیع)

جھوٹ بولنے سے بیع کی خیر و برکت ختم ہو جاتی ہے۔ دنیا آزمائش اور ضروریات کی جگہ ہے جب ضرورت پیدا ہو جاتی ہے تو کوئی درزی کا کام شروع کرتا ہے کوئی پلمبر کا، کوئی ڈاکٹر بنتا ہے اور کوئی انجینئیر اور کوئی فوج میں چلا جاتا ہے۔ جیسے کہ پلمبر کو کپڑا سینا نہیں آتا اور درزی پلمبر کا کام نہیں کرسکتا اور فوجی ڈاکٹری نہیں جانتا تو پھر دینی مدارس والوں کو یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ آپ بھی دنیا میں آجائیں۔ دراصل مقصد دنیا میں لانا نہیں ہے بلکہ دین سے ہٹانا ہے۔ ان کو ہماری بڑی فکر ہے کہ ہم بھی قومی دھارے میں شامل ہوجائیں۔ قومی دھارا تو سارا کا سارا ہمارا تابع ہے ہم اس کے تابع نہیں ہیں، الحمدللہ۔ لوگ انتہائی محنت اور مشقت سے سونا اور چاندی کماتے ہیں اور ایک ایک پیسہ جوڑ کر رکھتے ہیں اور جب لاکھوں بن جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اب ہمیں مدرسہ تعمیر کرنا ہے اور مسجد بنانی ہے کیونکہ ان کو معلوم ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ جو دین لیکر آئے ہیں وہ مولویوں کا دین نہیں ہے بلکہ خدا کا دین ہے اور خدا تعالیٰ کے تمام بندے اس کا استحقاق رکھتے ہیں، وہ اس کے شرف اور عزت کے وارث ہیں۔ قیامت کے دن جس طرح امام العصر حضرت مولانا انور شاہ صاحب کے سر پر تاج ہوگا کہ یہ بڑے محدث ہیں اسی طرح ہمارے ان دوستوں کے سروں پر بھی عزت کے تاج ہونگے کہ جنہوں نے دارالعلوم دیوبند بنایا، دہلی اور سہارنپور کے مدرسے قائم کئے اور پاکستان میں مدرسوں کا جال پھیلایا جن کی حلال کمائی کی برکت سے آج عالیشان جگہوں میں بیٹھ کر ہزاروں طلبہ علوم دین آسانی سے حاصل کرتے ہیں۔ جس طرح علماء کو علم کا انعام ملے گا اسی طرح دین کی محنت اور تعاون کرنے والے اہل دنیا کو بھی ان کے ساتھ عزت وشرف کا مقام حاصل ہوگا۔ اگر خود ان سے پوچھا جائے آپ نے تو

آرمی کے اصول پڑھے ہیں اور اس سے آپ نے ایک قدم آگے بڑھایا فضا میں آپ مرنے والے تھے نیچے اتر گئے تو آپ پاکستان کے بادشاہ تھے اس کا کیا شکر ادا کیا آپ نے ؟ آپ سے پہلے ایک قیمتی جنرل سینتیس (۳۷) قیمتی افراد کو ساتھ لیکر کے، کیا ہوا میں بکھر نہیں گئے؟ کوئی بچانے والا تھا؟ عظیم سانحہ ہے پاکستان کی تاریخ کا لیکن ہم یہ پوچھتے ہیں کہ آپ کس بے صبری اور کس اضطرار کی حالت میں کبھی پرس نکال رہے تھے کبھی موبائل ڈھونڈ رہے تھے ادھر ادھر اور جب چند منٹوں کے فاصلے سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی عزت رکھی آپ بخیریت اور عافیت نیچے اتر آئے تو آپ نے یہ شکر یہ ادا کیا کہ مدرسے بند کر دیں اور طلباء کو پڑھانے کی ضرورت نہیں ہے جو پڑھ رہے ہیں۔ تاکہ وہ اس سے رہ جائیں یہ شکر یہ ادا ہوا ہے؟ حکم یہ تھا اور آپ پر تو اس وقت واجب یہ تھا کہ آپ جب نیچے اتر آئے تو آپ کہتے کہ پاکستان اسلام کے نام پر بنا ہے لہٰذا اس ملک کی تشریح اور تعبیر ''لا الٰہ الا اللہ کے مطابق ہوگی، اور لا الٰہ الا اللہ کی علمی و عملی تفسیر قرآن اور سنت ہیں، لہٰذا آج سے پورے ملک میں اسلامی آئین نافذ ہوگا۔ انگریز کے ظالمانہ اور دوسروں کو غلام بنانے والے جو قوانین ہیں ان کو یکسر روانہ کر دیتے ختم کر دیتے آپ نے تو اپنے دین پر چھرا چلانا شروع کر دیا۔ اور آپ کہہ دیتے کہ ہم اسلامی لوگ ہیں ہمارا مذہبی دن جمعہ ہے لہٰذا ہمیں اتوار کی تعطیل کی کوئی ضرورت نہیں ہے یا تو ہفتہ بھر میں کوئی چھٹی نہ کرو اور اگر کرنی ہے تو وہ جمعہ کا دن ہے۔ آپ اس شکر کے طور پر کہ آپ کی زندگی محفوظ ہوئی ہے آپ ملک کے مہذب طبقے علماء کرام سے پوچھ لیتے کہ بحیثیت ایک اسلامی حکمران کے مجھ پر کیا فرائض عائد ہوتے ہیں، آپ نے ان سے دوری شروع کر لی اور ان کو پتہ نہیں کن کن نامناسب الفاظ سے یاد

کرتے ہیں آپ کو یہ فکر نہیں کہ آپ یہاں سے جانے والے ہیں۔ پاکستان کی ستاون (۵۷) سالہ تاریخ میں کتنے آئے اور گئے کس کو یہاں ٹھہرنا ہے۔

جہاں اے برادر نماند بکس
دل اندر جہاں آفریں بند و بس

بھائی یہ دنیا کسی کے ساتھ بھی نہیں ٹھہرتی۔

مکن تکیه بر ملك دنیا و پشت
که بسیار کس چوں تو پرورد وکشت

دنیا اور دنیا کی چیزوں پر زیادہ سہارا نہ کرنا اس نے بہت ساروں کو پالا ہے اور گرایا ہے۔

چوں آہنگ رفتن کند جان پاك
چه برتخت مردن چه بر روئے خاك

اور جب وہ گھڑی آئے گی جس میں آپ کی روح نکلے گی اس وقت ایمان دیکھا جائے گا۔

یٰاَیَّتُھَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُOارۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرۡضِیَّةًOفَادۡخُلِیۡ فِیۡ عِبٰدِیOوَادۡخُلِیۡ جَنَّتِیۡO (سورۂ فجر آیات ۲۸ تا ۳۰)

آپ کو اس کی فکر ہونی چاہئے کہ دوسرے لوگوں کو خوش کرنے کیلئے آپ روزانہ ایک نیا آرڈیننس جاری کرتے ہیں آپ نے مدرسوں اور طلباء کو کاغذ کی کشتی میں

بٹھایا ہوا ہے ہم تو سرکاری خرچے پر نہیں پل رہے ہیں ہم تو قومی اور دینی ادارے کے لوگ ہیں آپ اپنے سرکاری اداروں کو پہلے لگام دیں انکو اخلاق اور تہذیب سکھائیں انہیں قومی دھارے میں کھینچ کرلائیں وہ ہمارے بھائی ہیں وہ ہماری اولاد ہے ہماری نسل ہے ہمارے لئے فخر ہیں ان کی دینی ضرورت دنیا کی ضرورت سے بڑھ کر ہے ان کو آپ نے ایسے ہی کامل اور اکمل چھوڑا ہوا ہے۔

برق گرتی ہے تو بے چارے مسلمانوں پر

جو اپنی مرضی سے اپنے ماں باپ کی اجازت سے خاندان قوم اور قبیلوں کی خوشیوں کیلئے اور اللہ کی رضاء اور خوشنودی کیلئے نبوت کے علوم پندرھویں صدی میں پڑھ رہے ہیں انہیں پتہ ہے کہ آپ جیسے ابن الوقت لوگوں کے سامنے ان کو ابتلاء کا شکار ہونا پڑے گا مگر پھر بھی وہ سینہ نکال کر علوم پڑھنے کیلئے آئے ہیں اور آتے رہیں گے، انشاء اللہ ان کا شکر کرنا چاہئے، ان کے سر پر عزت اور فخر کا تاج رکھنا چاہئے۔

یہ مادی اور ٹیکنالوجی کا دور ہے دنیا پرستی کا اور پیسوں کی مشین بننے کا دور ہے۔ جو دینی اور شرعی علوم آنحضرت ﷺ لیکر آئے ہیں طلبہ کرام ان کے پڑھنے کیلئے آج بھی کمر بستہ ہیں تو وہ آپ کو اچھے ہی نہیں لگتے، اللہ تعالیٰ آپ کو روشنی دے عقل دے اسلامی فہم اور سمجھ دے ہم آپ کی فلاح اور بہبود کے قدردان اور طلبگار ہیں لیکن!

اے چشمِ اشکبار ذرا دیکھ تو سہی
یہ گھر جو بہہ رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

بہرحال بخاری شریف! الجامع الصحیح دین کی معتبر کتاب ہے۔ ۲۵۶ھ

میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا ہے اور ان سے بہت پہلے یہ کتاب مکمل کی ہے کیونکہ ان سے ان کی زندگی میں نوے ہزار شاگردوں نے بخاری شریف کی تعلیم حاصل کی ہے اوراور نسخے محفوظ کئے ہیں ۔اس وقت سے قیامت تک اس کتاب کی علمی درسگاہوں میں اور عمل میں اللہ تعالیٰ نے لاج قائم فرمائی ہے۔ بخاری شریف کا نام سنتے ہی خاص وعام خوش ہوجاتے ہیں یہ بہترین حدیث کی کتاب ہے بخاری شریف ہمارے مذہب کی بڑی اور منتہی کتاب ہے اسی مقصد اور غرض صالح کیلئے یہ درس قائم ہوتا ہے اس درس میں ہم اپنے دوستوں کو اپنے مخلصین کو تھوڑی دیر کیلئے دنیاوی کاموں سے کچھ فرصت مانگ کر یہاں بٹھاتے ہیں، کہ آپ آئیں اور دینی مدرسے کے طلباء کی سرپرستی کریں اور وہ کرتے ہیں ۔اور یہ کہتے ہیں کہ! جی کون ان کو پیسے دیتے ہیں واہ بھائی واہ! خودنہیں دیتے اوروں کو بھی روک رہے ہیں۔ انگریز نے ایک سوستر سال حکومت کی اپنے خیال سے اس نے اسلام اور مدرسوں کو ختم کیا ہے لیکن نتیجتاً ان کو ختم ہونا پڑا، بوریہ بستر باندھ کر یہاں سے جانا پڑا۔

حکمرانوں کے لئے لمحۂ فکریہ

مدارس کے ساتھ اچھا سلوک ہونا چاہئے۔ میں نے عمرہ سے واپسی پر نمازِ فجر کے بعد یہاں کے نمازیوں سے کہا کہ دنیا اسلام کا عظیم فرزند خادم الحرمین فہد بن عبدالعزیز فوت ہو چکے ہیں تو وہاں کعبہ اور مسجد نبوی کے آئمہ حضرات نماز پڑھاتے پڑھاتے رونے لگتے ہیں اور جمعے کے خطبے دیتے ہیں تو زاروقطار روتے ہیں کیونکہ وہ دین کا سالار تھا اوراس نے حرمین شریفین اوراسلام کی ایسی خدمت کی ہے جو آفتاب ومہتاب سے زیادہ واضح اور روشن

ہے۔ وہ مر چکے ہیں اور دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں لیکن ان کو خیر سے یاد کیا جاتا ہے۔ تو میں نے کہا کہ ہمارے زمانے کے گل رنگین حکمران بھی ذرا سوچ لیں کہ یہ جب مریں گے تو ہم انکو کس طرح یاد کریں گے ؟

اب کہتے ہیں کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز باہر نہیں جانی چاہئے اور اس پر بھی پابندی ہے، طلباء کو آپ داخل نہ کریں اس پر بھی پابندی ہے، ان کی تعداد کم کر لیں اور باہر والوں کو تو یہاں آنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، جو آ چکے ہیں وہ بھی چلے جائیں، مسجد اور مدرسے بغیر اجازت کے نہ بنائے جائیں، میں ان سے پوچھتا ہوں کہ یہ جو شراب خانے بن رہے ہیں ان پر کونسی پابندی لگی ہے؟ اور قتل کی جو آماجگاہیں قائم ہو چکی ہیں ان کا آپ نے کونسا سروے کیا ہے؟ کب تلاشی لی ہے؟ کچھ سوچنا چاہئے آپ کی کونسی چیز یاد کی جائے گی؟

بارِ دنیا میں رہیں غمزدہ یا شاد رہیں
ایسا کچھ کر کے چلیں تا کہ بہت یاد رہیں

اللہ بزرگ و برتر ان سب کو عقل سلیم اور دین کے سمجھنے کیلئے فہم و فراست عطا فرمائے ہم اس فکر اور خطرے سے غافل نہیں ہیں کہ اہل مغرب ہمارے ملک کو یا اسلامی ملکوں کو نشانہ بنا رہا ہے ہمیں تکلیف ہے اس پر ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ مغرب والوں کی توجہ دوسری طرف پھیر دے اور ان کی ٹیکنالوجی اور ایٹم کو اللہ تعالیٰ خود ان کی تباہی کا سبب بنائے (آمین)۔

اگر آپ اسلام کیلئے مخلص ہیں اور دین اسلام اور ملک کیلئے واقعی اخلاص سے پیش آتے ہیں تو ہم گناہگار اور فقراء کی دعائیں شامل حال رہیں گی، لیکن دعاؤں کا مستحق بننا

ضروری ہے۔

دینِ اسلام کی مخالفت کرنے والے ہر دور میں موجود رہے ہیں

امام بخاری رحمہ اللہ کے زمانے میں بھی ایسے لوگ تھے جو دین کو نقصان پہنچاتے تھے وہ بہت سارے تھے یہ کوئی نئی بات نہیں کہ آج امریکہ اور برطانیہ ہمیں تنگ کرنے لگے ہیں یہ کفار کی بہت قدیم روایت ہے ان تنگیوں ہی سے نکل کر اسلام ہر سمت، چار دانگِ عالم میں پھیلا ہے، اور پھیلتا رہے گا۔

خوارج ایک جماعت تھی جو بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بدزبانی کرتی تھی، معتزلہ ایک فرقہ تھا وہ عقل کو زیادہ ترجیح دیتا تھا اور دین کو کم، جہمیہ ایک فرقہ تھا اور ان کا بڑا جہم بن صفوان تھا اور بڑے عجیب وغریب اخلاق اور نظریات رکھتا تھا جو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے فتوے سے اھواز میں جا کر قتل ہو گیا تھا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ جہمی فرقہ سب سے خطرناک ہے کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بہت محتاط مفتی اور فقیہ تھے جب انہوں نے بھی ان کو غلط کہا تو امام بخاری رحمہ اللہ نے بخاری شریف میں ایک مستقل عنوان اس سلسلے میں قائم کیا ہے

"کتاب الرد علیٰ الجهمية و غير هم التوحيد "

(بخاری ج۲ص۱۰۹۶)

پھر یہ کہ مسلمانوں کا اپنا پلیٹ فارم کیا ہوگا تو فرمایا کتــاب التــوحيد ،عقیدہ توحید مضبوط رکھو کسی غلط توحیدی کو دیکھ کر ایسا نہ ہو کہ آپ بھی بدعتی بن جائیں، نہیں ہم توحید کے ماننے

والے ہیں اور توحید پر فخر اور شکر کرتے ہیں۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

من شاخ بلند پر از میوۂ توحید

از راہ گزر سنگ زدن آر نہ داریم

فرماتے ہیں کہ توحید کے پھل سے لدا ہوا سرسبز درخت کو راستے سے گزرنے والے پتھر مارتے ہیں اس سے مجھے ڈر نہیں لگتا جب پروگرام مضبوط ہو اور عقیدہ محکم ہو تو پھر مضبوط عقیدے کیلئے آپ محنت کریں تو بڑا عنوان قائم کیا ہے ''الرد علیٰ الجھمیۃ'' اور چلتے چلتے پھر فرمایا کہ یہ معتزلہ جو عقل پرست بنے ہوئے ہیں، ان کی باتیں بھی کمزور ہیں۔

اسلامی عقیدہ ہے کہ دنیا میں جو اعمال کئے جاتے ہیں اگر وہ دین کے مطابق ہیں تو ان کو قیامت کے دن نیکیوں کے پلڑے میں تولا جائے گا، اور اگر وہ نیک اعمال نہیں ہیں تو پھر گناہوں کے پلڑے میں ڈلیں گے، اور آدمی کیلئے گناہوں کا وزن بنے گا، یہ قرآن کریم سے ثابت ہے۔

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقّ (سورۂ اعراف آیت ۸)

قیامت کے دن اعمال کا تولنا برحق ہے۔

معتزلہ کہتے تھے کہ نہیں اللہ تعالیٰ کو سب معلوم ہے وہ کیوں تولے اور کبھی کہتے تھے اگر تولنے کا ذکر بھی ہے تو اس سے مراد قیامِ عدل ہے، ان کی یہ باتیں صحیح نہیں تھیں، ائمہ اہلسنت نے اپنے اپنے زمانے میں انکا رد کیا۔ امام بخاریؒ بھی چونکہ اہلسنت کے جلیل القدر امام ہیں اسلئے انہوں نے بھی کتاب کے آخر میں ان کا رد کیا ہے۔

حدیث پر کلام کی ابتداء

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ

(سورۂ انبیاء آیت ۴۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ! ہم انصاف کے تراز و قیامت کے دن قائم کریں گے یعنی'' الموازين العادلات'' القسط صفت ہو جائے گی، اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہ منصوب بنزع الخافض ہے

''وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ ''میں القسط کو بعضوں نے مفعول له کہا ہے اور بعضوں نے دیگر تراکیب بھی کی ہیں ''ليوم القيامة'' میں لام توقیت کیلئے ہے ''ای لوقت يوم القيامة '' قیامت کے دن تراز و قائم ہوں گے۔

میزانِ عدل کی تحقیق

تراز و یا تو ہر عمل کا علیحدہ علیحدہ ہوگا تو یہ جمع کا صیغہ ہے، یا یہ کہ تفہیم کیلئے ہے، یعنی بہت بڑا میزان ہوگا، اور اس ایک تراز و سے سب کچھ تل جائے گا۔ احادیث میں اس کی بڑی تفصیل آئی ہے کہ اس کا ایک پلڑا نیکیوں کا ہے تو وہ بالکل سفید ہے ''کفة الحسنات من النور ،و كفة السيئات من الظلم '' اور گناہوں کا جو پلڑا ہے بالکل سیاہ ہو چکا ہے۔ظاہر ہے جس تراز و سے سونا اور جواہر تلیں گے وہ صاف رہیگا اور جس تراز و سے گندگی اور نجاست کو تولا جائے گا وہ میلا کچیلا ہوگا، اور وہ تراز و جو نیک اعمال کے تولنے کا

ہے وہ جنت کی سیدھ میں ہے اور وہ ترازو جو گناہوں کے تولنے کا ذریعہ ہے وہ پلڑا جہنم کی سیدھ میں ہے اور اس کو روکنے کیلئے با قاعدہ روکنے والا موجود ہے، اور ترازو عدل کا ہے اور حضرت آدم علیہ السلام وہاں موجود ہوں گے، یا عزرائیلؑ ہوں گے، یا جبرائیلؑ ہوں گے کئی روایتیں ہیں کہ کون ترازو استعمال کرے گا، اور علماء نے عجیب بات لکھی ہے کہ تینوں صحیح ہیں۔

آدم علیہ السلام اس لئے ہوں گے کہ ان کی اولاد پر مقدمات ہیں وہ فریق ہیں، اور جبرائیل علیہ السلام وکیل سرکار کے طور پر ہوں گے اللہ تعالیٰ کی طرف سے، اور عزرائیل علیہ السلام یا ملک الموت وہ جو تھانیدار کیس بناتا ہے وہ پھر اس محلکے کیساتھ عدالت میں پیش ہوتا ہے کہ یہ میں نے بنایا ہے۔

اعمال کو تولنے کی کیفیت کیا ہوگی

اعمال تلیں گے اور نیکیوں کا وزن ہوگا اور گناہوں کا وزن نہیں ہوگا، نیکیاں بھاری رہیں گی، کیونکہ وہ قیمتی ہیں اس کی مثال ایسی ہے جس طرح ایک نوٹ ہے سکہ رائج الوقت سو روپے کا آپ نے دوکاندار کو دیا اور اس نے کہا کہ بالکل صحیح ہے کیا چاہئے؟ یہ اس نوٹ کی اہمیت ہے لیکن اگر آپ اس کو ایک خوبصورت رنگ کا نقشہ دیں یا کوئی خوبصورت کاغذ دیں تو وہ کہے گا کہ اس کو چھوڑو یہ بیکار ہے اس سے پتنگ بنالو، اس سے کچھ بھی نہیں ملیگا یہ بے وزن ہے آپ نے ایک چھوٹا سا ذرہ نکالا اور سنہار نے کہا کہ یہ تو بہترین سونا ہے اور یہ دو تولے سے کم نہیں ہے اس کے اتنے پیسے بنتے ہیں پھر آپ نے بہت ساری مقدار میں لوہاد

کھایا اس نے کہا یہ زنگ آلودلوہا ہے بے کار ہے اسے پھینک دو کباڑیا بھی اس کو نہیں لیگا۔

تو حسنہ کا وزن ہے اور سیئہ کا وزن نہیں ہوتا وہ تو بے وزن چیز ہے دنیا میں بھی ہم دیکھتے ہیں آدمی کہتا ہے یہ میرا بیٹا ہے اس نے قرآن حفظ کیا ہے یہ علم حاصل کررہا ہے یہ کہتا ہے نا! کوئی یوں تو نہیں کہتا یہ میرا بیٹا ہے اس نے چار چوریاں کی ہیں چھ دس اور بھی کریگا ایسا کوئی باپ تعارف کراتا ہے اس کو دیکھ کر شرماتا ہے یہ نہ ہوتا تو اچھا ہوتا، تو دنیا کے اندر بھی نیک اعمال قیمتی ہیں وزن دار ہیں اور برائیاں شرم کی باعث ہیں۔

'وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ '' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہم قیامت کے دن انصاف کے ترازو قائم کریں گے۔وان اعمال بنی آدم وقولهم يوزن اور بے شک اعمال بنی آدم اور انکے قول تولے جائیں گے۔اعمال ہاتھ سے بھی ہوتے ہیں، پیروں سے بھی ہوتے ہیں آنکھ اور ناک سے بھی ہوتے ہیں کسی کو ناک ایسی کر و کسی کو آنکھوں سے غلط اشارے کرنا،لیکن قول صرف زبان سے ہوتا ہے تو ایک کو جمع لے آئے اور ایک کو مفرد اگر چہ بخاری کے بعض نسخوں میں قولھم کی جگہ اقوالھم بھی ہے۔

''**وقال مجاهد**'' ، مجاھد بن جبر رحمہ اللہ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں تیس (۳۰) مرتبہ ان سے قرآن کا علم حاصل کیا ہے اور چونکہ استاد کے ساتھ بہت دیر تک رہے ہیں تو ملازم مع الشیخ صحبت کثیرہ کیساتھ محدثین کے یہاں زیادہ متقن ہوتا ہے تفسیر میں بھی وہ معتبر ہیں ویسے بھی مجاہد کا نام مبارک ہے جہاد سے ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو موت سجدے کی حالت میں دی ۱۰۱ھ ، ۱۰۲ھ، ۱۰۳ھ، ۱۰۴ھ میں مجاہد بن جبر رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

وزن اعمال کی یہ آیت ایک جگہ ''وزنوا بالقسطاس المستقیم'' (سورۃ شعراء آیت ۱۸۲) ہے یعنی وزن کا صیغہ آیا ہے امام بخاریؒ بھی اسی مناسبت سے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوئے ہیں۔

لفظ قِسطاس کی تحقیق

توامام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ جو قسطاس کا لفظ ہے بمعنیٰ ترازو اورسیدھا پن ہے یہ العدل کو کہتے ہیں برابری اور مساوات کو۔''وزنوا بالقسطاس المستقیم'' یعنی ایسے ترازو سے ناپو اور تولو جو ٹھیک اور صحیح ہو رومی زبان کے اندر یہ مساوات اور برابری کو کہتے ہیں ۔گویا ایسے الفاظ کا بھی قرآن کریم میں استعمال ہے جو عجمہ ہیں ''والمسئلة الاختلافية فی السلف'' ۔ '' ویقال القسط مصدر المقسط'' کہتے ہیں کہ قسط بھی مقسط کا مصدر ہے یعنی محذوف الزوائد ،اصل کو دیکھ کرو ورنہ تو مقسط ''اقسط یقسط'' سے ہے اوراس کا مصدر اقساط آتا ہے قِسط یا قَسط نہیں آتا لیکن اصل صیغہ تو قسط کا ہے اس سے اضافہ ہوکر کے اقسط یقسط بن گیا،وھو العادل ''جب یہ اَقْسَطَ یُقْسِطُ سے ہوتو اس کا معنیٰ ہے انصاف کرنے والا۔اوراگر یہ قَسَطَ سے ہوتو قاسط بمعنیٰ ظالم کے ہوگا '' واما القاسط فھو الجائر'' ، قرآن کریم کی آیت ہے ''واما القٰسطون فکانوا لجھنم حطبا'' (سورۂ جن آیت ۱۵)قاسطون بمعنیٰ ظالمون اورجائرون کے ہے وہ ناپسندیدہ ہے،یعنی یہ ایک صیغہ ہے لیکن اس کے استعمال کا فرق ہے،اگر یہ مزید میں ہوتو یہ محمود ہے۔''ان اللہ یحب المقسطین'' (سورۂ

مائدہ آیت ۴۶)۔اور اگر یہ مزید سے ہٹایا جائے اور اصل صیغہ نکالا جائے تو پھر قاصد بمعنیٰ ظالم کے ہے۔ایسا ہوتا ہے جس طرح ”فلس“ پیسے کا ہونا اور افلاس پیسے کا نہ ہونا۔

سند کے راویوں کا تعارف

”وبہ قال حدثنا احمد بن اشکاب“ ، یہ امام بخاری رحمہ اللہ کے استاذ ہیں اور ”آخر من لقیہ بمصر“ ۲۱۷ھ یا ۲۱۹ھ میں امام بخاری رحمہ اللہ نے ان سے ملاقات کی ہے اور استفادہ کیا ہے اس نام کے اور لوگ بھی ہیں۔علی بن اشکاب، اور محمد بن اشکاب، لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ”لیس بینھم قرابة“ ان کی آپس میں کوئی رشتہ داری نہیں ہے، اتفاقی نام ہیں۔(فتح الباری ج ۱۳ ص ۶۶۲)

”قال حدثنا محمد بن فضیل“ بالاتفاق قوی ہیں ”عن عمارة بن القعقاع“ بالاتفاق ثقہ ہیں. عن ابی زرعہؒ مشہور حافظ و تابعی ہیں۔”یروی عن ابی ھریرةؓ“ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ قبیلہ دوس کے رہنے والے ہیں، یہ پہاڑوں میں رہتے تھے اور بعض لوگ ان قبیلوں سے بہت تنگ تھے۔

بخاری میں ہے کہ آپ ﷺ کی خدمت میں کہا گیا کہ ہم قبیلۂ دوس سے بہت تنگ ہیں، تو آپ نے کہا ”اللھم اھد دو ساو ائتنی بھم“ خدایا دوسیوں کو ہدایت دے اور ان کو میرے پاس لے آ۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ اسی قبیلہ کے سرخیل ہیں ۷ھ میں خیبر کے موقع پر مشرف باسلام ہوئے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آئے آخر میں ہیں لیکن نمبر سب سے لے گئے۔ہمارے پیغمبر علیہ السلام بھی تشریف لائے آخر میں لیکن درجات آپ کے

بہت عالی ہیں اور مقام آپ کا بہت بلند ہے۔ بہت سے بعد میں آنے والے بہت سارے اگلوں سے بڑھ جاتے ہیں یہ خدا کا فضل واحسان ہوتا ہے۔ طلباء عزیز کو اس میں ایک تلمیح ہے خوشخبری ہے اور مژدہ ہے کہ گویا آپ نے اس سال پڑھا اور فاضل ہو رہے ہیں لیکن انشاء اللہ۔ اللہ آپ کو پیچھے نہیں چھوڑے گا۔ اور جب وقت آئیگا تو اللہ آپ کو چاند اور سورج کی طرح جگمگا دیگا بشرطیکہ اپنے دین پر مضبوطی سے رہیں اور اپنے اللہ کو ہمیشہ راضی رکھتے رہیں اور اپنے نبی کی سنت پر مضبوطی سے قائم رہیں اور جو فکر اور زاویہ سوچ آپ نے اس درسگاہ کے اندر حاصل کیا ہے اس کی عزت و ناموس کا خیال رکھیں اللہ تعالیٰ آپ کو دونوں جہانوں میں سر بالا رکھے گا۔

تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ۷ھ میں مسلمان ہوئے اور تین یا ساڑھے تین سال مشکل سے ان کو ملے لیکن احادیث کا ایک بڑا ذخیرہ ان سے مروی ہے جس کی تعداد ''۵۳۷۴'' (پانچ ہزار تین سو چوہتر) ہے اور فرماتے ہیں کہ مجھ سے زیادہ حدیثیں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس تھیں تو وہ چھ یا سات ہزار ہونگی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی '۵۳۷۴' جو بدر الدین عینی رحمہ اللہ نے عمدۃ القاری شرح بخاری میں جمع کی ہیں وہ صحیح جمع ہیں۔

بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ وہ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ والا مجموعہ کہاں چلا گیا تو وہ ان کو بھی یاد تھا اور دوسروں کو بھی یاد تھا وہ اوروں کے ذریعے بیان ہو گیا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ جو احادیث ہیں وہ وہی ہیں۔ تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ لکھتے تھے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یاد کرتے تھے گویا دس بارہ ہزار کا

کل مجموعہ احادیث ہے اور وہ ان بزرگوں کو زمانۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں زبانی یاد ہو چکا تھا، دین ہر اعتبار سے اللہ تعالی نے قرن اول کے اندر محفوظ فرمایا ہے ابو ہریرہ پر بڑے دور گزرے ہیں فرماتے ہیں کہ ''ولدت یتیماً وھاجرت مسکیناً'' اور کبھی فرماتے کہ ''ونشأت مسکینا'' بڑی مسکنت اور غربتوں میں میں نے وقت گزارا ''وکنت غلاماًلبسریٰ بنت غزوان ''میں بسریٰ کے یہاں غلام تھا'' فزوجنی اللہ'' ایک وقت آ گیا کہ وہ عورت اللہ نے میرے نکاح میں دیدی۔ طلبہ کو بشارت ہے کہ نکاح کی زیادہ فکر میں نہ ہوں اللہ تعالیٰ عزت وشرف کے نکاح عطا کر دیگا۔ ویسے بھی دنیا کے بہت سے لوگ نکاحوں کے بارے میں پریشان ہیں بڑے قدر اور عزت کے گھروں میں ہمارے بہنیں اور بیٹیاں بیٹھی ہیں اللہ تعالی اس مبارک نشست میں ان کے لئے بھی نیک رشتے پیدا کرے، لیکن دین والوں کے لئے خوشخبری ہے کہ ان کے رشتے بہت آسان ہونگے اور بہت جلد اللہ تعالیٰ ان کو عزت اور پردے کے رشتے عطا فرمائیں گے۔ سب سے بڑا رشتہ دین کا ہے اس کی حفاظت کرو چھوٹے چھوٹے رشتے وقتی طور پر نصیب ہوتے رہیں گے مقصد سے غافل نہ ہوں، تو ابو ہریرہ ؓ فرمایا کرتے تھے کہ

فالحمدللہ الذی جعل الدین قواما و ابو ھریرۃ اماما

خدا کا شکر ہے جس نے دین کو عزت کا ذریعہ بنایا اور ابو ہریرہ کو مسلمانوں کا امام بنایا۔ ابو ہریرہ کو محدثین راوی الاسلام کہتے ہیں بعض کی رائے یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں آپ کا نام عبدالشمس تھا اسلام لانے کے بعد عبدالرحمٰن نام رکھا گیا۔ عبداللہ اور عبدالرحمٰن اللہ تعالیٰ کے یہاں پسندیدہ نام ہیں اور ابو ہریرہ آنحضرت ﷺ نے انکو کہا تھا کیونکہ یہ بلی

سے محبت کرتے تھے، پالتے تھے
،اس کا خیال رکھتے تھے کسی شاعر نے کہا ہے۔

لا تدعنی الا بیا عبدھا فانہ من اشرف اسمائی

کہتا ہے مجھے محبوب کا غلام کہہ کر پکارو یہ میرا بہترین نام ہے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک دفعہ ناراض ہوکر مسجد میں مٹی پر لیٹے تھے حضرت ﷺ تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ **قم یـا ابـا تراب** اٹھوا ے مٹی پر لیٹنے والے۔تو ابوتراب ان کی مستقل کنیت بن گئی۔تو وہ بہت خوش ہوتے تھے جب کوئی ابوتراب کہتا تھا۔اکابر اور بزرگوں کی طرف سے جواعزاز ،القاب ،اوصاف ملتے ہیں وہ فخر اور شکر کے ہوتے ہیں،صحیح طرح قدردانی کی جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے بہترین نتائج دونوں جہانوں میں نصیب فرماتے ہیں۔

حدیث مبارکہ کی تشریح

’’قال قال النبی ﷺ کلمتا ن حبیبتان الیٰ الرحمٰن‘‘

جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ دو کلمے ہیں جو بڑے پیارے ہیں رحمٰن کو حبیبتان بمعنیٰ محبوبتان کے ہے اس کا معنی یہ ہے کہ جو اس کو پڑھے گا وہ پیارا بنے گا۔ ’’ای محبوب قائلھما ،(علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے ارشادالساری میں نقل کیا ہے) ’’والقیت علیک محبة منی‘‘ محبت کسے کہتے ہیں اس گلی میں ہمارے ایک بزرگ شاعر بیٹھے ہیں وہ کہتے ہیں۔

محبت جو ان کی عطا ہوگئی یہ دنیا بھی جنت نما ہوگئی

محبت کا معنی محدثین نے کیا ہے الزیادة فی الخیر و البرکة ۔خیر اور برکت کے کاموں میں اضافہ ہونا علماء سے محبت ہو جاتی ہے تو لوگوں کی داڑھیاں چہروں پر آ جاتی ہیں گھروں میں پردہ آ جاتا ہے بچے دینی مدرسوں میں نکل جاتے ہیں جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں تھوڑی سی اور محبت بڑھ جاتی ہے تو اشراق اور چاشت اوابین ایام بیض کے روزے شروع ہو جاتے ہیں۔

لفظ رحمٰن میں بھی اللہ تعالیٰ کی محبت کی برکات ہیں جیسے ایک شخص کو آپ کہیں کہ آپ مجھے یہ چیز دیدیں آپ تو بڑے مہربان ہیں تو اس کا دل نرم ہو جائے گا ''کلمتان حبیبتان الی الرحمٰن خفیفتان علی اللسان ''اور بہت ہلکے پھلکے ہیں زبان پر یعنی کہنے میں بہت آسان ہیں مشکل نہیں ہے۔ثقیلتا ن فی المیزان ،اور بہت بھاری ہیں میزان کے ترازو میں۔قیمتی بات ہو اور مختصر سی ہو یہ نبی کا اعجاز ہے ۔

من قال لاالٰه الااللہ دخل الجنة ،جس کے پڑھنے سے سو دو سو سال کا کافر کفر سے چھوٹ کر اسلام میں آ جاتا ہے۔حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں'' لو لا کلمات اقولهن لجعلتنی الیهود حمارا'' کچھ کلمے ہیں جنہیں میں صبح شام پڑھتا ہوں وہ نہ پڑھتا تو یہود جادوگر جادو کے زور سے مجھے گدھا بنا دیتے۔

اعوذ بوجه اللہ العظیم الذی لیس شیء اعظم منه وبکلمات اللہ التامات التی لایجاوزهن برولافاجر وباسماء اللہ الحسنٰی کلها ماعلمت منها وما لم اعلم من شر ماخلق وبرأ وزرأ (مؤطا امام مالک ۷۲۳)اور'' اعوذ بکلمات اللہ التامة من کل شیطان و هامة ومن کل عین لامة '' آنحضرت ﷺ ان کلمات کو پڑھ کر

حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو دم کرتے تھے اور فرماتے تھے تمھارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اپنے بیٹے حضرت اسحٰق اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو ان سے دم کرتے تھے(ترمذی ج ۲ ص ۲۷)۔ایک کلمہ ہی ہوتا ہے جو ایک اجنبیہ کو ایک مسلمان کی بیوی بنا دیتا ہے، میں نے قبول کیا آپ نے قبول کیا۔اور ایک کلمہ ہی ہے جس نے عمر بھر کا تعلق ختم کر کے دونوں کو اجنبی کر دیا ''فلاتحل له من بعد حتیٰ تنکح زوجاًغیره'' (سورۂ بقرہ آیت ۲۳۰) اللہ فرماتے ہیں دو کے بعد تیسری دیدی تو اب یہ بیوی اس خاوند کے لئے حلال نہیں جب تک کسی اور سے شادی کر کے نہ آئے۔

''کلمتان حبیبتان الیٰ الرحمٰن'' دو کلمے ہیں بڑے پیارے ہیں اللہ رحمٰن کو اور ''خفیفتان علیٰ اللسان'' اور بہت ہلکے پھلکے ہیں زبان پر کہنے میں ''ثقیلتان فی المیزان'' ،اور بھاری ہونگے میزان کے ترازو میں اور وہ کلمے کونسے ہیں ''سبحان الله وبحمده سبحان اللهالعظیم ''لفظ ُسبحان ُاللہ کی پاکی کیلئے آتا ہے جیسے ''سبحان ربی العظیم'''' سبحان ربی الاعلیٰ''''سبحانک اللھم'' ''سبحان الذی اسریٰ بعبده''''وسبحان اللهحین تمسون وحین تصبحون'' علماءلکھتے ہیں اس کا عامل محذوف ہوتا ہے اسبح سبحان،اور پھر کلمہ تامہ ہے ضرورت نہیں رہیگی اس کی،سبحان اللہ یہ تنزیہ ہے تقدیس ہے کہ اللہ بے عیب ہے اللہ میں جہل نہیں، ظلم نہیں، یہ نہیں جتنے ہیں یہ سبحان سے سلب ہوجاتے ہیں ''وبحمده'' میں واو حالیہ ہے ''ای متلبساً بحمده'' اور اللہ کیلئے کمالات ثابت ہیں اور برکات ثابت ہیں ''تبارک الذی بیده الملک'' ''سبحان اللهالعظیم'' یہ تاکید مزید ہے ''سبحان الله'' میں اشارہ ہے عیوب کو ترک کرو

، گناہ سے پرہیز کرو، اس کو کہتے ہیں تخلیہ، تخلیہ اپنے آپ کو غلط چیزوں سے فارغ کرو خالی کرو و **بحمده** ، تحلیہ ہے، **حِلْیة حُلْیةً** زیورات سے آراستہ ہونا زیورات تب جچتے ہیں جب حسن ہو اور پہلے سے عیوب ختم ہوں۔ ضروری ہے کہ پہلے آپ کا چہرہ دھلا ہوا ہو جسم پاک صاف ہو تب جا کر قیمتی لباس اور خوشبو جچے گی اور زیب دیگی۔ تو پہلے فرمایا۔ **سبحا ن الله** یہ کلمہ کثرت سے پڑھنے والے کے گناہ ظلم وزیادتی عیوب وقبائح ختم ہو جاتے ہیں ، **سبحان** کا کلمہ اصل میں اعتراف عجز ہے بندے کی طرف سے **سبحان الله** کا کیا مطلب ہے کہ اللہ ہی کی قدرت کا کرشمہ ہے ورنہ میں نہیں کرسکتا ''**سبحان الذی اسریٰ بعبده**'' یہ خدا ہی کی قدرت تھی جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گئی کوئی اور نہیں کرسکتا تھا۔

حضرت یونس علیہ السلام نے دعا فرمائی "**لاالٰه الا انت سبحانک**'' خدایا تیری ذات پاک ہے کہ کوئی نبی بھی تجھ سے پوچھے بغیر باہر قدم رکھے ''**سبحان الله**'' میں خداوند تعالیٰ کی تسبیح وتقدیس اور تنزیہ ہے اور بندے کی طرف سے بھی اعتراف ہے کوتاہی وکمزوری کا،

بندہ ہما کہ از تقصیر خویش
عزر بدرگاہِ خدا آورد
ورنہ سزاوار خداوند یش
کس نتو اند کہ بجا آورد

اسی سے کمال انسان کو ملتا ہے کہ وہ اعتراف کرلے کہ خدا مجھ سے عبادت کا حق

ادا نہیں ہوا خدایا ہم نے بخاری شریف کے پڑھنے پڑھانے کا حق ادا نہیں کیا ہم سے بڑی کوتاہیاں اور کمزوریاں ہوئی ہیں ہمیں معاف فرما ''**سبحان الله العظیم**'' کیونکہ تو پاکیوں والا ہے اور کوتاہیوں کو معاف کرنا اللہ بزرگ برتر ہی کی شان اور کبریائی ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے آخر میں جو حدیث نقل کی یہ اس سے پہلے بھی ان کے دو استاذوں سے آئی ہے زھیر سے کتاب الدعوات میں اور قتیبہ سے ایمان ونذور میں لیکن بڑی عالی ترتیب کے ساتھ یہاں لے آئے آخری استاذ احمد بن اشکاب رحمہ اللہ سے۔

یہ ایک عظیم درس ایک مقتدر کتاب کا سبق ایک آخری جماعت جو علم میں مسلح ومزین ہورہی ہے ان کے سبق کے طور پر ایک کتاب کا درس مکمل ہورہا ہے تو سننے والے بیٹھنے والے سب اس انتظار میں ہیں کہ ہمیں ایک کنجی ملے ایک خزانہ ملے تو دنیا کے خزانے دنیا میں ختم ہوجاتے ہیں اور آخرت کا خزانہ ہمیشہ رہیگا تو ''**سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم**'' یہ اخروی خزانے ہیں کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ ''**سبحان الله نصف الميزان**'' ایک دفعہ سبحان اللہ کہنے سے میزان کا ترازو آدھا بھر جائے گا ''**والحمدلله تملئه**'' اور الحمدللہ پورا بھر دیگا ''**سبحان الله العظيم**'' سے اور بھی بھرنا شروع ہوجائے گا ہر شخص کی خواہش ہوتی ہے دلی آرزو ہوتی ہے کہ ایک عالم ایک بزرگ شیخ مرشد سے کوئی وظیفہ ملے وظیفہ اس مختصر عمل کو کہتے ہے جس کا فائدہ بہت زیادہ ہو اور کرنا آسان ہو اللہ تعالیٰ نے بھی ایک وظیفہ دیا اور وہ ہے استغفار۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيهِمْ

اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہیں دیگا حضرت آپ تشریف فرما ہوئے آپکے وجود کے

ساتھ عذاب جمع نہیں ہوگا۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (سورۂ انفال آیت ۳۳)

اور جب یہ استغفار کررہے ہوں تب بھی سزا نہیں دے رہا۔ پیغمبر اور نبوت کے برابر عمل ہے تو وہ استغفار ہے اور فرمایا "فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ" استغفار کرو گناہ معاف ہوجائیں گے۔ "اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا" اللہ تعالیٰ بارشیں برسادے گا "وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ" مدد کرے گا مال اور بیٹے دے کر "وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ" باغات دیگا "وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا"، نہرے جاری کردیگا۔ (نوح ۱۰ تا ۱۲)

یہ احسن المدارس، احسن المقاصد، احسن الدراسات، جامع مسجد امام ابو یوسف ، اور جامعہ مسجد محمد عثمان ، یہ کیا ہیں یہ سب کی سب انہار اور جنتیں ہیں اور علم کے سرسبز اور شاداب باغات ہیں اور خیر و برکت کے چشمے اور نہریں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے جاری اور ساری فرمائی ہیں اور طالبین علم جو دورہ حدیث میں شریک ہیں اور حاضرین مجلس جو درس حدیث کے احترام میں یہاں آئے ہیں ان کو بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جناب نبی کریم ﷺ کی طرف سے ایک وظیفہ دیدیا۔

"سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم"

یہ خوب پڑھا کرو۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فجر کی نماز پڑھائی اور گھر تشریف لائے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بیٹھی تھیں وظیفہ پڑھ رہی تھیں۔ حضرت تشریف لے گئے اور جب کافی دیر بعد واپس تشریف لائے تو دیکھا کہ وہ اسی طرح بیٹھی ہوئی ہیں تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا جویریہ کیا آپ اس وقت سے اب تک بیٹھی ہیں؟ کہا جی

تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں نے آپ کے بعد چار کلمات تین دفعہ پڑھے ہیں اور جب اس کا اجر تولا جائے گا تو جتنی دیر آپ نے ذکر کیا ہے وہ زیادہ نکلیں گے۔

سبحان اللہ وبحمدہ عدد خلقه ورضی نفسه وزنة عرشه ومداد کلماته (مسلم ج۲ص۳۵۰)

ابراہیم علیہ السلام نے شب معراج میں جناب نبی کریم ﷺ سے کہا امت کو میرا سلام کہیں اور ان کو کہیں کہ جنت میں بہت ساری زمین خالی پڑی ہوئی ہے اس میں بیج لگانے کی ضرورت ہے ''**سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم**'' پڑھا کریں جنت کے باغات میں اس سے درخت لگتے ہیں اس کے پڑھنے والے جب وہاں پہنچیں گے تو بے حساب لمبے لمبے نہ ختم ہونے والے باغات ہونگے حدیث میں ہے جو یہ چاہے کہ قیامت کے دن اس کو پورا اجر ملے اور پیمانہ بھر بھر کے ملے تو وہ مجلس کے اختتام پر سبحان اللہ پڑھے اور جو شخص یہ چاہے کہ مجلس اس پر وبال نہ بنے شرم اور گناہ کا باعث نہ بنے خیر اور برکت کا باعث بنے وہ مجلس کے آخر میں ''**سُبۡحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الۡعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ ۝ وَسَلٰمٌ عَلَی الۡمُرۡسَلِیۡنَ ۝ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ**'' (سورۂ صٰفٰت آیات ۱۸۰تا۱۸۲) پڑھ لیں۔

امام بخاریؒ بھی یہ حدیث ''**سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم**'' آخر میں لے آئے۔ الجامع الصحیح کا آغاز کیا تھا وحی سے کیونکہ بنیاد شریعت کی وحی ہے اور حدیث لائے تھے ''**انما الاعمال بالنیات**'' اعمال تب معتبر ہونگے جب نیت صالح اور نیک ہو تو جس عمل میں دینی نیت موجود ہو تو وہ عمل وزن دار بنے گا ''**ثقیلتان فی**

المیزان ''اس عمل میں اللہ کی توفیق شامل حال ہوگی ''خفیفتان علی اللسان'، جس عمل میں نیت صالح ہووہ عمل اللہ کو محبوب ہوگا ''کلمتان حبیبتان الی الرحمٰن ''مشہور ہے ''کلمتان حبیبتان'' بمع متعلقات کے یہ خبر مقدم ہے اور ''سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم'' یہ مبتدا مؤخر ہے اور درمیان میں متعلقات ہیں اور کہا ہے کہ کبھی خبر تشویقاً مقدم کی جاتی ہے جیسے کہتے ہیں۔

ثلاثة تشرق الدنیا ببھجتھا

شمس الضحیٰ و ابواسحٰق والقمر

بکیر کا شعر ہے اور محقق ابن ہمام رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ نہیں ترکیب سا ذج ہے۔ وہی مبتدا ہے اور یہ ہی خبر ہے اور مزید پیچیدگیوں کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالی کے فضل واحسان سے سبق مکمل ہوگیا ہے درس پورا ہوا اب یہ ہی طلباء جن کا درس حدیث مکمل ہوا ہے ان کے اساتذہ اور علماء کرام تشریف فرما ہیں۔ وہ انکے سروں پر علم سے فراغت پر فضیلت کی پگڑیاں باندھیں گے۔ سعودی عرب سے ہمارے بزرگ شیخ عمر جو حرم شریف کے قدیم سکان میں سے ہیں وہ وہاں سے اعزازاً اور تبرکاً ان کے لئے جبے بھیجتے ہیں وہ بھی انکو پہنائے جائیں گے تھوڑا سا وقت اس میں لگے گا پھر اس کے بعد دعا ہوگی یا درکھنا اصل اعزاز طلباء کا یہ منظر دیکھنا ہے اور اصل روح جو مجلس کی ہے وہ دعا ہے کہیں بدنصیبی نہ ہو اور دعا سے محرومی نہ ہو تسلی اور آرام سے بیٹھیں یہ اوقات یہ دن یہ گھڑیاں کبھی کبھی نصیب ہوتی ہیں بہت امید ہے کہ اللہ اس کو ہمارے لئے آپ کے لئے اور جملہ حاضرین وغائبین کیلئے رحمتوں اور نجات کا بہترین ذریعہ بنائے۔

ہمارے یہاں الحمدللہ دورہ حدیث کی ایک عظیم تعداد ہے انکی دستار بندی ہورہی ہے۔ تخصص کا انعقاد تو بہت پہلے سے ہے لیکن اس سال جو متخصصین ساتھی تھے تیس کے قریب ان میں سے انیس ساتھی سرفراز ثابت ہوئے جن کے وجود پر، تفقہ پر اور تخصص کی کوششوں پر ادارہ اور یہ عاجز اور یہ مشائخ اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں اور ان کے مستقبل کی خیر و عافیت کیلئے دعائیں کرتے ہیں انکی بھی دستار بندی ہوگی اور انکو بھی جبہ پہنایا جائے گا۔ انشاءاللہ۔ حفظ کے بھی پچپن طلبہ ہیں جو ہماری شاخوں میں تیار ہو چکے ہیں انشاءاللہ انکو بھی اعزازاً وشکراً منادیل دیے جائیں گے۔

تم بحمداللہ

مجموعۂ احسن الرسائل

جلد دوم

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا
مفتی محمد زر ولی خان صاحب دامت برکاتہم

احسنی کتب خانہ

بسم الله الرحمن الرحيم

کتاب کا نام .... مجموعہ رسائل (جلد دوم)

مصنف .... شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد زرولی خان صاحب

مرتب .... محمد ہمایوں مغل

ناشر .... جامعہ عربیہ احسن العلوم

کمپوزنگ .... دار التصنیف (جامعہ عربیہ احسن العلوم)

پروف ریڈنگ وحوالہ جات ...... علامہ سعید احمد قادری مدظلہ واراکین دار التصنیف

طباعت .... اول (۱۴۳۹ھ، ۲۰۱۷ء)

رسائل کی تعداد .... دس (۱۰)

ملنے کا پتہ

احسنی کتب خانہ جامعہ عربیہ احسن العلوم گلشن اقبال بلاک نمبر ۲ کراچی

مکتبہ عمر فاروق بالمقابل جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی

القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ نوشہرہ

مجموعہ

احسن الرسائل

شیخ الحدیث والتفسیر

حضرت مولانا مفتی محمد زرولی خان صاحب

علم کا رواں دریا اپنے مفتی صاحب ہیں
علم و فضل کا جنکے اک زمانہ قائل ہے
ان کا ہر رسالہ خود علم کا ہے اک مکتب
احسن الرسائل تو سید الرسائل ہے

سمیع صدیقی

فہرستِ مضامین

(۱) پگڑی سنتِ نبوی اور شعارِ اُمت	۷
(۲) مسئلہ اسبال الازار	۳۹
(۳) غزوات النبی ﷺ	٦۷
(۴) داڑھی کی شرعی حیثیت قرآن وحدیث کی روشنی میں	۱۱۳
(۵) احسن القرباة بمنع الزکوٰة الی السادات	۱٦۳
(٦) مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنے کی ممانعت	۲۲۵
(۷) پردہ کا شرعی حکم قرآن، حدیث وفقہ کی روشنی میں	۲۵۹
(۸) زکوٰة کے نوے (۹۰) مسائل	۲۸۱
(۹) بدعتیوں کے بارے میں دوٹوک فتویٰ	۲۹۳
(۱۰) تقریر ختم بخاری شریف	۳۲۱

بسم الله الرحمن الرحيم

رب اشرح لي صدري

ويسر لي أمري

پگڑی

سنتِ نبوی ﷺ اور شعارِ اُمت

بخدمت اقدس حضرت الاستاذ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا مفتی محمد زرولی خان صاحب دامت برکاتھم

ایک صاحبِ علم کے استفتاء بابت سنت عمامہ کے جواب میں محترم ومکرم حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتھم کی تحریر اور تحقیق نظر سے گزری۔ ''دوائے دل'' کتاب جو ''حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ'' کے ملفوظات وکمالات اشرف کے اقتباسات سے مرتب کیا گیا ہے، حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ سے ایک مسترشد نے سنت عمامہ کو از روئے حیاء، ترک کرنا پوچھا ہے جس پر حضرت حکیم الامت نے اس کے مقابلے میں تواضع اور اس کے ارکان میں سے بعض کو واجب کہہ کر عمامہ ترک کرنے کی اجازت دی ہے بتغیر یسیر اس پر محترم ومکرم حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے اول تو سنت عمامہ سے متعلق بہت ساری روایات کی تضعیف اور تجہیل کی، اور عمامہ کو سلسلہ نقشبندیہ کے یہاں باعث اہتمام فرمایا اس سلسلے میں کچھ خلجان ہے جس کے رفع کرنے کے لئے آپ کی طرف مراجعت ضروری سمجھتا ہوں۔

المستفتی

لیاقت علی شاہ امام وخطیب جامع مسجد درویشیہ

نرسری، کراچی

الجواب وباللہ التوفیق

آپ کے استفسار کے بعد متعلقہ استفتاء اور اس پر صادر شدہ فتویٰ ملاحظہ کیا اور وہ ملفوظ دوائے دل اور ملفوظات وکمالات اشرف دونوں میں موجود ہے، درحقیقت محترم ومکرم مفتی صاحب مدظلہ نے جو انداز شروع میں اختیار فرمایا اس سے یہ خلجان پیدا ہوتا ہے کہ شاید ایک بزرگ کے ملفوظ کا دفاع کیا جارہا ہے، اور سنت مستحبہ کو کمزور کر کے اس سے انحراف یا ترک کی ترغیب کی تقویت کی جارہی ہے۔ مجھے بھی بہت دیر تک ملال کی سی کیفیت رہی لیکن آگے چل کر جو خلجان آپ کو ہے اور ابتدائی حصہ تحریر سے جو ملال مجھے ہوا اس کو حضرت مولانا مدظلہ نے محسوس فرمایا ہے اور آخیر میں حکیم الامت کا یہ ارشاد اپنے ایک مسترشد کے احوال اور اصلاح تک محدود فرمایا ہے۔ البتہ جو کچھ بعد میں تحریر کیا گیا ہے اگر یہ فتویٰ کے شروع میں ہوتا تو خلجان اور ملال کی ضرورت نہیں تھی۔ احادیث بابت عمائم، صحاح، حسان اور ضعاف موضوعات تک ہیں۔ جس انداز سے تحریر میں رد وقدح کیا گیا ہے اس میں ایک پہلو بغیر کسی وجہ کے مجروح نظر آرہا ہے مثلاً عمائم کا وجود شرعاً مسلمہ ہے، امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے امام الحدیث،

"باب العمائم" (بخاری ج۲ ص۸۶۳ کتاب اللباس)

کا عنوان قائم کرچکے ہیں۔

بدر العینی شارح البخاری نے تحت الحدیث آنحضرت ﷺ سے سنیت نقل فرمائی ہے جسے بیشتر محدثین نے صحیح کہا ہے۔

"جاء رجل الی ابن عمر رضی الله عنه فقال یا ابا عبد الرحمن العمامة سنة؟ فقال نعم قال رسول الله ﷺ لعبد الرحمن بن عوف اذهب فاسدل علیک ثیابک والبس سلاحک ففعل ثم اتی النبی ﷺ فقبض ما سدل بنفسه ثم عممه فسدل من بین یدیه ومن خلفه . (عمدۃ القاری ج ۱۱ص ۳۰۷ باب العمائم)

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ ایک شخص آیا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اور پوچھا کہ اے ابوعبدالرحمٰن کیا عمامہ پہننا سنت ہے؟ تو حضرت نے فرمایا جی ہاں! "رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ جاؤ اپنے کپڑے کو اپنے اوپر لٹکاؤ اور اپنا ہتھیار لے لو پس وہ ایسا کر کے جناب نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے پھر حضرت نے بنفس نفیس خود اس سدل والے کپڑے کا عمامہ بنا کر حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف ﷺ کو باندھا اور ایک شملہ سامنے چھوڑا اور دوسرا پشت پر۔

آنحضرت ﷺ سے عمائم کے فضائل اور حکم دونوں ثابت ہیں جیسا کہ مندرجہ بالا روایت میں مذکور ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا عام معمول مبارک عمامہ باندھنے کا تھا آپ ﷺ کے ایک عمامہ کا نام سحاب تھا جو آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو باندھا تھا، آپ ﷺ کبھی صرف عمامہ باندھتے تھے اور اکثر ٹوپی پر باندھتے تھے اور صرف ٹوپی پہننا بھی ثابت ہے۔ (زاد المعاد ص ۱۳۵)

نیز شیخ الحدیث مولانا زکریا محدث سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ شرح شمائل میں فرماتے ہیں کہ عمامہ کا باندھنا سنتِ مستمرہ ہے۔ (شرح شمائل ص ۶۸)

نبی اکرم ﷺ سے عمامہ باندھنے کا حکم بھی منقول ہے چنانچہ علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حدیث نقل فرمائی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"فاعتموا فان العمائم سيماء الاسلام وهى الحاجز بين المسلمين والمشركين. (عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۳۰۸ باب العمائم کتاب اللباس)

فرمایا عمامہ باندھا کرو عمامہ اسلام کا نشان ہے اور مسلمان و کافر کے مابین فرق کرنے والا ہے۔

شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حدیث نقل فرمائی:

"اعتموا تزدادوا حلما" أخرجه الطبراني والترمذی

(فتح الباری ج ۱۱ ص ۴۴۸ باب العمائم کتاب اللباس)

یعنی عمامہ پہنا کرو بردباری میں بڑھ جاؤ گے۔

روایات سے معلوم ہوا کہ ابتداءً آپ نے تنہا ٹوپی اور پگڑی کو ناپسند فرمایا تھا اور مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان امتیاز کی غرض سے دونوں کا اجتماع کا حکم فرمایا۔ عمامہ اور رومال جو چہرے تک آجائے آپ ﷺ سے ثابت ہے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ہجرت والی روایت میں آپ ﷺ کی تشریف آوری کی جو کیفیت نقل کی گئی ہے وہ یہی ہے، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کا معمول پگڑی اور رومال باندھنا ہے۔

وقال انس عصب النبی ﷺ علی رأسه حاشية برد.

(بخاری ج ۲ ص ۸۶۴، باب التقنع، کتاب اللباس)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پیغمبر ﷺ نے اپنے سر مبارک پر چادر کا کنارہ باندھا ہے۔

شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے عصابہ اور تقنع کا فرق ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

فالتقنع تغطية الرأس والعصابة شد الخرقة على ما احاط بالعمامة.

(فتح الباری ج ۱۱ ص ۴۵۰)

"تقنع سر ڈھانپنے کو کہتے ہیں اور عصابہ رومال لپیٹنا عمامہ کی جگہ پر۔

پگڑی باندھنا ملائکہ کی خصلت ہے جیسا کہ روایات میں ظاہر ہے کہ ملائکہ غزوات میں شریک ہوتے تھے اور ان کے سروں پر پگڑیاں ہوتی تھیں۔

"عليكم بالعمائم فانها سيما الملائكة وارخوا لها خلف ظهوركم"

(کنز العمال ص ۳۰۶ ج ۱۵ حدیث ۴۱۱۴۰)

یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ فرماتے ہیں پگڑیوں کا لازمی اہتمام کرو، یہ ملائکہ کی خصلت ہے اور شملہ اپنی پشت پر چھوڑو۔

اور عمائم ٹوپی پر باندھا جائے کیونکہ مشرکین کی یہ عادت تھی کہ وہ عمائم بغیر ٹوپی کے باندھتے تھے تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ مشرکین کی مخالفت کرو۔

ایک روایت میں ہے کہ:

"لا تزال امتی علی الفطرة مالبسوا العمائم على القلانس"

(رواہ الدیلمی عن رکانۃ رضی اللہ عنہ، کنز العمال ج ۱۵ ص ۳۰۸ حدیث ۴۱۱۴۸)

میری اُمت تب تک فطرت (سلیمہ) میں رہے گی جب تک وہ ٹوپیوں پر پگڑیاں باندھتی رہے گی۔

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہے:

"العمامة على القلنسوة فصل ما بيننا وبين المشركين يعطى يوم القيٰمة بكل كورة يدورها على رأسه نورا"

(رواہ الباروردی عن رکانۃ رضی اللہ عنہ کنز العمال ج ۱۵ ص ۳۰۵)

جسکا مفہوم ہے کہ ٹوپی پر پگڑی باندھنا ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق کرتی ہے، قیامت کے دن اسے نور دیا جائیگا ہر کور کے بدلے جو اس نے اپنے سر پر گھمایا تھا۔

عمامہ کا شملہ دونوں کندھوں کے درمیان چھوڑ دے پشت کی جانب یہ قول راجح ہے۔

"وارسال ذنب العمامة بين الكتفين الى وسط الظهر كذا فى الكنز"

(فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۳۳۰ الباب التاسع فی اللبس ما یکرہ من ذٰلک وما لا یکرہ)

عمامہ کا شملہ دونوں کندھوں کے درمیان آدھی پیٹھ تک چھوڑنا مستحب ہے، کنز میں اسی طرح ہے۔

اور اکثر روایات میں جناب نبی کریم ﷺ کا عمل اسی طرح ثابت ہے اور امام ترمذی نے اس موضوع پر باب العمامۃ السوداء کے ضمن میں روایت نقل فرمائی ہے:

"عن ابن عمر قال كان النبى ﷺ اذا اعتم سدل عمامته بين كتفيه قال نافع وكان ابن عمر يسدل عمامته بين كتفيه."

(جامع ترمذی، ابواب اللباس ج ا ص ۲۰۷)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم ﷺ جب عمامہ پہنتے تو اسکا شملہ دونوں کندھوں کے درمیان چھوڑ دیتے نافع کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر بھی اپنا شملہ دونوں کندھوں کے درمیان چھوڑتے تھے۔

مگر بیان جواز کیلئے دائیں جانب شملہ چھوڑنا بھی ثابت ہے

"ویرخی لها من جانب الایمن نحو الاذن" (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۲۰)

پیغمبر ﷺ نے شملہ دائیں جانب کان کے پاس سے لٹکایا۔

بعض روایتوں میں جناب نبی کریم ﷺ کے عمامہ کے دو شملے چھوڑنے کا ذکر ہے، جن میں سے ایک شملہ آگے اور دوسرا پشت مبارک کی جانب ہوتا تھا۔

چنانچہ مجمع الزوائد ہی کی روایت ہے کہ

"اذا اعتم ارخی عمامته بین یدیه ومن خلفه"

(مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۲۰)

یعنی جب جناب نبی کریم ﷺ عمامہ کے شملے چھوڑتے ایک سامنے اور دوسرا پیچھے۔

شملہ کی مقدار بعضوں نے ایک بالشت اور بعضوں نے بیٹھنے کی جگہ تک لانبا چھوڑنے کو ترجیح دی ہے اور بعضوں نے نصف کمر تک کا قول کیا ہے۔

"واختلفوا فی مقدار ما ینبغی من ذنب العمامة منهم من قدر بشبر ومنهم من قال الی وسط الظهر ومنهم من قال الی موضع الجلوس کذا فی الذخیرة. (فتاویٰ ہندیہ ج ۵ ص ۳۳۰ باب التاسع فی اللبس ما

یکرہ من ذٰلک ومالا یکرہ)

حدیث مبارکہ میں شملہ کی مقدار چہار انگشت بھی آئی ہے (مجمع الزوائد ج۵ ص۱۲۰)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ ایک بالشت، یا اس سے کم اور کبھی ایک ہاتھ کی مقدار میں شملہ چھوڑتے تھے۔ (تحفۃ الاحوذی ج۳ ص۴۹)

اور امام نووی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ کے دو عمامے تھے ایک بڑا عمامہ بارہ ہاتھ کا اور چھوٹا سات ہاتھ کا تھا۔ (تحفۃ عن القاری ج۳ ص۴۹)

مگر حقیقت اور درست بات یہ ہے کہ عمامہ کی کوئی بھی خاص مقدار نبی ﷺ صحیح مرفوع اور صریح طور پر ثابت نہیں ہے، حاوی للفتاویٰ میں علامہ جلال الدین سیوطی" کا بیان ہے کہ:

واما مقدار العمامة الشريفة فلم يثبت فى حديث

(الحاوی للفتاویٰ ج۱ ص۷۳)

اور یہ بات کچھ تغیر کے ساتھ علامہ جزری رحمہ اللہ نے بھی فرمائی ہے۔

البتہ عمامہ کے فضائل کے سلسلے میں جو روایت نقل کی جاتی ہے کہ عمامہ کے ساتھ ایک نفل یا فرض نماز پڑھنا پچیس نمازوں کے برابر ہے یہ موضوع ہے۔

(تحفۃ الاحوذی ج۳ ص۵۱)

فقہاءِ کرام تین کپڑوں میں نماز مستحب لکھ چکے ہیں جیسا کہ بدائع الصنائع اور مجمع الانہر وغیرہ میں موجود ہے، اب اس کو غیر مقصودہ یا سنتِ عادیہ کہنا بُعد کی مصطلحات ہیں۔ اصل میں ایک مستحب پر حسنِ نیت سے اہتمام بھی مستحب کے درجہ میں باعثِ اجرو

ثواب ہے۔ زمانۂ حال میں بہت سارے علماء بلکہ اولیاء ہونے کے دعویدار سنت عمامہ کو اپنی شان اور گروہ کے ادب کے خلاف جانتے ہیں، ایسی صورت میں سلسلہ نقش بندیہ کے لوگ ہوں یا دوسرے سلاسل کے حضرات ہوں مسلمان کی حیثیت سے سنت کا احیاء باعثِ اجر وثواب ہے۔

امام العصر محدثِ کبیر آیت من آیات اللہ حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فیض الباری میں فتاویٰ امینیہ کے حوالے سے بغیر عمامہ کے صرف ٹوپی سے نماز پڑھنے کو مکروہ لکھا ہے آگے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی محدثانہ رائے اور اعدل الاقوال موجود ہیں۔ فتاویٰ امینیہ مخطوطہ صفحہ ۱۲۸ پر یہ عبارت موجود ہے جس کی وجہ عمر بھر عمامہ ترک کرنا اور موضوع اور ضعیف کے بہانے سنت مستحبہ ترک کرنا اور عوام کی طرح صرف جالی کی ٹوپی سے جمعہ اور عید تک پڑھنا پڑھانا جب عادت ہو جائے تو ان کی اصلاح کے لئے فتاویٰ امینیہ کا جزیہ اور حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا نفسِ نقل کافی ہے۔

اس سلسلے میں ہمارے دار الافتاء کی طرف سے ایک تحریر بابت تحقیق عمامہ ملاحظہ ہو۔

(۱) عمامہ سنت ہے اور مرد کی زینت ہے عمامہ ترک کرنا نامناسب عمل ہے عمامہ میں انسان کا وقار اور عزت ہے عمامہ سنت لباس ہے اور نماز میں عمامہ باندھنا مستحب ہے۔

وروی الدیلمی عن ابن عباس بلفظ العمائم تیجان العرب فاذا وضعوا العمائم وضعوا اعزهم

(مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۸ ص ۱۴۷ کتاب اللباس)

امام دیلمی رحمہ اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ نقل فرماتے ہیں کہ عمائم

عرب کے تاج ہیں جب انہوں نے عمائم کو ترک کیا؛ اپنی عزت کو بھی ترک کردیا۔

عن عبد السلام قلت لا بن عمر کیف کان یعتم رسول اللہ ﷺ قال یدیر کور العمامة علیٰ راسه ویغرزه من ورائه (قال نافع وکان ابن عمر یفعل ذالک) یعنی انه سنة مؤکدة محفوظة لم یرض الصلحاء ترکها. (شرح المناوی مع جمع الوسائل ج۱ص۲۰۶)

عبدالسلام سے منقول ہے کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ جناب نبی کریم ﷺ عمامہ کیسے باندھتے تھے تو فرمایا کہ حضرت عمامہ کا کورا اپنے سر مبارک پر گھماتے تھے اور اسکا آخری حصہ پشت کی جانب چھوڑتے تھے (امام نافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ایسا کر کے دکھا رہے تھے) مطلب یہ کہ عمامہ سنت مؤکدہ محفوظہ ہے صلحاء امت اسکو ترک کرنے پر کبھی بھی رضامند نہیں۔

والمستحب ان یصلی الرجل فی ثلاثة اثواب قمیص وازار وعمامة

(البحر الرائق ج۲ص۴۴، حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح ص۳۴۹،
فتاویٰ تاتارخانیہ ج۲ص۲۰۳ مطبوعہ کوئٹہ)

اور مستحب ہے کہ مرد تین کپڑوں میں نماز پڑھے قمیص، ازار، اور عمامہ۔

اسی طرح دوسری کتب میں بھی ہے۔

(۲) پگڑی کی مقدار اگرچہ صحیح احادیث سے ثابت نہیں ہے البتہ مرقات جمع الوسائل شرح المناوی میں سات، بارہ گز مذکور ہے اور ضیاء القلوب میں سات، آٹھ، بارہ، چودہ اور پندرہ گز مذکور ہے اور امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے

سات، بارہ اور تین گز لکھا ہے

قال الشیخ شمس الدین الجزری تتبعت قدر عمامة النبی ﷺ فتبین من کلام الشیخ محی الدین النووی انها کانت علی انحاء ثلاثة اذرع وسبعة واثنتی عشر من الذراع الشرعی وهو النصف من ذراعنا وتلک الاخیرة کانت للعیدین.

(فیض الباری ج ۴ ص ۳۷۵ کتاب اللباس)

علامہ شمس الدین جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب نبی کریم ﷺ کے عمامہ کی لمبائی کی مقدار کے بارے میں بہت غور وفکر کی؛ جسکے بعد امام نووی شیخ محی الدین رحمہ اللہ کا کلام مجھ پر واضح ہوا کہ عمامہ کی مقدار تین، سات اور بار گز شرعی ہے جو کہ ہمارے گز کا آدھا ہے، اور بار گز آخری حد ہے، جسے پیغمبر ﷺ عیدین کیلئے پہنتے تھے۔

اس لئے ہم بے علم لوگوں کے لئے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی بات قابل عمل اور قابل اعتماد ہے لہٰذا اب تین مقداروں میں سے کسی بھی مقدار پر کوئی عمل کرے تو سنت ادا ہوگئی۔

(۳) عمامہ میں مکمل ٹوپی چھپانا سنت نہیں ہے نفس جواز ہے ٹوپی کا کچھ حصہ چھپانا کافی ہے اس سے سنت ادا ہوگی۔

(۴) عمامہ محض ٹوپی کے ارد گرد اس طرح باندھنا کہ ٹوپی اوپر سے مکمل خالی رہے یہ عمل درست اور جائز ہے اس میں کوئی قباحت نہیں ہے اور ٹوپی مکمل چھپانے کا کوئی ثبوت نہیں ہے علماء کرام کا عمل بھی یہی ہے کہ ان کی ٹوپی اوپر سے عمامہ سے خالی ہوتی ہے اگر چہ زمانہ

حال کے بعض دارالافتاؤں سے یہ فتویٰ شائع ہوا ہے کہ ٹوپی کو مکمل چھپانا مستحب ہے اور اس دلیل کو مزید قوت دینے کیلئے طحطاوی علی المراقی کی عبارت پیش کی گئی ہے وہ عبارت یہ ہے۔

والمراد انه مکشوف عن العمامة لامکشوف اصلاً لانه فعل مالا یفعل

(طحطاوی علی المراقی ص ۳۵۰)

لیکن ان کا یہ طریقہ استدلال درست نہیں ہے کیونکہ اول تو اعتجار کی متفقہ تعریف وہ نہیں ہے جو عام کتب میں ہے کہ پگڑی سر پر اس طرح باندھنا کہ اوپر والا حصہ خالی رہے بلکہ اعتجار کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں ایک تعریف یہ ہے کہ عمامہ کے ذریعے منہ چھپانا یہ تعریف بخاری شریف سے ثابت ہے چنانچہ عبیداللہ بن عدی جب حضرت وحشی کے پاس گیا تو اس وقت عبیداللہ کا منہ عمامہ کے ذریعے چھپا ہوا تھا

قال وعبید الله معتجر بعمامته ما یری وحشی الا عینیه ورجلیه ..الخ	(بخاری شریف ج ۲ ص ۵۸۳)

فرمایا عبیداللہ اپنے عمامہ میں ڈھکا ہوا تھا حضرت وحشی نے صرف اسکی آنکھیں اور پیر دیکھے۔

قوله (معتجر) ای لا ف عما مته علی راسه من غیر تحنیک.

(فتح الباری ج ۸ ص ۱۱۷، عمدۃ القاری ج ۹ ص ۱۵۸ باب قتل حمزہ)

یعنی معتجر کا مطلب ہے کہ پگڑی کو اپنا سر ڈھانکے بغیر لپیٹنا۔ (یعنی ٹوپی کے بغیر)

دوسری تعریف یہ ہے کہ عمامہ کا کچھ حصہ سر پر باندھنا اور کچھ حصہ بدن پر باندھنا چنانچہ فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے۔

وقال بعضهم ان يشد بعض العما مة على راسه والبعض على بد نه

(فتاویٰ تاتارخانیہ قدیم ج ا ص ۵۶۱، جدید ج ۲ ص ۲۰۰ **الفصل الرابع فی بیان ما یکره للمصلی ان یفعل فی صلاته وما لا یکره**)

تیسری تعریف وہی ہے جو عام کتب میں ہے یعنی عمامہ سر پر اس طرح باندھنا کہ سر کا اوپر والا حصہ خالی رہے چنانچہ فتح القدیر میں ہے۔

ویکره الاعتجا ر ان یلف العما مة حو ل راسه وید ع وسطها کما تفعله الدعرة (فتح القدیر ج ا ص ۳۵۹)

یعنی اعتجار مکروہ ہے وہ یہ کہ پگڑی اپنے سر کے اردگرد لپیٹنا اور درمیان کی جگہ خالی چھوڑنا (ٹوپی نہ پہننا) جیسے بدمعاش لوگ کرتے ہیں۔

کفایہ میں ہے

ویکره الاعتجا رو هو ان یشد العما مة حول راسه ویبد ی ها مته کما یفعله الشطا ر (کفایۃ مع فتح القدیر ج ا ص ۳۶۰)

اس عبارت میں مزید اضافہ یہ بھی ہے کہ اپنی کھوپڑی کھلی چھوڑ دے بدمعاشوں کی طرح۔

اور اسی طرح مواہب اللدنیہ میں ہے:

وسنة العمامة بعد فعلها ان یرخی طرفها ویتحنک به فان کانت بغیر طرف ولا تحنیک فذلک یکره عند العلماء واختلف فی وجه الکراهة فقیل لمخالفة السنة فیها وقیل لانها کذلک عمائم

الشياطين. (مواہب اللدنیہ ج ۲ ص ۴۳۵)

کہ عمامہ کی سنت اس کو لپیٹنے کے بعد یہ ہے کہ اس کا شملہ چھوڑ دے اور ٹوپی پر عمامہ لپیٹے اگر اس نے یہ دونوں کام نہ کیے تو علماء اس کو بدنما گردانتے ہیں اور اس کی دو قول ہیں ایک تو یہ کہ سنت کی خلاف ورزی ہے دوسرے یہ کہ یہ شیاطین کی پگڑیاں ہیں۔ اور شیاطین جیسی پگڑیاں یا تو سکھ باندھتے ہیں یا روافض اس لئے اس انداز سے پگڑی باندھنا دنیا و آخرت کی تباہی کا باعث ہے۔

اور ان کے علاوہ اس جیسی ملتی جلتی عبارات البحر الرائق، النہر الفائق، محیط برہانی، حلبی کبیر، مراقی الفلاح، مبسوط للسرخسی، فتاویٰ تاتارخانیہ، فتاویٰ عالمگیری، ردالمحتار اور دیگر کتب فقہ میں بھی ہیں سب کا حاصل اور مفہوم ایک ہی ہے۔ دوم یہ کہ اگر یہ بات مان لی جائے کہ اعتجار کا معنی یہی ہے کہ عمامہ سر پر اس طرح باندھنا کہ سر کا اوپر والا حصہ یعنی کھوپڑی خالی رہے تو اس سے مراد بھی بغیر ٹوپی کے ہے یعنی بغیر ٹوپی کے عمامہ باندھنا اور اوپر سے سر ننگا رہے جیسا کہ مشاہدہ ہے کہ بعض بوڑھوں اور بدمعاش لوگوں کی عادت ہے کہ وہ بغیر ٹوپی کے عمامہ باندھتے ہیں اور اوپر سے سر بالکل ننگا رہتا ہے بال نظر آرہے ہوتے ہیں اور بعض دیہاتوں میں بھی زمیندار اور مزدوروں کی بھی یہی عادت ہے یعنی ٹوپی کے بغیر عمامہ باندھتے ہیں اور اوپر سے بال ظاہر ہوتے ہیں اور مذکورہ فتح القدیر کی عبارت میں **كما تفعله الدعرة** اور کفایہ میں **كما يفعله الشطار** کے الفاظ ہیں مذکورہ دونوں عبارات میں **دعرہ** اور **شطار** کے معنی بدمعاش کے ہیں جب کسی معتبر کتاب میں یہ ذکر نہیں ہے کہ ٹوپی مکمل چھپانا مستحب ہے اور فقہاء کرام نے **ويكره الا عتجار** لکھا ہے

اس کا مطلب یہ ہے کہ بغیر ٹوپی کے عمامہ باندھنا جائز تو ہے لیکن سر کے بالوں کو اوپر سے عمامہ سے چھپانا ہوگا بالوں کا ظاہر ہونا مکروہ ہے اور بغیر ٹوپی کے عمامہ باندھنے کا ثبوت آپ ﷺ کا مبارک عمل ہے آپ ﷺ نے بغیر ٹوپی کے بھی عمامہ باندھا ہے چنانچہ مرقات میں ہے ملاحظہ فرمائیں۔

وروی عن ابن عبا س ان رسو ل اللہ ﷺ کان یلبس القلانس تحت العمائم ویلبس بغیر القلا نس ..الخ (مرقات ج۸ص۱۴۷)

البتہ دونوں استعمال کرنا یعنی ٹوپی پر عمامہ باندھنا افضل بلکہ مسنون ہے

وعن الجزری قال بعض العلماء السنة ان یلبس القلنسو ة و العما مة

(مرقات ج۸ص۱۴۷)

امام جزری سے منقول ہے کہ بعضے علماء فرماتے ہیں ٹوپی اور پگڑی معاً پہننا مسنون ہے

نعم الجمع بین الاحا دیث انها مع القلنسو ة افضل ..الخ

(مرقات ج۸ص۱۴۷)

تمام احادیث کے درمیان بہترین تطبیق یہ ہے کہ پگڑی، ٹوپی کے ساتھ پہننا افضل ہے۔

اور زادالمعاد میں ہے

وکا ن(ای النبی ﷺ) یلبس القلنسو ة بغیر عما مة ویلبس العمامة بغیر قلنسوة (زادالمعاد ج۱ص۱۳۵)

جناب نبی کریم ﷺ بغیر پگڑی کے ٹوپی پہنتے تھے اور بغیر ٹوپی کے پگڑی بھی۔

اور رہی عبارت اتحاف الربانیۃ کی وفیها نعلم ان الشعا ر الغا لب لرسول

اللہ ﷺ کا ن ھو تغطیۃ الراس با لعما مۃ اس عبارت کے کئی مطلب ہو سکتے ہیں۔

اول یہ کہ اس سے مراد بغیر ٹوپی کے عمامہ باندھنا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ بغیر ٹوپی کے عمامہ باندھنے کی صورت میں مکمل سر چھپانا پڑے گا۔

دوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ اکثر عمامہ باندھا کرتے تھے اور کبھی کبھی بغیر عمامہ کے صرف ٹوپی سر پر رکھتے تھے جیسا کہ مرقات اور زاد المعاد کی عبارت سے معلوم ہوا۔

سوم یہ بنابر جواز ہے یعنی ٹوپی کو اوپر سے مکمل چھپانا جائز ہے اور اس کا کوئی منکر نہیں ہے۔ چنانچہ بعض علماء کرام کا عمل بھی یہی ہے کہ مکمل ٹوپی چھپاتے ہیں اور اکثر علماء کرام ومشائخ عظام کا یہ عمل ہے کہ ان کی ٹوپی اوپر سے عمامہ سے خالی رہتی ہے اگر یہ عمل مکروہ ہوتا تو یہ نیکان زمانہ اس مکروہ فعل کے مرتکب نہ ہوتے باقی رہی طحطاوی کی عبارت جس میں ہے

وترک وسطها مکشو فاً... والمراد انه مکشوف عن العما مة لا مکشوف اصلا لا نه فعل ما لا یفعل، الخ (طحطاوی علی المراقی ص ۳۵۰)

جسکا مطلب ہے سر کا درمیانی حصہ کھلا چھوڑنا اور مراد اس سے پگڑی سے کھلا چھوڑنا ہے، ننگے سر رہنا نہیں ہے (یعنی ٹوپی پہننی ہے) اور یہ ایسا عمل ہے جو ہم نہیں کرتے۔

اس عبارت کے دو مطلب ہیں ایک تو یہی جو ترجمہ مذکور ہوا۔

اور دوسرا یہ کہ علامہ طحطاوی کی یہ اپنی ذاتی رائے ہے کیونکہ اوپر فتح القدیر اور کفایہ اور دیگر کتب کی عبارات سے معلوم ہوا کہ اعتجار سے مراد سر کا اوپر کا حصہ بغیر ٹوپی کے خالی

ہونا ہے اور بطور مثال کے دعرہ اور شطار کا عمل ذکر کیا گیا کہ وہ بغیر ٹوپی کے عمامہ باندھتے تھے اور سر کا اوپر کا حصہ بالکل ننگا ہوتا تھا اور زمانہ حال میں پنجاب اور سندھ بلوچستان کے بعض علاقوں میں بھی پایا جاتا ہے کہ وہ لوگ بغیر ٹوپی کے عمامہ یا اور کوئی رومال یا چادر سر پر باندھتے ہیں اوپر سے سر کے بال بالکل نظر آرہے ہوتے ہیں اس لئے محققین کی عبارات اور تعامل امت کے مقابلے میں طحطاوی کی عبارت مئول اور قابل غور ہے۔

(۵) شملہ کی زیادہ مقدار ایک ہاتھ ہے اور کم مقدار چار انگلی ہے اس سے کم یا زیادہ کرنا بہتر نہیں ہے اگر کوئی ایسا کرے تو خلاف اولیٰ کا مرتکب ہوگا گناہ گار نہیں ہوگا اور شملہ بالکل حد سے زیادہ طویل کرنا درست نہیں ہے یہاں تک کہ ضیاء القلوب میں اس کو بدعت لکھا ہے۔

واقل مقدار شملہ چہار انگشت است واکثر یک دست وتطویل متجاوز ازظہر بدعت است

(ضیاء القلوب مع خلاصۃ الفتاوی ج ۳ ص ۱۵۳)

اور شملہ کی کم از کم مقدار چار انگل ہے اور زیادہ سے زیادہ ایک ہاتھ کے بقدر اور بہت زیادہ لمبا شملہ بدعت ہے۔

افضل اور بہتر یہی ہے کہ عمامہ کا شملہ پشت کی جانب ہو اور دائیں طرف چھوڑنا بھی جائز ہے اور شملہ بائیں جانب چھوڑنا خلاف اولی وغیر افضل ہے یہاں تک کہ مسائل متفرقہ اور شرح المناوی میں اس کو روافض کا شعار لکھا ہے اور ضیاء القلوب میں اس کو بدعت لکھا ہے۔

ودرشملہ اختلاف است اکثر واغلب اوقات پس پشت انحضرت ﷺ بودے واحیانا بجانب راست وبرجانب چپ بدعت است۔ (ضیاء القلوب مع خلاصۃ الفتاوی ج ۳ ص ۱۵۲)

جناب نبی کریم ﷺ شملہ اکثر اوقات پشت کی جانب رکھتے تھے اور کبھی کبھار دائیں جانب جبکہ بائیں جانب شملہ چھوڑنا بدعت ہے۔

مسئلہ در ارشا دالطا لبین پنج مسئلہ از مو ضو عات روافض است یکی آنکہ شملہ دستا ر بجا نب چپ فرد ہشتن (مسائل متفرقہ مع خلاصہ الفتاوی ج ۲ ص ۱۸۵)

ارشاد الطالبین میں وہ پانچ مسائل جو روافض کے من گھڑت ہیں ان میں سے ایک شملہ کو بائیں جانب چھوڑنا بھی ہے۔

فھل المشروع فیه ارخا وھا من جا نب الا یسر کما ھو المعتا د او من الایمن لشر فه قال ولم ارما ید ل علی تعیین الایمن الا فی حد یث ابی اما مه عند الطبر انی لکنه ضعیف وبتقدیر ثبو ته فلعله یر خیھا من جا نب الایمن ثم یر دھا من الجا نب الایسر کما یفعله بعضھم الاانه صار شعا ر الا ما میه

(شرح المناوی ج ۱ ص ۲۰۷ مع جمع الوسائل)

(۷) مبتدعین کا کونسا عمل ہے جو سنت کے مطابق ہے کہ ان کی پگڑی سنت کے مطابق ہو ان کا ہر عمل سنت کے خلاف ہے۔

پگڑی سے متعلق ایک اہم فتوی

اسی سلسلے میں ایک اہم فتویٰ نظر سے گزرا مناسب جانا گیا کہ اسے بھی اس مضمون کے ساتھ نقل کردیا جائے، ملاحظہ فرمائیں۔

لباس انسانی زندگی کی اہم ترین ضرورت ہے۔ لباس انسان کی شخصیت، معاشرت، اس کے دین اور اخلاق پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔ انسان کی شخصیت سازی میں لباس کو اہم مقام حاصل ہے۔ اسلام کی مقدس تعلیمات نے انسانی زندگی کی راہنمائی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ لباس جیسی اہم ضرورت کے ضمن میں اسلامی تعلیمات و ہدایات بھرپور راہنمائی کرتی ہیں۔ معلم اعظم، رحمت عالم ﷺ نے لباس کے متعلق نہایت موزوں و معتدلانہ اور اصولی ہدایات تعلیم فرمائی ہیں اور خود بھی جو لباس زیب تن فرمایا وہ ستر پوشی کے علاوہ تجمل، وقار اور سادگی کا بے مثال نمونہ تھا۔

آنحضرت ﷺ کے لباس کا ایک اہم جزو عمامہ، پگڑی دستار بھی تھی، جو اسلامی تہذیب کا شاہکار اور اسلامی تشخص کو اجاگر کرتی تھی۔ آپ نے عمامہ کی اسلامی حیثیت اور انفرادیت کو برقرار رکھنے کے لئے قولاً و فعلاً بے حد مفید راہنمائی فرمائی۔ جس کی ایمان افروز جھلکیاں ہدیہ قارئین کی جاتی ہیں۔

عمامہ باندھنا سنت ہے

سرور عالم ﷺ ہمیشہ عمامہ باندھتے تھے اور مسلمانوں کو عمامہ باندھنے کا حکم بھی فرماتے تھے، اس لئے اسے سنت کا درجہ حاصل ہے۔ سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما

دریافت کیا گیا۔

''العمامة سنة قال نعم''(عمدۃ القاری ج۱۱ص۳۰۷ باب العمائم)

''کیا عمامہ باندھنا سنت ہے؟ فرمایا۔ جی ہاں''

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

''فاعتموا فان العمائم سیماء الاسلام وهی الحاجر بین المسلمین والمشرکین''(عمدۃ القاری ج۱۱ص۳۰۷ باب العمائم)

''عمامہ باندھا کرو۔ عمامہ اسلام کی عظمت کا نشان ہے اور مسلمان اور مشرک کے درمیان امتیاز کرنے والا ہے''

''اعتموا تزدادو احلما''(فتح الباری ج۱۱، ص۴۴۸)

عمامہ باندھا کرو اس سے حلم بڑھے گا

''العمامة سنة لا سیما للصلوٰة بقصد التجمل''(مواہب ص۹۹)

''عمامہ باندھنا سنت ہے، خاص طور پر نماز کے لئے اور تجمل یعنی خوبصورتی کے ارادہ سے''

تاج عرب

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

''عمامہ عربوں کا تاج ہے''(عمدۃ القاری جز۱۱،ص۳۰۷،مرقات ج۸ص۱۴۷)

عمامہ نبوی ﷺ

عمرو بن حریث عن ابیه قال کانی انظر الی رسول اللہ ﷺ علی المنبر وعلیه عمامة سوداء قد ارخیٰ طرفیها بین کتفیه.(صحیح مسلم ج۱ص۴۴۰)

حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں وہ (خوشنما اور پروقار) منظر اب بھی میرے سامنے ہے کہ آنحضرت ﷺ منبر پر تشریف فرما خطبہ دے رہے تھے اور سیاہ عمامہ آپ ﷺ کے سر اقدس پر تھا، اس کا شملہ آپ کے دونوں شانوں کے درمیان تھا۔

عن جابر ان النبی ﷺ دخل عام الفتح مکة وعلیه عمامة سوداء

(ابوداؤد ج ۲، ص ۲۰۹)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ فتح مکہ کے موقع پر شہر میں داخل ہوئے تو آپ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا۔

ملائکہ کا عمامہ

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے تو وہ سیاہ عمامہ پہنے ہوئے تھے۔ (مجمع الزوائد ج ۵، ص ۱۴۷)

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ نے بدر و حنین میں میری اعانت ایسے ملائکہ سے کی جو عمامہ باندھے ہوئے تھے۔ (کنز العمال ج ۱۵ ص ۳۰۶)

جمعہ کے دن عمامہ کی فضیلت

حضرت ابو داؤد رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ اللہ پاک اور اس کے فرشتے جمعہ کے دن عمامہ باندھنے والوں پر دعاء رحمت کرتے ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۵، ص ۱۲۴)

علامہ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ عمامہ باندھ کر نماز پڑھنے کا اجر پچیس نمازوں کے برابر اور جمعہ کی ادائیگی

عمامہ کے ساتھ ستر (۷۰) جمعوں کے برابر ہے۔ (کنز العمال ج ۱۵ ص ۳۰۶)

عمامہ باندھنے کا طریقہ

صاحب مدخل فرماتے ہیں کہ عمامہ کھڑے ہوکر اور پاجامہ بیٹھ کر پہننا چاہئے۔

(جمع الوسائل ج ۱ ص ۲۰۸)

اس کے برخلاف عمامہ بیٹھ کر باندھنا اور پاجامہ کھڑے ہوکر پہننا نسیان اور فقر پیدا کرتا ہے۔ (زرقانی ج ۵، ص ۴ بحوالہ شمائل کبریٰ)

امت کا اکرام

حضرت خالد بن معدان رحمۃ اللہ علیہ سے مرسلا روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس امت کا اکرام عمامہ کے ذریعے کیا ہے۔

عمامہ باعث وقار ہے

عن عمران بن حصين العمائم وقار للمؤمن وعز للعرب فاذا وضعت العرب عمائمها وضعت عزها

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: کہ عمامہ مومن کا وقار ہے اور عربوں کی عزت ہے جب انہوں نے عمامہ ترک کیا تو اپنی عزت کھودی۔

(کنز العمال ج ۱۵، ص ۳۰۸ حدیث ۴۱۱۴۷)

سفر و حضر کا عمامہ

آپ ﷺ سفر میں سفید اور حضر میں عموماً سیاہ عمامہ باندھتے تھے۔ (مواہب اللدنیہ)

دوسروں کو عمامہ باندھنا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو عمامہ باندھا اور چار انگل کے برابر شملہ چھوڑ دیا۔ (سیرت خیر العباد ج ۷، ص ۴۳۴)

عمامہ اسلام کا شعار ہے

نبی کریم ﷺ نے غدیر خم کے دن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بلایا اور عمامہ باندھا اور اور اس کا شملہ پیچھے چھوڑ دیا اور فرمایا کہ اس طرح عمامہ باندھو۔ عمامہ خاص کر کے اسلام کی نشانی ہے۔ یہ مسلمان اور کافروں کے درمیان باعث امتیاز ہے۔ اور دوسری روایت میں آپ نے فرمایا بدر اور حنین میں میری مدد کے لئے جو فرشتے بھیجے گئے تھے ان سب نے عمامے باندھے ہوئے تھے۔ (کنز العمال ج ۱۵، ص ۴۸۲، ۴۸۳)

شملہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم ﷺ جب عمامہ باندھتے تو اس کے شملہ کو اپنے دونوں کندھوں کے درمیان (یعنی پچھلی جانب) ڈال دیتے

حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے۔

حضرت عبیداللہ، جو حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے زمانہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پوتے قاسم بن محمد رضی اللہ عنہ کو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پوتے سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے۔

(ترمذی ج ۱،ص ۲۰۷، کتاب اللباس باب ماجاء فی العمامۃ السوداء)

حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی پاک ﷺ کو منبر پر دیکھا آپ ﷺ سیاہ عمامہ پہنے تھے اور اس کا کنارہ دونوں شانوں کے درمیان لٹکا رکھا تھا۔

(مسلم ج ۱،ص ۴۴۰)

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت اقدس ﷺ نے مجھے اپنے دست مبارک سے عمامہ باندھا۔ اور اس کا ایک شملہ میری پشت پر اور ایک شملہ میرے سامنے ڈال دیا۔ (کنز العمال ج ۱۵،ص ۴۸۳)

ایک روایت میں ہے۔ کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک عمامہ پہنایا۔ جس کا نام ''السحاب'' یعنی بادل تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس عمامہ کو باندھ کر تشریف لائے تو آنحضرت ﷺ نے دیکھ کر فرمایا۔ یہ دیکھو ''علی سحاب (عمامہ) باندھے آ رہے ہیں''۔ (اخلاق النبی ﷺ ص ۱۶۸)

آنحضرت ﷺ کی عادت مبارکہ ہمیشہ شملہ چھوڑنے کی نہیں تھی۔ جیسا کہ جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سیاہ عمامہ زیب سر تھا۔ لیکن اس روایت میں پلو لٹکانے کا ذکر نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ ہمیشہ شملہ نہیں چھوڑتے تھے۔ (زاد المعاد اردو ج ۱،ص ۱۵۱)

شملہ کی مقدار

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ابن عوف رضی

اللہ عنہ کو عمامہ باندھا چار انگل یا ایک بالشت کے برابر شملہ چھوڑ دیا۔ اوپر والے شملے کی لمبائی کم از کم چار انگل اور زیادہ سے زیادہ ایک ہاتھ بیان کی گئی ہے۔ جبکہ ایک بالشت چھوڑنا درمیانہ درجہ ہے۔ (مواہب اللدنیہ)

رسول اللہ ﷺ کبھی شملہ آگے دائیں جانب، کبھی پیچھے دونوں مونڈھوں کے درمیان چھوڑتے تھے۔ کبھی عمامہ کے دونوں کنارے شملہ کے طریقہ پر موڑ لیتے تھے۔ علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ثابت اگرچہ سب صورتیں ہیں لیکن ان میں افضل اور زیادہ صحیح دونوں مونڈھوں کے درمیان یعنی پچھلی جانب ہے۔ (شرح شمائل ص ۲۰۶، ج ۱)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ان الاتیان بکل واحد من تلک الامور سنة۔ (جمع الوسائل ج ۱، ص ۲۰۷)

شملہ چھوڑنا مستحب ہے اس کا ترک مکروہ ہے، شملہ آگے یا دائیں جانب یا بائیں جانب یا پیچھے چھوڑنا بھی منقول ہے، زیادہ پیچھے کندھوں کی جانب منقول ہے۔

(سیرت الشامی ص ۴۴۰)

الشیخ ابراہیم البیجوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں دونوں کندھوں کے درمیان شملہ لٹکانا افضل ہے اور اگر آگے لٹکانا ہو جیسے حضرات صوفیہ اور بعض اہل علم حضرات کا طرز عمل ہے، تو کیا دائیں جانب لٹکانا اس کے شرف کی وجہ سے افضل ہوگا۔ یا بائیں جانب دل کی مناسبت سے لٹکانا افضل ہے؟ صوفیہ کے نزدیک بائیں جانب لٹکانا افضل ہے۔

(مواہب اللدنیہ ص ۱۰۱ شرح شمائل مناوی ج ۱، ص ۲۰۷)

عمامہ کی لمبائی

آنحضرت ﷺ کے عمامہ شریف کی مقدار مشہور روایات میں منقول نہیں ہے۔
طبرانی کی ایک روایت میں سات ذراع (ساڑھے تین گز کا ذکر ہے)

علامہ جزری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ میں نے آپ کی دستار کی مقدار معلوم کرنے کی جستجو کی کہ کہیں سے صحیح مقدار معلوم کرسکوں۔ لیکن مجھے کسی کتاب میں صحیح مقدار معلوم نہ ہوسکی۔

البتہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ نقل کیا جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے دو عمامے تھے، ایک چھوٹا اور ایک بڑا۔ چھوٹے کی لمبائی علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے موافق سات ذراع اور بڑا عمامہ بارہ ذراع کا تھا۔

انہ كان له ﷺ عمامة قصيرة وعمامة طويلة، وان القصيرة كانت سبعة اذرع والطويلة اثنى عشر ذراعا. (مرقاۃ المفاتیح ج ۸ ص ۱۴۸)

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا عمامہ مبارک نہ تو اس قدر بڑا تھا جو سر کے لئے تکلیف کا باعث ہو اور نہ ہی اتنا چھوٹا تھا کہ سردی اور گرمی سے نہ بچا سکے۔ بلکہ درمیانہ تھا۔

فانه لم تكن عمامته بالكبيرة التى يؤذى حملها ويضعفه ويجعله عرضة للأفات كما يشاهد من حال اصحابها ولا بالصغيرة التى تقصر عن وقاية الرأس من الحر والبرد بل وسطا بين ذلك. (مواہب اللدنیہ ج ۲ ص ۴۲۷)

عمامہ کا رنگ

آپ ﷺ نے سفید، سیاہ اور زرد رنگ کا صافہ باندھا ہے۔ حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ نے سیاہ رنگ کا عمامہ باندھا ہے۔

سفید عمامہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کا سفر میں عمامہ سفید تھا۔ (زرقانی جلد ۵، ص ۴)

زرد عمامہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ تشریف لائے اور آپ زرد قمیص زرد چادر، زرد عمامہ میں ملبوس تھے۔ (ابن عساکر، حاوی جلد ۲، ص ۱۰۴)

حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ کو دو زعفرانی رنگ کے کپڑوں چادر اور عمامہ میں دیکھا (مستدرک حاکم، حاوی جلد ۲، ص ۱۰۴)

حضرت عبد اللہ بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ کے کپڑوں کو زعفرانی رنگ میں رنگا جاتا، قمیص، چادر اور عمامہ (طبقات ابن سعد حاوی جلد ۲، ص ۱۰۴)

حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو یہ روایت پہنچی ہے کہ حضرات ملائکہ جو بدر میں تشریف لائے تھے، ان کے عمامہ کا رنگ زرد تھا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی زرد عمامہ میں تھے۔ (ابن عساکر)

فائدہ

ذخیرہ حدیث میں عمامہ کے تین رنگ ملتے ہیں۔ سیاہ، سفید، زرد اور سبز عمامہ کی

روایت نہیں ملی۔

عید کے دن سیاہ عمامہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس سیاہ عمامہ تھا جسے آپ عیدین میں استعمال فرماتے تھے اور اس کا شملہ پشت پر ڈال لیتے تھے۔

(حاوی، سیرت خیر العباد ص ۴۳۰)

حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا سیاہ عمامہ استعمال کرنا

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو آپ ﷺ نے خیبر کے معرکہ میں جب بھیجا تو سیاہ عمامہ آپ نے باندھا تھا، اس کے شملے کو پیچھے یا بائیں جانب چھوڑ دیا تھا۔ (حاوی جلد ۲، ص ۱۰۴)

حضرت ابوجعفر انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے دن حضرت علی کرم اللہ وجہہ سیاہ عمامہ باندھے ہوئے تھے۔ ابورزین رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے ہمیں خطبہ دیا تو آپ پر سیاہ عمامہ تھا۔ رشدین رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو میں نے سیاہ عمامہ میں دیکھا ہے۔ مسلمہ بن وردان رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو میں نے بلا ٹوپی سیاہ عمامہ میں دیکھا ہے۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ، حضرت ابودردا رضی اللہ عنہ، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ، ابوعبید رحمۃ اللہ علیہ اور اسود رحمۃ اللہ علیہ اور ان حضرات سے سیاہ عمامہ باندھنا منقول ہے۔ (الحاوی جلد ۲، ص ۷۸)

شیخ عبد الرؤف لکھتے ہیں ''صحابہ کرام میں بہت سے صحابہ سیاہ رنگ کا عمامہ

استعمال کرتے تھے۔ جیسا کہ سیدنا علی المرتضٰی نے شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے روز، حضرت حسن رضی اللہ عنہ سیاہ لباس اور سیاہ عمامہ میں خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت انس، حضرت عبداللہ بن جریر، حضرت عمار رضی اللہ عنہم بھی سیاہ عمامہ پہنا کرتے تھے"۔ (شرح شمائل مناوی ج ۱ ص ۲۰۴)

سیاہ عمامہ کا حکم

علامہ عبدالقیوم حقانی زید فضلہ لکھتے ہیں

"لباس بذاتہ ممنوع نہیں ہوتے، بلکہ کسی دوسری قوم یا فرق ضالہ سے مشابہت کی وجہ سے انہیں خاص حالات اور مشابہت کے قطعی احتمالات کی وجہ سے مکروہ قرار دیا جاتا ہے۔ مثلاً کالی پگڑی یا سیاہ لباس بنفسہ ممنوع نہیں ہے اور نہ اس میں کوئی قباحت ہے۔ مگر محرم کے ایام میں شیعہ لوگ سیاہ لباس پہنتے ہیں۔ ان دنوں میں سیاہ لباس پہننا گویا ان سے مشابہت بظاہر شیعیت کا فروغ و ترویج ہے، لہٰذا ان ایام میں سیاہ پگڑی اور لباس سے اجتناب بہتر ہے۔ ایک دور میں سیاہ لباس پہننا عباسی خلفاء کا شعار بن گیا تھا۔ حتیٰ کہ علماء کرام کے جبے اور عمامے بھی سیاہ ہوا کرتے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو سیاہ عمامہ عطا فرمایا تھا، جو ہر تخت نشین کے سر پر بطور تبرک رکھا جاتا تھا"۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ ذاتی طور پر اس رنگ کو پسند فرماتے تھے، چنانچہ ایک عید کے موقع پر جب عمامہ اور گھوڑا بھی سیاہ رنگ کا تھا۔ پھر وہ اس رنگ کو فضیلت دینے لگے۔ مقابلہ میں کچھ لوگ کھڑے ہوئے اور انہوں نے اسے روافض کا شعار قرار دیا۔

جو ابلو رحداد (غم) کے وہ استعمال کرتے تھے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر بھی رسالہ لکھا ہے۔ جس میں ثابت کیا ہے کہ لون اسود بھی سنت ہے اور لون ابیض بھی مگر بیاض کو فضیلت حاصل ہے۔ (شرح شمائل حقانی ج۱، ص۳۹۴)

رحمت دو عالم ﷺ کی ٹوپی مبارک کی تفصیل

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سفید ٹوپی پہنتے تھے۔

(مجمع الزوائد، ج۵، ص۲۴۷)

حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہمارے اور مشرکین کے درمیان ٹوپی پر عمامہ باندھنے کا فرق ہے۔ (ابوداؤد ج۲، ص۱۱۲)

یعنی ہم ٹوپی پر عمامہ باندھتے ہیں اور مشرک بغیر ٹوپی کے صرف عمامہ باندھتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے عمامہ کے نیچے سر مبارک سے چمٹی ہوئی ٹوپی ہوتی تھی۔ یہ ٹوپی سر سے پست و پیوست تھی اور آپ سفید ٹوپی پہنتے تھے۔ (مدارج النبوۃ ج۱ ص۴۸۷)

حضرت فرقد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کے ساتھ کھانا کھایا آپ کے سر مبارک پر سفید ٹوپی تھی۔ (سیرت ج۷، ص۴۴۷، بحوالہ شمائل کبریٰ ج۱، ص۲۷۵)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ سفید گول ٹوپی پہنتے تھے۔　　(مجمع الزوائد، ج۵ ص۱۴۹، حدیث نمبر ۸۵۰۵)

حضرت ابوسنان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت بصری رحمۃ اللہ علیہ

کو دیکھا کہ ان کے سر اور داڑھی کے بال سفید تھے اور ان کے سر پر گول ٹوپی تھی۔

(مطالب مالیہ ج ۲ ص ۲۷۲ بحوالہ شمائل کبریٰ ج ا ص ۲۷۸)

آنحضرت ﷺ عمامہ کے نیچے ٹوپی بھی رکھا کرتے تھے، نیز آپ کی عادت مبارکہ عمامہ کے بغیر صرف ٹوپی پہن لینے کی بھی تھی۔ (زاد المعاد، اردو ج ا ص ۱۵۱)

عمامہ کے نیچے ٹوپی پہننا، بغیر پگڑی کے صرف ٹوپی پہننا، اونچی ٹوپی پہننا اور سر کے ساتھ ملی ہوئی ٹوپی پہننا سب جائز ہیں اور یہ سب رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں۔

(جمع الوسائل ج ا ص ۲۰۴)

واللہ اعلم بالصواب

مسئلہ اسبال الازار

شلوار کے پائنچے ٹخنوں سے اوپر رکھنے کے متعلق بحث

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ چند روز قبل میری نظر سے بریلوی مکتبہ فکر کے مفتی عبدالعزیز (دارالعلوم امجدیہ) کا ایک فتویٰ گزرا جس میں انہوں نے ٹخنے ننگے رکھنے کے خلاف روایات لکھی ہیں اور اس بات کو ثابت کیا ہے کہ نماز میں ٹخنوں کا ننگا رکھنا کوئی ضروری نہیں۔ جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ برسوں سے مسلمانوں کا یہ عمل ہے کہ وہ نماز میں اپنی شلوار کے پائنچے ٹخنوں سے اوپر کر لیتے ہیں۔

براہِ کرم اس مسئلے پر روشنی ڈالتے ہوئے عوام الناس کی راہنمائی فرمائیں۔

الجواب وباللہ التوفیق

احادیث مبارکہ اور فقہی عبارات سے یہ بات واضح ہے کہ شلوار کے پائنچے ٹخنوں سے اوپر رکھنے کا حکم مرد کیلئے مطلقاً آیا ہے چاہے نماز میں ہو یا غیر نماز میں ہر دونوں صورتوں میں احادیث میں خلاف کرنے پر وعید آئی ہے۔

ملاحظہ فرمائیں امام ابوداؤدؒ نے اپنی سنن میں ایک مکمل باب اس مسئلہ پر قائم کیا ہے۔

عن العلاء بن عبدالرحمٰن عن ابیہ قال سألت اباسعیدالخدری عن الازار فقال علی الخبیر سقطت قال رسول ﷺ ازرة المسلم الیٰ نصف الساق ولا حرج اولا جناح فیمابینه وبین الکعبین ماکان اسفل من الکعبین فهوفی النار من جرازاره بطرالم ینظر الله الیه (ابوداؤد ج۲ ص۲۱۱ کتاب اللباس)

ترجمہ: حضرت علاء ابن عبد الرحمٰن اپنے والد سے روایت نقل کرتے ہیں فرمایا میں نے
کا پوچھا حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے شلوار (کے پائنچوں) کے بارے میں، فرمایا
کہ خیبر کے موقع پر میرے پائنچے ٹخنوں سے نیچے ہو گئے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا مسلمان
کے پائنچے آدھی پنڈلی تک ہوتے ہیں اور کوئی حرج نہیں کہ پائنچے آدھی پنڈلی اور ٹخنوں کے
درمیان کہیں بھی ہوں (البتہ) جو حصہ پائنچوں کا ٹخنوں سے نیچے ہوا پس وہ جہنم میں ہوگا،
جس نے اپنے ٹخنے تکبراً ڈھکے اللہ تعالیٰ اسکی طرف نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا۔

ایک اور حدیث میں ہے:

عن ابی جری جابر ابن سلیم قال رأیت رجلا یصدر الناس عن رایہ لا یقول شیئا الا صدروا عنہ قلت من ھٰذا قالوا رسول اللہ ﷺ قلت.... وارفع أزارک الی نصف الساق فان ابیت فالی الکعبین وایاک وأسبال الأزار فانھا من المخیلۃ وان اللہ لا یحب المخیلۃ.... (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۱۰ کتاب اللباس)

ترجمہ: ابو جری جابر ابن سلیم سے مروی ہے فرمایا میں نے دیکھا ایک ہستی کو کہ لوگ انکی باتوں کو قبول کرتے ہیں اور جو احکامات وہ جاری فرماتے ہیں لوگ فوراً انکی اطاعت بجا لاتے ہیں میں نے پوچھا یہ کون ہستی ہیں؟ تو لوگوں نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں تو میں نے کہا......اور اپنے پائنچے آدھی پنڈلی تک اوپر رکھو اگر اتنا نہیں رکھ سکتے تو ٹخنوں سے لازمی اوپر رکھو خبردار! پائنچے ٹخنوں سے نیچے نہیں لٹکانا یہ متکبرین کی علامت ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ سخت ناپسند فرماتے ہیں اترانے (یعنی تکبر کرنے) والوں کو۔

وفی حدیث ابن الحنظلیة عندابی داؤد(الیٰ قوله)قال قال لنارسول الله ﷺ نعم الرجل خریم الاسدی لولاطول جمته واسبال ازاره فبلغ ذالک خریمافعجل فاخذ شفرة فقطع بهاجمته الیٰ اذنیه ورفع ازاره الیٰ انصاف ساقیه (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۱۱ کتاب اللباس)

ترجمہ: اور حدیث حنظلہ میں ہے کہ ہم سے جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا بہترین آدمی ہیں خریم الاسدی اگر اسکے بال کندھوں سے لمبے نہ ہوتے اور اسکے پائنچے ٹخنوں سے نیچے نہ ہوتے یہ بات خریم اسدی تک پہنچی پس انہوں نے فوراً استرا لے کر اپنے بال کانوں تک کاٹے اور اپنے پائنچے نصف پنڈلی تک اٹھالئے۔

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے خریم الاسدی رضی اللہ عنہ کو بہترین آدمی فرمایا لیکن فرمایا کہ کاش اس کے پائنچے ٹخنوں سے نیچے نہ ہوتے تو جب خریم الاسدی رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو انہوں نے اپنے پائنچے پنڈلیوں تک اٹھالئے۔

عن ابن عمر قال آتی النبی ﷺ أسبلت ازاری فقال یا ابن عمر کل شیء یمس الارض من الثیاب فی النار اخرجه الطبرانی

(فتح الباری ج ۱۱ ص ۴۲۸)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں آپ ﷺ کے پاس آیا جبکہ میرے پائنچے ٹخنوں سے نیچے تھے پس آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے ابن عمر! ہر وہ حصہ کپڑوں کا جو زمین کو چھوئے وہ جہنم میں ہوگا۔

چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ احادیث میں وعید مطلقاً آئی ہے اس میں کسی قسم کی

کوئی قید نہیں لگائی گئی۔

یہ کہنا کہ ٹخنے ڈھکنے سے نماز میں کوئی قباحت نہیں ہے یہ بالکل غلط پروپیگنڈہ ہے اگرایسی بات ہوتی تو پھر آنحضرت ﷺ نے ٹخنے ڈھک کر نماز پڑھنے والے کو دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم کیوں دیا؟ حضرت ﷺ کے اس ارشاد سے یہ بات واضح ہے کہ یہ کتنا قبیح فعل ہے بلکہ ایسی نماز دوبارہ پڑھوائی ہے۔

چنانچہ حدیث میں ہے:

(عن ابی هريرة رضی الله) عنه قال بينمارجل يصلی مسبلاازاره فقال له رسول الله صلی الله عليه وسلم اذ هب فتوضأفذهب فتوضأثم جاء فقال اذهب فتوضأفقال له رجل يارسول الله مالک امرته ان يتوضأثم سكتّ عنه قال انه كان يصلی وهومسبل ازاره وان الله تعالی لايقبل صلاة رجل مسبل. (ابوداؤد ج۲ص۲۱۰ کتاب اللباس)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا اور اسکے پائنچے ٹخنوں سے نیچے تھے جناب نبی کریم ﷺ نے اس سے فرمایا کہ جاؤ دوبارہ وضو کر کے آؤ پس وہ گیا، وضو کیا پھر آیا (اور نماز پڑھی) آپ ﷺ نے فرمایا کہ جاؤ دوبارہ وضو کر کے آؤ پس ایک آدمی نے پیغمبر سے پوچھا کہ کیا وجہ تھی کہ آپ نے اسکو وضو کرنے کا حکم فرمایا پھر سکوت اختیار فرمایا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ نماز پڑھ رہا تھا اس حال میں کہ اسکے پائنچے ٹخنوں سے نیچے لٹک رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی نماز قبول نہیں کرتا جو پائنچے ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا ہو۔

اور وہ تین آدمی جن سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بات نہیں کرے گا، پاک نہیں کرے گا، اور نظر رحمت نہیں کرے گا ان میں بھی ایک وہ ہے جو پائنچے ٹخنوں سے نیچے لٹکا تا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ:

عن ابی ذرعن النبی ﷺ انه قال ثلثة لا یکلمهم الله ولا ینظر الیهم یوم القیامة ولا یزکیهم ولهم عذاب الیم قلت من هم یا رسول الله قد خابوا وخسروا فاعادها ثلثا قلت من هم یا رسول الله خابوا وخسروا قال المسبل والمنان والمنفق سلعته بالحلف الکاذب او الفاجر. (ابوداؤد ج۲ ص۲۱۰)

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تین آدمی جن سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ بات کرے گا اور نہ ان پر نظر رحمت کرے گا اور نہ ہی انکو پاک کرے گا اور انکے لئے دردناک عذاب ہے میں نے پوچھا یارسول اللہ وہ کون لوگ ہیں؟ وہ ناکام ہوں، خسارے والے ہوں پس آپ نے اسی طرح تین مرتبہ دوہرایا کہ وہ ناکام ہوئے خسارے والے ہوئے، فرمایا ایک شلوار کے پائنچے ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا اور احسان جتلانے والا اور جھوٹی قسم کھا کر سامان بیچنے والا۔

ان احادیث صریحہ سے تو اسبال الازار یعنی پائنچے ٹخنوں سے نیچے کرنا گناہ کبیرہ معلوم ہو رہا ہے۔

وفی هذه الاحادیث ان اسبال الازار للخیلاء کبیرة واما الاسبال لغیر الخیلاء فظاهر الاحادیث تحریمه ایضاً.. قال ابن

عبد البر مفهومه ان الجر لغير الخيلاء لا يلحقه الوعيد الا ان جر القميص وغيره من الثياب مذموم على كل حال وقال النووى الاسبال تحت الكعبين للخيلاء فان كان لغيرها فهو مكروه وهكذا نص الشافعى على الفرق بين الجر للخيلاء ولغير الخيلاء. قال: والمستحب ان يكون الازار الىٰ نصف الساق والجائز بلا كراهة ما تحته الىٰ الكعبين ومانزل عن الكعبين ممنوع.

(فتح الباری ج ۱۱ص ۴۳۶ کتاب اللباس، بذل المجہود ج ۵ص ۵۴)

شارح بخاری علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ اور صاحب بذل المجہود نے یہاں یہ وضاحت کی ہے کہ ٹخنے ڈھکنا تکبر کی وجہ سے ہو تو یہ گناہ کبیرہ ہے اور بغیر تکبر کے ہو تو احادیث ظاہراً اس کی حرمت پر دلالت کر رہی ہیں۔

علامہ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں کہ اسکا مفہوم یہ ہے کہ بغیر تکبر کے ٹخنے ڈھکنے کو یہ وعید لاحق نہیں ہوتی مگر قمیص یا اسکے علاوہ کوئی اور کپڑا جس سے ٹخنے ڈھک جائیں یہ ہر حال میں مذموم ہے، اور امام نوویؒ کے نزدیک حرمت تکبر کی نیت سے آئیگی اور بغیر تکبر کے بھی پائنچے نیچے کرنا قابل ترک ہے۔ اور اسی طرح کی عبارت امام شافعیؒ کی طرف بھی منسوب ہے کہ وہ بھی تکبر اور غیر تکبر کا فرق کرتے ہیں۔ پسندیدہ بات یہ ہے کہ شلوار آدھی پنڈلی تک ہوں اور اس سے نیچے رکھنا بلا کراہت کے جائز ہے ٹخنوں سے اوپر اور جو ٹخنوں سے نیچے ہو تو وہ ممنوع ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے متعدد احادیث اور آثار اس مسئلہ میں پیش کئے ہیں

جن کا مطلب اور مفہوم یہی ہے کہ ٹخنے ڈھکنا گناہ ہے۔

چنانچہ غور فرمائیں:

عن ابن عمران رسول اللہ ﷺ قال لا ینظر اللہ الی من جر ثوبہ خیلاء. (بخاری ج ۲ ص ۸۶۰)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا اس شخص کی طرف جو اتراتے ہوئے اپنے ٹخنے ڈھکے۔

عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال ما اسفل من الکعبین من الازار فی النار

(بخاری ج ۲ ص ۸۶۱ باب ما اسفل من الکعبین فی النار)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پیغمبر ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ازار (یا شلوار) کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہوا وہ جہنم میں ہوگا۔

اس حدیث میں مطلق وعید آئی ہے کہ جس کے پائنچے ٹخنوں سے نیچے ہوں تو وہ حصہ جہنم کی آگ میں جلے گا۔ اس میں نماز کا ذکر نہیں ہے اس لئے یہ کہنا کہ پائنچے اوپر کرنے کا حکم صرف نماز کے اندر ہے یہ حدیث سے ناواقفیت کی بنا پر ہے۔

اور سالم ابن عبد اللہ کی روایت میں اس سے بھی زیادہ سخت وعید ہے جو اس مسئلہ میں حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ:

عن سالم بن عبد اللہ ان اباہ حدثہ ان رسول اللہ ﷺ قال بینما رجل یجر ازارہ خسف بہ فھو یتجلجل فی الارض الی یوم القیٰمۃ

(بخاری ج ۲ ص ۸۶۱ باب من جر ثوبہ من الخیلاء)

ترجمہ: حضرت سالم ابن عبداللہ سے مروی ہے کہ انکے والد نے انکو حدیث سنائی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک آدمی تھا جو (تکبرا) اپنے ٹخنے ڈھک کر چلتا تھا، اسکو زمین میں دھنسا دیا گیا پس وہ قیامت تک زمین میں دھنستا رہے گا۔ (اعاذنا اللہ منھا وایاکم)

یہ حدیث اس مسئلہ میں حرف آخر ہے، کیونکہ اتنی بڑی وعید کے بعد کوئی بھی مسلمان ٹخنے ڈھکے رکھنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ حدیث میں واضح ارشاد ہے کہ ایک شخص کی ازار نیچے رہتی تھی اور وہ مانتا نہیں تھا تو وہ زمین میں دھنستا چلا گیا اور قیامت تک دھنستا چلا جائے گا۔

اور وہ حدیث مبارکہ جس سے فریق مخالف کو مغالطہ ہوا وہ ملاحظہ فرمائیں۔

بخاری شریف میں ہے:

عن سالم عن ابيه عن النبى ﷺ قال من جر ثوبه خيلاء لم ينظر الله اليه يوم القيمة فقال ابو بكر الصديق رضى الله عنه يا رسول الله ان احد شقى ازارى يسترخى الا ان اتعاهد ذلك منه فقال النبى ﷺ لست ممن يصنعه خيلاء. (بخاری ج۲ص۸۶۰)

ترجمہ: حضرت سالم اپنے والد اور وہ جناب نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا جو تکبرا اپنے ٹخنے ڈھکے گا اللہ تعالیٰ اسکی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا روز قیامت، پس حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے فرمایا اے اللہ کے رسول! میری ازار کا ایک کنارہ بغیر ارادہ کے نیچے ہوجاتا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ آپ ان میں سے نہیں جو ایسا تکبرا کرتے ہیں۔

ازالۂ مغالطہ:

(۱) مذکورہ بالا روایت میں جناب نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مستثنیٰ فرمایا کہ آپ ان میں سے نہیں ہیں جو تکبر کرتے ہیں۔

(۲) معمر کی روایت میں زید ابن اسلم سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ایسا کبھی کبھی ہوتا تھا ہمیشہ نہیں:

ووقع فی روایة معمر عن زید ابن اسلم عند احمد "ان ازاری یسترخی احیانا "فكأن شده كان ينحل اذا تحرك بمشی او غيره بغير اختياره ،فاذا كان محافظا عليه لا يسترخی لأنه كلما كاد يسترخی شده. (فتح الباری ج ۱۱ ص ۴۲۶ کتاب اللباس)

ترجمہ: کہ "میری ازار کبھی کبھی ٹخنوں تک ہوجاتی ہے" جب حضرت ازار کو کس لیتے تو وہ کھسکتی تھی چلنے کی وجہ سے یا اسکے علاوہ حرکت کرنے سے بغیر کسی ارادہ کے، پس جب حضرت دھیان رکھتے تو کبھی بھی نہیں کھسکتی تھی، جب جب حضرت کے پائنچے نیچے ہوتے تو حضرت اسے فوراً کس لیتے۔

حضرت طلحہ ابن عبد اللہ کے طریق میں اور بھی وضاحت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اس معاملہ میں معذور بالماجور تھے۔

وأخرج ابن سعد من طريق طلحة ابن عبد الله بن عبد الرحمن بن ابی بكر عن عائشة رضی الله عنها قالت" كان ابو بكر أحنیٰ لا

یستمسک ازارہ یسترخی عن حقویہ" ومن طریق قیس ابن حازم قال "دخلت علی ابی بکر و کان رجلا نحیفا" (فتح الباری ج ۱۱ص ۴۲۶)

ترجمہ: حضرت طلحہ ابن عبداللہ ابن عبدالرحمٰن ابن ابی بکر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ "حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دبلے پتلے وجود کے حامل تھے اپنی ازار کو روک نہیں سکتے تھے وہ کھسک جاتی تھی آپ کی کوک سے۔

اور قیس ابن ابی حازم کے طریق میں ہے فرمایا: کہ میں آیا حضرت ابوبکر کے پاس وہ بہت ہلکے پھلکے بدن کے حامل تھے۔

دریں مسئلہ شارح بخاری علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی مزید عبارات ملاحظہ فرمائیں:

والنص الذی اشار الیہ ذکرہ البویطی فی مختصرہ عن الشافعی رحمہ اللہ قال لا یجوز السدل فی الصلاۃ ولا فی غیرھا للخیلاء ولغیرھا الخ (فتح الباری ج ۱۱ص ۴۳۶)

پہلی بات:

یہاں امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ،،لایجوز،، کا لفظ فرمایا ہے کہ جائز ہی نہیں ہے اور پھر آگے فرماتے ہیں کہ سدل چاہے نماز میں ہو یا غیر نماز میں اور چاہے تکبر کی وجہ سے ہو یا بغیر تکبر کے ہر صورت ناجائز ہے۔

جب سدل کا یہ حکم ہے تو پائنچوں کا تو بدرجۂ اولیٰ حکم قطعی ہونا چاہئے

دوسری بات :

یہ کہ ٹخنے ڈھکنا تکبر سے ہو یا غیر تکبر سے ہو دونوں صورتوں میں منع مطلقاً ہے جولوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر تکبر کی وجہ سے ٹخنے ڈھکے ہوئے ہوں تو یہ منع ہے اور اگر تکبر کی وجہ سے نہ ہوں تو کوئی حرج نہیں ہے یہ بات بالکل غلط ہے اسلئے کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو منع فرمایا اور ظاہر بات ہے کہ صحابہ میں تکبر نہیں تھا پھر انکو منع کرنے کا کیا مطلب ہے؟

وفی حدیث. اشعث بن الشعثاء. قال کنت امشی وعلی برد اجره فقال لی رجل ارفع ثوبک فانه انقی وابقی فنظرت فاذاهو النبی ﷺ فقلت انماهی بردة ملحاء فقال امالک فیّ اسوة؟قال فنظرت فاذا ازاره الیٰ انصاف ساقیه وسنده قبلها جید.

(فتح الباری ج۱۱ص ۴۳۷)

ترجمہ: اشعث ابن شعثاء کی حدیث میں ہے فرمایا میں ایک چادر اوڑھ کر جارہا تھا کہ مجھ سے ایک آدمی نے کہا کہ اپنا کپڑا اوپر کرو یہ بہت پاکیزگی اور تقویٰ کا باعث ہے میں نے کہا یہ تو چتکبرے رنگ کی چادر ہے تو انہوں نے کہا کیا تمہارے لئے سنت نہیں ہے؟ میں نے مڑکر دیکھا تو وہ جناب نبی کریم ﷺ ہیں انکی تہہ بند مبارک آدھی پنڈلی تک تھی۔

وفی قصّة قتل عمر انه قال للشاب الذی دخل علیه ارفع ثوبک فانه أنقی لثوبک وأتقی لربک (فتح الباری ج۱۱ص ۴۳۷)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک نوجون آدمی سے کہا کہ اپنا کپڑا ٹخنوں سے اوپر کرو یہ تمہارے کپڑے کیلئے پاکیزگی کا باعث ہے اور اپنے رب سے ڈرنے کا ذریعہ ہے۔

قال ابن العربی لا یجوز للرجل ان یجاوز بثوبه کعبه ،ویقول لا أجره خیلاء ،لان النهی قد تناوله لفظا،ولا یجوز لمن تناوله اللفظ حکما ان یقول لا أمتثله لان تلک العلة لیست فیّ،فانها دعویٰ غیر مسلمة بل أطالته ذیله دالة علی تکبره .وحاصله ان الاسبال یستلزم جر الثوب وجر الثوب یستلزم الخیلاء ولو لم یقصد اللابس الخیلاء. (فتح الباری ج۱۱ص۴۳۷)

ترجمہ: ابن العربی فرماتے ہیں کسی شخص کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے کپڑے سے اپنے ٹخنوں کو ڈھانپ لے اور کہے کہ میں نے ایسا تکبر کی وجہ سے نہیں کیا اسلئے کہ ممانعت لفظا وارد ہوئی ہے اور اس شخص کیلئے ایسا کہنا بھی جائز نہیں ہے کہ میں متکبر جیسا نہیں ہوں اسلئے یہ علت مجھ میں نہیں نہیں پائی جاتی؛ یہ دعویٰ نرا غلط ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ اسبال مستلزم ہے کپڑا ٹخنوں سے نیچے کرنے کو، اور ٹخنوں سے کپڑے کا نیچے ہونا تکبر اور گھمنڈ کو لازم ہے اگرچہ پہننے والا تکبر کا ارادہ نہ کرے۔

واخرج الطبرانی من حدیث ابی امامة بینما نحن مع رسول اللہ ﷺ اذ لحقنا عمرو بن زرارة الانصاری فی حلة ازار ورداء قد اسبل فجعل رسول اللہ ﷺ یأخذ بناحیة ثوبه ویتواضع للہ ویقول عبدک و ابن عبدک وامتک حتیٰ سمعها عمرو فقال یا رسول اللہ

انی حمش الساقین فقال یاعمرو ان اللہ قداحسن کل شیء خلقه یاعمرو ان اللہ لایحب المسبل. (فتح الباری ج۱۱ص ۴۳۷)

ترجمہ: امام طبرانی نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ ہم ایک مرتبہ جناب نبی کریم ﷺ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ عمرو ابن زرارۃؓ ازار اور چادر لپٹے ہوئے اور ازار نیچے گھسٹ رہی تھی پس جناب نبی کریم ﷺ نے انکے کپڑے کا کنارہ پکڑا اور اللہ کیلئے تواضعاً اختیار فرمائی اور فرمایا اے اللہ تیرا بندہ ہوں، تیرے بندے کا بیٹا ہوں اور تیری بندی کا۔ یہاں تک کہ عمرو نے سنا اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں موٹی پنڈلی والا ہوں پس آپ نے فرمایا کہ اے عمرو اللہ تعالیٰ نے ہر خلقت کو خوبصورت بنایا ہے، اے عمرو اللہ تعالیٰ شلوار نیچے لٹکانے والے کو پسند نہیں کرتا۔

وأخرجه الطبرانی ایضا فقال عن عمرو بن زرارة وفیه وضرب رسول اللہ ﷺ بأربع أصابع تحت رکبة عمرو فقال یا عمرو هذا موضع الأزار الحدیث ورجاله ثقات وظاهره ان عمروا المذکور لم یقصد باسباله الخیلاء. (فتح الباری ج۱۱ص ۴۳۷)

امام طبرانی رحمہ اللہ نے ایک اور روایت تخریج فرمائی آپ نے حضرت عمرو ابن زرارہ سے فرمایا اور اس میں یوں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے اپنی چار انگلیاں عمرو کے گھٹنے سے نیچے رکھ کر فرمایا کہ اے عمرو! یہاں تک ازار رکھو۔ اور یاد رہے کہ عمرو نے تکبرا پائنچے نہیں لٹکائے تھے۔

واخرج النسائی وابن ماجه وصححه ابن حبان من حدیث

المغيرة بن شعبة رأيت رسول الله ﷺ اخذ برداء سفيان بن سهيل وهويقول ياسفيان لاتسبل فان الله لايحب المسبلين،،

(فتح الباری ج ۱۱ ص ۴۳۷)

ترجمہ: نسائی و ابن ماجہ کی روایت ہے اور ابن حبان (جو جرح و تعدیل کے امام ہیں) نے اسکو صحیح کہا ہے مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا سفیان ابن سہیل کی چادر پکڑے ہوئے اور فرمارہے تھے اے سفیان! پائنچے نیچے نہ کرو پس اللہ تعالیٰ پائنچے نیچے کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

احادث کی دیگر مشہور کتب اوران کی شروحات میں بھی یہ مسئلہ تفصیل سے درج ہے ان میں سےحدیث کی مشہور کتاب ''مصنف ابن ابی شیبہ'' میں اس مسئلہ سے متعلق متعدد احادیث مذکور ہیں ملاحظہ فرمائیں

عن ابراهيم عن ابن مسعود قال دخل شاب علىٰ عمر فجعل الشاب يثني عليه قال فرآه عمر يجر ازاره قال فقال له ياابن اخي ارفع ازارك فأنه اتقى لربك وانقى لثوبك قال فكان عبدالله يقول ياعجباً لعمر ان رأى حق الله عليه فلم يمنعه ماهو فيه ان تكلم به

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۲۷)

ترجمہ: ابراہیم نے ابن مسعود سے روایت کی ہے فرمایا کہ ایک نوجوان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور وہ حضرت کے قریب ہوگیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسکے پائنچے دیکھے ٹخنوں سے نیچے لٹک رہے ہیں تو اس سے فرمایا اے بھتیجے اپنی ازار اوپر کرو یہ تمھارے

رب سے ڈرنے کا باعث ہے اور تمہارے کپڑے کے کیلئے پاکیزگی کا۔

عن سليمان بن مسهر عن خرشة ان عمر دعا بشفرة فرفع ازار رجل عن كعبيه ثم قطع ما كان اسفل من ذالك قال فكاني انظر الى ذباذبه تسيل على عقبيه (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۲۹)

ترجمہ: راوی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے استرا منگوایا اور ایک آدمی کے پائنچے ٹخنوں سے اوپر کر کے وہ حصہ جو ٹخنوں سے نیچے تھا کاٹ کر الگ کر دیا۔ اور فرمایا کہ میں جہنم کے انگارے اس کے پاؤں میں لپٹتا دیکھ رہا تھا۔

واسبال الازار تدفع المدح وتمانع الرفعة المدينية لان ذالك منهى عنه علىٰ سبيل الحرمة تارة والكراهة اخرى .

(دلیل الفالحین ج ۳ ص ۲۵۱)

ترجمہ: اور شلوار یا ازار کا ٹخنوں سے نیچے ہونا خوبی کو دور کر دیتا ہے اور شہری ترقی کو روکتا ہے اسلئے کہ یہ حرمت کے قبیل سے ہے۔

وروى احمد عن انس عن رسول الله ﷺ قال الازار الىٰ نصف الساق والى الكعبين لا خير فى اسفل من ذالك

(مسند امام احمد ج ۱۹ ص ۴۱۵ حدیث ۱۲۴۲۴)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ پائنچے نصف پنڈلی تک اور ٹخنوں سے اوپر ہونا ضروری ہے اس سے نیچے کرنے میں خیر نہیں ہے۔

اعلاء السنن کے مصنف نے بھی اس کو حرام کہا ہے اور اس پر احادیث مبارکہ کو

...ل کی حیثیت سے پیش کیا ہے

یحرم اطالة الثوب والازار والسراویل علی الکعبین للخیلاء ویکره لغیر الخیلاء نص علیه الشافعی وصرح به الاصحاب ویستدل له بالاحادیث الصحیحة المشهورة (اعلاء السنن ج ۱۷ص ۳۶۶)

ترجمہ: اتنے لمبے کپڑے، ازار اور شلوار کہ جس سے ٹخنے چھپ جائیں حرام ہے اگر تکبر کی وجہ سے ہو اور مکروہ ہے اگر تکبراً نہ ہو اور اس مسئلہ میں علماء صراحت فرما چکے ہیں صحیح احادیث سے استدلال کیا جاچکا ہے۔ (یعنی تکبر کی قید احترازی ہے نہ کہ لازمی)

والاسبال عندنا ممنوع ولو کان من غیر خیلاء الا ان یکون من غیر اختیاره لعدم التعاهد والغفلة عنه بسبب المشی اوغیره بشرط ان لایتمادی علی ذالک ویتدارکه بعد التنبیه (فتح الملہم ج ۲ص ۱۴۵)

ترجمہ: پائنچے نیچے کرنا ہمارے ہاں اسکی (شدید) ممانعت ہے اگرچہ تکبر کی وجہ سے نہ ہو مگر یہ کہ بلاارادہ نیچے ہو جائے بے دھیانی کی وجہ سے یا غفلت کی وجہ سے چلنے پھرنے سے یا اور کسی حرکت سے اس شرط کے ساتھ کہ وہ اس پر آمادہ نہ ہو اور فوراً تنبیہ کے بعد اسکا تدارک کرے۔

مذکورہ بالا احادیث کے بعد مفتی عبدالعزیز (دارالعلوم امجدیہ) کا فتویٰ جو کہ مسئلہ اسبال الازار (پائنچے ٹخنوں سے اوپر رکھنا) میں جتنی احادیث اور عبارت نقل کی گئی ہیں ان تمام کا اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں محض عوام کو دھوکہ دینے کے لئے اس قسم کے فتویٰ لکھے جاتے ہیں۔ اس فتویٰ میں جو احادیث نقل کی گئیں ہیں وہ تمام دوران نماز اس قسم کا عمل کرنے کے بارے میں ہیں، جو کہ عمل کثیر ہے اور اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ چونکہ

مولوی صاحب نے اسبال ازار اور کف الثوب میں فرق نہیں کیا کف الثوب کا مطلب ہے کہ نماز کے اندر کپڑا سمیٹنا اس لئے مکروہ ہے کہ یہ نماز کے منافی ہے باقی مسئلہ رہا نماز سے پہلے شلوار کے پائنچے ٹخنوں سے اوپر کرنا یہ کف الثوب میں شامل نہیں اور نہ ہی آج تک کسی فقیہ نے یہ بات کی ہے اگر مولوی صاحب یہ بات ثابت کریں کہ نماز سے پہلے شلوار کے پائنچے ٹخنوں سے اوپر کرنا ممنوع ہے نیچے ہونا چاہئے لیکن یہ عبارت نہیں ملے گی اور وہ کبھی ثابت نہیں کر سکیں گے اور یہ بات ہم بھی مانتے ہیں کہ نماز کے اندر شلوار کو نیفے میں دبانا نماز کے منافی ہے اسلئے یہ مکروہ ہے لیکن نماز سے قبل کوئی شلوار کو نیفے میں دبالیں تو یہ صحیح ہے اسکو کسی فقیہ نے منع نہیں کیا اور نہ ہی مولوی صاحب اس بارے میں کوئی حوالہ پیش کر سکتے ہیں۔

ومن ادعی فعلیه البیان

رہا مسئلہ ٹخنوں کو ننگا رکھنے کا تو اس سلسلے کی کوئی بھی واضح عبارت فتویٰ میں موجود نہیں ہے۔ ہم اس مسئلہ کا پورا جائزہ پیش کر رہے ہیں، اور تمام احادیث جن میں ٹخنے ڈھکے رکھنے کی سخت وعیدیں آئی ہیں فتویٰ میں پیش کر رہے ہیں۔

۵۰۰ علماءِ کرام کا مرتب کردہ "فتاویٰ عالمگیری" نے اس بات کی صاف وضاحت کی ہے کہ ٹخنوں کا ڈھکے رکھنا یہ بدعت ہے اور ضروری ہے کہ پائنچے نصف پنڈلی تک ہوں۔ اور واضح رہے کہ اس میں نماز کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے جس سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ نماز کے علاوہ بھی ٹخنے ڈھکے رکھنا بدعت ہے۔

تقصیر الثیاب سنة واسبال الازار والقمیص بدعة ینبغی ان

یکون الازار فوق الکعبین الی نصف الساق

(عالمگیری ج ۵ ص ۳۳۳)

ترجمہ: کفایت والے کپڑے سنت ہے اور ازار وقمیص کا ٹخنوں سے نیچے کرنا بدعت (حرام) ہے اور لازم ہے کہ ازار (یا شلوار) ٹخنوں سے اوپر ہوں آدھی پنڈلی تک۔

فقہ کی سب سے مشہور اور معروف کتاب فتاویٰ شامی میں اس کو مکروہ کہا گیا ہے، اور اس سلسلے میں امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول اساس ہے کہ امام اعظم امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر مکروہ، حرام ہے۔

ویکرہ للرجال السراویل التی تقع علی ظہر القدمین عتابیہ

(ردالمحتار ج ۵ ص ۲۲۴)

ترجمہ: اور مکروہ (حرام) ہے مردوں کیلئے ایسے شلواریں پہننا جو ٹخنوں سے نیچے ہو جائیں۔

اور جہاں تک ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ ان کے پائنچے ٹخنوں سے نیچے ہوتے تھے، تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خفیف البدن تھے جس کی وجہ سے ان کے پائنچے ٹخنوں سے نیچے ہوتے تھے۔ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ میرا ایک پائنچہ نیچے ہوتا تھا غیر اختیاری طور پر تو میں نے حضرت سے عرض کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا آپ ان میں سے نہیں ہیں۔ تو اپنے آپ کو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر قیاس کرنا بڑی حماقت ہے۔ (فتح الباری ج ۱۱ ص ۴۲۶)

اور کسی کا یہ کہنا کہ ٹخنے تکبر کی وجہ سے ہوں تو منع ہے ورنہ نہیں یہ بات آج تک کسی فقیہ نے نہیں کہی بلکہ فقہاء نے مطلقاً ممنوع لکھا ہے اور انکی عبارات روز روشن کی طرح

واضح ہیں۔

اوراسی طرح یہ سمجھنا کہ پائنچے صرف شلوار یاازار کے مراد ہیں اورکسی کپڑے کااوپر رکھنا جیسے پتلون یاپائجامہ وغیرہ کاضروری نہیں ہے؛ یہ بھی سنت سے ناواقفیت اورروگردانی کی دلیل ہے۔لہٰذا بخاری شریف کے حنفی شارح علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ اپنی شرح عمدۃ القاری میں رقم طراز ہیں فرماتے ہیں:

قولہ "من جر ثوبہ "یدخل فیہ الازار والرداء والقمیص والسراویل والجبة والقباء وغیر ذٰلک مما یسمی ثوبا بل ورد فی الحدیث دخول العمامة فی ذٰلک . (عمدۃ القاری ج۱۱ص۲۹۵)

ترجمہ: "جس نے اپنا کپڑا (ٹخنوں سے) نیچے کیا" داخل ہے اس میں تہہ بند، چادر، قمیص، شلوار، جبہ، عباء اوراسکے علاوہ وہ سب جس کولباس کہا جاتا ہے۔بلکہ ایک حدیث میں عمامہ بھی لباس میں داخل ہے۔

عن سالم عن ابیه عن النبی ﷺ قال من جر ثو به خیلا ء لم ینظر الله الیه یوم القیٰمة فقال ابو بکر الصدیق یا رسول الله ان احد شقی ازاری یستر خی الاان اتعاهد ذالک منه فقال النبی ﷺلست ممن یصنعه خیلا ء (بخاری شریف ج۲ص۸۶۰ باب من جرازارہ من غیر خیلاء)

حضرت سالم اپنے والد سے اوروہ جناب نبی کریم ﷺ سے فرمایا جس نے اپنا کپڑا ٹخنوں سے نیچے کیا تکبراً اللہ تعالیٰ اسکو قیامت کے دن نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا پس حضرت ابو

صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے اللہ کے رسول! میرا ایک پائنچہ ٹخنوں سے نیچے ہو جاتا ہے
میں یہ ارادۃً نہیں کرتا ہوں تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آپ متکبرین میں سے نہیں ہیں۔
اسکی مزید وضاحت باحوالہ بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔

وسبب استرخائه كون ابی بكر رجلا احنی نحيفالا يستمسك فازاره يسترخی عن حقويه. (عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۲۹۵)

ترجمہ اور وضاحت ماقبل میں گزر چکی ہے۔

واخرج الطبرانی بسند حسن عن ابن مسعود انه رأى اعرابياً يصلی قد أسبل فقال المسبل فی الصلاة ليس من الله فی حل ولاحرام (فتح الباری ج ۱۱ ص ۴۲۹ کتاب اللباس)

ترجمہ: اور طبرانی کی روایت میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک دیہاتی کو دیکھا کہ اسکے پائنچے نیچے ہیں اور وہ نماز پڑھ رہا ہے تو آپ نے فرمایا نماز میں پائنچے نیچے کرنے والا۔

عن مجاهد قال كان يقول من مس ازاره كعبيه لم تقبل له صلاة قال وقال زر: من مس ازاره الارض لم تقبل له صلاة ،

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۲۷)

ترجمہ: امام مجاہد سے مروی ہے فرمایا کرتے تھے جسکی ازار (یا شلوار) ٹخنوں کو چھو لے تو اسکی نماز قابل قبول نہیں ہوگی۔ اور فرمایا زر (ابن حبیش) نے کہ جسکی ازار زمین کو چھو لے تو اسکی نماز قابل قبول نہ ہوگی (یعنی مردود ہوگی)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت جو ماقبل میں گزری ہے "لا ینظر اللہ ......الخ" اس روایت کے ذیل میں ملّا علی قاریؒ اپنی شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں کہ

"ای نظر رحمة، فیکون الحدیث محمولا علی المستحل ،او علی الزجر او مقیدا بابتداء الامر ،ویجوز ان یراد لا ینظر نظر لطف وعنایة."الی من جر ازاره بطرا"ان تکبرا او فرحا وطغیانا بالغنی ، قال ابن الملک ویفهم منه ان جره لغیر ذلک لا یکون حراما ، لکنه مکروه کراهة تنزیه. (مرقات ج ۸ ص ۱۲۸)

ترجمہ: نظر سے مراد نظر رحمت ہے پس اس حدیث کو محمول کیا جائے گا حلال سمجھنے والے پر یا زجر وتوبیخ پر یا مقید کیا جائیگا ابتداء حکم پر اور یہ بھی جائز ہے کہ نظر سے مراد نظر محبت اور نظر عنایت لی جائے اس شخص کی طرف جو اپنی ازار تکبر کے ساتھ (زمین سے) گھسیٹے ،البتہ تکبر، اترانا اور اکڑخانی وسرکشی مالداری کیوجہ سے ہے یا یہ کہ بے پرواہی کی وجہ سے۔اور ابن الملک فرماتے ہیں کہ اس سے پتہ چلا کہ پائنچے گھسیٹنا اگر ان وجوہات کی بناء پر ہو تو حرام ہے ورنہ مکروہ ہے۔

ایک بات تو یہ کہ احناف کے نزدیک (متقدمین ومتاخرین) سب کے نزدیک مکروہ کا اطلاق حرام ہی پر ہوتا ہے یعنی واجب الترک جیسا کہ امام محمد سے منقول ہے۔(فتاویٰ عالمگیری، ہدایہ) اور دوسرا یہ کہ اگر پائنچے نیچے لٹکانا تکبر وغیرہ کی وجہ سے نہیں ہے تو عذر کی وجہ سے ہوگا اور عذر کی وجہ سے پائنچے نیچے کرنا تو بالاتفاق مباح ہے جیسے کوئی زخم ہو اور اس کو ڈھانپ کر رکھنا ضروری ہے مکھیوں سے یا گرد وغبار سے بچانے کیلئے یا کوئی

اور تکلیف ہو۔

تیسرے یہ کہ حرمت کیلئے تکبر کی قید لگانا یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت لیا گیا ہے جبکہ مسند ابی یعلیٰ میں خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک نوجوان کو بد بخت کہہ کر بلا رہے ہیں کہ اسکی ازار ٹخنوں سے نیچے ہے۔ روایت میں ہے:

قد اخرجه ابو يعلىٰ في مسنده ...... سمعت خالد ابن كيسان قال كنت مع عبد ابن عمر رضى الله عنهما قاعدا ،فمر فتىً يجر سبله فقال له: ادع هذا ، ادع هذا الشقى ،قال فدعوته قال: فقال له ارفع ازارك قال: فرفعه الى فوق عقبه فقال ابن عمر هكذا ازر رسول الله صلى الله عليه وسلم او قال هكذا امرنا رسول الله ﷺ ان نأتزر .(رواة كلهم رواة الصحيحين)

ترجمہ: امام ابو یعلیٰ نے اپنی مسند میں یہ روایت نقل کی ہے کہ راوی فرماتے ہیں میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک لڑکا پائنچے گھسیٹتا ہوا گزر رہا تھا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسکو بلاؤ، اس بد بخت کو بلاؤ، پس میں نے اسکو بلایا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا اپنی ازار اوپر کرو تو اس نے اپنی ازار اپنی پنڈلی تک کر لی پھر فرمایا اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی ازار ہوتی ہے یا یوں فرمایا کہ اسی طرح ہمیں اللہ کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے کہ ہم اس طرح ازار پہنیں۔

یہاں روایت میں صراحت موجود ہے کہ پیغمبر ﷺ نے پائنچے اوپر رکھنے کا حکم فرمایا ہے۔

قول فیصل:

اب حرف آخراور کلام موثوق اور قول فیصل کے طور پر حضرت اقدس امام العص محدث العالم حضرت مولانا انورشاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ کا کلام اور اوران کی شرح بغو ملاحظہ فرمائیں کہ جس سے تمام تر ددات رفع ہونگیں۔

قوله:"من جر ثوبه خيلاء "وجر الثوب ممنوع عندنا مطلقا ،فهو اذن من احكام اللباس وقصر الشافعية النهى على قيد المخيلة ،فان كان الجر بدون التكبر ،فهو جائز،وأذن لا يكون الحديث من احكام اللباس ،والاقرب ما ذهب اليه الحنفية،لان الخيلاء ممنوع فى نفسه ،ولا اختصاص له بالجر ،واما قوله ﷺ لابى بكر :انک لست ممن يجر ازاره خيلاء ،ففيه تعليل بأمرمناسب ،وان لم يكن مناطا ،فعلة الاباحة فيه عدم الاستمساک الا بالتعهد ،الا أنه زاد عليه بأمر يفيد الاباحة ،ويؤكدها ولعل المصنف ايضا يوافقنا ،فانه اخرج الحديث فى اللباس ،وسؤال ابى بكر ايضا يؤيد ما قلنا ،فانه يدل على انه حمل النهى على العموم ،ولو كان عنده قيد الخيلاء،مناطا للنهى،لماكان لسؤاله معنى والتعليل بامر مناسب طريق معهود ولنا ان نقول ايضا:ان جر الازار خيلاء ممنوع لمن يستمسک ازاره فليس المحط الخيلاء فقط. (فیض الباری ج ۴ ص ۳۷۳، ۳۷۴)

ترجمہ : پیغمبر ﷺ کا یہ فرمان کہ " جس نے اپنا کپڑا تکبرا گھسیٹا" فرمایا کہ کپڑا نیچے کرنا (ٹخنوں سے) ہمارے نزدیک مطلقا منع ہے اور وہ ایک حکم ہے احکام لباس میں سے، اور شوافع نے نہی کو مقید کیا ہے تکبر کے ساتھ اگر تکبر نہ ہو تو جائز ہے۔ تو اس طرح کا حکم احکام لباس میں سے نہ ہوگا ، اور سنت کے زیادہ قریب وہ بات ہے جس کی طرف احناف گئے ہیں، اسلئے کہ تکبر تو علیحدہ بذاتہ منع ہے اسکا تو کوئی تعلق ہی نہیں ہے (پائنچے) گھسٹنے کے ساتھ ،اور جہاں تک بات ہے رخصت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کہ جو آپ نے فرمایا حضرت ابوبکر سے کہ آپ ان میں سے نہیں ہیں جو تکبرا اپنے پائچے زمین سے گھسیٹتے ہیں، اس میں تعلیل یہ ہے کہ اباحت اس میں کنارہ نہ روکنے کی بغیر تعہد کے نہیں ہے یعنی جان بوجھ کر کرنے کی اجازت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی نہ تھی اور دوسرا یہ کہ اس میں جو حکم ہے وہ اباحت کا فائدہ دے رہا ہے جو کہ اس حکم اور بھی پختہ کر رہا ہے، امید ہے کہ مصنف رحمہ اللہ کا قول بھی ہمارے قول کے موافق ہو جائے کہ انہوں نے حدیث نکالی ہے کتاب اللباس میں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سوال پوچھنا بھی ہمارے قول کی تائید کر رہا ہے کہ اصل حکم منع کا ہے اسی وجہ سے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بوجہ خشیت کے سوال پوچھا، پس حضرت کا سوال کرنا ہی اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ جرازار میں نہی وارد ہوئی ہے اگر اس میں تکبر کی قید ہوتی تو سوال پوچھنا لغو ہو جاتا کیونکہ یہ بات تو اظہر من الشّمس ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میں تکبر کا شبہ بھی نہیں تھا۔

اور جرازار کا یہ حکم مردوں کیلئے ہے، عورتوں کیلئے نہیں ہے، ازار میں بہتر یہ ہے کہ وہ نصف ساق تک ہو اور ٹخنوں تک رکھنا جائز ہے، البتہ ٹخنے کھلے رہنے چاہئیں، امام نسائی

رحمہ اللہ نے حضرت حذیفہ ﷺ کی روایت نقل کی ہے اور امام حاکم نے اسکی تصحیح کی ہے، اسکے الفاظ ہیں:

”عن حذیفة قال قال رسول الله ﷺ موضع الازار الی انصاف الساقین والعضلة فان ابیت فاسفل ،فان ابیت فمن وراء الساق ولا حق للکعبین فی الازار“ (سنن نسائی ج ۲ ص ۲۵۴ باب موضع الازار)

ترجمہ: تہہ بند لٹکانے کی جگہ نصف پنڈلی ہے، وہاں تک نہ ہو سکے تو کچھ نیچے رکھیں، اس پر بھی عمل نہ ہو سکے تو پنڈلی کے آخر تک رکھیں اور ٹخنوں کا تہہ بند میں کوئی حق نہیں۔

باب کی دوسری روایت میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک آدمی حلہ (جوڑا) پہنے ہوئے جا رہا تھا، عجب میں مبتلا تھا، سر کے بالوں میں کنگھی کر رہا تھا کہ اللہ تعالی نے اس کو دھنسا دیا اور وہ قیامت تک اسی طرح دھنستا رہے گا۔

اس حدیث میں جس شخص کے زمین کے اندر قیامت تک دھنسنے کا ذکر ہے، کلاباذی نے کہا ہے اس سے مراد قارون ہے

وجزم الکلاباذی فی معانی الاخبار بانه قارون (فتح الباری ج ۱۱ ص ۴۳۲)

حضرت ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک ضعیف حدیث میں بھی قارون کا نام آیا ہے۔ (فتح الباری ج ۱۱ ص ۴۳۳)

جس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ اکڑ خانی اور تکبر کے ساتھ رہنے والے کی سزا ایسی ہے کہ وہ قیامت تک زمین میں دھنستا چلا جائے،

جبکہ اس باب میں اسبال الازار کی دو احادیث میں سے ایک مقید ہے تکبر کے

ساتھ لٹکانے پر اور دوسری حدیث میں مطلقاً ممانعت ہے ان میں سے ہر دو کے درمیان پائنچے اوپر کرنے کا حکم عام ہے نہ کہ رخصت اور ان میں سے ہر دو حدیث کا روئے سخن ممانعت اسبال ہے لہٰذا حکم عام کا لحاظ کرتے ہوئے مطلقاً حرمت اسبال الازار کا فتویٰ دینا ضروری ہے۔

اتنی صریح ممانعتیں اور وعیدوں کے باوجود بھی اسبال الازار کے مسئلہ کو معمولی اور غیر مقصودہ سمجھنا یا یہ کہنا کہ اس سے نماز میں کوئی خلل نہیں آتا یہ پیغمبر آخر الزمان ﷺ کے سامنے سینہ سپر ہونے والی بات اور نری حماقت ہے، اور اس طرح کے فتاویٰ جس سے صریح قرآن واحادیث کی خلاف ورزی ہو وہ فتاوے نا قابل قبول اور نا قابل عمل ہیں۔

(مقدمہ فتاویٰ شام)

جس سنت کو پس پشت ڈالنے سے اللہ تعالیٰ نظر رحمت سے نہیں دیکھ رہا، جس اہم مہم اطاعت کیلئے جناب نبی کریم ﷺ زمین میں بیٹھ گئے اور صحابی کے پیروں میں ہاتھ رکھ کر مسئلہ سمجھا رہے ہیں، جس کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بوقت شہادت نوجوان صحابی کو پائنچے اوپر رکھنے کا حکم فرما رہے ہیں اور جس مسئلہ کی اہمیت دل میں بٹھانے کیلئے رسالت مآب ﷺ نے صحابی سے تین مرتبہ وضو بھی کروایا اور نماز بھی سہ بارہ پڑھوائی؛ ایسے واجب جو بالعمل فرض ہے باجماع امت اسکے بالمقابل فتویٰ دینا یا لوگوں کو اس سے دور کرنا اللہ کے دین اور اسکے رسول کی تعلیمات کو سپرد خاک کرنے کے مترادف ہے۔ اور واضح دین دشمنی کی علامت ہے۔

(واللہ اعلم بالصواب)

یا غافر الذنوب

١٤١٧

غزوات النبی ﷺ

جنابِ نبی کریم ﷺ کے غزوات اور ان کی تعداد و تفصیل

تعداد غزوات

موسیٰ بن عقبہ، محمد بن اسحاق، واقدی، ابن سعد، ابن جوزی، دمیاطی، نے غزوات کی تعداد ستائیس (۲۷) بتائی ہے۔

سعید بن مسیّب سے چوبیس (۲۴)

حضرت جابر بن عبداللہ سے اکیس (۲۱)

زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ سے انیس (۱۹) کی تعداد مروی ہے۔

علامہ سہیلیؒ فرماتے ہیں، وجہ اختلاف یہ ہے کہ بعض علماء نے چند غزوات کو قریب قریب اور ایک سفر میں ہونے کی وجہ سے ایک غزوہ شمار کیا اس لئے ان کے نزدیک غزوات کی تعداد کم رہی اور ممکن ہے کہ بعض کو بعض غزوات کا علم نہ ہوا ہو۔

پہلا غزوۂ ابواء :

یہ پہلا غزوہ ہے جس میں آنحضرت ﷺ بہ نفس نفیس تشریف لے گئے۔ شروع صفر ۲ھ میں ساٹھ مہاجرین کو جن میں کوئی انصاری نہ تھا اپنے ہمراہ لے کر قافلہ قریش اور بنوضمرہ پر حملہ کرنے کے لئے ابواء کی طرف روانہ ہوئے۔ سعد بن عبادہؓ کو مدینہ میں اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ اس غزوہ میں جھنڈا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ جب آپ ﷺ ابواء پہنچے تو قریش کا قافلہ نکل چکا تھا۔ بنی ضمرہ کے سردار مخشی بن عمرو سے صلح کر

واپس ہوئے۔ کچھ شرائط طے ہوئیں۔ اور وہ یہ کہ بنوضمرہ مسلمانوں کے ساتھ نہ جنگ کریں گے اور نہ مسلمانوں کے خلاف کسی دشمن کی مدد کریں گے، اور ضرورت کے وقت مسلمانوں کی مدد کریں گے، اس سفر میں قتال کی نوبت نہیں آئی۔

غزوۂ بواط :

آپ ﷺ کو بذریعہ وحی یہ معلوم ہوا کہ قریش کا ایک تجارتی قافلہ مکہ جارہا ہے۔ اس لئے آپ ﷺ ماہ ربیع الاول ۲ ھ یا ربیع الثانی میں دوسو صحابہ کرام کو لے کر قریش کے اس قافلے پر حملہ کرنے کیلئے بواط کی طرف روانہ ہوئے اور سائب بن عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو جو سابقین اولین اور مہاجرین حبشہ میں سے ہیں مدینہ کا حاکم مقرر فرمایا۔ قریش کے قافلہ میں ڈھائی ہزار اونٹ تھے اور امیہ بن خلف اور سو آدمی قریش کے تھے، جب وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ قافلہ نکل چکا ہے، آپ ﷺ بغیر جنگ وجدال مدینہ منورہ واپس تشریف لائے۔

غزوۂ عشیرہ :

اثناء جمادی الاولیٰ ۲ ھ میں آپ نے دوسو مہاجرین کو لے کر قریش کے قافلے پر حملہ کرنے کے لئے عشیرہ کی طرف خروج فرمایا۔ جو ینبع کے قریب ہے اور مدینہ میں ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ اور سواری کیلئے تیس (۳۰) اونٹ تھے، جس پر صحابہ نوبت بہ نوبت سوار ہوتے تھے۔ وہاں پہنچنے سے کئی روز پہلے قافلہ نکل چکا تھا، آپ ﷺ بقیہ جمادی الاولیٰ اور جمادی الاخریٰ کے چند ایام وہیں قیام پزیر رہے، اور بنی

مدلج سے معاہدہ کر کے بغیر جنگ کے واپس ہوئے۔

علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ سب سے پہلا کونسا غزوہ پیش آیا۔ محمد بن اسحاق اور ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ سب سے پہلا غزوہ ابواء پھر بواط پھر عشیرہ اور اسی ترتیب کو امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صحیح بخاری میں اختیار فرمایا ہے، اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ پہلا غزوہ غزوہ عشیرہ ہے۔

غزوۂ بدر اولیٰ :

غزوۂ عشیرہ سے واپسی کے بعد تقریباً دس روز آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں قیام فرمایا ہوگا، کہ کُرز بن جابر فہری نے مدینہ کی چرہ گاہ پر شب دخون مارا اور لوگوں کی اونٹ اور بکریاں لے بھاگا۔ آپ ﷺ یہ خبر سنتے ہی اس کے تعاقب میں مقام سفوان تک گئے لیکن آپ ﷺ کے پہنچنے سے پہلے وہ وہاں سے نکل چکا تھا، اس لئے آپ ﷺ نے واپس مدینے کی طرف مراجعت فرمائی، مقام سفوان بدر کے قریب ہے، اس لئے آپ ﷺ ان کے پیچھے بدر تک گئے، اس لئے اس غزوہ کو غزوہ بدر اولیٰ کہتے ہیں، اس وقت مدینہ میں آپ ﷺ نے اپنا نائب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو بنایا تھا، کُرز بن جابر بعد میں مسلمان ہوئے اور فتح مکہ میں شہید ہوئے۔

غزوۂ بدر کبریٰ :

یہ غزوۂ غزوات اسلام میں سب سے بڑا غزوہ ہے اس لئے کہ اسلام کی عزت وشوکت کی ابتداء اور کفر اور شرک کی ذلت کی ابتداء بھی اس غزوہ سے ہوئی۔ اور مسلمانوں کو

بے سروسامانی کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی فتح نصیب فرمائی، اور کفر اور شرک پر ایسی کاری ضرب لگی کہ کفر کی دماغ کی ہڈی چور چور ہوگئی میدان بدر جس کا شاہد عدل اب تک موجود ہے

شروع رمضان میں رسول ﷺ کو یہ خبر ملی کہ ابوسفیان قریش کے قافلہ تجارت کو شام سے مکہ واپس لا رہا ہے جو مال واسباب سے بھرا ہوا ہے، آپ ﷺ نے مسلمانوں کو جمع کر کے اس کی خبر دی اور فرمایا یہ قریش کا کاروان تجارت ہے جو مال واسباب سے بھرا ہوا ہے تم اسکی طرف نکلو۔ عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ تم کو وہ قافلہ غنیمت میں عطا فرمائے، چونکہ جنگ وجدال اور قتل وقتال کا وہم گمان بھی نہ تھا اس لئے بلا کسی جنگی تیاری اور اہتمام کے نکل کھڑے ہوئے، ابوسفیان کو یہ اندیشہ لگا ہوا تھا۔ اور ہر راہ گیر سے آپ ﷺ کے حالات اور خبریں دریافت کرتا۔ یہاں تک کہ بعض مسافروں سے اس کو یہ خبر ملی کہ محمد ﷺ نے اپنے اصحاب کو تیرے قافلے کی طرف خروج کا حکم دیا ہے تو ابوسفیان نے اسی وقت ضمضم غفاری کو اجرت دے کر مکہ روانہ کیا اور کہا کہ قریش کو اطلاع دو کہ جس قدر ممکن ہو اپنے قافلے کی خبر لو اور اپنے سرمایہ کو بچانے کی کوشش کریں۔

آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کی روانگی :

چنانچہ بارہ (۱۲) رمضان المبارک کو رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تین سو تیرہ یا چودہ یا پندرہ صحابہ آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ اتنی جماعت میں صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے ایک گھوڑا حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ

کا اور ایک حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کا تھا۔ اور ایک ایک اونٹ دو دو تین تین آدمیوں میں شریک تھا، باری باری سواری کرتے تھے، ابولبابہؓ اور علیؓ رسول اللہ ﷺ کے شریک تھے۔

بیر ابی عنبہ پر پہنچ کر (جو مدینہ سے ایک میل کے فاصلے پر ہے) تمام جماعت کا معائنہ فرمایا جو کم عمر تھے ان کو واپس فرما دیا۔ مقام روحاء میں پہنچ کر ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا حاکم مقرر فرما کر واپس کیا۔

اس لشکر میں تین علم تھے ایک حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دوسرا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور تیسرا کسی انصاری کے ہاتھ میں تھا۔ جب مقام صفراء کے قریب پہنچے تو بسبس بن عمرو جہنی رضی اللہ عنہ اور عدی بن ابی الزغباء جہنی رضی اللہ عنہ کو قافلہ ابی سفیان کے تجسس کے لئے آگے روانہ کیا۔ ادھر جب ضمضم غفاری ابوسفیان کا پیام لے کر مکہ پہنچا۔ تو تمام مکہ میں ہل چل مچ گئی۔ کیونکہ قریش کا کوئی مرد اور عورت ایسا نہ رہا تھا جس کا سرمایہ اس میں شریک نہ ہو۔ اس خبر کے سنتے ہی ایک ہزار آدمی پورے ساز وسامان کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے ابوجہل اس لشکر کا سردار تھا۔ روحا سے چل کر جب آپ مقام صفراء پر پہنچے تو بسبس رضی اللہ عنہ اور عدی رضی اللہ عنہ نے آکر آپ ﷺ کو قریش کی روانگی کی اطلاع دی۔ اس وقت آپ ﷺ نے تمام صحابہ کرام کو مشورے کے لئے جمع فرمایا، اور قریش کی روانگی کی خبر دی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سنتے ہی فوراً کھڑے ہو گئے اور نہایت خوبصورتی کے ساتھ اظہار جانثاری فرمادی اور دل وجان سے اطاعت کیلئے کمر بستہ ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے بھی نہایت خوبصورتی کے ساتھ اظہار جان وثاری فرمایا۔

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کی جان نثارانہ تقریر:

یا رسول اللّٰہ امض لما امرک به فنحن معک. واللّٰہ ما نقول لک کما قالت بنو اسرائیل لموسیٰ علیه السلام اذهب انت وربک فقاتلا انا ههنا قاعدون ولکن اذهب انت وربک فقاتلا انا معکم مقاتلون

(حلیۃ الاولیاء لابی نعیم حدیث ۵۷۸، تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۴۰)

یارسول اللہ جس چیز کا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے اس کو انجام دیجئے ہم سب آپ کے ساتھ ہیں خدا کی قسم ہم بنی اسرائیل کی طرح یہ ہرگز نہ کہیں گے کہ اے موسیٰ تم اور تمہارا رب جا کر لڑلو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ ہم بنی اسرائیل کے خلاف یہ کہیں گے کہ آپ اور آپ کا پروردگار جہاد وقتال کرے ہم بھی آپ کے ساتھ جہاد وقتال کریں گے۔ یہ ابن اسحاق کی روایت ہے اور بخاری کی روایت میں یہ الفاظ ہیں

"لا نقول کما قال قوم موسیٰ اذهب انت وربک فقاتلا ولکنا نقاتل عن یمینک وعن شمالک وبین یدیک وخلفک فرأیت النبی ﷺ اشرق وجهه وسره" (بخاری شریف ج ۲ ص ۵۶۴)

ہم آپ کے دائیں اور بائیں آگے اور پیچھے سے لڑیں گے مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سب اصحاب نے متفقہ طور پر یہ کہا۔ یارسول اللہ ہم بنی اسرائیل کی طرح نہ کہیں گے، ہم ہر حال میں آپ کے ساتھ ہیں۔

ادھر آپ ﷺ اپنے اصحاب کو لیکر بدر پہنچ گئے مگر قریش نے پہلے پہنچ کر پانی کے

چشمہ پر قبضہ کرلیا۔ بخلاف مسلمانوں کے نہ انکو پانی ملا نہ مناسب جگہ ریتیلا میدان تھا لیکن حق تعالیٰ نے باران رحمت نازل فرمائی جس سے تمام ریت جم گئی اور مسلمانوں نے اپنے لئے پانی جمع کیا۔ جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے لڑائی کی تیاری کی اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی رائے سے آپ ﷺ کے لئے ٹیلہ پر ایک چھپر بنایا گیا یہ چھپر ایک ایسے ٹیلے پر بنایا گیا جس پر کھڑے ہو کر تمام میدان کارزار نظر آتا تھا۔ بعد ازاں آپ نے اصحاب کی صفوں کو سیدھا کیا ادھر کفار کی صفیں تیار تھیں ماہ رمضان المبارک کی سترہ تاریخ اور جمعہ کا دن ہے ایک طرف حق کی جماعت اور دوسری طرف باطل کی جماعت میدان فرقان کی طرف بڑھی۔ جب انحضرت ﷺ نے قریش کی بڑی جماعت کو پورے سازوسامان کے ساتھ میدان کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔

اللهم هذه قريش قد اقبلت بخيلا ئها وفخرها تحادك وتكذب رسولك اللهم فنصرك الذى وعدتنى اللهم فاحنهم الغداة

(تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۴۵)

اے اللہ یہ قریش کا گروہ ہے جو تکبر اور غرور کے ساتھ مقابلہ کے لئے آیا ہے تیری مخالفت کرتا ہے اور تیرے بھیجے ہوئے پیغمبر کو جھٹلاتا ہے اے اللہ اپنی فتح ونصرت نازل فرما جس کا تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا، اور اے اللہ ان کو ہلاک کر۔

آغاز جنگ :

جب جنگ کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے مشرکین میں سے عتبہ بن ربیعہ اپنے

بھائی شیبہ بن ربیعہ اور اپنے بیٹے ولید کو لے کر میدان میں آیا اور اپنا مبارز اور مقابل طلب کیا۔لشکر اسلام میں سے تین اشخاص مقابلے کے لئے نکلے ۔عوف ؓ معوذ ؓ پسران حارث اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ عتبہ نے پوچھا تم کون ہو انہوں نے کہا'' رھط من الانصار''،گروہ انصار میں سے ہیں عتبہ نے کہا'' مـ لنا بکم من حاجة ''ہم کو تم سے مطلب نہیں ہم تو اپنی قوم سے لڑنا چاہتے ہیں اور آواز دی۔

''یا محمد اخرج الینا اکفاء نا من قومنا''

(سیرت حلبیہ ج۲ص۴۰۱)

اے محمد ہماری قوم میں سے ہماری جوڑ کے ہم سے لڑنے کو بھیج

آنحضرت ﷺ نے انصار کو حکم دیا صف قتال کی طرف واپس آ جائیں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور عبیدۃ بن حارث رضی اللہ عنہ کو نام لے کر مقابلے کے لئے نکلنے کا حکم فرمایا جب یہ حضرات مقابلے کے لئے نکلے تو عتبہ نے کہا'' نعم اکفاء کـرام'' ہاں تم ہمارے جوڑ اور برابر کے ہو اور محترم ہو۔اس کے بعد جنگ شروع ہوگئی۔ اسلام کے شیر دل نے ان تینوں کافروں کو جہنم کے گھاٹ اتار دیا۔اور عبیدہ ؓ زخمی ہو گئے،ان تینوں کافروں کے قتل ہونے کے بعد میدان کارزار گرم ہو گیا تو آپ ﷺ بارگاہ خداوندی میں دعا کے لئے ہاتھ پھیلائے،

اللھم انجز لی ما وعد تنی اللھم ات ما وعدتنی اللھم ان تھلک
ھذہ العصا بة من اھل الاسلام لا تعبد فی الارض

(صحیح مسلم ج۲ص۹۳)

اے اللہ تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے پورا فرما اور اے اللہ اگر مسلمانوں کی یہ جما عت ہلاک ہوگئی تو پھر زمین میں تیری عبادت نہ ہوگی۔ دیر تک ہاتھ پھیلائے یہ دعا فرماتے رہے۔

اہل اسلام کی امداد کے لئے آسمان سے فرشتوں کا نزول :

مسلمانوں کی امداد کے لئے اول حق تعالیٰ نے ایک ہزار پھر تین ہزار اور پھر پانچ ہزار فرشتے اتارے، جنہوں نے مسلمانوں کے ساتھ ملکر جہاد کیا، اور قریش کے بڑے بڑے سردار اس جنگ میں مارے گئے۔

بحمد اللہ تعالیٰ فتح مبین پر لڑائی کا خاتمہ ہوا قریش کے ستر آدمی قتل اور ستر گرفتار ہوئے۔ مقتولین کی لاشوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے بدر کے کنویں میں ڈالنے کا حکم دیا۔ مگر امیہ بن خلف کی لاش اس قدر پھول گئی تھی کہ جب اسے اٹھانے کا ارادہ کیا تو اس کی لاش کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے۔ اسکو وہیں مٹی میں دبا دیا گیا۔

بعد ازاں رسول اللہ ﷺ نے اس فتح مبین کی بشارت اور خوشخبری سنانے کے لئے مدینہ منورہ قاصد روانہ فرمائے اہل عالیہ کی طرف عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو اور اہل سافلہ کی طرف زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ بشارت اس وقت ہمارے کانوں میں پہنچی جس وقت کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی تدفین کر رہے تھے، ان کی تیمارداری کے لئے آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو

مدینہ چھوڑا تھا، اسی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بدر میں شریک نہ ہو سکے، مگر چونکہ آنحضرت ﷺ کے حکم سے آپ مدینہ میں رہے تھے، اس لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حکما بدر میں شریک تھے۔

مال غنیمت کی تقسیم :

فتح کے بعد آنحضرت ﷺ نے بدر میں تین روز قیام فرمایا، تین روز قیام کے بعد مدینہ منورہ کی طرف متوجہ ہوئے اور مال غنیمت عبداللہ بن کعب رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا اور مقام صفراء میں پہنچ کر مال غنیمت تقسیم فرمایا۔ اور قیدیوں کو مدینہ منورہ پہنچ کر صحابہ میں تقسیم فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ قیدیوں کے ساتھ بھلائی اور حسن سلوک کرو۔ آٹھ صحابہ ایسے تھے جو اس غزوہ میں شریک نہ ہو سکے تھے لیکن اہل بدر میں شمار کئے گئے، آنحضرت ﷺ نے مال غنیمت میں سے ان کو حصہ عطا فرمایا۔ پھر آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرنے بعد فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ دیا اور اس جنگ میں چودہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی شہید ہوئے۔

غزوۂ قرقرۃ الکدر :

غزوۂ بدر کی مراجعت کے بعد شروع شوال میں سلیم اور غطفان کے اجتماع کی خبر پا کر آپ ﷺ نے دوسو ساتھیوں کے ساتھ خروج فرمایا۔ جب آپ ﷺ چشمہ کدر پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ دشمنان اسلام پہلے سے آپ ﷺ کی خبر پا کر نکل چکے تھے۔ تین روز قیام فرما کر بغیر جنگ وجدال کے واپس آ گئے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں

سے آپ ﷺ نے ایک سریہ ان کے تعاقب میں روانہ فرمایا۔ جو غنیمت میں پانچ سو اونٹ لے کر واپس ہوا۔

غزوہ بنی قینقاع : ۱۵ شوال یوم شنبہ ۲ھ

بنی قینقاع عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے برادری کے لوگ تھے نہایت شجاع اور بہادر تھے، زرگری کا کام کرتے تھے شوال کی پندرہ یا سولہ تاریخ کو بروز شنبہ رسول اللہ ﷺ ان کے بازار میں تشریف لے گئے اور سب کو جمع کر کے وعظ فرمایا

"یا معشر یھود احذروا من اللہ مثل ما نزل بقریش من النقمۃ واسلموا فانکم قد عرفتم انی نبی مرسل تجدون ذلک فی کتابکم وعھد اللہ الیکم" (البدایہ والنھایہ ج ۴ ص ۶)

اے گروہ یہود اللہ سے ڈرو جیسے بدر میں قریش پر خدا کا عذاب نازل ہوا کہیں اسی طرح تم پر نازل نہ ہو۔ اسلام لے آؤ اس لئے کہ تحقیق تم خوب پہچانتے ہو کہ میں بالیقین اللہ کا نبی اور اس کا رسول ہوں جس کو تم اپنی کتابوں میں لکھا ہوا پاتے ہو۔ اور اللہ نے تم سے اس کا عہد لیا ہے۔

یہود یہ سنتے ہی مشتعل ہو گئے اور یہ جواب دیا کہ آپ اس غرہ میں ہرگز نہ رہنا کہ ایک ناواقف اور ناتجربہ کار قوم قریش سے مقابلہ میں آپ غالب آ گئے واللہ ہم سے مقابلہ ہو تو خوب معلوم ہو جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تھے تو بنی قینقاع اور

قریظہ اور بنو نضیر سے یہ معاہدہ ہوا تھا کہ ہم نہ آپ سے جنگ کریں گے اور نہ آپ کے دشمن کو کسی قسم کی مدد دیں گے مگر سب سے پہلے بھی بنی قینقاع نے عہد شکنی کی۔ اور جنگ کے لئے آمادہ ہو گئے۔

یہ لوگ مضافات مدینہ میں رہتے تھے رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں اپنے بجائے ابولبابہ بن عبدالمنذر انصاری رضی اللہ عنہ کو مقرر فرما کر بنی قینقاع کی طرف خروج فرمایا۔ ان لوگوں نے قلعہ میں داخل ہو کر دروازہ بند کرلیا، رسول اللہ ﷺ نے پندرہ دن تک ان کا محاصرہ فرمایا، بالآخر مجبور ہو کر سولہویں روز یہ لوگ قلعہ سے اُتر آئے چنانچہ راس المنافقین عبداللہ بن ابی سلول کی آہ وزاری کی وجہ سے قتل سے تو درگزر فرمایا مگر مال واسباب لے کر جلاوطنی کا حکم دیا اور مال غنیمت لے کر مدینہ منورہ واپس ہوئے، ایک خمس خود لیا اور چار خمس غانمین پر تقسیم فرمایا۔ بدر کے بعد یہ پہلا خمس تھا جو رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے لیا۔

غزوہ سویق ۵ ذی الحجہ ۲ھ

بدر سے جب مشرکین کا شکست خوردہ لشکر مکہ پہنچا۔ تو ابوسفیان بن حرب نے یہ قسم کھائی کہ جب تک مدینہ پر حملہ نہ کرلوں گا اس وقت تک غسل جنابت نہ کروں گا چنانچہ اپنی قسم پوری کرنے کے لئے شروع ذی الحجہ میں دوسو (۲۰۰) سواروں کو لیکر مدینہ کی طرف روانہ ہوا مقام عریض میں پہنچ کر جو مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے ایک کھجور کے باغ میں گھسے۔ وہاں دو شخص زراعت کے کام میں مصروف تھے ایک شخص انصار میں سے تھا اور

دوسرا اجیر تھا ان دونوں کو قتل کیا اور کچھ درخت جلائے اور سمجھے کہ ہماری قسم پوری ہوگئی۔اور بھاگ گئے، آنحضرت ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو پانچ ذی الحجہ یوم یکشنبہ ۲۰۰ مہاجرین اور انصار کو لے کر ابوسفیان کے تعاقب میں روانہ ہوئے مگر کوئی ہاتھ نہ آیا یہ لوگ پہلے ہی نکل بھاگ گئے تھے، چلتے وقت بوجھ ہلکا کرنے کے لئے ستو کے جو تھیلے ہمراہ لائے تھے۔ وہ چھوڑ گئے تھے وہ سب مسلمانوں کو ہاتھ آئے اس لئے اس غزوہ کا نام غزوۃ السویق ہے یعنی ستو والا غزوہ۔

غزوۂ غطفان :

جس کو غزوۂ انمار اور غزوۂ ذی امر بھی کہتے ہیں۔ غزوۂ سویق سے واپسی کے بعد ذی الحجہ آپ ﷺ مدینہ منورہ ہی میں مقیم رہے۔ اسی دوران آپ کو یہ خبر پہنچی کہ بنی ثعلبہ اور بنی محارب (جو کہ قبلیہ غطفان کی شاخیں ہیں) نجد میں جمع ہورہے ہیں اوران کا ارادہ یہ ہے کہ اطراف مدینہ میں لوٹ ڈالیں اور دعثور غطفانی ان کا سردار تھا ماہ محرم الحرام ۳ھ میں آپ ﷺ نے غطفان پر چڑھائی کی غرض سے نجد کی طرف خروج فرمایا اور مدینہ میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا اور چار سو پچاس صحابہ آپ ﷺ کے ہمراہ تھے غطفانی آپ کی خبر سنتے ہی پہاڑوں میں منتشر ہوگئے صرف بنی ثعلبہ کا ایک شخص ہاتھ آیا صحابہ اس کو پکڑ کر آپ ﷺ کی خدمت میں لائے آپ ﷺ نے اس کو اسلام کی دعوت دی اور وہ اسلام لے آیا، صفر کا پورا مہینہ وہیں گزارا، بلا جنگ وجدال کے ربیع الاول میں مدینہ تشریف لائے۔

غزوہ بُحران :

ربیع الثانی ۳ھ میں آپ ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ مقام بحران جو حجاز کا معدن ہے وہاں بن سلیم اسلام کی مخالفت پر جمع ہو رہے ہیں، آپ ﷺ نے خبر پاتے ہی تین سو صحابہ کی معیت میں بحران کی طرف خروج فرمایا، اور مدینہ پر عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا، وہ لوگ آپ ﷺ کے آنے کی اطلاع سنتے ہی نکل بھاگے اور آپ ﷺ بغیر جنگ کے واپس مدینہ تشریف لائے۔

غزوہ احد :

قریش مکہ جب بدر سے بری طرح شکست کھا کر مکہ واپس ہوئے تو یہ معلوم ہوا کہ وہ کاروان تجارت جس کو ابوسفیان ساحلی راستے سے بچا کر نکال لایا تھا وہ مع اصل سرمایہ اور زرمنافع دارالندوہ میں بطور امانت محفوظ ہے۔ بدر کی اس شکست اور ذلت کا زخم ہر ایک شخص کے دل میں تھا جذبہ انتقام سے ہر شخص کا سینہ لبریز تھا سرداران قریش ایک مجلس میں جمع ہوئے کہ کاروان تجارت بطور امانت محفوظ ہے اس میں سے اصل سرمایہ تمام شرکاء پر بقدر حصص تقسیم کر دیا جائے اور زرمنافع کلیہ محمد ﷺ سے جنگ کی تیاری میں صرف کیا جائے تاکہ ہم مسلمانوں سے اپنا بدلہ لے لیں۔ بیک آواز سب نے اس درخواست کو قبول کر لیا اور زرمنافع پچاس ہزار دینار تھی وہ سب اس کام کے لئے جمع کر دیا گیا۔

غرض یہ کہ قریش نے خوب تیاری کی اور عورتوں کو بھی ہمراہ لیا تاکہ وہ رجزیہ اشعار سے لڑنے والوں کی ہمت بڑھائیں اور بھاگنے والوں کو غیرت دلائیں۔ اسی طرح

تین ہزار آدمیوں کا لشکر جمع ہو گیا جن میں سے سات سو زرہ پوش تھے اور دو سو گھوڑے اور تین ہزار اونٹ اور پندرہ عورتیں ہمراہ تھیں یہ تین ہزار کا لشکر جرار نہایت کروفر سے ابوسفیان بن حرب کی سرکردگی میں پانچ شوال ۳ھ کو مکہ سے روانہ ہوا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس وقت مکہ میں تھے یہ تمام حالات لکھ کر نبی کریم ﷺ کے پاس ایک تیز رو قاصد کے ہاتھ روانہ کئے اور قاصد کو یہ تاکید کی کہ تین دن کے اندر اندر کسی طرح آپ ﷺ کے پاس خط پہنچا دے۔

یہ خبر پاتے ہی آپ ﷺ نے حضرت انس اور مونس رضی اللہ عنہما کو قریش کی خبر لینے کے لئے روانہ فرمایا۔ انہوں نے آ کر یہ اطلاع دی کہ قریش کا لشکر کا مدینہ کے بالکل قریب آ پہنچا ہے۔ بعد ازاں حباب بن منذر کو ان کا اندازہ کرنے کے لئے بھیجا حباب رضی اللہ عنہ نے آ کر ٹھیک اندازہ اور صحیح تخمینہ سے اطلاع دی۔ جب صبح ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا اکابر مہاجرین اور انصار نے یہ مشورہ دیا کہ مدینہ ہی میں پناہ گزیں ہو کر مقابلہ کیا جائے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، میں نے خواب دیکھا کہ میں ایک مضبوط زرہ میں ہوں اور ایک گائے ہے کہ ذبح کی جا رہی ہے جس کی تعبیر یہ ہے مدینہ بمنزلہ مضبوط زرہ کے ہے اور ذبح بقر سے اس طرف اشارہ ہے کہ میرے اصحاب میں سے کچھ لوگ شہید ہو جائیں گے۔ لہٰذا میری رائے مدینہ ہی میں قلعہ بند ہو کر مقابلہ کیا جائے اور خواب میں یہی دیکھا، کہ میں نے تلوار کو ہلایا اس کے سامنے کا حصہ ٹوٹ گیا پھر اسی تلوار کو دوبارہ ہلایا تو وہ تلوار پہلے سے زیادہ عمدہ ہو گئی، راس المنافقین عبداللہ بن ابی کی بھی رائے یہ تھی کہ مدینہ میں رہ کر ان کا مقابلہ کیا جائے۔ لیکن بعض نوجوان جو بدر میں شریک نہ

ہو سکے تھے ،بعض اکابر صحابہ ان کی رائے یہ ہوئی کہ مدینہ سے باہر نکل کر ان پر حملہ کیا جائے۔ چنانچہ عصر کی نماز سے فارغ ہو کر آپ ﷺ حجرہ شریفہ میں تشریف لے گئے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ حجرہ میں گئے ۔اس کے بعد آپ ﷺ دو زرہیں پہن کر اور مسلح ہو کر باہر تشریف لے آئے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم نے غلطی سے خلاف مرضی مبارک اصرار کیا جو ہمارے لئے کسی طرح مناسب نہ تھا۔آپ ﷺ صرف اپنی رائے پر عمل فرمائیں آپ نے فرمایا کسی نبی کے لئے یہ جائز نہیں کہ ہتھیار لگا کر اتار دے یہاں تک کہ وہ اللہ کے دشمنوں سے جنگ نہ کرے۔اس کے بعد ۱۱ شوال یوم جمعہ نماز عصر آپ ﷺ ایک ہزار جمعیت کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے آپ گھوڑے پر سوار تھے سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما زرہ پہنے ہوئے آپ ﷺ کے آگے آگے تھے ۔اور سب مسلمان آپ ﷺ کے دائیں اور بائیں چلتے تھے، جب آپ ﷺ لشکر اسلام کو لے کر احد کے قریب پہنچے تو رأس المنافقین عبداللہ بن ابی جو تین سو آدمیوں کی جماعت اپنے ہمراہ لایا تھا یہ کہہ کر واپس ہو گیا، کہ آپ نے میری رائے نہیں مانی۔ہم بلا وجہ کیوں اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈالیں یہ جنگ نہیں ہے اگر ہم اس کو جنگ سمجھتے تو تمہارا ساتھ دیتے انہی لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ج وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ط قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ط هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ج يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ط وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ٥　(سورۃ آل عمران آیت ۱۶۷)

اب نبی کریم ﷺ کے ساتھ صرف سات سو صحابہ رہ گئے جن میں صرف سو آدمی زرہ پوش تھے اور سارے لشکر میں صرف دو گھوڑے تھے۔ ابھی آپ ﷺ مقام شیخین ہی میں تھے کہ آفتاب غروب ہو گیا حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی آپ ﷺ نے مغرب کی نماز پڑھائی، اور یہیں شب کو قیام فرمایا اور شب کے آخری حصہ میں آپ ﷺ نے کوچ فرمایا جب احد کے قریب پہنچے صبح کی نماز کا وقت ہو گیا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دینے کا حکم دیا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی آپ ﷺ نے نماز پڑھائی۔ نماز سے فارغ ہو کر لشکر کی جانب متوجہ ہوئے مدینہ کو سامنے اور احد کو پس پشت رکھ کر صفوں کو مرتب فرمایا۔ اس کے بعد پچاس تیراندازوں کا ایک دستہ جبل احد کے پیچھے بٹھا دیا تاکہ قریش پشت سے حملہ نہ کر سکیں اور عبد اللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو اس کا امیر مقرر فرمایا اور یہ حکم دیا کہ اگر ہم کو مشرکین پر غالب ہوتے دیکھو تب بھی یہاں سے نہ ہٹنا اور اگر مشرکین کو ہم پر غالب ہوتے دیکھو تب بھی اس جگہ سے نہ ہٹنا اور نہ ہماری مدد کے لئے آنا۔ قریش کا لشکر چہارشنبہ کو مدینہ پہنچ کر احد کے دامن میں پڑاؤ ڈال چکا تھا۔ جس کی تعداد تین ہزار تھی جن میں سات سو زرہ پوش اور دو سو گھوڑے اور تین ہزار اونٹ تھے اور پندرہ خواتین ہمراہ تھیں۔ اور قریش نے اپنے لشکر کے میمنہ پر خالد بن ولید کو اور میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل کو اور پیادوں پر صفوان بن امیہ کو اور کہا جاتا ہے کہ عمرو بن العاص کو اور تیراندازوں پر عبد اللہ بن ربیعہ کو افسر مقرر کیا مگر بعد میں چل کر قریش کے یہ پانچوں امراء لشکر مشرف باسلام ہوئے رضی اللہ عنہم۔

چنانچہ جنگ کا آغاز ہوا قریش کی طرف سے سب سے پہلے میدان جنگ میں ابو

عامر نکلا جو زمانہ جاہلیت میں قبیلہ اوس کا سردار تھا اور للکار کر کہا یا معشر الاوس انا ابو عامر اے گروہ اوس میں ابو عامر ہوں خدا اوس کی آنکھیں ٹھنڈی کرے جنہوں نے فوراً ہی یہ جواب دیا اے خدا کے فاسق اور نافرمان خدا کبھی تیری آنکھیں ٹھنڈی نہ کرے یہ جواب سن کر ابو عامر واپس ہو گیا اور جا کر کہا میرے بعد میری قوم کی حالت بدل گئی۔اس کے بعد دوسرا مبارز مشرکین کی طرف سے طلحہ بن ابی طلحہ میدان میں آیا اور مسلمانوں کو للکارا۔مسلمانوں کی طرف سے حضرت علی رضی اللہ عنہ مقابلے کے لئے نکلے اور تلوار چلائی جس سے اسکا پیر کٹ گیا اور منہ کے بل گر گیا اور ستر کھل گیا حضرت علی رضی اللہ عنہ شرم کے مارے پیچھے ہٹ گئے۔اسی طرح ان کے آدمیوں کو انفرادی مقابلے میں ناکامی ہوئی،اس کے بعد سباع بن عبدالعزا نے کہا ھل من مبارزِ! ہے کوئی میرا مقابلہ کرنے والا۔حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس کی طرف یہ کہتے ہوئے بڑھے اے سباع،اے عورتوں کی ختنہ کرنے والی عورت کے بچے تو اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کرتا ہے یہ کہہ کر اس پر تلوار کا ایک وار کیا ایک ہی وار میں اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔وحشی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی تاک میں ایک پتھر کے نیچے چھپا بیٹھا تھا جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ادھر سے گزرے تو وحشی نے پیچھے سے نیزہ مارا جو پار ہو گیا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے جام شہادت نوش فرمایا۔

مسلمانوں کے دلیرانہ اور جان بازانہ حملوں سے قریش کے میدان جنگ سے پیر اکھڑ گئے اور اِدھر اُدھر منہ چھپا کر اور پشت دکھا کر بھاگنے لگے اور عورتیں بھی پریشان اور بد حواس ہو کر پہاڑوں کی طرف بھاگنے لگیں اور مسلمان مال غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہو گئے۔تیر اندازوں کی اس جماعت نے جو کہ درہ کی حفاظت کے لئے بٹھائی گئی تھی جب یہ

دیکھا کہ فتح ہوگئی اور مسلمان مال غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہیں یہ بھی اسی طرح بڑھے ان کے امیر عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے بہت روکا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ تاکید فرمائی تھی کہ تم اس جگہ سے نہ ہٹنا۔ مگر ان لوگوں نے نہ مانا اور مرکز چھوڑ کر غنیمت جمع کرنے والی جماعت میں جا ملے۔ مرکز پر صرف عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور دس آدمی رہ گئے حکم نبوی کے خلاف کرنا تھا کہ یکایک فتح شکست سے بدل گئی خالد بن ولید نے جو اس وقت مشرکین کے میمنہ پر تھے درہ کو خالی دیکھ کر پشت پر سے حملہ کر دیا عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور مع اپنے ساتھیوں کے شہید ہوئے۔

مشرکین کے اس ناگہانی اور یکبارگی حملہ سے مسلمانوں کی صفیں درہم برہم ہو گئیں اور دشمنان خدا رسول اللہ ﷺ کے نزدیک آپہنچے۔ مسلمانوں کے علمبردار مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے آپ ﷺ نے علم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا۔ چونکہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے مشابہ تھے اس لئے کسی شیطان نے یہ افواہ اڑادی کہ آنحضرت ﷺ شہید ہو گئے اس لئے تمام مسلمانوں میں اضطراب پھیل گیا اور اس خبر وحشت کے سنتے ہی سب کے سب بدحواس ہو گئے اور اس بدحواسی میں دوست اور دشمن کا بھی امتیاز نہ رہا اور آپس میں ایک دوسرے پر تلوار چلنے لگی۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد یمان رضی اللہ عنہ بھی اس کشمکش میں شہید ہوئے۔ عتبہ بن ابی وقاص نے موقع پا کر آنحضرت ﷺ پر ایک پتھر پھینکا جس سے نیچے کا دندان مبارک شہید اور نیچے کا لب مبارک زخمی ہوا۔ عبداللہ بن قمیہ جو قریش کا مشہور پہلوان تھا آپ پر اس زور سے حملہ کیا کہ رخسار مبارک زخمی ہوا اور خود کی دو کڑیاں رخسار مبارک میں گھس گئیں۔ عبداللہ بن شہاب زہری

نے پتھر مار کر پیشانی مبارک کو زخمی کیا چہرہ انور سے جب خون بہنے لگا۔ تو حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے تمام خون چوس کر چہرہ انور کو صاف کر دیا آپ ﷺ نے فرمایا تجھ کو جہنم کی آگ ہرگز نہ لگے گی۔

شہداء احد کی تجہیز و تکفین :

اس غزوہ میں ستر صحابہ کرام شہید ہوئے جن میں اکثر انصار تھے۔ بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ کفن کی چادر بھی پوری نہ تھی چنانچہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہی واقعہ پیش آیا کہ کفن کی چادر اس قدر چھوٹی تھی کہ سر اگر ڈھانکا جاتا تو پاؤں کھل جاتے تھے، اگر پاؤں ڈھکے جاتے تھے تو سر کھل جاتا تھا۔ بالآخر آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا۔ کہ سر ڈھانک دو اور پیروں پر اذخر (ایک گھاس ہوتی ہے خوشبودار) ڈال دو۔

یہی واقعہ سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی پیش آیا اور بعض کے لئے یہ بھی میسر نہ آیا دو دو آدمیوں کو ایک ہی چادر میں کفن دیا گیا۔ اور دو دو تین تین کو ملا کر ایک قبر میں دفن کیا گیا۔ بعض صحابہ نے یہ ارادہ کیا کہ اپنے عزیز شہیدوں کو مدینہ لے کر دفن کریں !!!! لیکن رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا۔ اور یہ حکم دیا کہ جہاں شہید ہوئے وہیں دفن کیئے جائیں۔

غزوہ حمراء الاسد ! ۱۶ شوال یوم یکشنبہ ۳ھ

قریش جب جنگ احد سے واپس ہوئے اور مدینہ سے چل کر مقام روحاء میں ٹھہرے تو یہ خیال آیا کہ کام ناتمام رہا۔ جب ہم محمد کے بہت سے اصحاب کو قتل کر چکے اور

بہت سوں کوزخمی کیا ہے۔تو بہتر یہ ہے کہ دوبارہ مدینہ پر حملہ کیا جائے اور مسلمانوں کو ختم کر دیا جائے۔

آنحضرت ﷺ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے اسی وقت بلال رضی اللہ عنہ کو بھیج کر تمام مدینہ میں منادی کرادی کہ خروج کے لئے تیار ہو جائیں اور فقط وہی لوگ ہمراہ چلیں جو معرکہ احد میں شریک تھے۔ چنانچہ ۱۶ شوال یوم یکشنبہ کو مدینہ سے چل کر آپ ﷺ نے مقام حمراء الاسد پر قیام فرمایا جو مدینے سے تقریباً آٹھ دس میل کے فاصلے پر ہے۔قبیلہ خزاعہ کا سردار معبد خزاعی احد کی شکست کی خبر سن کر بغرض تعزیت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

آپ کے ان اصحاب کی تعزیت کی جو احد میں شہید ہوئے تھے۔معبد آپ ﷺ سے رخصت ہو کر ابوسفیان سے جا کر ملا ابوسفیان نے اپنا خیال ظاہر کیا۔کہ مدینہ پر دوبارہ حملہ کیا جائے۔معبد نے کہا محمد تو بڑی عظیم الشان جماعت لے کر تمھارے مقابلے کے لئے نکلے ہیں ابوسفیان یہ سنتے ہی مکہ واپس ہو گیا رسول اللہ ﷺ نے تین دن قیام فرما کر جمعہ کے روز مدینہ منورہ تشریف لائے۔

غزوہ بنی نضیر ربیع الاول ۴ھ

حضرت عمرو بن امیہ ضمری جب بیر معونہ سے واپس مدینہ آئے تو اور آپ کے باقی ساتھی شہید ہو گئے تھے۔راستے میں بنی عامر کے دو مشرک ساتھ ہو لئے جو مقام قناۃ میں پہنچ کر ایک باغ میں سو گئے۔تو عمرو بن امیہ نے یہ سمجھ کر کہ ان کے سردار عامر بن طفیل

نے ستر مسلمان شہید کئے ہیں ان میں سے بعض کا انتقام لے لوں۔ اس نے ان دونوں کو قتل کر دیا۔ مدینہ پہنچ کر آپ نے یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کو بتایا آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے ساتھ ہمارا عہد پیمان تھا۔ چنانچہ آپ نے ان دونوں شخصوں کی دیت روانہ فرمائی۔

بنو نضیر بھی چونکہ بنو عامر کے حلیف تھے اس لئے از روئے معاہدہ دیت کا کچھ حصہ جو بنو نضیر کے ذمہ واجب الادا تھا اس سلسلہ میں آنحضرت ﷺ اس دیت میں امداد کی غرض سے بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے بعض صحابہ آپ ﷺ کے ہمراہ تھے آپ ﷺ ایک دیوار کے سایہ میں بیٹھ گئے بنو نضیر نے بظاہر خندہ پیشانی سے جواب دیا لیکن اندرونی یہ مشورہ کیا کہ ایک شخص چھت پر چڑھ کر اوپر سے ایک بھاری پتھر گرا دے تا کہ آپ کا کام ہی تمام ہو جائے۔ چنانچہ کچھ دیر نہ گزری کہ جبرائیل امینؑ وحی لے کر تشریف لائے اور آپ ﷺ کو ان کے مشورے سے مطلع کر دیا آپ ﷺ فوراً ہی وہاں سے آٹھ کر مدینہ تشریف لائے یہود کو جب آپ ﷺ کے چلے جانے کا علم ہوا تو بہت نادم ہوئے جب آپ ﷺ کی واپسی میں تاخیر ہوئی تو صحابہ آپ ﷺ کی تلاش میں مدینہ آئے آپ ﷺ نے یہود کی غداری سے مطلع فرمایا اور بنو نضیر پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا حاکم مقرر فرما کر بنو نضیر کی طرف روانہ ہوئے اور جا کر ان کا محاصرہ کیا بنو نظیر اپنے قلعوں میں گھس کر دروازے بند کر لئے۔

مسلمانوں کے مقابلے میں آنے کی ان کو ہمت نہ ہوئی۔ پندرہ روز تک ان کو محاصرے میں رکھا اور ان کے باغوں اور درختوں کو کاٹنے اور جلانے کا حکم دیا۔ اور ان کو دس دن کی مہلت دی مدینہ خالی کرنے کی اور ان کو اجازت دی کہ جتنا مال لے جا سکتے ہیں

لے جاؤ۔ چنانچہ وہ مدینہ چھوڑ کر خیبر میں جا کر ٹھہرے، آپ ﷺ نے ان کا مال مہاجرین میں تقسیم فرمایا۔

غزوۂ ذات الرقاع: جمادی الاول ۴ھ

جمادی الاولیٰ ۴ھ میں آپ ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ بنی محارب اور بنی ثعلبہ آپ ﷺ کے مقابلے میں لشکر جمع کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے چار سو صحابہ کی جماعت ہمراہ لے کر نجد کی طرف روانہ ہوئے جب آپ ﷺ نجد پہنچے تو کچھ لوگ قبیلہ غطفان کے ملے مگر لڑائی کی نوبت نہیں آئی آنحضرت ﷺ نے وہاں لوگوں کو صلاۃ الخوف پڑھائی۔

غزوۂ بدر موعد: شعبان ۴ھ

غزوۂ ذات الرقاع سے واپسی کے بعد آخر رجب تک آپ مدینہ ہی میں مقیم رہے احد سے واپسی کے وقت چونکہ ابوسفیان سے وعدہ ہو چکا تھا کہ آئندہ سال بدر میں لڑائی ہوگی۔ اس بناء پر آنحضرت ﷺ پندرہ سو صحابہ کو اپنے ہمراہ لے کر ماہ شعبان میں بدر کی طرف روانہ ہوئے بدر پہنچ کر آٹھ روز تک ابوسفیان کا انتظار فرمایا۔

ابوسفیان بھی اہل مکہ کو لے کر مر الظہر ان تک پہنچا لیکن مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی ،اور یہ کہہ کر واپس ہوا کہ یہ سال قحط اور گرانی کا ہے۔ آنحضرت ﷺ آٹھ روز انتظار کے بعد جب مقابلہ سے ناامید ہوئے تو بلا جنگ وجدال مدینہ واپس ہوئے۔

غزوۂ دومۃ الجندل:

ماہ ربیع الاول میں آپ ﷺ کو یہ خبر ملی کہ دومۃ الجندل کے لوگ مدینہ پر حملہ کرنا

ہیں۔ آپ ﷺ نے ایک ہزار صحابہ کی جماعت کو ہمراہ لے کر ۲۵ ربیع الاول ۵ ھ
دومۃ الجندل کی طرف خروج فرمایا وہ لوگ خبر سنتے ہی منتشر ہو گئے۔ لہٰذا آپ بلا جدال
و قتال کے واپس ہوئے اور ۲۰ ربیع الثانی کو مدینہ میں داخل ہوئے۔

غزوہ مریسیع یا بنی المصطلق شعبان یوم دوشنبہ ۵ ھ

آنحضرت ﷺ کو یہ خبر پہنچی کہ حارث بن ابی ضرار سردار بنی المصطلق نے بہت سی
فوج جمع کی ہے اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاری میں ہے آپ ﷺ نے بریدہ بن حصیب
اسلمی رضی اللہ عنہ کو خبر لینے کے لئے روانہ فرمایا، حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے آکر بیان کیا
کہ خبر صحیح ہے آپ ﷺ نے صحابہ کو خروج کا حکم دیا صحابہ فوراً تیار ہو گئے تیس گھوڑے ہمراہ لئے
اس مرتبہ مال غنیمت کے طمع میں منافقین کا بھی ایک کثیر گروہ ہمراہ ہو لیا مدینہ میں زید بن
حارثہ رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا اور ازواج مطہرات میں سے ام المومنین حضرت
عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لیا اور دو شعبان کو مریسیع کی طرف
خروج فرمایا۔ تیز رفتاری کے ساتھ چل کر ناگہاں اور اچانک ان پر حملہ کر دیا اس وقت وہ
لوگ اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے حملہ کی تاب نہ لا سکے دس آدمی ان کے قتل ہوئے با
قی مرد و عورت بچے اور بوڑھے سب گرفتار کر لئے گئے۔ مال و اسباب قبضے میں لے لیا دو
ہزار اونٹ، اور پانچ ہزار بکریاں ہاتھ آئیں۔ اور دو سو گھرانے قید ہوئے۔ انہی قیدیوں میں
سردار بنی المصطلق سردار بن ابی ضرار کی بیٹی جویریہ بھی تھیں۔ بعد میں حضرت جویریہ
آنحضرت ﷺ کے عقد نکاح میں آئیں اس لئے سب کو آزاد کر دیا گیا اسی سفر سے واپسی

میں واقعہ افک پیش آیا۔

بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسی غزوہ سے واپسی پر آیت تیمم نازل ہوئی تھی۔

غزوۂ خندق واحزاب :

اس غزوہ کا باعث اور سبب یہ ہوا کہ یہود بنو نضیر مدینہ سے نکالے گئے تو خیبر پہنچ کر اسلام کے خلاف سازشی جال کے تانے بانے بننے لگے۔ احد میں اول مسلمانوں کو شکست ہوئی بالآخر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔ تو استیصال اسلام کے لئے اس کی رگوں میں سازش کا خون دوڑنے لگا۔ قریش سے کہا یہی وقت ہے کہ اسلام کا خاتمہ کر دیا جائے قریش اس بات پر آمادہ ہو گئے، ارگرد کے قبائل بنو اسد، بنو غطفان اور بنو سعد بھی تیار ہو گئے دس ہزار کا لشکر شجر اسلام کی جڑ کاٹنے کے ارادے سے مدینے کی طرف بڑھا۔ قریش کی تعداد چار ہزار تھی۔ اُن کے پاس تین سو گھوڑے اور پندرہ سو اونٹ تھے، آنحضرت ﷺ کو اطلاع ملی۔ آپ ﷺ نے صحابہ سے مشورہ کیا جنگ کے بارے میں۔

خندق کھودنے کا مشورہ

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فارس کے دفاعی جنگ کا طریقہ بتایا کہ مدینے کی جس جانب سے حملے کا خطرہ ہے اس جانب خندق کھودی جائے، یہ شام کی جانب کا حصہ تھا آنحضرت ﷺ نے خود خندق کے حدود متعین فرمائے، خندق کی گہرائی تقریباً ساڑھے پانچ گز اور لمبائی ساڑھے تین میل رکھی گئی۔ دس دس افراد کی جماعتیں بنا کر دس

اس گز زمین ہر آدمی کے ذمے لگائی گئی۔

یہ قحط کا زمانہ تھا، سردی کے دن تھے، ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے آرہے تھے، پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے تین ہزار صحابہ کرام خندق کھود رہے تھے، جو جماعت اپنا حصہ مکمل کرتی دوسروں کے ساتھ شریک ہو جاتی۔ آنحضرت ﷺ خود بھی خندق کھود رہے ہیں۔ چھ دن میں خندق کی تکمیل کر کے کوہ سلع کے قریب قافلہ اسلام صف آراء ہوا لشکر دندناتے ہوئے پہنچا۔ تو خندق نے استقبال کیا یہ استقبال ان کے لئے نیا بھی تھا اور پریشان کن بھی۔ طرفین سے تیر اندازی شروع ہوئی بیس دن یا ایک ماہ تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اللہ کی نصرت یوں آئی کی بنو غطفان کے سردار نعیم بن مسعود اسلام لے آیا اور ایسی تدبیر کی جس سے کفار کے لشکر میں پھوٹ پڑ گئی۔ ادھر اس زور کی ہوا چلی کہ کفار کے خیموں کی طنابیں اکھڑ گئیں۔ چولہوں سے دیگچیاں الٹ گئیں سامان بکھر گئے۔ جس سے بدحواس ہو کر صبح کے پھوٹنے سے پہلے ہی کفار کا لشکر واپس مکہ روانہ ہو گیا یہ ۲۳ ذی القعدہ ۵ ھ کو چار شنبہ کا واقعہ ہے اس غزوہ میں چھ مسلمان شہید ہوئے تین یا آٹھ کافر مارے گئے۔

غزوۂ بنی قریظہ :

آنحضرت ﷺ غزوہ خندق سے صبح کی نماز کے بعد واپس ہوئے آپ ﷺ نے اور تمام مسلمانوں نے ہتھیار کھول دیئے۔ جب ظہر کا وقت قریب آیا تو جبرئیل امین ایک خچر پر سوار عمامہ باندھے ہوئے تشریف لائے اور آپ ﷺ سے مخاطب ہو کر کہا کیا آپ نے ہتھیار اتار دیئے آپ ﷺ نے فرمایا ہاں جبرائیل امین نے کہا کہ فرشتوں نے تو ابھی ہتھیار

نہیں کھولے اور نہ وہ ابھی واپس ہوئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بنی قریظہ کی طرف جانے کا حکم دیا اور میں خود بنو قریظہ کی طرف جا رہا ہوں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ نماز عصر قریظہ میں پڑھنی ہے۔ تین ہزار کے لشکر نے بنو قریظہ کا محاصرہ کیا لشکر میں ۳۶ گھوڑے تھے پچیس دن محاصرہ جاری رہنے کے بعد حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلے پر راضی ہو کر بنو قریظہ قلعوں سے اتر آئے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا فیصلہ تھا کہ ان کے مردوں کو قتل کیا جائے عورتوں اور بچوں کو غلام بنایا جائے اور ان کا مال مسلمانوں میں تقسیم ہو کہ اس طرح چار سو یہودیوں کا سر قلم کیا گیا۔

غزوۂ بنی لحیان :

یکم ربیع الاول ۶ھ کو آپ ﷺ خود بنفس نفیس عاصم بن ثابت اور خبیب بن عدی اور دیگر شہداء رجیع کا بدلہ لینے کے لئے دو سو سواروں کو ہمراہ لے کر روانہ ہوئے بنو لحیان آپ ﷺ کی خبر پاتے ہی بھاگ کر پہاڑوں میں جا کر چھپے ایک دو روز یہاں قیام فرمایا اور اطراف وجوانب میں مہمیں روانہ کیں۔

غزوۂ ذی قرد :

ذی قرد ایک چشمے کا نام ہے جو بلاد غطفان کے قریب ہے یہ آنحضرت ﷺ کی اونٹنیوں کی چراہ گاہ تھی۔ عیینہ بن حصن فزاری نے چالیس سواروں کی ہمراہی میں اس چراگاہ پر چھاپہ مارا اور آپ کی اونٹنیاں پکڑ کر لے گئے ۔ اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے کو جو اونٹنیوں کی حفاظت پر متعین تھے قتل کر ڈالا اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی

ی کو ساتھ لے گئے، حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے ان کا تعاقب کیا، دوڑ کر ان کو
پانی کے ایک چشمہ پر جا پکڑا ان پر تیر برسائے یہاں تک کہ تمام اونٹنیاں ان سے چھڑا لیں
اور تمیں یمنی چادریں ان سے الگ چھینیں۔ان کے جانے بعد آنحضرت ﷺ پانچ سو یا
سات سو آدمی لے کر روانہ ہوئے اور تیزی سے مسافت طے کر کے وہاں پہنچے اور آپ اپنے
روانہ ہونے سے پہلے بھی چند سوار روانہ فرما چکے تھے ان لوگوں نے پہلے پہنچ کر ان کا مقابلہ
کیا۔دو آدمی مشرکین میں سے مارے گئے۔اور مسلمانوں میں سے ایک شہید ہوئے۔سلمہ
بن اکوع رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا، کہ اے اللہ کے رسول کہ میں ان کو
فلاں جگہ پیاسا چھوڑ آیا ہوں اگر سو آدمی مجھ کو مل جائیں تو سب کو گرفتار کر کے لا دوں۔آپ
ﷺ مسکرائے اور فرمایا، اے اکوع جب تو مشرکین پر قابو پالے تو نرمی کر مشرکین شکست کھا
کر بھاگ گئے انحضرت ﷺ پانچ روز قیام کے بعد مدینہ واپس روانہ ہوئے۔

صلح حدیبیہ :

حدیبیہ ایک کنویں کا نام ہے جس کے متصل ایک گاؤں آباد ہے جو اسی نام سے
مشہور ہے۔یہ گاؤں مکہ مکرمہ سے نو میل کے فاصلے پر ہے، پیر کے دن یکم ذی القعدہ ۶ ھ کو
آنحضرت ﷺ عمرہ کی نیت سے مدینہ منورہ سے مکہ روانہ ہوئے اس سفر میں صحابہ کی تعداد
تقریباً پندرہ سو تھی۔لشکر اسلام نے ذوالحلیفہ سے عمرے کا احرام باندھا بسر بن سفیان کو
جاسوس بنا کر آگے بھیجا، جنگ کا خیال نہ تھا کسی قسم کا سامان حرب اور سلاح جنگ ساتھ نہیں
تھا۔جب آپ ﷺ غدیر اشطاط پر پہنچے تو آپ ﷺ کے جاسوس نے آکر کو اطلاع دی کہ قریش

آپ ﷺ کے مقابلے پر تُل گئے ہیں، اور یہ عہد کیا ہے کہ آپ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے، اور آپ ﷺ کے مقابلے میں آٹھ ہزار افراد مغربی جانب "بلدح" میں پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں۔ دو سو سواروں کے ساتھ خالد بن ولید "مقام کراع الغمیم" کی گزرگاہ پر حملہ کے لئے تاک میں ہے، آنحضرت ﷺ نے راستہ تبدیل کر کے حدیبیہ میں جا کر قیام فرمایا۔ خالد بن ولید نے محسوس کیا کہ مسلمان راستہ تبدیل کر گئے ہیں تو قریش کو نئی صورت حال سے آگاہ کیا۔

حدیبیہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے قریش سے بات چیت کے لئے مکہ بھیجا، مشرکین مکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ میں روک لیا۔ ادھر یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ گئے ہوئے دس ساتھی شہید کر دیئے گئے۔ جس کے بعد بیعت رضوان کا تاریخی واقعہ پیش آیا۔ بیعت رضوان کی خبر نے قریش کو مرعوب کر کے صلح پر آمادہ کیا، مصالحتی گفتگو کیلئے قریش نے سہل بن عمرو کو بھیجا، چند شرائط پر دس سال کے لئے صلح ہوئی، بیس یا ایک ماہ حدیبیہ میں قیام کرنے کے بعد اسلامی لشکر مدینہ منورہ کا رُخ کیا۔ واپسی پر سورۂ فتح نازل ہوئی قرآن نے صلح حدیبیہ کو فتح مبین قرار دیا۔

غزوہ خیبر محرام الحرام ۷ ھ :

آپ ﷺ حدیبیہ سے واپس ہو کر مدینہ منورہ پہنچے اور ذی الحجہ اور محرم کے شروع میں آپ مدینہ ہی میں مقیم رہے۔ اس اثناء میں آنحضرت ﷺ کو یہ حکم ہوا کہ خیبر پر چڑھائی کریں جہاں غدار یہود آباد تھے جنہوں نے بدعہدی کر کے جنگ احزاب میں کفار مکہ کو

...ینہ پر حملہ کرنے کے لئے ابھارا تھا۔ اس لئے اب وقت ہے کہ ان کی طاقت کا خاتمہ ہو، ...انچہ آپ ﷺ محرم کے آخر ے ھ میں سولہ سو صحابہ کو لیکر مدینہ سے ۹۶ میل پر شام کی ...ف واقع خیبر کی طرف روانہ ہوئے اور ازواج مطہرات میں سے ام المومنین حضرت ام ...لمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے ساتھ تھیں۔

مدینہ میں آپ ﷺ نے حضرت سباع بن عرفطہ کو قائم مقام بنایا، رات کو خیبر پہنچے ...ملے کے لئے صبح کا انتظار تھا، صبح یہودی کام کرنے کے لئے نکلے آپ ﷺ کو دیکھا تو بھاگتے ...وئے پکار اٹھے ''محمد والخمیس''، لشکر اسلام نے خیبر کے قلعوں کو محاصرہ کرلیا، اور بالترتیب ...قلعہ ناعم، قلعہ قموص، قلعہ صعب بن معاذ، قلعہ قلہ فتح کیا، اس کے بعد قلعہ وطیح وسلالم کا چودہ ...ن تک محاصرہ جاری رہا۔ مجبوراً یہود صلح پر آمادہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا سونا چاندی اور ...سامان حرب سب خیبر میں چھوڑ دو، یہود نے شرط قبول کی بعد میں آپ ﷺ سے درخواست ...کی کہ ہمیں خیبر میں ہی رہنے دیا جائے، باغات خیبر کی نصف پیداوار ہم آپ ﷺ کو دیں ...گے، آپ ﷺ نے اجازت دی غزوۂ خیبر میں تقریباً چودہ پندرہ صحابہ شہید ہوئے اور ۹۳ ...یہودی مارے گئے، خیبر کی غنیمت میں گائے، بیل اور اونٹ اور کچھ سامان تھا۔ زمینوں کے ...علاوہ جو سامان تھا اسکو آنحضرت ﷺ نے نص قرآنی کے مطابق تقسیم فرمایا۔

...غزوۂ موتہ :

موتہ ایک مقام کا نام ہے جو ملک شام میں علاقہ بلقاء میں واقع ہے، آنحضرت ﷺ نے جب سلاطین اور امراء کے نام دعوت اسلام کے خطوط روانہ فرمائے تو حضرت

حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کو دعوت اسلام کا خط دے کر قیصر روم کی جانب روانہ فرمایا۔ قیصر کے ماتحت بلقاء کا رئیس شرجیل بن عمرو نے سفیر کو قتل کر دیا۔ ان کا قصاص لینے کے لئے تین ہزار کا لشکر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی امارت میں روانہ فرمایا۔ شرجیل کو اطلاع ہوئی تو ایک لاکھ کا لشکر لے کر مقابلے کے لئے آیا۔ ہرقل مزید ایک لاکھ کے ساتھ خود پہنچا موتہ کے میدان میں دونوں لشکر آمنے سامنے تھے اور جنگ شروع ہوئی، اس جنگ میں کفار کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ گئے۔ اس غزوہ میں بارہ مسلمان شہید ہوئے۔

فتح مکہ رمضان المبارک ۸ھ:

جس وقت قریش اور رسول اللہ ﷺ کے مابین حدیبیہ میں صلح ہوئی اور عہد و پیمان لکھا گیا تو اس وقت دیگر قبائل کو اختیار دیا گیا۔ جس کے عہد اور عقد میں چاہیں شامل ہو جائیں۔ تو بنو خزاعہ مسلمانوں کا اور بنو بکر قریش کا حلیف بن گیا تھا۔ ان دونوں قبیلوں میں قدیم زمانے سے دشمنی چلی آرہی تھی۔ بنو بکر نے بنو خزاعہ پر حملہ کیا قریش نے بنو بکر کی مدد کر کے شرائط صلح کی خلاف ورزی کر دی۔ بنو خزاعہ کے سردار مدینہ آکر قریش کے معاہدہ صلح کی خلاف ورزی کی آنحضرت ﷺ کو شکایت کر دی۔ آپ نے قریش کو پیغام بھیجا کہ مقتولین خزاعہ کی دیت ادا کریں، یا بنو بکر کی معاہدے سے علیحدگی اختیار کریں، ورنہ صلح حدیبیہ کے منسوخ ہونے کا اعلان کر دیں، قریش نے صلح منسوخ ہونے کا اعلان کر دیا۔

آنحضرت ﷺ دس رمضان ۸ھ بروز چہارشنبہ دس ہزار کا لشکر لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ازواج مطہرات میں سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت

میمونہ رضی اللہ عنہا ساتھ تھیں، رات کے وقت مکہ کے قریب مرالظہر ان میں سرداران قریش ابوسفیان بن حرب، بدیل بن ورقا اور حکیم بن حزام جو تحقیق حال کے لئے مکہ سے نکلے تھے پکڑے گئے۔ اگلے دن تک تینوں اسلام لے آئے تھے، صبح ہوئی تو دین اسلام کی پاسبانوں کا لشکر مکہ کی طرف بڑھا۔ آنحضرت ﷺ مقام کداء سے گزرتے ہوئے بالائی جانب سے کسی مزحمت کا سامنا کئے بغیر داخل ہوئے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ مکہ کی نچلی جانب کدی سے مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ داخل ہوا چاہتے تھے، کہ قریش کے بعض اوباشوں نے مزاحمت کی جس میں دو مسلمان حضرت کرز بن جابر فہری رضی اللہ اور خنیس بن خالد رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی۔

کفار کے بارہ یا چوبیس آدمی مارے گئے۔ رسول اللہ ﷺ سب سے پہلے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر گئے آٹھ رکعت نماز پڑھی پھر مسجد حرام آئے، طواف کیا حرم میں رکھے ہوئے تین سو ساٹھ (۳۶۰) بتوں اور بیت اللہ کے اندر سے تصویروں کو صاف کیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیکر کعبہ کے اندر گئے اور تکبیر کے مقدس زمزموں سے اس کی فضاؤں کو منور کیا۔ باہر نکل کر خطبہ دیا اور قریش سے نفرتوں کا انتقام لینے کے بجائے سب کیلئے آزادی کا پروانہ جاری کیا۔ یہ بیس رمضان اور جمعہ کا دن تھا، تھوڑی دیر بعد نماز ظہر کیلئے باب کعبہ سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے روح پرور آواز کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں، ظہر کے بعد عام بیعت شروع ہوئی، ہفتہ ۵ شوال تک آپ یہاں رہے، ٦ شوال کو آپ ﷺ حنین کیلئے روانہ ہوئے۔

غزوۂ حنین واوطاوس طائف!

حنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک مقام کا نام ہے جہاں قبائل ہوازن اور ثقیف آباد تھے۔ فتح مکہ کی خبر سن کر ہوازن وثقیف نے باہمی مشورہ کیا کہ مسلمانوں پر حملہ کردیں۔ دونوں قبیلوں کے بیس ہزار افراد مالک بن عوف کی زیر قیادت وادی حنین پہنچے۔ آپ ﷺ کو خبر ملی تو حضرت عبداللہ بن ابی حدرد الاسلمی رضی اللہ عنہ کو صورت حال معلوم کرنے بھیجا، انہوں آ کر لشکر ہوازن وثقیف کی اطلاع دی۔ ۶ شوال ہفتہ ۸ ھ کو بارہ ہزار کا لشکر لیکر آنحضرت ﷺ حنین کی طرف روانہ ہوئے لشکر اسلام شب چارشنبہ کو وادی حنین سے گزر رہا تھا کہ اچانک گھاٹیوں میں چھپے ہوئے ثقیف وہوازن کے ہزاروں نوجوان لشکر پر ٹوٹ پڑے شروع میں مسلمان پسپا تھے لیکن سرور دو عالم ﷺ گھمسان کی جنگ میں اپنی جگہ ثابت قدم تھے۔ زبان مبارک سے نبوت کا جلال اعلان کر رہا تھا۔

انا النبی لا کذب انا ابن عبدا لمطلب

(بخاری شریف ج ا ص ۴۰۱)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سمیت چند صحابہ کو حکم ہوا کہ انصار ومہاجرین کو آواز دو پل بھر میں اسلامی لشکر دیوانہ وار پلٹ کر حملہ آور ہوا تو کچھ دیر بعد میدان صاف ہو گیا۔ دشمن کے ستر آدمی مارے گئے، چھ ہزار کے قریب قید ہوئے چوبیس ہزار اونٹ چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی مال غنیمت میں ملی۔

حنین کی شکست خوردہ فوج کا ایک حصہ اوطاس اور ایک حصہ طائف چلا گیا۔ سرور

دوعالم ﷺ نے حضرت ابو عامر کی زیر قیادت ایک جماعت اوطاس کی طرف روانہ کی۔ اوطاس میں مسلمانوں نے فتح حاصل کی، طائف کا محاصرہ پندرہ، سترہ، اٹھارہ، یا بیس دن تک جاری رہا، بارہ مسلمانوں نے شہادت پائی تاہم قلعہ فتح نہ ہوسکا۔ ثقیف کیلئے ہدایت کی دعا کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے محاصرہ اٹھالیا۔ پانچ ذی قعدہ آپ جعرانہ پہنچے، جہاں حنین کے قیدی اور مال غنیمت جمع تھا۔ دس دن سے زیادہ آپ ﷺ نے انتظار کیا کہ شائد ہوازن وثقیف اپنے قیدی چھڑانے آئیں جب کوئی نہ آیا تو اسیران جنگ سمیت مال غنیمت تقسیم کیا گیا۔

تقسیم غنائم کے بعد وفد ہوازن تائب ہوکر آیا آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے ان کے قیدی واپس کرنے کی سفارش کی تمام صحابہ نے چھ ہزار قیدیوں کو بیک وقت آزاد کردیا۔

۱۸ ذی قعدہ بروز چہارشنبہ آپ ﷺ نے جعرانہ سے عمرے کا احرام باندھا، عمرہ کرکے مدینہ منورہ واپس ہوئے اور ۲۷ ذی قعدہ کو مدینہ پہنچے ۱۰ رمضان ۸ھ کو فتح مکہ کے ارادے سے نکلے تھے، دو ماہ سولہ دن کے بعد واپسی عمل میں آئی۔

غزوۂ تبوک :

الجیش بلقاء تک آگیا ہے۔ اطلاع ملتے ہی آپ ﷺ نے پیش قدمی کرکے مقابلہ کیلئے جانے کا اعلان کیا۔ موسم گرمی کا تھا، زمانہ فصلوں کی کٹائی کا تھا۔ قحط وفاقہ عام تھا، سفر دور کا تھا اور مقابلہ وقت کی سب سے بڑی سلطنت روم سے تھا، لیکن اللہ نے اپنے نبی کی صحبت کیلئے ان ہی سعادتمند جانبازوں کا انتخاب کیا جو اس صحبت کی قدر جانتے تھے۔

ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر مال حاضر کیا۔ بہت سے مخلصین جانے کیلئے بے تاب تھے لیکن زادسفر پاس نہ تھا۔ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے ۔آپ کہاں سے لاتے واپس ہوتے ہوئے روئے اور درد سے روئے کہ آپ کا دل بھر بھر آیا

تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ (توبہ آیت ۹۲)

رجب ۹ ھ بروز جمعرات آنحضرت ﷺ تیس ہزار فوج لیکر نکلے لشکر میں دس ہزار گھوڑے تھے مومنین مخلصین سمعا وطاعۃ کہہ کر جان و مال سے تیاری میں مصروف ہو گئے سب سے پہلے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کل مال لاکر آپ ﷺ کے سامنے پیش کر دیا جس کی مقدار چار ہزار درہم تھی آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کیا اہل وعیال کے لئے کچھ چھوڑا ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا صرف اللہ اور اس کے رسول کی محبت کو اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے نصف مال پیش کیا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دوسو اوقیہ چاندی لاکر حاضر کی حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ نے ستر وسق کھجوریں پیش کیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تین سو اونٹ مع ساز وسامان کے اور ایک ہزار دینار لاکر بارگاہ نبوی میں پیش کئے آپ ﷺ نہایت مسرور ہوئے بار باران کو پلٹتے تھے اور یہ فرماتے جاتے تھے کہ اس عمل صالح کے بعد عثمان کو کوئی عمل ضرر نہیں پہنچا سکے گا اے اللہ میں عثمان سے راضی ہوا تو بھی اس سے راضی ہو جا۔ پندرہ دن سفر کرنے کے بعد تبوک پہنچا۔ مقابلے پر کوئی نہیں آیا تبوک پر قیام کے دوران آس پاس کی ریاستوں میں مہمیں روانہ کی گئیں۔ جو کامیاب لوٹیں ۔ اہل جربا، اہل اذرخ، اور ایلہ کے فرمانروا نے حاضر خدمت ہو کر صلح کی اور جزیہ دینا منظور کیا آپ ﷺ نے ان کو صلح نامہ لکھ کر عطا فرمایا۔

اسی مقام سے آپ ﷺ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو چار سو بیس سواروں کیساتھ اکیدر کی طرف روانہ فرمایا جو ہرقل کی طرف سے دومۃ الجندل کا حاکم اور فرمانروا تھا آپ ﷺ نے روانگی کے وقت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے یہ فرمایا کہ وہ تم کو شکار کھیلتا ہوا ملے گا اس کو قتل نہ کرنا گرفتار کر کے میرے پاس لے آنا ہاں اگر وہ اگر انکار کر دے تو قتل کردینا خالد چاندنی رات میں پہنچے گرمی کا موسم تھا اکیدر اور اس کی بیوی قلعہ کے فیصل پر بیٹھے ہوئے گانا سن رہے تھے اچانک ایک نیل گائے نے قلعہ کے پھاٹک سے آکر ٹکر ماری اکیدر فوراً ہی مع اپنے بھائی اور چند عزیزوں کے شکار کیلئے اُترا اور گھوڑوں پر سوار ہو کر اس کے پیچھے دوڑے تھوڑے ہی دور نکلے تھے کہ خالد بن ولید آپہنچے اکیدر کے بھائی حسان نے مقابلہ کیا اور وہ مارا گیا اور اکیدر جو شکار کرنے کیلئے نکلا تھا وہ خود خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا شکار ہو گیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کہا میں تم کو قتل سے پناہ دے سکتا ہوں بشرطیکہ تم میرے ساتھ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہونا منظور کرو۔ اکیدر نے اس کو منظور کیا، خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اکیدر کو لیکر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اکیدر نے دو ہزار اونٹ اور آٹھ سو گھوڑے اور چار سو زرہیں اور چار سو نیزیں دیکر صلح کی۔

وفات النبی ﷺ

یہ دوشنبہ کا روز ہے جس میں آپ ﷺ نے اس عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرمائی اور رفیق اعلیٰ سے جا ملے اسی دوشنبہ کی صبح کو آپ ﷺ نے حجرہ کا پردہ اٹھایا اور دیکھا کہ لوگ صف باندھے ہوئے صبح کی نماز میں مشغول ہیں صحابہ کرام رضی اللہ

عنہم کو دیکھ کر آپ ﷺ مسکرائے چہرۂ انور کا یہ حال تھا گویا کہ مصحف شریف کا ایک ورق ہے یعنی سفید ہو گیا ہے ادھر صحابہ کی فرط مسرت سے یہ حالت کہ کہیں نماز نہ توڑ ڈالیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ پیچھے ہٹیں آپ ﷺ نے اشارہ سے فرمایا کہ نماز پوری کرو ضعف اور ناتوانی کی وجہ سے آپ ﷺ زیادہ کھڑے نہ ہو سکے حجرہ کا پردہ ڈالدیا اور اندر تشریف لے گئے۔ (رواہ البخاری ج ۲ ص ۶۴۰ باب مرض النبی ﷺ)

آنحضرت ﷺ کا پردہ اٹھا کر نمازیوں کی طرف دیکھنا یہ چہرہ انور کی آخری جلوہ افروزی تھی اور صحابہ کرام کیلئے جمال نبوت کی آخری زیارت کا آخری موقع تھا۔ عشاق کی زبانِ حال یہ شعر پڑھ رہی تھی۔

وکنت اریٰ کالموت من بین ساعة فکیف ببین کان موعدہ الحشر

میں تو ایک گھڑی ہی کی جدائی کو موت سمجھتا تھا پس اس جدائی کا کیا پوچھنا کہ جہاں لقاء کا وعدہ حشر کے بعد ہو۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جب صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو سیدھے حجرہ مبارک میں گئے اور آپ ﷺ کو دیکھ کر عائشہ صدیقہ سے کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ رسول ﷺ کو اب سکون ہے، جو کرب اور بے چینی پہلے تھی وہ اب جاتی رہی، اور چونکہ یہ دن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دو بیویوں میں اس بیوی کی نوبت کا دن تھا جو مدینہ سے ایک کوس کے فاصلے پر رہتی تھیں، آنحضرت ﷺ سے اجازت لیکر وہاں چلے گے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۱۸۰)

ابو اسحاق کی روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا! یا

ہی اللہ میں دیکھتا ہوں کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل سے اچھی حالت میں صبح کی ہے اور آج میری ایک بیوی حبیبہ بنت خارجہ کی نوبت کا دن ہے اگر اجازت ہو تو وہاں ہو آؤں آپ ﷺ نے فرمایا ہاں چلے جاؤ۔ اور دوسرے لوگوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو سکون ہے تو وہ بھی اپنے گھروں کو واپس گئے۔ حضرت علیؓ حجرے مبارک سے باہر آئے لوگوں نے آپ کے مزاج دریافت کیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا بحمد اللہ آپ اچھے ہیں لوگ مطمئن ہو کر منتشر ہو گئے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کے کہا اے علیؓ خدا کی قسم تین دن کے بعد تو عبد العصاء رلاٹھی کا غلام ہو گا یعنی اور کوئی حاکم ہو گا اور تم اس کے محکوم ہو گے خدا کی قسم میں یہ سمجھتا ہوں کہ رسول ﷺ اس بیماری میں وفات پائیں گے بہتر ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ سے اس بارہ میں دریافت کرلیں کہ آپ کے بعد کون خلیفہ ہو گا اگر ہم میں سے ہو گا تو معلوم ہو جائے گا ورنہ آپ اس کو ہمارے بارے میں وصیت فرمادیں گے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے متعلق انکار فرمادے تو پھر ہم ہمیشہ کیلئے اس سے محروم ہو جائیں گے، خدا کی قسم میں آپ سے اس بارے میں ایک حرف بھی نہ کہوں گا۔

(البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۲۷)

عالمِ نزع

لوگ تو یہ سمجھ کر کہ آپ ﷺ کو افاقہ اور سکون ہے منتشر ہو گئے کچھ دیر نہ گزری تھی کہ عالم نزع شروع ہو گیا ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے آغوش میں سر رکھ کر

لیٹ گئے اتنے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عبد الرحمن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما ہاتھ میں مسواک لئے آگئے آپ ﷺ ان کی طرف دیکھنے لگے، میں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا آپ کیلئے مسواک لے لوں آپ ﷺ نے اشارہ فرمایا ہاں میں نے کہا کہ اس کو نرم کروں آپ ﷺ نے اشارہ سے فرمایا ہاں میں نے چبا کر مسواک آپ ﷺ کو دی اسی وجہ سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ بطور فخر اور بطور تحدیث بالنعمۃ یہ کہا کرتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے آخر وقت میں میرا آبِ دہن آپ ﷺ کے آبِ دہن کیساتھ ملا دیا اور آپ ﷺ کی وفات میرے حجرے میں میری نوبت کے دن میں میرے سینہ اور ہنسلی کے درمیان ہوئی۔

فائدہ

ملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے مشائخ طریقت سے نقل کیا ہے کہ جو شخص مسواک پر مواظبت کرے تو مرتے وقت اس کی زبان پر کلمہ شہادت جاری ہو جاتا ہے، اور افیون کھانے والے کی زبان پر جاری نہ ہوگا۔

آپ ﷺ کے پاس پانی کا ایک پیالہ رکھا ہوا تھا درد سے بیتاب ہوکر بار بار ہاتھ اس پیالے میں ڈالتے اور منہ پر پھیر لیتے اور یہ کہتے جاتے تھے۔ **لاالــــــہ الا اللہ ان الموت سکرات**، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں بے شک موت کی بڑی سختیاں ہیں پھر چھت کی طرف دیکھا اور ہاتھ اٹھا کر یہ فرمایا۔ **اللھم الرفیق الاعلیٰ** (بخاری شریف ج ۲ ص ۶۴۱)، اے اللہ میرے رفیق اعلیٰ میں جانا چاہتا ہوں، یعنی حظیرۃ القدس جو انبیاء اور مرسلین کا مسکن ہے وہاں جانا چاہتا ہوں۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں بار بار آپ

سن چکی تھی کہ کسی پیغمبر کی روح اس وقت تک قبض نہیں کی جاتی کہ جب تک اس کا جنت میں اس کو دکھلا نہ دیا جائے اور اس کو اختیار نہ دیا جائے کہ دنیا وآخرت میں سے جو چاہے اختیار کرے۔

جس وقت آپ ﷺ کی زبان سے یہ کلمات نکلے میں اسی وقت سمجھ گئی کہ اب آپ ہم میں نہ رہیں گے آپ ﷺ نے ملاء اعلیٰ اور قرب خداوندی کو اختیار کرلیا ہے، الغرض آپ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ کلمات نکلے۔ **اللھم الرفیق الاعلیٰ**، اور روح مبارک عالم بالا کو پرواز کر گئی، اور دست مبارک نیچے گر دیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون، انا للہ وانا الیہ راجعون، انا للہ وانا الیہ راجعون

تاریخ وفات

رسول اللہ ﷺ کے عالم فانی سے عالم آخرت کی طرف رحلت کا واقعہ جس نے دنیا نبوت ورسالت کے فیوض وبرکات اور وحی ربانی کے انوارِ تجلیات سے محروم کردیا بروز دوپہر کے وقت (۱۲) بارہ ربیع الاول کو پیش آیا۔

اس سلسلے میں مختلف اقوال

اس میں تو کسی کو اختلاف نہیں کہ آپ ﷺ کی وفات ماہِ ربیع الاول میں بروز پیر کو ہوئی اختلاف دو امر میں ہے ایک یہ کہ کس وقت وفات ہوئی دوسرے اس امر میں ربیع الاول کی کونسی تاریخ تھی۔

مغازی، ابن اسحاق میں ہے کہ چاشت کے وقت آپ ﷺ کا وصال ہوا اور

مغازی موسیٰ بن عقبہ میں زہری اور عروۃ بن زبیر سے مروی ہے کہ زوال کے وقت
ہوا یہی روایت زیادہ صحیح اور یہ اختلاف معمولی اختلاف ہے چاشت اور زوال میں کوئی
فصل نہیں البتہ تاریخ وفات میں اختلاف شدید ہے مشہور قول کی بنا پر بارہ (۱۲) ربیع الاول
کو وفات ہوئی موسیٰ بن عقبہ اور لیث بن سعد اور خوارزمی نے یکم ربیع الاول کو تاریخ وفات
بتلایا ہے اور کلبی اور ابو مخنف نے دوم ربیع الاول تاریخ وصال قرار دی ہے۔

علامہ سہیلی رحمہ اللہ نے روضۃ الانف میں اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری شرح
بخاری میں اس قول کو راجح قرار دیا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۴۷۳، ۴۷۴)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ والنہایہ میں جناب نبی کریم ﷺ کے سانحہ
ارتحال سے متعلق کئی اقوال نقل فرمائے ہیں: سلیمان بن طرخان التیمی فرماتے ہیں کہ آپ
ﷺ ۲۰ صفر کی رات میں علیل ہوئے اور آپ کی علالت تب شروع ہوئی جب آپ اپنی
ریحانہ کے یہاں تھے اور آپ کے مرض وفات کا پہلا دن ہفتہ تھا اور آپ کی وفات
دن بروز پیر دو ربیع الاول کو ہوئی۔

اور واقدی رحمہ اللہ کی یہ رائے ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ بروز بدھ اٹھارہ یا
صفر میں علیل ہوئے ۱۱ھ میں بایں وقت آنجناب ﷺ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ
کے ہاں تشریف فرما تھے اور آپ کے پاس آپ کی تمام ازواج مطہرات جمع تھیں اور آپ
روز بیمار رہے اور بروز پیر دو ربیع الاول کو آپ کا وصال ہوگیا۔

مگر واقدی رحمہ اللہ کا قول راجح یہ ہے کہ آپ کا مرض وفات بروز بدھ ۲۸
شروع ہوا اور آپ ﷺ بروز پیر (۱۲) بارہ ربیع الاول کو اس جہان فانی سے رخصت ہو

منگل کو آپ دفن کیئے گئے ،اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ابتداء ان کے گھر پر ہوا،

یعقوب ابن سفیان محمد ابن قیس کی سند سے نقل فرماتے ہیں آپ ﷺ ۱۴ دن بیمار جب آپ کچھ تسلی محسوس کرتے تو خود نماز پڑھا لیتے اور جب بوجھ محسوس فرماتے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھاتے۔

اور محمد ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں آپ ﷺ کا سانحۂ ارتحال (۱۲) بارہ ربیع الاول کو پیش آیا اسی دن جس دن آپ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تھے اور آپ ہجرت کے دس سال مکمل ہو گئے تھے۔

الاصل:

امام واقدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک یہی قول ارجح اور اثبت ہے آپ کی وفات (۱۲) بارہ ربیع الاول کو ہوئی ہے اور محمد بن سعد نے بھی اس کی توثیق کی بلکہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اخیر میں اسی قول کو راجح قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

والمشهور قول ابن اسحٰق والواقدی .ورواه الواقدی عن ابن عباس ،عن عائشة ﷺقالا :توفی رسول الله ﷺيوم الاثنين لثنتى عشرة ليلة خلت من ربيع الاول.

اور مشہور و معروف رائے امام محمد ابن اسحاق جو کہ مغازی کے امام ہیں اور واقدی تاریخ کے ماہر ہیں وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی

روایت نقل کرتے ہیں: کہ آپ ﷺ بروز پیر (۱۲) بارہ ربیع الاول کو اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئے۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۵ ص ۱۸۰، ۱۸۱)

امام طبری رحمہ اللہ اپنی تاریخ کی کتاب ''تاریخ الامم والملوک'' میں (۱۲) بارہ ربیع الاول کے قول کو ترجیح دیتے ہوئے روایت نقل فرماتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ابن حمید کی سند سے جس میں ابن اسحاق بھی ہیں، آپ فرماتی ہیں کہ آخری کلام جو آپ فرما رہے تھے وہ یہ تھا کہ جزیرۂ عرب میں دو دین نہیں چھوڑے گئے پھر فرماتی ہیں: جناب نبی کریم ﷺ کی وفات (۱۲) بارہ ربیع الاول کو ہوئی جس روز آپ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تھے اور آپ کی ہجرت کو دس سال مکمل ہو گئے تھے۔

دوسری روایت بھی ابن اسحاق سے نقل فرماتے ہیں کہ: جناب نبی کریم ﷺ بتاریخ (۱۲) بارہ ربیع الاول کو وصال فرما گئے اور بروز بدھ کو آپ کی تدفین کی گئی۔

(تاریخ الامم والملوک ج ۲ ص ۴۵۳ اور ۴۵۵)

طبقات کبریٰ لابن سعد میں اور البدایہ والنھایہ میں حضرت عبداللہ ابن عباس اور ام المؤمنین حضرت عائشہ الصدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے

توفی رسول الله ﷺ یوم الاثنین لثنتی عشرة لیلة خلت من ربیع الاول

جناب نبی کریم ﷺ کی وفات بروز پیر بارہ (۱۲) ربیع الاول کو ہوئی

(البدایہ والنھایہ ج ۵ ص ۱۸۱)

علاوہ ازیں اعلیٰ حضرت مولوی احمد رضا خان بریلوی کے فتاویٰ رضویہ جلد نہم میں مرقوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ۱۲ ربیع الاول ہے اور بریلوی مکتبہ فکر کی تنظیم المدارس

نے ایک عقائد پر مبنی رسالہ شائع کیا ہے اور اس میں بھی رسول اللہ ﷺ کی وفات ۱۲ ربیع الاول تحریر کی ہے۔

آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک

انتقال کے وقت آپ ﷺ کی عمر شریف ۶۳ تریسٹھ برس تھی، یہی جمہور کا قول ہے اور یہی صحیح ہے اور بعض پینسٹھ اور بعض ساٹھ بتلاتے ہیں۔

(فتح الباری ج۸ص۵۰۰)



داڑھی کی شرعی حیثیت

قرآنِ کریم واحادیثِ مبارکہ کی روشنی میں

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على رسوله الكريم وعلىٰ آله واصحابه اجمعين وعلى كل من تبعهم با حسان الىٰ يوم الدين اما بعد!

فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم

قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَأْسِيْ ج اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْۤ اِسْرَآءِ يْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ٥ (سورۂ طٰہٰ آیت ۹۴)

داڑھی کا ثبوت قرآن کریم کی اس آیت سے ثابت ہے کہ حضرات موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا قصہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر گئے تو اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب بنا کر کہ اِن لوگوں کا خیال رکھنا تفصیلی واقعہ ہے، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف لائے تو قوم بچھڑے کی پوجا کرنے میں لگ گئی تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام غصے میں آ کر اپنے بھائی ہارون کی داڑھی پکڑ لی اس سے ثابت ہوا انبیاء کی داڑھی ہوتی تھی، لفظ'' بلحيتى '' سے واضح ہے۔

احادیث مبارکہ میں بھی داڑھی کا ثبوت دوٹوک الفاظ میں موجود ہے

''عن ابن عمر عن النبى ﷺ قال خالفوا المشركين وفروا اللحىٰ واحفوا الشوارب وكان ابن عمر اذا حج او اعتمر قبض على لحيته فما فضل اخذه .

وفی روایة انھکوا الشوارب واعفوا اللحیٰ"
(صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۲۹، صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۷۵، سنن نسائی ج ۱ ص ۴ حاشیہ نمبر ۹)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مشرکین کی مخالفت کرو اور ڈاڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں کترو۔ کیونکہ مشرکین کی عادت تھی کہ وہ داڑھی چھوٹی کرواتے اور مونچھیں بڑی کرتے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری اُمت کے لوگ داڑھی بڑی کرے اور مونچھیں چھوٹی کریں اس حدیث مبارکہ سے داڑھی کا صرف رکھنا نہیں بلکہ بڑی رکھنا ثابت ہے بڑی سے مراد ایک مشت ایک مشت سے اگر لمبی ہو تو کاٹنا جائز ہے۔ اسی حدیث میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جب حج یا عمرہ فرماتے تو اپنی ڈاڑھی مٹھی میں لیتے اور اضافی بالوں کو لے لیتے۔

چاروں آئمہ کا اتفاق ہے کہ ایک مشت داڑھی رکھنا ضروری ہے ایک مشت سے کم کرنا نا جائز ہے احناف کی معتبر کتاب ردُّ المحتار میں لکھا ہے کہ چار انگشت سے کم داڑھی کا قطع کرنا حرام ہے اور چہار انگشت سے زیادہ بالوں کو لے لینا ضروری ہے،

عبارت ملاحظہ ہو

"ماوراء ذلک یجب قطعه هکذا عن رسول الله ﷺ انه کان یاخذ من اللحیة منطولها وعرضها اورده ابو عیسیٰ یعنی الترمذی فی جامعه (ردالمحتار ج ۳ ص ۴۵۶)

اور آگے لکھا ہے

"واما الاخذ منها وهی دون ذالک کما یفعله بعض المغاربة

و مخنثة الرجال فلم يبحه احد (ردالمحتار ج ۳ ص ۴۵۷ مکتبہ رشیدیہ)

یعنی ایک مٹھی سے کم کرنا جیسا کہ اہل مغرب اور خواجہ سراؤں کا شیوہ ہے، اس کے جواز کا قول کسی کا بھی نہیں۔

اور اس سے پہلے لکھا ہے

تطويل اللحية اذا كانت بقدر المسنون وهو القبضة''

(درمختار ج ۳ ص ۴۵۶)

مطلب ڈاڑھی کو بڑھائے سنت کے بقدر اور وہ ایک مٹھی ہے۔

"والقص سنة فيها وهو ان يقبض الرجل لحيته فان زاد منها علىٰ قبضته قطعه كذا ذكر محمد رحمه الله تعالىٰ في كتاب الآثار عن ابي حنيفة رحمه الله تعالىٰ قال وبه نأخذ كذا في محيط السرخسي.

(فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۳۵۸)

اور کترنا سنت ہے ڈاڑھی میں اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنی مٹھی میں داڑھی پکڑے اور جو اضافی بال مٹھی سے باہر ہوں انہیں (قینچی سے) کاٹ لے۔ یہی امام محمدؒ نے امام اعظم ابوحنیفہ سے نقل کیا ہے۔

روى الطبراني عن ابن عباس رفعه من سعادة المرء خفة لحيته

امام طبرانی نے حضرت ابن عباس ﷺ سے یہ روایت مرفوعاً نقل فرمائی ہے کہ انسان کی خوش نصیبی ہے کہ اس کی ڈاڑھی ہلکی (ایک مشت) ہو اس کے آگے درج ہے

ماذكره المناوي في شرحه الكبير على الجامع الصغير ان الحسن

بن المثنی قال :اذا رایت رجلا له لحية طويلة ولم يتخذ لحية بين لحيتين كان في عقله شيء .

(وانشد بعضهم)

ماا حد طالت له لحية	فزادت اللحية فی هيئته
الا وما ينقص من عقله	اكثر مما زاد فی لحيته

(کشف الخفاء ج ۲ ص ۳۴۱، فتاویٰ شام ج ۹ ص ۶۷۱)

امام نووی ؒ جامع صغیر کی شرح میں نقل فرماتے ہیں کہ حسن ابن المثنیٰ ؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب بھی تم کسی ایسے شخص کو دیکھو جس کی داڑھی بہت لمبی ہے (بے ڈھنگی) اور اپنی داڑھی کو سنوارتا نہیں ہے اس کی عقل میں خرابی ہے۔

لطیفہ

نقل عن هشام بن الكلبی قال حفظت مالم يحفظه احد ونسيت مالم ينسه احد حفظت القرآن فی ثلثة ايام واردت ان اقطع من لحيتی مازاد عن القبضة فنسيت فقطعت من اعلاها (قوله لاطاعة لمخلوق الخ)رواه احمد والحاكم عن عمران بن حصين .... جراحی قوله (والمعنى المؤثر)ای العلة المؤثرة فی اثمها التشبه بالرجال فانه لايجوز كالتشبه باالنساء .

(درمختار ج ۹ ص ۶۷۱ رشیدیہ)

حضرت ہشام ابن الکلبی ؒ سے منقول ہے کہ وہ کہتے تھے کہ میں نے جب کچھ حفظ کیا تو میرے جیسا کسی نے بھی حفظ نہیں کیا اور جب میں نے ایک بھول کی تو میری جیسی بھول بھی کسی

نے نہیں کی فرمایا: میں قرآن کریم صرف تین دن میں حفظ کیا اور بھول ایسی ہوئی کہ جب میں اپنی داڑھی کے کنارے لینا چاہا تو میں نے اپنی مٹھی میں داڑھی پکڑی اور نیچے سے کاٹنے کے بجائے اوپر سے کاٹ دی۔

محمد قال اخبرنا ابو حنيفة عن الهيثم عن ا بن عمر رضى الله عنهما انه كان يقبض على لحيته ثم يقص ماتحت القبضة قال محمد وبه نأخذ وهو قول ابى حنيفة رحمه الله (کتاب الآثار ص ۱۹۸)

امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی مشہور کتاب کتاب الآثار میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک روایت نقل کرتے ہیں جس میں واضح طور پر داڑھی کی مقدار کا تذکرہ موجود ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک قبضہ سے زیادہ داڑھی کو تراش لیا کرتے تھے۔

ولا يفعل لتطويل اللحية اذا كانت بقدر المسنون وهو القبضة
(ہدایہ ج ۱ ص ۲۰۳ باب مایوجب القضا والکفارہ، المنہل العذب المورود ج ۱ ص ۱۸۶)

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ داڑھی کی مقدار ایک قبضہ ہے اور اس سے زیادہ داڑھی کا بڑھانا ٹھیک نہیں ہے اس کی تشریح میں فتح القدیر کی عبارات ملاحظہ فرمائیں۔

عن مروان بن سالم المقنع قال رأيت ابن عمر رضى الله عنه يقبض على لحيته فيقطع مازاد على الكف (فتح القدیر ج ۲ ص ۲۷۰)

مروان ابن سالم المقنع سے مروی ہے فرمایا میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل دیکھا ہے وہ اپنی داڑھی مٹھی میں پکڑتے اور اضافی بالوں کو کاٹ لیتے۔

فان قلت يعارضه ما فى الصحيحين عن ابن عمر رضى الله عنهما عنه عليه

الصلوٰۃ والسلام احفوا الشوارب واعفوا اللحی (فتح القدیر ج ۲ ص ۲۷۰)

اگر آپ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ صحیحین کی روایت کے مطابق پیغمبر ﷺ کا حکم ہے کہ مونچھیں کم کرو اور داڑھیاں بڑھاؤ۔ قبضہ سے زیادہ داڑھی کو کاٹ لینا پیغمبر ﷺ کے حکم کے خلاف ہے؟

فالجواب انه قد صح عن ابن عمر راوی هذا الحدیث انه کان یاخذ الفاضل عن القبضة. (فتح القدیر ج ۲ ص ۲۷۰)

اس کا جواب یہی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ حدیث بالکل صحیح حدیث ہے اور ایک حدیث کے راوی کو حدیث کا علم سب سے زیادہ ہوتا ہے اور اس حدیث کے راوی خود حضرت ابن عمر اپنی داڑھی ایک مشت سے زیادہ کاٹ لیتے تھے۔

وعن النبی صلی الله علیه وسلم یحمل الاعفاء علی اعفائها من ان یأخذ غالبها او کلها کما هو فعل مجوس الاعاجم من حلق لحاهم کما یشاهد فی الهنود وبعض اجناس الفرنج فیقع بذالک الجمع بین الروایاتویؤید ارادة هذا ما فی مسلم عب ابی هریرة رضی الله عنه عن النبی علیه الصلاة والسلام جزوا الشوارب واعفوا اللحی خالفوا المجوس فهذه الجملة واقعة موقع التعلیل واما الاخذ منها وهی دون ذالک کما یفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم یبحه احد (فتح القدیر ج ۲ ص ۲۷۰)

حدیث شریف میں اعفاء کے حکم کا مطلب یہ ہے کہ داڑھی حلق مت کرو یا اس کا

خط نہ بناؤ جیسے عجمی مجوسی کرتے ہیں اور ہنود اور فرنگیوں کا یہی شیوہ ہے پس اس طرح تمام روایات اور راوی کے عمل کی بہترین تطبیق ہو جائے گی اور تطبیق کی تائید مسلم کی روایت سے بھی ہوتی ہے جو حضرت ابو ہریرہ ﷺ جناب نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ موچھیں کترو اور داڑھی بڑھاؤ مجوس کی مخالفت کرو (حلق اور خط نہ کرو) پس یہ جملہ موقع تعلیل میں واقع ہے کہ ایک مشت سے کم کر لینا جیسا کہ اہل مغرب اور خواجہ سراؤں کا انداز ہے اسے کسی نے بھی جائز نہیں کہا۔

اور فتاویٰ عالمگیری کی عبارت ملاحظہ ہو:

ولا بأس اذا طالت لحيته ان يأخذ من اطرافها ولا بأس ان يقبض على لحيته فان زاد علىٰ قبضته منها شئى جزه وان كان ما زاد طويله تركه كذا فى الملتقط والقص سنة فيها وهو ان يقبض الرجل لحيته فان زاد منها على قبضته قطعه كذا ذكر محمد رحمه الله تعالىٰ فى كتاب الآثار عن ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ قال وبه نأخذ كذا فى محيط السرخسى (فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۳۵۸ رشیدیہ)

اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ جس کی داڑھی بڑی ہو جائے وہ اس کے اطراف سے کتر لے اور یہ بھی جائز ہے کہ ایک مشت سے زیادہ داڑھی کو کاٹ لے اور اگر کترنے کے بعد لمبائی باقی ہے بالوں کی تو اس چھوڑ دے یہ ملتقط میں ہے اور قینچی سے کترنا سنت ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک مست سے زیادہ بالوں کو کاٹ لے ایسا ہی امام محمدؒ نے کتاب الآثار میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے اور فرماتے ہیں ہم اسی پر

فتویٰ دیتے ہیں جیسا کہ محیط سرخسی میں ہے۔

عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال احفوا الشارب واعفوا اللحی

(سنن نسائی ج ا ص ۴)

جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا مونچھیں کم کرو اور داڑھی بڑھاؤ

ابو حنیفة عن الهیثم عن رجل ان ابا قحافة اتی النبی ﷺ ولحیته قد انتشرت قال فقال لو اخذتم واشار الیٰ نواحی لحیته

(مسند ابی حنیفہ ص ۲۰۵ کتاب اللباس والزینۃ، قدیمی)

یعنی ابو قحافہ پیغمبر ﷺ کی خدمت میں آئے اور ان کی داڑھی ہر طرف سے بکھری ہوئی تھی آپ ﷺ نے تنبیہ فرمائی کہ تم داڑھی سنوار لو اور ان کی داڑھی کے کناروں کی طرف اشارہ فرمایا۔

درج بالا روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنابِ نبی کریم ﷺ نے بھی داڑھی کی تزئین و آرائش کے لئے داڑھی کو تراشنے کی اجازت دی ہے تا کہ داڑھی انسان کے چہرے پر کوئی بے ڈھنگی چیز معلوم نہ ہو کیونکہ داڑھی مرد کا حسن ہے اور حسن کی حفاظت ضروری ہوتی ہے۔

آنحضرت ﷺ کی داڑھی مبارک

فی التلخیص الحبیر (ص ۲۰ ج ۱) واما کونه ﷺ کان کث اللحیة فقد ذکر القاضی عیاض ورود ذالک فی احادیث جماعة من الصحابة باسانید صحیحة کذا قال

وفی مسلم من حديث جابر كان رسول الله ﷺ كثير شعر اللحية وروى البيهقى فى الدلائل من حديث على كان رسول الله ﷺ عظيم اللحية وفى رواية كث اللحية وفيها من حديث هند بن ابى هالة مثله ومن حديث عائشه مثله وفى حديث ام معبد المشهور وفى لحيته كثافة (اعلاء السنن ج ا ص ۶۵)

جناب نبی کریم ﷺ کی داڑھی مبارک گھنی تھی، قاضی عیاضؒ نے اس سے متعلق مستند احادیث جمع فرمائی ہیں،

اور مسلم میں حضرت جابرؓ کی حدیث ہے فرمایا جناب نبی کریم ﷺ کی داڑھی کے بال بہت گھنے تھے اور بیہقی میں ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ کی داڑھی مبارک بڑی تھی اور ایک روایت میں ہے گھنی تھی۔

واخرج ابن عساكر من طرق ان عثمان رضى الله عنه كان رجلا ربعة الى ان قال كثير اللحية و فى تهذيب التهذيب (ص ۱۴۱ ج۷) كان عثمان (رضى الله عنه) ربعة حسن الوجه رقيق البشرة عظيم اللحية (اعلاء السنن ج ا ص ۶۵ ۔ ادارۃ القرآن)

اور ابن عساکر مختلف طرق سے روایت نقل فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میانہ قد کے آدمی تھے، اور یہاں تک روایت نقل کی؛ آپ گھنی داڑھی والے تھے، اور کتاب تہذیب التہذیب میں ہے کہ حضرت عثمانؓ میانہ قد خوبصورت چہرہ ملائم جلد اور گھنی داڑھی سے مجسم تھے۔

السنن کی اس طویل بحث سے ہمیں چند باتوں کو پتہ چلتا ہے

(۱) داڑھی رکھنے کا درجہ سنتِ نبوی سے بڑھ کر وجوب کے درجے میں ہے۔

(۲) جنابِ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ساتھ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی داڑھی تھی۔

(۳) داڑھی کو مرد کے لئے زینت بنایا گیا ہے اس لئے اس کی تزئین و آرائش بھی

ری ہے۔

(۴) داڑھی کا تراشنا اور اس کی بناوٹ بھی ضروری ہے ایسا نہیں جیسا کہ آج کل ایک

اس فرقہ داڑھی کے ساتھ حدود شرعیہ کے مطابق سلوک نہیں کرتا اور اس کی ساکھ کو بگاڑ دیتا

ہے

(۵) داڑھی کا تراشنا بھی سنت ہے۔

حکم اللحية

لی مسلم

(۱)عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال احفوا الشوارب واعفوا اللحی

عن ابن عمر عن النبی ﷺ انه امر باحفاء الشوارب واعفاء اللحية

عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ خالفوا المشركين

احفوا الشوارب واوفوا اللحی

(۲)عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ جزوا الشوارب وارخوا

اللحی خالفوا المجوس (صحیح مسلم ج۱ ص۱۲۹ قدیمی)

مذکورہ احادیث کا مفہوم و معنیٰ ایک ہی ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے داڑھیاں

رکھنے، مونچھیں کم کرنے اور مشرکین و مجوس کی مخالفت کا حکم فرمایا ہے۔

ان تمام احادیث سے ثابت ہوا کہ ہمارے نبی ﷺ کی داڑھی مبارک کیسی تھی ا
تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی داڑھیاں کیسی تھیں؟ اور جو شخص داڑھی کو کٹائی گا تو وہ نبی
راستہ چھوڑ کر مشرکین اور مجوس کے راستہ کو چل پڑا ہے لہٰذا جوان کے راستہ چلے گا گمرا
وضال ہوگا۔ لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ داڑھی کا کاٹنا حرام اور نبی کی نافرمانی ہوگی اور س
کے خلاف ہوگا اگر کوئی شخص داڑھی منڈانے کو جائز سمجھے اور دیدہ دانستہ اس کی جرأ
کرے اور داڑھی رکھنے کو اپنا خود ساختہ طریقہ سمجھے تو ایسے شخص کا عقیدہ موجب کفر ہے تا
داڑھی رکھنا شعائر اسلام میں داخل ہے اور روایات سے یہ ثابت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ
اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سنت متواترہ میں سے ہے، فقہاء کے نزدیک اس کی
مقرر ہے جس کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔

”قال ملا علی القاری رحمہ اللہ ومنها ان استحلال المعصية صغيرة كانت او كبيرة كفر، اذا ثبت كونها معصية بدلالة قطعية وكذا الاستهانة بها كفر بان يعدها هينة سهلة ويرتكبها من غير مبالاة بها ويجريها مجرى المباحات في ارتكابها“

(شرح الفقہ الاکبر ص ۱۲۶)

ملا علی قاری ؒ فرماتے ہیں جب کوئی کسی معصیت کے بارے میں یہ خیال کر
کہ یہ جائز ہے تو یہ کفر ہے جبکہ اس کا گناہ ہونا دلائل قطعیہ سے ثابت ہوا اور اسی طرح کسی گ
کو ہلکا سمجھنا بھی کفر ہے اس طرح کہ وہ اس گناہ کو بالکل ہی معمولی اور آسان سمجھتا ہو اور ا

ں پرواہ کے وہ ارتکاب بھی کرتا ہو اور اس گناہ کے ارتکاب کو مباحات کے زمرہ میں شامل

ا ہو۔

یہاں ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک بہت اہم قاعدہ ذکر کیا ہے اور وہ یہ کہ

یت چاہے بڑی ہو یا چھوٹی گناہ گناہ ہی ہوتا ہے اور جب کوئی کسی گناہ کے بارے میں

ل ہونے کا خیال کرے تو یہ کفر ہے۔

ام میں مبتلاء

یحرم علی الرجل قطع لحیته وفیه السنة فیها القبضة.

داڑھی ایک مشت سے کم کرنا حرام ہے بلکہ یہ دوسرے کبیرہ گناہوں سے بھی

ہ اس لئے کہ اس کے اعلانیہ ہونے کی وجہ سے اس میں دین اسلام کی کھلی توہین ہے

ول اللہ ﷺ سے بغاوت کا اعلان اور اظہار ہے۔ (درمختار ج۴ص۲۲۳)

دوسری وجہ یہ ہے کہ داڑھی کا کاٹنا یقیناً دائمی گناہ ہے یہاں تک کہ روزہ، نماز، حج

ظیم عبادتوں میں مشغولیت کے وقت بھی اس گناہ میں آدمی مبتلاء رہتا ہے قوم لوط کے

ذاب آنے ایک وجہ داڑھی کے کٹانے کا گناہ بھی تھا (درمنثور)

"واخرج اسحاق بن بشر والخطیب وابن عساکر عن الحسن

رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ عشر خصال عملتها قوم لوط

بها اهلكوا وتزيدهاامتى بخلة اتيان الرجال بعضهم بعضا ورميهم

الجلاهق ولعبهم الحمام وضرب الدفوف وشرب الخمور وقص

اللحية وطول الشارب والصفر والتصفيق ولباس الحرير وتزيدها امتی بخلة اتيان النساء بعضهن بعضا

(تفسیر در منثور ج ۵ ص ۵۶۵ سورۂ انبیاء آیت ۷۴)

واللحية هی الفارقة بين الصغير والكبير وهی جمال الفحول وتمام هيأتهم فلا بد من اعفائها وقصها سنة المجوس وفيه تغيير خلق الله ولحوق اهل السؤدد والكبرياء باالرعاع (حجة الله البالغة ج ا ص ۵۰۸ باب خصال الفطرة وما يتصل بها. زمزم پبلشر)

اور داڑھی سے بالغ و نابالغ کا فرق واضح ہوتا ہے اور یہ مردوں کی زینت ہے ا ان کی کمال خلقت ہے پس داڑھی رکھنا واجب جبکہ اس کو خط نما بنانا مجوسیوں کا طریقہ ہے اور داڑھی کاٹنے میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بگاڑنے کی کوشش ہے اور مشابہت ہے بے فخر اور تکبر کرنے والوں کے ساتھ۔

عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ عشر من الفطرة قص الشارب واعفاء اللحية والسواک والاستنشاق بالماء وقص الاظفار وغسل البراجم و نتف الابط وحلق العانة وانتقاص الماء يعنی الاستنجاء بالماء (ابوداؤد شریف ج ا ص ۱۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا دس عادتیں فطری ہیں مونچھیں کترنا، داڑھی بڑھانا، مسواک، ناک صاف کرنا پانی سے، ناخن لینا، انگلیوں کے جوڑ دھونا، بغل کے بال لینا، زیر ناف بال لینا، اور پانی سے استنجاء کرنا۔

تغییر خلق اللہ کا مرتکب

وخص من تغيير خلق الله تعالىٰ الختان والوشم لحاجة وخضب اللحية وقص مازاد منها على السنة ونحو ذلك.

(روح المعانی ج۵ ص۱۹۵ سورۂ نساء آیت ۱۱۹)

اور یہ سنتیں تغییر خلق کو شامل نہیں ہیں ختنہ، مجبوری میں چہرے کے بال گودنا داڑھی رنگنا اور ایک قبضہ سے زائد بالوں کا کاٹنا اور اسی طرح اور۔

ایک مشت سے کم داڑھی کا کاٹنا جائز نہیں منڈانا حرام ہے احکام کی وقعت اور محبت کا تقاضا تو یہ ہے کہ آدمی ناجائز چیز کو چھوڑ کر جائز کو اختیار کرے (فتاویٰ محمودیہ ج۲۴)

عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال خالفوا المشركين وفروا اللحىٰ واحفوا الشوارب وكان ابن عمر اذا حج او اعتمر قبض على لحيته فما فضل اخذه .وفي رواية انهكوا الشوارب واعفوا اللحىٰ

(صحیح مسلم ج۱ ص۱۲۹، صحیح بخاری ج۲ ص۸۷۵، سنن نسائی ج۱ ص۴ حاشیہ نمبر۹)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مشرکین کی مخالفت کرو اور ڈاڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں کترو۔ کیونکہ مشرکین کی عادت تھی کہ وہ داڑھی چھوٹی کرواتے اور مونچھیں بڑی کرتے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری اُمت کے لوگ داڑھی بڑی کرے اور مونچھیں چھوٹی کریں اس حدیث مبارکہ سے داڑھی کا صرف

رکھنا نہیں بلکہ بڑی رکھنا ثابت ہے بڑی سے مراد ایک مشت ایک مشت سے اگر لمبی ہو تو کاٹنا جائز ہے۔اسی حدیث میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جب حج یا عمرہ فرماتے تو اپنی ڈاڑھی مٹھی میں لیتے اور اضافی بالوں کو لے لیتے۔

عن انس بن مالک قال کان رسول اللہ ﷺ یکثر دھن رأسہ وتسریح لحیتہ ویکثر القناع حتی کان ثوبہ ثوب زیات

(شمائل ترمذی ص ۴ مشکوٰۃ ص ۳۸۱،قدیمی)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم ﷺ اپنے سر مبارک پر اکثر تیل کا استعمال فرماتے تھے اور اپنی داڑھی مبارک پر اکثر کنگھی کیا کرتے تھے اور اپنے سر مبارک پر ایک کپڑا ڈال لیا کرتے تھے جو تیل کے کثرت استعمال سے ایسا ہوتا تھا جیسے تیلی کا کپڑا ہو۔(خصائل نبوی از شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا المہاجر المدنی والمتوفی بھا رحمہ اللہ،ص ۲۷)

داڑھی کی مسنون مقدار کتنی ہے

القبضۃ بضم القاف قال فی النہایۃ وما وراء ذالک یجب قطعہ ھکذا عن رسول اللہ ﷺ انہ کان یأخذ من اللحیتین من طولھا وعرضھا اوردہ ابو عیسیٰ یعنی الترمذی فی جامعہ رواہ من حدیث عبد اللہ بن عمرو بن العاص فان قلت یعارضہ ما فی الصحیحین عن ابن عمر رضی اللہ عنھما عنہ علیہ الصلوٰۃ والسلام احفوا الشوارب

واعفو اللحی فالجواب انه قد صح عن ابن عمر راوی هذالحدیث انه کان یأخذ الفاضل عن القبضة قال محمد بن الحسن فی کتاب الآثار اخبرنا ابوحنیفة عن الهیثم ابن ابی الهیثم عن ابن عمر رضی الله عنهماعانه کان یقبض علی لحیته ثم یقص ماتحت القبضة ورواه ابو داؤد والنسائی فی کتاب الصوم عن علی بن الحسن بن شقیق عن الحسن بن واقد عن مروان بن سالم المقنع قال رأیت ابن عمر رضی الله عنه یقبض علیٰ لحیته فیقطع ما زاد علی الکف وقال کان النبی ﷺ اذا افطر قال ذهب الظمأ وابتلت العروق وثبت الاجران ان شاء الله تعالیٰ وذکره البخاری تعلیقا فقال وکان ابن عمر اذا حج او اعتمر قبض علی لحیته فما فضل اخذه وقدروی عن ابی هریرة رضی الله عنه ایضا أسنده ابن ابی شیبة عنه حدثنا ابو اسامة عن شعبة عن عمر بن ایوب من ولد جریر عن ابی زرعة قال کان ابوهریرة رضی الله عنه یقبض علی لحیته فیأخذ ما فضل عن القبضة فاقل ما فی الباب ان لم یحمل علی النسخ کماهو اصلنا فی عمل الراوی علی خلاف مرویه مع انه روی عن غیر الراوی وعن النبی ﷺ یحمل الاعفاء علیٰ اعفائها من ان یأخذ غالبها او کلها کما هو فعل مجوس الاعاجم من حلق لحاهم کما یشاهد فی الهنود وبعض اجناس الفرنج فیقع بذالک الجمع بین الروایات ویؤید ارادة هذاما فی مسلم عن ابی

هريرة رضی الله عنه عن النبی علیه الصلوٰة والسلام جزوا الشوارب واعفوا اللحی خالفو المجوس فهذه الجملة واقعة موقع التعليل واما الاخذ منها وهی دون ذالک كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم يبحه احد (فتح القدیر ج۲ ص۲۷۰ طبع سکھر)

فتح القدیر شرح ہدایہ کی اس طویل عبارت میں مصنف رحمہ اللہ نے مختلف روایات نقل کی ہیں جن میں جناب نبی کریم ﷺ اوران کے دیگر صحابہ جن میں حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں کا عمل نقل کیا ہے کہ وہ حضرات داڑھی کی تزئین و آرائش کیا کرتے تھے اور وقتاً فوقتاً اسے تراشا بھی کرتے تھے تا کہ وہ بدنما اور بے ڈھنگی نظر نہ آئے۔ مزید عبارت کے آخر میں انہوں نے یہ بھی تصریح فرمائی ہے کہ مکمل طور پر داڑھی کو کاٹنا یا ایک مشت سے کم کرنا یہ ہندوؤں اور انگریز فرنگیوں کی مشابہت کو اختیار کرنا ہے اور مخنث ہونے کی بھی نشانی ہے۔

امر بالمعروف کرنا

داڑھی رکھوانا شرعاً واجب ہے نہ رکھوانے والا فاسق مردود الشہادۃ ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا

''اعفوا اللحی'' بعض روایت میں'' ارخوا اللحی ''بعض میں'' وفروا اللحی ''بعض میں ''کثروا اللحی''بعض میں ''اوفو اللحی''

کے مختلف امر کے صیغہ مروی ہے امر وجوب کے لئے ہوتا ہے بالخصوص مواضبت

ں سے اس کی تائید ہوئی نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام، سلف صالحین کسی نے بھی قبضہ سے کم

ڑھی نہیں کٹوائی۔

ڑھی کی توہین اور تحقیر کرنے والے کا حکم

داڑھی کی توہین اور بے عزتی کرنے والا بلاشبہ کافر ہے نیز استقباحِ سنت کی وجہ

سے آدمی کافر ہو جاتا ہے کیونکہ داڑھی سنت الانبیاء ہے،

''فی رد المحتار

بل بالمواظبة على ترک سنة استخفافا بها بسبب انه فعل النبی

ﷺ زيادة او استقباحها كمن استقبح من آخر جعل بعض العمامة

تحت حلقه او احفاء شاربه

قلت :ويظهر من هذا ان ما كان دليل الاستخفاف يكفر به وان لم

يقصد الاستخفاف (ردالمحتار علی الدر المختار ج ۶ ص ۳۴۳ طبع رشیدیہ)

یعنی کسی سنت کو چھوٹی سمجھ کر چھوڑنا اور اس پر ہمیشگی اختیار کرنا اس نیت سے کہ یہ

پیغمبر علیہ السلام کا اضافی فعل ہے یا کسی سنت کو قبیح سمجھنا جیسے وہ شخص جو عمامہ کا بعض حصہ

اپنے حلق کے نیچے دبا لے (بے ادبی کرتے ہوئے) یا اپنی مونچھیں جان بوجھ کر بڑھا لے۔

میرا کہنا یہ ہے کہ کسی بھی سنت کو ہلکا سمجھنے کی دلیل سے وہ کافر ہو جاتا ہے اگر چہ وہ

سنت کو چھوٹا سمجھ کو چھوڑے یا بلا سمجھے۔

لکن فی شرح العقائد النسفیه: استحلال المعصية كفر

اذا ثبت کونها معصية بدليل قطعي وعلىٰ هٰذا تفرع ماذكر في الفتاوى من انه اذا اعتقد الحرام حلالا فان كانت حرمة لعينه وقد ثبت بدليل قطعي يكفر والا فلا بان يكون حرمة لغيره او ثبت بدليل ظني وبعضهم لم يفرق بين الحرام لعينه ولغيره وقال من استحل حراما قد علم في دين النبي عليه الصلوٰة والسلام تحريمه كنكاح المحارم فكافر. (فتاویٰ شامی ج۳ص۲۶۲ رشیدیہ)

کسی بھی گناہ جائز اور حلال سمجھ کر اس کا ارتکاب کرنا کفر ہے جبکہ اس کا گناہ ہونا دلیل قطعی سے ثابت ہو اور اسی سے یہ بات بھی سمجھ آ جاتی ہے کہ کسی حرام چیز کا اعتقادِ حلال کرلے اگر وہ حرمت اس کی اپنی ہے (جیسے شراب خنزیر وغیرہ کو حلال سمجھنا) تو کافر ہو جائے گا اور اگر اس کی حرمت کسی اور چیز کے ذریعہ آئی ہے تو وہ کافر نہیں ہوگا گناہ گار ہوگا۔ جیسے چوری کا آٹا کیونکہ آٹا فی نفسہٖ تو حلال ہے مگر اس کے چوری کرنے کی وجہ سے حرام ہوا ہے۔

ردالمختار بحوالہ شرح عقائد کی درج بالا اس عبارت میں اس بات کی صاف وضاحت کی گئی ہے کہ معصیت کوئی بھی ہو جب اس کو حلال جانا جائے گا تو یہ گناہِ کبیرہ اور کفر کے قریب ہے اور داڑھی منڈوانا تو یقیناً معصیت ہی ہے اور جب کہ دلیلِ قطعی بھی اس کی تائید میں موجود ہو تو پھر کسی حرام کو حلال جاننا اور اس میں مبتلا ہونا یقیناً کفر ہی ہوگا۔

داڑھی تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے

اسلام میں مردوں کو داڑھی رکھنے کا تاکیدی حکم ہے اور یہ کئی وجہ سے ضروری ہے

(اول) آنحضرت ﷺ داڑھی رکھنے کو ان اعمال میں سے شمار کیا ہے جو تمام

انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے پس جس چیز کی پابندی حضرت آدم علیہ السلام سے آنحضرت ﷺ خاتم النبیین تک خدا کے سارے نبیوں نے کی ہو ایک مسلمان کے لئے اس کی پیروی کس درجہ ضروری ہوسکتی ہے وہ آپ خود اندازہ کریں اس کی کتنی قدر قیمت ہونی چاہیے۔

(دوم) پھر آنحضرت ﷺ نے داڑھی بڑھانے اور مونچیں تراشنے کو فطرت فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ داڑھی کاٹنا خلاف فطرت عمل ہے ایک مسلمان کے لئے فطرت صحیحہ کے مطابق عمل کرنا اور خلاف فطرت سے گریز کرنا جس قدر ضروری ہوسکتا ہے وہ واضح ہے۔

(سوم) آنحضرت ﷺ نے داڑھی رکھنے کی تاکید فرمائی ہے تاکیدی احکام کا ضروری ہونا سب کو معلوم ہے۔

(چھارم) اہل تجربہ کا کہنا ہے کہ مردوں کے داڑھی کے بال اور عورتوں کے سر کے بال منہ کے فاضل رطوبتوں کو جذب کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جس کی داڑھی گھنی ہو اور بھری ہوئی ہو اس کے مسوڑے اور دانت مضبوط ہوتے ہیں بنسبت اس شخص کے جس کی داڑھی ہلکی ہو اور یہی وجہ ہے کہ مغرب میں چونکہ مرد داڑھی صاف کرتے ہیں اور ان کی عورتیں سر کے بال کٹواتی ہیں اس لئے وہ دانتوں اور مسوڑوں کی بیماریوں میں عام طور پر مبتلاء ہیں مختلف قسم کے ٹوتھ پیسٹ استعمال کرتے ہیں آنحضرت ﷺ نے اس کو مسلمانوں کی امتیازی شان قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ مشرکین کی مخالفت کرو داڑھی بڑھاؤ اور مونچیں کترواؤ (بخاری شریف) آنحضرت ﷺ کو اس فعل بد (داڑھی منڈانے) سے ایسی

نفرت تھی کہ جب کسریٰ شاہ ایران کے سفیر بارگاہ عالی میں حاضر ہوئے تو ان کی داڑھیاں منڈی ہوئی اور مونچیں بڑی ہوئی تھیں آنحضرت ﷺ کو ان کی شکل اور وضع سے کراہت آئی اور نہایت ناگوار لہجے میں فرمایا تمہاری ہلاکت ہو تمھیں ایسی مکروہ شکل بنانے کو کس نے کہا تھا انہوں نے کہا کہ ہمیں ہمارے رب یعنی کسریٰ نے حکم دیا ہے، جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا لیکن میرے رب نے مجھے داڑھی بڑھانے اور مونچیں کتروانے کا حکم فرمایا ہے۔

فکره النظر اليهما وقال ويلكما!من امر كما بهٰذا قالا امرنا ربنا يعنيان كسرىٰ فقال رسول الله ﷺ ولكن امرني ربي باعفاء لحيتي وقص شاربي (البدایہ والنہایہ ج۴ ص ۲۷۰، حیاۃ الصحابہ ج۱ ص ۱۱۵)

معلوم ہوا کہ داڑھی منڈانا مجوسیوں کے رب کا حکم ہے اور داڑھی بڑھانا محمد ﷺ کے رب کا حکم ہے غور فرمانے کی بات ہے کہ محمد کے امتی اپنے نبی اور اپنے رب کا حکم ماننا چاہیے یا مجوسیوں کے رب کا؟؟

داڑھی منڈانا حرام ہے

دلائل مذکورہ سے ثابت ہوا کہ فقہاءِ اُمت کے نزدیک ایک مشت کی مقدار میں داڑھی رکھنا واجب ہے اور منڈانا یا ایک مشت سے کم کاٹنا حرام ہے۔

داڑھی اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم جہاں اور انسانیت سوز اعمال میں مبتلاء تھی وہیں اُن میں ایک بڑی خرابی یہ بھی تھی کہ وہ داڑھیاں مونڈھا کرتے تھے اور بڑی بڑی مونچھیں رکھا

رتے تھے ملاحظہ فرمائیں

"واخرج اسحاق بن بشر والخطیب وابن عساکر عن الحسن رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ عشر خصال عملتها قوم لوط بها اهلکوا وتزیدهاامتی بخلة اتیان الرجال بعضهم بعضا ورمیهم بالجلاهق ولعبهم الحمام وضرب الدفوف وشرب الخمور وقص اللحیة وطول الشارب والصفر والتصفیق ولباس الحریر وتزیدها امتی بخلة اتیان النساء بعضهن بعضا (تفسیر الدر المنثور، سورۂ انبیاء آیت ۷۴)

داڑھی کا مذاق اُڑانے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے

داڑھی رکھنا سنت نہیں بلکہ واجب ہے اور اس کا کاٹنا یا تراشنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے دین کی کسی بات کا مذاق اڑانا صرف گناہ ہی نہیں بلکہ کفر ہے دین کا مذاق اڑانا چونکہ نبی کریم ﷺ کی توہین ہے کیا کوئی نعوذ باللہ آنحضرت ﷺ کی توہین کر کے بھی اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہے اس سے زیادہ حماقت اور کیا ہوگی؟؟ ایک تو داڑھی کا کٹانا گناہ ہے اوپر سے معاصرہ اور اصرار کرنا جو دعوت دے داڑھی رکھنے کی اسے برا بھلا کہنا اس سے بھی بڑا جرم ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے

"اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ۝ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ۝ يَعِدُهُمْ وَ

يُمَنِّيهِمْ ط وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ إِلَّا غُرُوْرًا ٥ أُولٰئِكَ مَأْوٰهُمْ جَهَنَّمُ زوَلَايَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا٥" (سورۂ نساء آیت ۱۱۷ تا ۱۲۱)

"عن عبد الله ابن مسعود قال لعن الله الواشمات والمستوشمات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغيرات خلق الله... متفق عليه (مشکوٰۃ ص ۳۸۱)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا اللہ بزرگ و برتر کی پھٹکار برستی ہے چہرہ یا بدن گودنے اور گدوانے والیوں پر اور اپنی بھنوؤں کو نچوانے والیوں پر اور دانتوں کے مابین حسن کی خاطر فاصلہ کرانے والیوں پر اور اللہ تعالیٰ کی خلقت کو تبدیل کرنے والیوں پر۔

حدیث شریف میں تغییر لخلق اللہ کو موجب لعن فرمایا ہے داڑھی منڈانا یا کاٹنا بالمشاہدہ اس سے زیادہ تغییر کا اتباع شیطان ہونا اور اتباع شیطان کا موجب لعنت وموجب خسران ہے۔ یہ قول کہ باطن درست رکھنا چاہیے ظاہر کی درستگی چنداں ضروری نہیں اس کے جہل کے لئے اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے کہ اگر کوئی باغی سلطان سے کہہ دے کہ میں دل سے آپ کا مطیع اور فرمان بردار ہوں اور ظاہر میں آپ کی فرمانبرداری کی چنداں ضرورت نہیں یا کوئی شخص کسی مجلس میں بول براز میں کپڑوں کو آلودہ کر کے آبیٹھے جب اس کی ملامت کی جائے اور تبدیلی لباس کا کہا جائے وہ یہی کہہ دے کہ باطن پاک ہے ظاہر کی صفائی کی چنداں ضرورت نہیں تو کیا بادشاہ یا اہل مجلس اس کی بات کو معقول تصور کریں گے اگر نہیں قبول کریں گے یقیناً قبول نہیں کریں گے تو اہل شرع کیونکر اس عذر کو قبول فرمالیں اور

دیث خالفوا المشرکین الخ کی نسبت بعض کا کہنا کہ اس زمانے میں بہت سے شرک داڑھی رکھتے ہیں اس لئے ہم ان کی مخالفت کے واسطے داڑھی منڈاتے ہیں ٹھیک نہیں ہے کیونکہ احکام شریعت کے ساتھ کبھی کوئی مصلحت مذکور ہوتی ہے وہ کبھی علت ہوتی ہے اور کبھی حکمت ہوتی ہے علت کے ساتھ کوئی حکم وجوداً اور عدماً دائر ہوتا ہے لیکن حکمت کے ساتھ حکم دائر نہیں ہوتا یعنی حکمت کی تبدیلی سے حکم تبدیل نہیں ہوتا اور اس فرق کا سمجھنا راسخین فی العلم کا خاصہ ہے پس خالفوا المشرکین کا مقرون فرمانا بطور حکمت کے ہے بطور علت کے نہیں ہے حرمت کا مدار تغییر یعنی صورت کا بگاڑنا ہے نہ مخالفت۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ بعض احادیث میں جو یہ حکم آیا ہے وہ اس سے مطلق ہے جیسا کہ

"عن زید بن ارقم ان رسول اللہ ﷺ قال من لم یأخذ من شاربه فلیس منا (مشکوٰۃ ص ۳۸۱)

جو شخص اپنی مونچھوں میں سے نہیں لیتا پس وہ ہم میں سے نہیں

عن ابن عباس قال لعن النبی ﷺ المخنثین من الرجال"

(مشکوٰۃ ص ۳۸۰)

کہ پیغمبر علیہ السلام نے ایسے مردوں پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں کا روپ دھارتے ہیں۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی حاکم رعایا سے کہے کہ دیکھو قانون کو مانو فلاں قوم کی طرح شورش مت کرو تو کیا اگر وہ قوم اتفاق سے شورش چھوڑ دے تو کیا اس حالت میں رعایا کو اس قوم کے ساتھ اس میں بھی مخالفت کرنا چاہیے اس بنا پر کہ اول ان کی مخالفت کا حکم ہوا

تھا، لہٰذا خلاصہ نکلا کہ داڑھی کا رکھنا شریعت میں ضروری ہے، اور اس کا کاٹنے والا گناہ گار ہوگا بروز قیامت نبی کی شفاعت سے محروم رہے گا۔

داڑھی کا فلسفہ اور اس کے رکھنے حکم

مسلم قوم ایک مستقل اور ممتاز ملت ہے جو تمام اقوام و ملل سے بالکل علیحدہ فطرت سلیمہ کی حامل و مالک ہے اللہ نے اس کو اقوام عالم پر شاہد و عادل بنا کر بھیجا

''وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ''(سورہ بقرہ آیت ۱۴۳)

یعنی ہم نے تم کو ایسی امت بنایا ہے جو نہایت اعتدال پر ہے تاکہ تم لوگوں پر شاہد ہو اور تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ شاہد ہوں تم لوگ بہترین امت ہوں جو لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی ہے۔ لیکن افسوس کہ یہ قوم اپنی دینی و مذہبی خصوصیات تو عرصہ ہوا کھو چکی تھی آج اپنی تمدنی و معاشرتی امتیازات کو بھی فنا کرتی جارہی ہے رسم و رواج میں اہل وطن (ہنود) کی اتباع تمدن و معاشرت میں اہل مغرب (انگریزوں) کی تقلید مسلمان کے رگ و ریشہ میں سرایت کرتی جارہی ہے۔

آج جبکہ دنیا کی ہر قوم اپنی زندگی اور اپنی قوم و ملت کے خصوصیت کی بقاء اور تحفظ کے لئے سرگرم عمل نظر آرہی ہے مسلمان اپنی قومی و ملی خصوصیات و امتیازات کو فرنگیت کی بھینٹ چڑھا کر انہی میں جذب ہوتی جارہی ہے۔ یاللعجب کل جو قوم اقوام عالم کے لئے جاذب و مصلح تھی (مقتداء اور راہنما تھی) ہر قوم اسلام کی دامن میں پناہ کے متلاشی تھے،،

اس سرعت کے ساتھ دوسروں میں جذب ہوتی جا رہی ہے دوسروں کی نقالی ہی کو معیار
خیال کیا جاتا ہے حالانکہ اہل بصیرت کے نزدیک یہ انتہائی تنزل وانحطاط اور قومیت
لئے زہر ہلاہل سے کم نہیں

ترسم نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی
کیں رہ کہ تو می روی بترکستان است

داڑھی اسلام کے اہم شعائر میں سے ہے بلکہ انسانی وفطری اصول سے اہم ترین
اس میں سے ہے، لیکن افسوس سب سے زیادہ مسلمان ہی اس کی صفائی کے در پہ ہے اور
اور سے قومی وملی امتیاز سے قطع نظر فطرت اور انسانیت کے لئے بھی مضحکہ خیزی کا ذریعہ
ہی ہے، اس لئے داڑھی جب اسلام کا شعار ہے وہ داڑھی کٹوانا یا منڈانا اور مونچھوں کا
انا یہود ونصاریٰ اور مشرکین کا شعار ہے۔

ھی کے بال کہاں سے شروع ہوتے ہیں

کنپٹی کے نیچے جو ہڈی ابھری ہوئی ہے یہاں سے داڑھی شروع ہوتی ہے اس
او پر سر اور سر کی حد تک منڈانا درست ہے داڑھی کی حد سے درست نہیں بالوں کو کٹوانا۔

ھی منڈانا کب سے شروع ہوا

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے یہ عمل قوم لوط سے شروع ہوا، غالباً ان
مردوں کی داڑھیاں آجاتی تھی تو مزدہی رہنے کی غرض سے وہ داڑھی منڈ وایا کرتے تھے
جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دس بڑے کاموں کی وجہ سے قوم لوط ہلاک

ہوئی۔جن کی تفصیل ماقبل میں گذر گئیں۔

دنیا کی خاطر داڑھی منڈانا

ملازمت کرنا یا کسی اور ذریعہ معاش کو اختیار کرنا شرعا اس میں کوئی قباحت نہیں ہے بلکہ شریعت نے اس کا حکم دیا ہے کہ انسان فرض کی ادائیگی کے بعد کوئی بھی ذریعہ معاش اختیار کرے لیکن معاش کی خاطر شریعت مطہرہ کے کسی حکم کو چھوڑنا حرام کا ارتکاب ہے کیا شرعا اس کی اجازت نہیں ہے داڑھی رکھنا شرعا واجب ہے اس کا منڈانا مشت سے کم کرنا حرام ہے لہٰذا ملازمت کی خاطر داڑھی منڈانے یا کٹانے کی اجازت نہیں اگر اس کے بغیر ملازمت نہ مل رہی ہو تو تب بھی داڑھی منڈانے کے جرم عظیم کا ارتکاب نہ کرے بلکہ اللہ تعالیٰ پر بھرسہ کر کے اس سے دعا کرتے رہے اور فراخی رزق کا انتظار کرے۔

"وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ○ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ط
وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (سورۂ طلاق)

جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اس کی نافرمانی اور گناہ کا کام نہیں کرتا تو حق تعالیٰ اس کے لئے (مشکلات) سے نجات کی راہ نکالتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق عطا فرماتا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہ ہو اور جو کوئی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے (اس کی مشکلات حل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ) کافی ہے۔حدیث شریف میں ہے

لا یحملنکم استبطاء الرزق ان تطلبوه بمعاصی الله فان الله لا یدرک ما عنده الا بطاعته (السلسلۃ الصحیحہ ۲۸۶۶)

یعنی تمہیں رزق دیر سے ملنا اس بات پر امادہ نہ کرے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے
ریعہ رزق طلب کرنے لگو۔ بے شک اللہ کے پاس جو خزائن ہیں انہیں اس کی اطاعت ہی
حاصل کیا جا سکتا ہے۔

داڑھی تینوں جانب سے ایک مشت ہونی چاہیے ان تمام آیات واحادیث اور
اقوال صحابہ وائمہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ داڑھی کسی صورت میں منڈانا جائز نہیں اور نہ
کوئی عذر قابل قبول ہے۔

اگلے صفحات پر اس سلسلے میں چند مشہور و معروف فتاویٰ پیش خدمت ہیں

مفتی اعظم پاکستان سابق صدر دارالافتاء و
شیخ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن
حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی رحمہ اللہ کا ابد نشان فتویٰ

اب سے ۳۲ سال قبل مفتی اعظم پاکستان اور اس زمانے کے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے صدر دارالافتاء حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک استفتاء کا جواب لکھا تھا جو کہ اس مسئلہ میں ایک دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہم نے بھی اس کی ضرورت کے پیش نظر اسے اہم سمجھتے ہوئے اس کو اپنی اس تحقیق کے آخر میں درج کیا ہے تا کہ یہ ابد نشان فتویٰ سب قارئین تک پہنچ جائے اور محفوظ ہو جائے۔

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ

(۱) داڑھی کترے حافظ کے پیچھے نماز خواہ فرض ہو یا تراویح ہو کیا حکم ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ داڑھی کی کوئی خاص اہمیت نہیں اگر کوئی اہمیت ہوتی تو سعودی عرب میں چھوٹی چھوٹی داڑھی ہے، مصر کا شہر بھی مسلمانوں کا ہے اور ۹۹ فیصد لوگ داڑھی کترواتے اور منڈواتے ہیں۔

(۲) بعض مساجد میں انتظامیہ کی طرف سے ایسے حفاظ کو تراویح کی اجازت دی جاتی ہے، کیا اس سلسلے میں انتظامیہ پر کسی قسم کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، صحیح جواب سے نوازیں۔ شکریہ

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

(۱) بصورتِ مسئولہ داڑھی رکھنا واجب ہے، داڑھی مونڈنا ایک مُشت سے کم کرنا ناجائز وحرام ہے۔ داڑھی کترا حافظ بے شک فاسق وفاجر ہے جب تک کہ اس فعل سے توبہ نہ کرے۔

نیز مکروہِ تحریمی پر عمل کرنا عملاً حرام ہے، جو شخص داڑھی ایک مُشت سے کم کرتا ہو اس کے پیچھے نماز مکروہِ تحریمی ہے، داڑھی ایک مُشت رکھنے پر تمام مذاہب کا اتفاق ہے۔ شامی، عالمگیری اور فقہ کی دوسری کتابوں میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔

والقصر سنة فيها وهو ان يقبض الرجل لحيته فان زاد منها علىٰ قبضة قطعه ذكر محمد

(۲) نیز اس فعلِ قبیح کے ارتکاب میں انتظامیہ برابر کی شریک ہوگی۔

تواریخ میں لکھا ہے کہ جب کسریٰ شاہِ ایران نے جنابِ نبی کریم ﷺ کا مکتوب مبارک پھاڑ کر اپنے ماتحت گورنر یمن بازان کو لکھا کہ دو آدمی آنحضرت ﷺ کے پاس بھیجو کہ وہ جا کر آنحضرت ﷺ کو میرے پاس بھیج دیں۔ بازان کے دو آدمی جب آنحضرت ﷺ کے

پاس حاضر ہوئے تو ان دونوں کی داڑھیاں مونڈھی ہوئیں تھیں اور بڑی بڑی مونچھیں تھیں۔

وکان علیٰ ذی الفرس من حلق لحاهم واحفاء شواربهم فکره صلی الله علیه وسلم النظر الیهما وقال ویلکما من امر کما بهٰذا قال امرنا ربنا یعنی ان کسریٰ فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم ولکن ربی قد امرنی باعفاء لحیتی وقص شاربی

ان دونوں مجوسیوں کی فیشن کے مطابق داڑھیاں منڈھی ہوئی تھیں اور بڑی بڑی مونچھیں تھیں تو آنحضرت ﷺ کو ان کی یہ مکروہ شکل بہت ہی ناگوار گزری اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم پر ہلاکت ہو تم کو کس نے ایسی مکروہ شمک بنانے کا حکم دیا ہے انہوں نے کہا کہ ہمارے رب کسریٰ نے جواب میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ لیکن میرے رب نے مجھے داڑھی رکھنے اور مونچھیں کٹوانے کا حکم دیا ہے۔

غور کیجئے وہ دونوں مہمان تھے، کافر تھے اور ہمارے مذہب کے پابند ہی نہیں تھے لیکن چونکہ ان کی یہ بُری صوررت فطرتِ سلیمہ کے خلاف تھی اور شیطان لعین کے حکم کے مطابق تھی اس لئے آنحضرت ﷺ کو اُن کی یہ مکروہ شکل دیکھنا بھی گوارا نہ ہوئی اور ان سے منہ موڑ لیا اور ان کو بدعائیہ جملہ فرمایا کہ تم پر ہلاکت ہو، ساتھ ہی یہ بھی تصریح فرمادی کہ میرے رب تعالیٰ نے تو مجھے پوری داڑھی رکھنے کا اور مونچھیں کٹانے کا حکم فرمایا ہے گویا جو داڑھی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور جس کا اس نے حکم دیا ہے اس کی مقدار وہ ہے جو جنابِ نبی کریم ﷺ نے خود رکھ کر بتلائی کہ سینہ مبارک بھر دیتی تھی، پس آپ ﷺ کے محبّ امتیوں کو غور کرنا چاہئے کہ جو لوگ ان مجوسیوں کی اتباع کر کے روزانہ داڑھیاں منڈاتے ہیں اور ان کے یہ

اعمال روزانہ فرشتے جنابِ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں تو آپ ﷺ کو یہ حرکات دیکھ کر کتنا دکھ ہوگا اور میدان قیامت میں جنابِ نبی کریم ﷺ کے امتی ایسی مکروہ صورت میں آپ ﷺ کے سامنے پیش ہوں تو اس وقت اگر آپ ﷺ ان سے منہ موڑ لیں تو کتنا بڑا خسارہ ہے۔

(۱) تاریخ الخمیس ج ۲ ص ۲۵
(۲) تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۹
(۳) ابن کثیر ج ۴ ص ۲۷۰
(۴) سیرتِ حلبی ج ۲ ص ۲۴۷
(۵) البدایہ والنہایۃ ج ۴ ص ۲۶۹

شیخ الاسلام شیخ العرب والعجم صدر المدرسین دار العلوم دیوبند

حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ کا فتویٰ

سوال : کیا داڑھی رکھنا ہر مسلمان کے لئے لازم ہے ؟

جواب : مقصد پیش کرنے سے پہلے ایک ضروری تمہید پر آنجناب غور فرمالیں۔

(الف) ہر نظام سلطنت اور سیاست میں مختلف شعبوں کے لئے کوئی نا کوئی یونیفارم مقرر ہے۔ پولیس کا یونیفارم اور ہے، فوج کا اور ہے، سوار کا اور ہے، پیادہ کا اور ہے، بری فوج کا اور ہے اور بحری فوج کا اور ہے، ڈاکخانہ کا اور ہے، ریلوے کا اور، پھر افسروں کا اور ہے، ماتحتوں کا اور، اور پھر اس پر مزید سختی اور تاکید یہاں تک ہے کہ ڈیوٹی ادا کرتے وقت اگر کوئی ملازم یونیفارم میں نہیں پایا جاتا تو مستوجب سزا شمار کیا جاتا ہے۔

خواص بادشاہی فوجیوں کا اور ہی یونیفارم ہے ندماء اور وزراء مقربین کا اور۔ یہ حال تو صرف ایک ہی سلطنت کا ہے کہ اس کے مختلف شعبوں میں علیحدہ علیحدہ یونیفارم رکھا جاتا ہے جس طرح ڈیوٹی دینے والا بغیر یونیفارم مجرم قرار دیا جاتا ہے اور جس طرح یہ ایک نظام سلطنت وحکومت میں ضروری خیال کیا جاتا ہے اسی طرح اقوام وملل میں بھی ہمیشہ اس کا خیال رکھا جاتا ہے اگر آپ تفتیش کریں گے تو انگلینڈ فرانس جرمنی اٹلی اسٹریلیا امریکہ وغیرہ وغیرہ کو پائیں گے وہ اپنے اپنے نشانات جھنڈے یونیفارم علیحدہ علیحدہ رکھتے ہیں واقف کار شخص ہر ایک کے سپاہی کو دوسرے سے تمیز کر سکے گا اور اسی سے میدان جنگ ملکی وسیاسی مقامات میں امتیاز کیا جاتا ہے اور ہر قوم اور ہر ملت اپنے اپنے یونیفارم اور نشانوں کو

محفوظ رکھنا از حد ضروری سمجھتی ہے بلکہ بسا اوقات اس میں خلل پڑنے سے سخت سے سخت واقعات پیش آجاتے ہیں کسی حکومت کے جھنڈے کو گرادیجئے کوئی توہین کر دیجئے کہیں سے امداد دیجئے دیکھئے کس طرح جنگ کی تیاری ہوتی ہے یہ یونیفارم اور نشان صرف لباس ہی میں نہیں ہوتا بلکہ کبھی کبھی جسم میں بھی بعض بعض علامتیں رکھی جاتی ہیں بعض قوموں میں ہاتھ یا جسم میں کوئی گودنا گودا جاتا ہے بعض میں سر پر چوٹی رکھی جاتی ہے الغرض یہ طریقہ امتیاز مذاہب مختلفہ اور اقوام حکومت وملل کا ہمیشہ سے ہے اور تمام اقوام میں اطراف عالم میں چلا آتا ہے اگر یہ نہ ہو تو کوئی محکمہ وکئی حکومت اور کوئی قوم دوسرے سے ممیّز نہ ہوسکے ہم کو کس طرح معلوم ہوتا ہے کہ یہ فوجی ہے یا ملکی ہے پولیس ہے یا ڈاکیا؟ ریلوے کا ملازم ہے یا بحری جہازوں کا افیسر یا ماتحت جرنیل ہے یا میجر اسی طرح ہم کس طرح جان سکتے ہیں کہ یہ شخص روسی ہے یا فرانسیسی امریکن ہے یا اسٹریلین وغیرہ ہر زمانہ اور ہر ملک میں اس کا لحاظ ضروری سمجھا جاتا ہے۔

(ب)　جو قوم اور جو ملک اپنی یونیفارم کی محافظ نہیں رہی وہ بہت جلد دوسری قوموں میں منجذب ہوگئی حتی کہ اس کا نام ونشان تک باقی نہ رہا اسی ہندوستان میں یونانی آئے افغان آئے آریہ آئے تاتار آئے ترک مصری اور سوڈانی آئے مگر مسلمان سے پہلے جو قومیں بھی آئیں ان میں سے کوئی ملت اور قوم متمیز ہے کیا کسی کی بھی ہستی علیحدہ بتائی جا سکتی ہے سب کے سب ہندو قوم میں منجذب ہوگئے وجہ صرف یہی تھی کہ انہوں نے اکثریت کے یونیفارم کو اختیار کرلیا تھا دھوتی چوٹی ساڑھی رسم ورواج وغیرہ ان ہی کے تابع ہوگئے۔اس لئے ان کی ہستی مٹ گئی باوجود اختلاف عقائد سب کو ہندو قوم کہا جاتا ہے

اور کسی کی قومی ہستی جس سے اس کی امتیازی شان ہی نہیں باقی رہی۔ ہاں جن قوموں نے امتیازی یونیفارم باقی رکھا وہ آج اپنی قومیت اور ملیت کا تحفظ اور امتیاز رکھتے ہیں پر شین قوم ہندوستان میں آئی ہندو قوم اور راجاوں نے ان کو ہضم کرنا چاہا عورتوں کا یونیفارم بدلوادیا معیشت اور زبان، بدلوادی مگر مردوں کی ٹوپی نہ بدلی گئی بالآخر آج وہ زندہ قوم اور موجودہ ممتاز ملت ہے سکھوں نے اپنی امتیازی وردی قائم کی سر اور داڑھی کے بال کو محفوظ رکھا آج ان کی قوم امتیازی حیثیت رکھتی ہے اور زندہ قوم شمار کی جاتی ہے۔

انگریز سولہویں صدی کے آخر میں آیا تقریباً ڈھائی سو برس گزر گئے ہیں نہایت سرد ملک میں بھی رہنے والا ہے مگر اس نے اپنا یونیفارم کوٹ اور پتلون ہیٹ بوٹ نک ٹائی اس گرم ملک میں بھی نہ چھوڑا یہی وجہ ہے کہ اس کو پینتیس کروڑ قوم والا اپنے میں ہضم نہ کرسکا اس کی قوم وملت علیحدہ ملت ہے اس کی ہستی دنیا میں قابل تسلیم ہے، مسلمان اس ملک میں آئے تقریباً ایک ہزار برس سے زائد ہوتا ہے جب سے آئے ہیں اگر وہ اپنی خصوصی یونیفارم کو محفوظ نہ رکھتے تو آج اسی طرح ہندو قوم میں نظر آتے جیسا کہ مسلمانوں سے پہلا قومیں ہضم ہو کر اپنا نام ونشان مٹا گئیں۔ آج تاریخی صفحات کے سوا ان کا نشان کرۂ زمین پر نظر نہیں آتا مسلمانوں نے صرف یہی نہیں کیا کہ وہ اپنے یونیفارم محفوظ رکھا بلکہ یہ بھی کیا کہ اکثریت کے یونیفارم کو مٹا کر اپنا یونیفارم پہنانا چاہا چند ہزار تھے اور چند کروڑ بن گئے صرف یہی نہیں کیا کہ پائجامہ اور کرتہ عبا، قبا، عمامہ، دستار کو محفوظ رکھا بلکہ مذہب اسماء الرجال تہذیب وتمدن رسم ورواج زبان وعمارت وغیرہ جملہ اشیاء کو محفوظ رکھا اس لئے اس کی مستقل ہستی ہندوستان میں قائم رہی اور جب تک اس کی مراعات ہوتی رہے گی رہیں گی۔

(ج) ہر قوم نے جب بھی ترقی کی ہے تو اس کی کوشش کی ہے کہ اس کا یونیفارم اس کا کلچر اس کا مذہب اس کی زبان دوسروں پر غالب اور دوسرے ممالک اور اقوام میں پھیل جائے ، آریہ قوم کی تاریخ پڑھو فارسیوں کا کارنامہ دیکھو کلدانیوں اور عبرانیوں کے تاریخ کا مطالعہ کرو یہودیوں اور عیسائیوں کے انقلابات کو غور سے دیکھو دور کیوں جاتے ہو عربوں اور مسلمانوں کے اولوالعزم اعمال آپ کے سامنے موجود ہیں زبان عربی صرف ملک عرب کی زبان تھی عراق سیریا فلسطین مصر سوڈان الجیریا تیونس مراکش فارس صحرائے لیبیا وغیرہ میں کوئی شخص نہ عربی زبان سے آشنا تھا نہ مذہب اسلام سے نہ اسلامی رسم و رواج سے مگر عربوں نے ان ملکوں میں اس طرح اپنی زبان اپنا کلچر اپنی تہذیب جاری کر دی کہ وہاں کے غیر مسلم اقوام آج بھی اسلامی یونیفارم اسی کلچر اسی تہذیب اور اسی زبان کو اپنی چیزیں سمجھتے ہیں، اسرائیلی قومیں کلدانی نسلیں عبرانی خاندان ترکی برادریاں بربری ذاتیں وغیرہ وغیرہ ان دیار میں سب کے سب عربوں میں مضم ہو گئیں اگر کسی کو اپنی ذات اور خاندان کا علم بھی ہے تو وہ بھی مثل خواب و خیال ہے سب کے سب اپنے کو عرب ہی سمجھتے ہیں اور عربیت ہی کے دعویدار ہیں انگلستان کو دیکھئے یہ اپنے جزیرے سے نکلتا ہے کینڈا آسٹریلیا نیوزی لینڈ کیپ کالونی ساؤتھ افریقہ وغیرہ وغیرہ میں پوری جدو جہد کر کے اپنی زبان اپنا کلچر اپنی تہذیب اپنا مذہب اپنا لباس وغیرہ پھیلا دیتا ہے جو لوگ اس کے مذہب میں داخل بھی نہیں ہوئے وہ بھی اس کی تہذیب اور فیشن وغیرہ میں منجذب ہو جاتے ہیں اور یہی حال ہندوستان میں روز افزوں ترقی پذیر ہے۔

ہندو قوم اسی سیلاب کو دیکھ کر اپنی وہ مردہ زبان سنسکرت جس کو تاریخ کبھی کسی

طرح عام زبان ہندوستان یا کم ازکم آریہ نسل کی نہیں بتا سکتی آج اس کی اشاعت کی پرزور کوشش کررہی ہے اس کا لکچرار کھڑا ہوتا ہے اور فیصدی پچاس یا اس سے زائد الفاظ سنسکرت کے ٹھونس کر اپنی تقریر کو غیر قابل فہم بنا دیتا ہے خود اس کی قوم ان الفاظ کو نہیں سمجھ سکتی اور بالخصوص اس کا مذہبی واعظ تو بالکل اسی یا نوے فیصدی الفاظ سنسکرت یا بھاشا بولتا ہے مگر اس چیز کو اس کی قوم اس کو بنظر استحسان ہی دیکھتی ہے بڑے بڑے گروکل اور دویا پیٹھ اس زبان مردہ کو زندہ کرنے کے لئے جاری کئے جارہے ہیں حالانکہ روئے زمین پر کوئی قوم یا ملک اس زبان کو بولنے والا موجود نہیں ہے اور غالبا کسی زمانے میں بھی یہ زبان عام پبلک کی زبان نہ تھی وہ انتہائی کوشش کررہا ہے کہ دھوتی باندھنا نہ چھوڑے اس کا ایم ایل سی اور ایم ایل اے اسمبلی کے پریذیڈنٹ کونسل کا پریذیڈنٹ اس کی قوم کا جج ڈپٹی کلکٹر وغیرہ وغیرہ دھوتی باندھ کر سر کھول کر قمیص پہن کر برسر اجلاس آتا ہے حالانکہ دھوتی میں پائجامہ سے بدرجہا زائد کپڑا خرچ ہوتا ہے پردہ بھی پورا نہیں ہوتا سردی اور گرمی سے پوری حفاظت نہیں ہوتی باوجود ان سب امور کے پائجامہ پہننا اختیار نہیں کرتا چوٹی سر پر رکھنا جینو لگانا ضروری سمجھتا ہے یہ کیا چیزیں ہیں؟ کیا یہ قومی شعار اور قومی یونیفارم نہیں ہے تو کیا ہے؟ کیا اسی وجہ سے وہ اپنی ہستی کی حفاظت کی صورت نہیں نکال رہا ہے؟ گرونانک اور اس کے اتباع کرنے والوں نے چاہا کہ اپنے تابعداروں کی مستقل ہستی قائم کریں تو بال اور سر کا نہ منڈانا داڑھی کا نہ کتروانا یا نہ منڈانا لوہے کے کڑے کا پہننا کرپان کا رکھنا قومی یونیفارم بنادیا آج اپنے شعار پر سکھ قوم مری جاتی ہے اس گرم ملک میں طرح طرح کی تکلیف سہتی ہے مگر بالوں کا منڈانا یا کتروانا قبول نہیں کرتی اگر وہ ان چیزوں کو چھوڑ دے تو دنیا سے اس کی

امتیازی ہستی اور قومی موجودیت فنا کے گھاٹ اتر جائے گی مذکورہ بالا معروضات سے بخوبی واضح ہے کسی قوم اور مذہب کا دنیا میں مستقل وجود جب ہی قائم ہو سکتا ہے اور باقی بھی جب ہی رہ سکتا ہے جب کہ وہ اپنے لئے خصوصیات وضع قطع میں تہذیب وکلچر میں بود و باش میں زبان اور عمل میں قائم کرے اس لئے ضروری تھا کہ مذہب اسلام جو کہ اپنے عقائد اور اخلاق اعمال وغیرہ کی حیثیت سے تمام مذاہب دنیویہ اور تمام اقوام عالم سے بالاتر تھا اور ہے خصوصیات اور یونیفارم قائم کرے اور ان کے تحفظ کو قومی اور مذہبی تحفظ سمجھتا ہو ان کے لئے جان اڑا دے اس کی وہ خصوصیات اور یونیفارم خداوندی تابعداروں اور الٰہی بندوں کی یونیفارم ہو جن سے وہ اللہ کے سرکشوں اور دشمنوں میں متمیز ہو اور علیحدہ ہو جائے ان کی بنا پر باغیان اور بندگان بارگاہ الوہیت میں تمیز ہوا کرے چنانچہ یہی راز ''**من تشبہ بقوم فھو منھم**'' کا ہے جس پر بسا اوقات نوجوانوں کو بہت غصہ آتا ہے اسی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے تابعداروں کے لئے خاص خاص یونیفارم تجویز فرمایا ہے کہیں فرمایا جاتا ہے ہم میں مشرکین میں فرق ٹوپیوں پر عمامہ باندھنے سے ہوتا ہے۔

''**فرق ما بیننا وبین المشرکین العمائم علی القلانس راوہ الترمذی**''

(مشکوٰۃ ص ۳۷۴)

اسی بنا پر مخالفت اہل کتاب مانگ نکالنے میں اختیار کی گئی اسی بنا پر ازار اور پائجامہ میں ٹخنے کھولنے کا حکم کیا گیا تاکہ اہل تکبر سے تمیز ہو جائے۔

اسی طرح بہت سے احکام اسلام میں پائے جاتے ہیں جن کے بیان میں بہت طول ہے اور جن میں یہودیوں سے نصاری سے مجوسیوں سے امتیاز و علیحدگی کا حکم کیا گیا ہے

اوران کو ذریعہ امتیاز بنایا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ مردوں کو عورتوں سے بھی علیحدہ علیحدہ یونیفارم میں دیکھنا ضروری قرار دیا گیا ہے عورتوں کے یونیفارم میں رہنے والے مرد اور مردوں کے یونیفارم میں رہنے والی عورت پر لعنت کی گئی ہے انہی امور میں عربی میں خطبہ رائج کرنا بھی ہے انہی امور میں سے مونچھ کا منڈوانا اور کتروانا اور داڑھی کو بڑھانا بھی ہے

”خالفوا المشركين احفوا الشوارب واوفوا اللحى“

(بخاری شریف ج۲ص ۸۷۵، مسلم شریف ج۱ص۱۲۹)

”جزوا الشوارب ارخوا اللحىٰ وخالفوا المجوس“

(مسلم شریف ج۱ص۱۲۹، ابوعوانہ ج۱ص۱۸۸)

”من لم يأخذ من شاربه فليس منا“

(مسندِ احمد، ترمذی شریف ج۲ص۱۰۰، سنن نسائی مشکوٰۃ ص۳۸۱)

ان روایات کے مثل اور بہت سی روایتیں کتب حدیث کے اندر موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں مشرکین مجوسی داڑھی منڈاتے تھے جیسا کہ آج عیسائی اور ہندو قوم کر رہی ہے اور یہ امر ان کے مخصوص یونیفارم میں سے تھا بنا بریں ضروری تھا کہ مسلمانوں کو دوسرے یونیفارم کے خلاف حکم دیا جاوے نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ لوگوں کا داڑھی منڈانے کے متعلق یہ کہنا کہ یہ عمل اس زمانے میں عرب کے رواج کی وجہ سے ہے جو کہ ان میں جاری تھا کہ داڑھیاں بڑھاتے تھے اور مونچھے کٹاتے تھے غلط ہے بلکہ اس زمانے میں بھی مخالفین اسلام کا یہ شعار تھا جس طرح اس قسم کی روایات مذکورہ بالا سے یہ معلوم ہوا کہ یہ یونیفارم مشرکین اور مجوس کا تھا اس لئے ضروری ہوا کہ مسلمانوں کو ان کے

لاف یونیفارم دیا جائے تاکہ تمیز کامل ہو۔

اسی طرح حدیث

''عشر من الفطرة قص الشارب واعفاء اللحیة والسواک''

وغیرہ بتلا رہی ہے کہ بارگاہ خداوندی کے خاص خاص مقربین اور ندیموں
ر انبیاء اور مرسلین ﷺ کے یونیفارم میں سے مونچھوں کا کتروانا داڑھی کا نہ منڈوانا ہے
ونکہ فطرت انہیں امور کو اس جگہ میں کہا گیا ہے۔ جو کہ انبیاء علیہم السلام کے شعار میں سے
ہیں جیسا کہ بعض روایتوں میں لفظ فطرہ کے من سنن المرسلین یا اس کے ہم معنی موجود ہے
لاصہ یہ نکلا کہ یہ ایک خاص یونیفارم اور شعار ہے جو کہ مقربان بارگاہ الوہیہ کا ہمیشہ سے
یفارم رہا ہے اور پھر دوسری قومیں اس کے خلاف کو اپنا یونیفارم اور شعار بنائے ہوئے تھی
ں جو کہ اللہ کے قانون کو توڑنے والی اور اس سے بغاوت کرنے والی ہیں، اس لئے دو وجہ
ے اس یونیفارم کو اختیار کرنا ضروری ہوا۔

علاوہ ازیں ایک محمدی کو حسب اقتضاء فطرت اور عقل لازم ہونا چاہیے کہ وہ اپنے
قا کا سارنگ ڈھنگ چال چلن صورت سیرت فیشن کلچر وغیرہ بنائے اور اپنے محبوب آقا
دشمنوں کے فیشن اور کلچر سے پرہیز کرے ہمیشہ عقل اور فطرت کا تقاضا یہی رہا ہے اور
ں ہر قوم اور ملک میں پایا جاتا ہے۔ آج یورپ سے بڑھ کر روئے زمین پر حضرت محمد ﷺ
مسلمانوں کا دشمن کون ہے؟ واقعات کو دیکھئے اس بنا پر بھی جوان کے خصوصی شعار اور فیشن
ں ہم کو اس سے انتہائی تنفر ہونا چاہیے خواہ وہ کرزن فیشن ہو یا گلیڈسٹون فیشن خواہ وہ فرنچ
ن ہو یا امریکن خواہ وہ لباس سے تعلق رکھتا ہو یا بدن سے خواہ وہ زبان سے یا تہذیب

وعادات سے ہر جگہ اور اور ہر ملک میں یہی طبعی اور فطری شمار کیا گیا ہے۔ کہ دوست کی سب چیزیں پیاری معلوم ہوتی ہیں اور دشمن کی سب چیزیں مبغوض اور اوپری۔ بالخصوص جو چیزیں دشمن کی خصوصی شعار ہو جائیں اس لئے ہماری جد و جہد اس میں ہونی چاہیے کہ ہم غلامان محمد ﷺ اور ان کے فدائی بنیں نہ کہ غلامان کرسزن و ہارڈنگ و فرانس امریکہ وغیرہ۔

باقی رہا امتحان مقابلہ یا ملازمتیں یا آفس کے ملازموں کے طعنے وغیرہ تو یہ نہایت کمزور امر ہے۔ سکھ امتحان مقابلہ بھی دیتے ہیں چھوٹے بڑے عہدوں پر بھی مقرر ہیں اپنی وردی پر مضبوطی سے قائم ہیں کوئی ان کو ٹیڑھی اور بینگی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا باوجود اپنے قلیل التعداد ہونے کے سب سے زیادہ ملازمتیں اور عہدے لئے ہوئے غرار ہے ہیں۔ اس طرح ہندوؤں میں بھی بکثرت ایسے افراد اور خاندان پائے جاتے ہیں پٹیل کی داڑھی کو دیکھئے برہمو سماج وغیرہ کے بہت سے بنگالیوں اور گجراتیوں کا معائنہ کیجئے۔ یہ سب باتیں ہماری کمزوری کی ہیں۔ (مکتوبات ۲/۱۴۱۔۱۵۰)

مفتی اعظم پاکستان مفسرِ قرآن
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ

باجماعِ امت داڑھی منڈانا حرام ہے، اسی طرح ایک قبضہ (مٹھی) سے کم ہونے
ل صورت میں کتروانا بھی حرام ہے، ائمہ اربعہ حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا اس پر اتفاق
ہے۔

ئی مذہب

ویحرم علی الرجل قطع لحیة الخ واما الاخذ منها وهی ما دون
القبضة کما یفعله بعض المغاربة و مخنثة الرجال فلم یبحه احد
(فتح القدیر و در مختار وغیرہ)

حرام ہے داڑھی کاٹنا اور اس حال میں کہ ایک مٹھی سے کم ہو، کترنا کسی کے یہاں
اح نہیں۔

ئی مذہب

مذهب السادة المالکیة حرمة حلق اللحیة و کذا قصها اذا کان
یحصل به مثلة (الابداع فی منار الابتداع)

حرام ہے منڈانا اور کٹانا داڑھی کا جب کہ اس سے مثلہ ہو جاوے۔

شافعی مذہب

فی شرح العباب قال الاذرعی الصواب تحریم حلقها جملة لغیر علة بها وقال ابن الرفعة بان الشافعی رحمه الله نص فی الامّ علی التحریم۔

حرام ہے منڈانا داڑھی کا بلا عذر، تصریح کی اس کی امام شافعی رحمہ اللہ نے امّ (کتاب) میں۔

حنبلی مذہب

منهم من صرح بان المعتمد حرمة حلقها ومنهم من صرح بالحرمة و لم یحک خلافاً کصاحب الانصاف یعلم ذالک من شرح المنتهیٰ و شرح المنظومة الاداب وغیرها۔

تصریح کی اس پر کہ حرام ہے منڈانا داڑھی کا تصریح کی حرمت پر اور کسی کا خلاف نقل نہیں کیا۔

ان تصریحات سے داڑھی کے مسئلے کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے، کسی بھی چیز پر ائمہ اربعہ کا اتفاق کے معنیٰ یہ ہوتے ہیں کہ امت محمدیہ میں کوئی بھی اس کا مخالف نہیں، اور اگر ہو تو اس کا اختلاف ناقابلِ التفات ہے، داڑھی کو سر کے بالوں اور پٹھوں پر قیاس کرنا بھی تعلیماتِ شریعت سے بالکل ناواقفیت پر مبنی ہے۔احادیث سے بال رکھنے اور نہ رکھنے دونوں کی اجازت ثابت ہے قال احلقوه کله اور اترکوه کله (ترجمہ) مونڈ و تمام یا چھوڑ دو تمام کو (سنن ابی داؤد باسناد صحیح علی شرط البخاری ومسلم) پٹھے رکھنے اور نہ رکھنے کا

علاق عادت سے ہے حکم شریعت نہیں یوں کوئی پیغمبر کی اتباع سے رکھے تو مستحب اور باعث ثواب ہے۔(منقول از بعض الفتاویٰ)

(جواہر الفقہ ج ۷ ص ۱۵۹)

دارالعلوم دیوبند
کے دیگر فتاویٰ بھی ملاحظہ فرمائیں

امدادالفتاویٰ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ نے ''امداد الفتاویٰ'' میں ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے کہ

ایک تو داڑھی کا منڈانا یا کٹانا معصیت ہے ہی، مگر اوپر سے اصرار کرنا اور مانعین سے معارضہ کرنا یہ اس سے زیادہ سخت معصیت ہے۔(ج ۴ ص ۲۲۱)

داڑھی رکھنا واجب ہے اور قبضہ سے زائد کٹانا حرام ہے۔(ج ۴ ص ۲۲۳)

امدادالاحکام

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''امدادالاحکام'' میں ایک سوال کے جواب لکھتے ہیں کہ

''داڑھی کا مونڈنا حرام ہے اور کتر کر ایک قبضہ سے کم کرنا بھی حرام ہے''

(امدادالاحکام ج ۴ ص ۳۴۶)

فتاویٰ مفتی محمود

داڑھی کا کاٹنا کسی نے بھی اس کو مباح نہیں لکھا گویا اس کی حرمت پر اجماعِ اُمت ہے۔(ج۲ص ۸۷)

طویل بحث کے بعد دوسری جگہ لکھا ہے

بہر حال قبضہ سے کم کے کترانے کے عدمِ جواز پر اجماع ہے اور یہی مذہبِ ائمہ اربعہ ہے۔(ج۲ص ۱۰۴)

شرعاً داڑھی کو مطلق چھوڑنے کا حکم ہے اور بقدرِ مشت کم از کم داڑھی چھوڑنا واجب ہے۔داڑھی منڈانا یاحدِ سنت یعنی بقدرِ مشت سے کم کتروانا اور اس پر دوام واصرار کرنا شرعاً فسق وگناہِ کبیرہ ہے۔(ج۲ص ۱۱۱)

کفایت المفتی

داڑھی رکھنا واجب ہے،داڑھی منڈوانے والا فاسق ہے،اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔(ج۴ص ۱۸۸)

فتاویٰ رحیمیہ

شریعت میں داڑھی کی بہت اہمیت ہے،یہ تمام انبیاء علیہم السلام کی متفقہ سنت ہے نبی اقدس ﷺ کا دائمی عمل ہے اور آپ ﷺ نے اپنی امت کو داڑھی رکھنے کو تاکیدی حکم فرمایا ہے،لہٰذا مردوں کے لئے داڑھی رکھنا واجب اور ضروری ہے اور اس کی مقدار شرعی ایک

...(ایک مشت) ہے اور داڑھی منڈانا حرام اور گناہِ کبیرہ اور موجبِ فسق ہے اور اس پر ... کا اجماع ہے۔ (ج۴ص۱۵۵)

...ی محمودیہ

امام محمد رحمہ اللہ نے کتاب الآثار میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے ... ایک مشت داڑھی رکھنا سنت ہے، صحابہ کرام کا بھی عامۃً معمول یہی تھا۔ تو گویا یہ چیزیں ...الی ہیں، اسی وجہ سے فقہائے کرام نے لکھا ہے " **ویحرم علی الرجل قطع لحیۃ**" ...مشت تک پہنچنے سے پہلے کٹانا یا چھوٹی رکھنا کسی کے نزدیک بھی مباح نہیں۔

(ج۶ص۱۲۳)

ا...ن الفتاویٰ

داڑھی قبضے سے کم کرنا حرام ہے بلکہ یہ دوسرے کبیرہ گناہوں سے بھی بدتر ہے ... لئے کہ اس کے اعلانیہ ہونے کی وجہ سے اس میں دینِ اسلام کی کھلی توہین ہے اور اللہ ...الی اور رسول اللہ ﷺ سے بغاوت کا اظہار و اعلان ہے۔ اسی لئے حضرات فقہاءِ کرام نے ...سلہ تحریر فرمایا ہے کہ جو شخص رمضان میں اعلانیہ کھائے پیئے وہ واجب القتل ہے، کیونکہ وہ ...طور پر شریعت کی مخالفت کر رہا ہے، نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ " **کل امتی معافی الا المجاھرین**" میری پوری امت لائقِ عفو ہے مگر اعلانیہ گناہ کرنے والے معافی کے ...ق نہیں۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ دوسرے گناہ کسی خاص وقت میں ہوتے ہیں مگر داڑھی

کٹانے کا گناہ ہر وقت ساتھ لگا ہوا ہوتا ہے، سو رہا ہے تو بھی گناہ ساتھ ہے، حتیٰ کے نما وغیرہ عبادات میں مشغول ہونے کی حالت میں بھی اس گناہ میں مبتلا ہے، قومِ لوط کے اسبابِ عذاب میں داڑھی کٹانا بھی ہے (درمنثور)۔ (ج ۳ ص ۲۶۰)

فتاویٰ حقانیہ

داڑھی انبیاء علیہم السلام کی سنتِ قدیمہ ہے اور شعائرِ اسلام میں اس کا شمار ہوتا ہے، فقہاءِ کرام کی تحقیقات کی روشنی میں داڑھی کا رکھنا واجب ہے جس کی مقدار ایک مشت ہے، اس سے کم داڑھی رکھنا خلافِ سنت ہے۔ (ج ۲ ص ۴۶۷)

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند

ایک سوال کے جواب میں فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ

''درمختار میں ہے کہ چار انگشت سے کم داڑھی کا قطع کرنا حرام ہے'' واما قطعها وهي دونها فلم يبحه احد الخ ''اور نیز درمختار میں ہے'' ولذا يحرم على الرجل قطع لحية'' (ج ۳ ص ۱۲۹)

حلية المسلمين

محقق العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صاحب صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے رسالے ''حلیۃ المسلمین'' میں تحریر فرماتے ہیں

''حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اتباع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کے دور میں قبضہ

(مٹھی بھر) سے کم داڑھی کا کوئی ثبوت نہیں اور خلافتِ راشدہ میں بھی اس کی کوئی مثال موجود نہیں، اس مبارک دور میں تمام مسلمان از شرق تا غرب از شمال تا جنوب جہاں بھی موجود تھے داڑھی کی پابندی کرتے تھے، البتہ یہود و مجوس اور نصاریٰ و بد باطن فرقوں کی بات جدا ہے لیکن جس زمانے میں خلافتِ راشدہ نہ تھی اور اسلام کے احکام بھی من وعن نافذ نہ تھے اس زمانے میں بھی بے ریش کو انتہائی حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور حسبِ مقدور اس کو سزا دی جاتی تھی تا کہ دیکھنے والوں کے لئے عبرت ہو۔" (ص ٦)

یہ ایک مختصر اقتباس ہے جو کہ حضرت والا کے رسالے سے تحریر کیا گیا ہے، اگر تفصیل قارئین کرام کو درکار ہو تو مکمل رسالہ حاصل کر کے فیض حاصل کریں۔

نجم الفتاویٰ

نجم الفتاویٰ میں ایک سوال کے جواب میں لکھا گیا ہے کہ

"داڑھی جنابِ نبی کریم ﷺ کی سنت ہے اور شعائرِ اسلام میں سے ہے جس کی توہین موجب کفر ہے" (نجم الفتاویٰ ج ا ص ۱۵۴)


وفی السماء رزقکم وما توعدون

احسن القربات بمنع الزکوۃ الی السادات

”یعنی سادات کو زکوٰۃ دینے کی ممانعت“

احادیث و آثار سے یہ بات واضح ہے کہ ہر صدقاتِ واجبہ اور فرضیہ جناب نبی کریم ﷺ کی آل پر حرام قرار دئے گئے ہیں اور جا بجا احادیث و آثار اس مسئلہ میں دال ہیں کہ کبھی بھی جناب نبی کریم ﷺ یا آپ کی آل پر آپ ﷺ نے صدقات یا زکوٰۃ کو لوگوں کا میل کچیل ہونے کی وجہ سے جائز نہیں فرمایا، جائز تو بہت دور کی بات ہے آپ ﷺ نے ایک لقمہ بھی اس کا گوارہ نہیں فرمایا۔

جناب نبی کریم ﷺ کی کمال احتیاط

ہمارے پیغمبر کو دیکھیں کہ بھوک لگی ہے اور کھانے کی کوئی چیز نہیں ہے اچانک بستر پر ایک کھجور پڑی ہوئی دیکھی تو فرمایا کہ یہ نہیں کھا سکتا

"عن انس ان النبی صلی اللہ علیه وسلم وجد تمرة فقال لولا ان تکون صدقة لاکلتها" (مسلم ج۱ص،۳۴۴)

کہیں زکوٰۃ میں سے نہ ہو حالانکہ کھجور کتنی چھوٹی سی چیز ہے، لیکن آپ ﷺ نے اس کو بھی گوارہ نہیں فرمایا۔

حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے نواسے ہیں اور کیسا نواسہ ہے ؟ان کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ

"ان ابنی هذا سیدیصلح اللہ علی یدیه بین فئتین"

(جامع ترمذی ج۲ص ۲۱۸)

میرا یہ نواسہ ان شاء اللہ سردار ہے اور اس کے ذریعے امتوں کے بڑے جھگڑے اللہ تعالیٰ ختم کرے گا۔

حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما دونوں کو اٹھایا اور فرمایا

''قال قال رسول اللہ ﷺ الحسن والحسین سید ا شباب اھل الجنۃ''

(جامع ترمذی ج ۲ ص ۲۱۸)

یہ دونوں جنت کے پھول مجھے یہاں دئے گئے ہیں۔ بخاری شریف میں ہے کہ ایک بار حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے نیچے سے کھجور اٹھالی اور منہ میں ڈال لی، آپ ﷺ نے ان کے منہ میں انگلیاں دیں اور فرمایا باہر نکالو

''انا لا ناکل الصدقۃ'' (بخاری ج ۱ ص ۲۰۲)

کہیں زکوٰۃ کی کھجور نہ ہو میری اور میری آل اولاد کے لئے زکوٰۃ جائز نہیں ہے۔

سادات کا زکوٰۃ لینا کسی حال میں جائز نہیں

آج کل جاپانی قسم کے سادات نکل آئے ہیں ایک طرف تو خود کو سید کہتے ہیں اور دوسری طرف زکوٰۃ خور بھی بنے ہوئے ہیں

شرم تم کو مگر نہیں آتی

آنحضرت ﷺ کا ایک آزاد کردہ غلام تھا ابو رافع، جب اسلام کی فتوحات ہوئیں اور دور دراز تک لوگ مشرف با اسلام ہوئے۔ ان کی طرف سے افراد آتے تھے کہ حضرت فصلیں تیار ہیں مویشیاں گن لی گئی ہیں، سونا اور چاندی وزن کرلیا گیا ہے اگر خدمت اقدس

سے کوئی معتمد آئے اور جمع کرلے تو ہمیں آسانی ہوگی، آپ ﷺ نے پورا نظام بنایا اور چند لوگوں کو مقرر کیا اس دوران آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ جن کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں ان کا اتنا احترام کرتا ہوں جیسے باپ کا کیا جاتا ہے۔

(ترمذی ج۲ص ۲۱۷)

اسی چچا نے ابورافع کو کہا کہ آپ کو تو حضرت ﷺ نے آزاد کر دیا ہے اور تیری شادی بھی ہونے والی ہے اور تجھے ولیمہ بھی کرنا ہوگا تو اس میں بڑا خرچہ ہوگا لہٰذا حضرت ﷺ اس وقت لوگوں کو زکوٰۃ جمع کرنے کے لئے مقرر کر رہے ہیں، آپ بھی ان میں شریک ہوکر اس جماعت کے ایک رکن بن جائیں، جب زکوٰۃ جمع ہو جائے گی تو آپ کو بھی اس میں سے حصہ مل جائے گا اس سے اپنی شادی اور ولیمہ کی ضروریات پوری کرلینا، یہ بڑا صاف ستھرا مسئلہ تھا، حضرت ابورافع کے ساتھ بڑا احسان تھا تو ابورافع خدمت اقدس میں آئے اور آپ ﷺ سے گزارش کی تو آپ ﷺ نے حضرت عباس کو بلوایا، آپ ﷺ کا کیا کمال علم نبوت ہے ایک مسئلہ سے سارے جہاں کو آگاہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں آپ ﷺ چاہتے تھے کہ آئندہ کوئی غلطی نہ کرے تو آپ ﷺ نے ابورافع کو کہا دوبارہ کہو کیا چاہتے ہو اس نے کہا حضرت آپ کی عنایت سے غلامی سے نکلا ہوں اور آزاد ہوں اور آپ کی اللہ نے مدد فرمائی اور فتوحات دیں، پورے جہاں سے زکوٰۃ جمع ہو رہی ہے اس زکوٰۃ میں سے خدمت کے عوض میں جب میں کام کروں مجھے بھی مل جائے تو میری شادی اور ولیمے کا کام ہو جائے گا۔ اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا آپ ہمارے دوست رہے ہیں سبحان اللہ غلام کو کہتے ہیں انت مولانا آپ ہمارے رہے ہیں

"وان موالی القوم من انفسهم" (جامع ترمذی جلد۱ص۸۳)

پیغمبر کا غلام بھی پیغمبر کے خاندان کا فرد ہوتا ہے۔ یہ زکوٰۃ جس طرح میرے لئے اور میری اولاد کے لئے حرام ہے تیرے لئے بھی حرام ہے، اس زکوٰۃ میں سے آپ نہیں لے سکتے ہیں۔

یہ پیغمبر کی عالی تعلیمات ہیں اور وہ اخلاق ہیں جو کہ امت کو تلقین کئے گئے ہیں۔ آج وہی امت مختلف حیلوں اور بہانوں سے سود اور دیگر حرام چیزوں کو حلال کرنے کی در پے ہے۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو محفوظ فرمائے اور اپنے نبی کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور جتنے بھی برائی کے راستے ہیں ان کو ختم فرمائے۔

حال ہی میں چند تحریرات نظر سے گزری ہیں جن میں مسئلہ جواز الی السادات کے سلسلے میں کچھ مشاہیر اور مشائخ کرام کے نام بغیر تنقیح کے دیئے گئے ہیں جن میں امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں۔

سو اس سلسلے میں عرض ہے کہ اولاً احادیث رسول ﷺ سب کی سب نہی اور حرمت پر دلالت کرتی ہیں۔ کما لا یخفیٰ علی من له اطلاع بالصحاح السته، ثانیاً جو روایت صاحب ہدایہ وغیرہ نے خمس الخمس کی پیش کی وہ صحیح نہیں محقق علی الاطلاق حافظ ابن الہمام مرحوم نے فتح القدیر شرح ہدایہ میں اس جگہ غریب کہہ کر اس کی صحت کا انکار کیا ہے اور حرمت پر دلالت کرنے کے لئے ابو رافع رضی اللہ عنہ غلام رسول ﷺ کا واقعہ پیش کیا ہے اور سادات کو زکوٰۃ دینے کے جواز کا انکار کیا ہے اور اس کو احناف کا قوی اور مختار مذہب کہا

ہے۔ ثالثاً مشہور ہے کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے خمس منقطع ہونے کے بعد جواز کا فتویٰ دیا ہے یا امام صاحب رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے یہ بھی ہرگز درست نہیں کیونکہ امام طحاویؒ نے دو نظر پیش کئے ہیں۔

ایک یہ کہ لفظ صدقہ کی وجہ سے بعض حضرات نے بنو ہاشم کو نفلی صدقات دینے سے بھی انکار کیا ہے جبکہ یہ درست نہیں بلکہ فرض اور واجب صدقات دینا منع ہے اور نفلی دیئے جاسکتے ہیں۔

دوسری نظر امام طحاوی رحمہ اللہ نے یہ پیش کی، کہ اگر بنو ہاشم عامل زکوٰۃ بنے تو کیا اس کا (محنتانہ) زکوٰۃ میں سے دیا جاسکتا ہے؟ تو امام طحاوی رحمہ اللہ نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی روایت پیش کر کے اسے جائز کیا ہے، سو یہ صاف واضح ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے حق میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا'' **هو عليها صدقة وهو لنا هدية** '' (بخاری ج اص ۲۰۲) اگر امام طحاوی خمس کے منقطع ہونے کی وجہ سے مطلقاً جواز کے قائل تھے تو حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا والی روایت میں حیلے سے تبدل ملک سے تبدل وصف کا قاعدہ ذکر نہ فرماتے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ امام طحاوی رحمہ اللہ کی کسی اور کتاب میں یہ جواز منقول ہے تو گزارش یہ ہے کہ امام طحاوی رحمہ اللہ سے تین چیزیں متواتر ہیں (۱) شرح معانی الآثار جو علماء کے یہاں عرصہ دراز سے درسی کتاب ہے (۲) دوسری مشکل الآثار اس میں اس قسم کے مباحث نہیں (۳) تیسری احکام القرآن بحمد للہ تینوں کتابوں سے بنو ہاشم کو زکوٰۃ دینے کے عدم جواز کو حدیث اور فقہ کے مطابق حنفیہ کا مذہب ثابت فرمایا ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے امداد الفتاویٰ میں فرمایا علت حرمت زکوٰۃ کا اوساخ ہونا ہے نہ کہ خمس لہٰذا خمس منقطع ہونے کے باوجود حرمت برقرار ہے۔ حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ کے علوم کے کائنات میں سب سے زیادہ شناور حضرت الاستاذ مولانا محمد یوسف بنوری مرحوم اور حضرت الشیخ امام العصر کے علوم حدیث اور فقہ کو محفوظ کرنے کے لئے حضرت نے معارف السنن جمع فرمائی ہے۔ معارف السنن میں حضرت نے بنو ہاشم کو زکوٰۃ دینا ناجائز ہی مبرھن فرمایا ہے۔

(معارف السنن ج ۵ ص ۲۶۵)

اگر حضرت اقدس شاہ صاحب مرحوم کی یہ تحقیق با قاعدہ رائے ہوتی تو حضرت ضرور ذکر فرماتے اس لئے فیض الباری پر معارف السنن کے مقابلے میں اعتماد ہر جگہ مناسب نہیں ہے۔ صوبہ سرحد کے بعض علاقوں میں اور بلوچستان میں بعض غیر محقق اعمال چل پڑے ہیں ان میں یہ خیال کہ بنو ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز بھی ہے اور پھر امام طحاوی رحمہ اللہ کی کسی غیر ثابت شدہ عبارت کو شاذ مواطن سے امام طحاوی رحمہ اللہ کی تحقیق اور ترجیح یا حنفی مذہب کا قول سمجھا جانے لگا ہے۔ چنانچہ امام اہلسنت محقق العصر حضرت مولانا سرفراز خان صاحب صفدر رحمہ اللہ نے بہت شروع میں اس پر با قاعدہ کتاب لکھی ہے جس کا نام

''الکلام الحاوی فی حل عبارۃ الطحاوی''

اس کتاب میں محقق العصر نے ابوعصمہ وغیرہ کے ضعیف اقوال کا تفصیلی رد کیا ہے۔ باقی تفصیل مقالہ مکمل دلائل کے ساتھ ماہنامہ الاحسن کے کارپردازوں نے اس عاجز کی نگرانی میں ترتیب دیا ہے جو کہ اگلے صفحات پر پیش کیا جا رہا ہے۔

احادیثِ مبارکہ میں سادات کو زکوٰۃ دینے کی ممانعت

صحیح بخاری

امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ اور دیگر اصحاب صحاح ستہ نے اس مسئلہ پر احادیث جمع فرمائیں ہیں جو کہ ہم آگے پیش کر رہے ہیں۔

بخاری شریف میں ہے کہ جب بھی جناب نبی کریم ﷺ کی خدمت میں کوئی چیز پیش کی جاتی تھی تو آپ ﷺ اسے تناول فرمانے سے پہلے دریافت فرماتے تھے کہ کہیں وہ صدقہ نہ ہو

(۱) عن ابی هريرة قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا أُتی بطعام سأل عنه اهدية ام صدقة فان قيل صدقة قال لاصحابه كلوا ولم ياكل وان قيل هدية ضرب بيده فاكل معهم

(بخاری ج ا ص ۳۵۰)

اسی طرح دوسری جگہ ہے کہ ایک بار حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ایک کھجور اپنے منہ میں ڈال لی تو جناب نبی کریم ﷺ نے ان کے منہ سے اس ڈر سے واپس نکلوائی کہ کہیں وہ صدقہ کی کھجور نہ ہو۔

(۲) عن ابی هريرة ان الحسن بن على اخذ تمرة من تمر الصدقة فجعلها فى فيه فقال النبى صلى الله عليه وسلم كخ كخ اما تعرف انا لا ناكل الصدقة (بخاری ج ا ص ۴۳۲)

اسی طرح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی نقل فرمائی ہے اور وہ اس طرح ہے

(۳) عن ابی هریرة قال کان رسول الله ﷺ یوتی بالتمر عند صرام النخل فیجئی هذا بتمره وهذا من تمره حتیٰ یصیر عنده کوما من تمر فجعل الحسن والحسین یلعبان بذٰلک التمر فاخذ احدهما تمرة فجعله فی فیه فنظر الیه رسول الله ﷺ فاخرجها من فیه فقال اما علمت ان اٰل محمد لا یاکلون الصدقة. (بخاری ج ۱ ص ۲۰۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے پاس لوگ کھجوریں لاتے تھے ہر کوئی اپنی کھجوروں میں سے جبکہ کھجوریں پکنے اور اتارنے کے قابل ہوتیں کچھ حصہ لے آتا دوسرا اپنی کھجوروں میں سے کچھ لے آتا یہاں تک کہ آنحضرت کے پاس ایک ڈھیر لگ جاتا حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما (بچپن میں) کھیل رہے تھے ان کھجوروں کے ساتھ کہ ان میں سے ایک نے ایک دانہ اٹھا کر منہ میں ڈال دیا حضرت ﷺ نے ان کو دیکھا اور ان کے منہ سے کھجور نکال کر فرمایا کیا تمہیں خبر نہیں کہ آل صدقہ نہیں کھایا کرتے اور تجرید بخاری ج ۱ ص ۱۵۷ میں ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے منہ سے کھجور نکالی اور کہا کہ تمہیں معلوم نہیں کہ اولاد محمد ﷺ صدقہ نہیں کھاتے .... الخ

اس حدیث کے ذیل میں علامہ بدر العینی رحمہ اللہ عمدۃ القاری شرح بخاری میں بحث کے بعد متعدد اقوال جمع فرماتے ہیں جن کا حاصل یہی ہے کہ زکوۃ سادات کے لئے جائز نہیں ہے۔

(۱۲)فیہ ان الصدقة لا تحل لآل محمدٍ وفی الذخیرة للقرافی ان الصدقة محرمة علی رسول الله صلی الله علیه وسلم اجماعاً و فی المغنی الظاهر ان الصدقة فرضها و نفلها کانت محرمة علی رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم ....

(عمدۃ القاری ج ۵ ص ۸۰ دار الفکر بیروت)

صحیح مسلم

امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی اس روایت کو نقل فرمایا ہے

(۱) عن محمد وهو ابن زیاد سمع ابا هریرة یقول اخذ الحسن بن علی تمرةً من تمر الصدقة فجعلها فی فیه فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم کخ کخ ارم بها (مسلم ج ۱ ص ۳۴۳)

راوی فرماتے ہیں کہ کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ ﷛ کو یہ فرماتے سنا کہ ایک مرتبہ حضرت حسن ابن علی ﷛ نے صدقہ کی کھجور اپنے منہ میں ڈالی جناب نبی کریم ﷺ نے فوری ان سے فرمایا کہ اسے اپنے منہ سے باہر نکالو۔

(۲) عن ابی هریرة عن رسول الله صلی الله علیه وسلم انه قال انی لا نقلب الی اهلی فاجد التمرة ساقطة علی فراشی ثم ارفعها لأکلها ثم اخشیٰ ان تکون صدقةً فالقیها (مسلم ج ۱ ص ۳۴۳)

یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ک جناب نبی کریم صلی اللہ

نے فرمایا کہ ایک مرتبہ جب میں اپنے گھر لوٹا تو دیکھا کہ ایک کھجور میرے بستر میں ہے میں اسے اٹھا کر کھانے لگا مگر اس خوف سے نہ کھا سکا کہ کہیں یہ صدقہ کی نہ ہو تو فوراً اگل دی۔

(۳) عن انس بن ملک ان النبی صلی الله علیه وسلم وجد تمرة فقال لولا ان تکون من الصدقة لاکلتها (مسلم ج۱ص۳۴۳)

حضرت انس ابن مالک ﷜ سے مروی ہے آپ ﷺ نے ایک کھجور پڑی دیکھی فرمایا کہ اگر یہ صدقہ کی نہ ہوتی تو میں اسے کھالیتا۔

اسی طرح امام مسلم رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں لگاتار روایات نقل فرمائی ہیں کہ حضرت ﷺ نے دیکھا کہ ایک کھجور رکھی ہوئی ہے اور آپ ﷺ نے چاہا کہ آپ اسے تناول فرمائیں لیکن اس ڈر سے نہیں کھائی کہ کہیں وہ صدقہ کی نہ ہو۔

سنن ابی داؤد

اسی طرح امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس باب میں احادیث جمع فرمائی ہیں باب قائم فرمایا کہ "باب الصدقة علی بنی هاشم" اور اس کے ذیل میں پانچ حدیث ذکر فرمائی ہیں۔

عن ابن ابی رافع عن ابی رافع ان النبی ﷺ بعث رجلا علی الصدقة من بنی مخزوم فقال لابی رافع اصحبنی فانک تصیب منها قال حتی اٰتی النبی ﷺ فاساله فاتاه فسأله فقال مولی القوم من انفسهم

وانا لا تحل لنا الصدقة

(ابوداؤد ج ا ص ۲۴۴ باب الصدقۃ علیٰ بنی ھاشم میر محمد کتب خانہ)

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جناب نبی کریم ﷺ نے بنی مخزوم کا ایک شخص زکوٰۃ کی وصولیابی کیلئے روانہ کیا اس نے حضرت ابورافع سے کہا تم میرے ہمراہ رہو تمھیں بھی کچھ حصہ مل جائے گا انہوں نے کہا کہ میں پہلے پیغمبر ﷺ سے دریافت کرلوں انہوں نے آکر پیغمبر علیہ السلام سے مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ کسی بھی قوم کا غلام انہیں میں شمار ہوتا ہے اور ہمارے لئے زکوٰۃ لینا جائز نہیں۔

سنن نسائی

اسی طرح امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے نسائی شریف میں ایک روایت نقل فرمائی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب حضرت کے خاندان والوں میں سے چند افراد نے صدقات میں سے کچھ حصہ لینے کی درخواست کی تو حضرت ﷺ نے اسے یہ کہہ کر مسترد فرمادیا کہ یہ صدقات لوگوں کے میل کچیل کی قبیل میں سے ہیں اور ان کا استعمال جس طرح میرے لئے جائز نہیں اسی طرح آپ کے لئے بھی جائز نہیں۔

(۲) ان عبد المطلب بن ربيعة بن الحارث بن عبد المطلب اخبره ان اباه ربيعة بن الحارث قال لعبد المطلب بن ربيعة بن الحارث والفضل بن عباس بن عبدالمطلب ائتيا رسول الله ﷺ فقولا له استعملنا يارسول الله على الصدقات فاتىٰ على بن ابى طالب ونحن

علی تلک الحال فقال لهما ان رسول الله ﷺ لا یستعمل منکم احداً علی الصدقة قال عبدالمطلب فانطلقت انا والفضل حتیٰ اتینا رسول الله ﷺ فقال لنا ان هذه الصدقة انما هی اوساخ الناس وانها لا تحل محمد ولا لآل محمد ﷺ (سنن نسائی جلد اص ۲۸۱)

کہ حضرت ربیعہ بن الحارث رضی اللہ عنہ (جوایک صحابی ہیں) نے حضرت عبدالمطلب بن ربیعہ (یہ بھی صحابی ہیں) فضل ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جاؤ آنحضرت ﷺ کے پاس اور کہو کہ ہم کو صدقات پر عامل مقرر کر دیں اتنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور کہنے لگے کہ تمہیں ہرگز آنحضرت ﷺ عامل نہیں مقرر کریں گے۔ خیر عبدالمطلب بن ربیعہ فرماتے ہیں کہ میں اور فضل ابن عباس آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ صدقات لوگوں کے مال کی میل کچیل ہے نہ تو یہ محمد ﷺ کے لئے حلال ہیں اور نہ آپ کے اہل کے لئے ان میں سے کسی کے لئے بھی یہ حلال نہیں۔

جامع ترمذی

امام ترمذی رحمہ اللہ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ (جو آنحضرت ﷺ کے غلام تھے ،ان کا انتقال حضرت علی کی خلافت میں ہوا) سے روایت پیش کرتے ہیں جو کہ اس باب میں سب سے اہم ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے غلام کو بھی صدقات وزکوٰۃ کے استعمال سے منع فرمایا ہے

(۱) عن ابی رافع ان رسول اللہ ﷺ بعث رجلا من بنی مخزوم علی الصدقة فقال لابی رافع اصحبنی کیما تصیب منها فقال لا حتی اتی رسول اللہ ﷺ فاساله وانطلق الیٰ النبی ﷺ فساله فقال ان الصدقه لاتحل لنا وان موالی القوم من انفسهم قال وهذا حدیث حسن صحیح (جامع ترمذی جلد ۱ ص ۸۳)

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے قبیلہ بنی مخزوم کے ایک آدمی کو صدقات پر عامل بنایا انہوں نے حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کو کہا آپ میرے ساتھ چلوتا کہ تمہیں بھی کچھ مل جائے حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں جب تک آنحضرت ﷺ کے پاس جا کر پوچھ نہ لوں نہیں جاسکتا جب آنحضرت ﷺ کے پاس جا کر پوچھا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہمارے لئے صدقات جائز نہیں اور تم ہمارے غلام ہو تمہارے لئے بھی جائز نہیں کیونکہ (شریعت میں) غلام مالک کی قوم سے سمجھا جاتا ہے (یعنی بعض احکام میں جو حکم مالک کا ہوگا وہی غلام کا ہوگا مثلاً یہی مسئلہ کہ زکوٰۃ آقا کے لئے بھی جائز نہیں غلام کے لئے بھی ناجائز ہے)

اردو ترجمہ ترمذی جلد ۱ ص ۱۳۲ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہم لوگوں کے لئے صدقہ حلال نہیں اور قوم کا غلام وہ قوم ہی کا ایک فرد ہوتا ہے اس لئے جب سادات کو صدقہ حلال نہیں ہے تو پھر ان کے غلاموں کے لئے بھی کسی قسم کا صدقہ حلال نہیں...الخ

اسی طرح امام ترمذی رحمہ اللہ نے ایک روایت نقل فرمائی ہے کہ جب بھی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں کوئی چیز پیش کی جاتی تھی تو آپ ﷺ اس کے بارے میں ضرور

یافت فرماتے تھے، اگر وہ صدقہ کے قبیل میں سے ہوتی تھی تو آپ ﷺ اس سے پرہیز
ماتے اور اگر وہ کسی کی جانب سے ہدیہ ہوتا تو اپ ﷺ اسے شوق سے تناول فرماتے تھے

(۲) کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا أتی بشئی سأل أصدقة
ھی ام ھدیة فان قالوا صدقة لم یاکل وان قالوا ھدیة اکل

(جامع ترمذی جلد اص ۸۳)

جناب نبی کریم ﷺ کی خدمت میں کوئی چیز لائی جاتی تو دریافت فرماتے کہ یہ
دقہ ہے یا ہدیہ اگر صحابہ کہتے کہ صدقہ ہے تو تناول نہ فرماتے اور اگر وہ کہتے کہ ہدیہ ہے تو
ل فرمالیتے۔

یگر کتبِ احادیث

اس کے علاوہ بھی احادیث کی دیگر معتبرات میں اس مسئلہ کی مکمل طور پر وضاحت
جود ہے جن میں سے چند مشہور کتب کے حوالہ جات ہم پیش کئے دیتے ہیں۔

(۱) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی ان احادیثِ مبارکہ پر طویل
ماث کے بعد اسی مؤقف کو ترجیح دی ہے کہ سادات کا زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے۔

الحدیث یدل علی حرمة الصدقة علی النبی ﷺ اور حدیث اس بات کا تقاضہ
رتی ہے کہ پیغمبر علیہ السلام پر ہر طرح کی خیرات استعمال کرنا منع ہے، اور آگے محمد ابن
رک حنفیؒ کے حوالہ سے فرماتے ہیں قال میرک فیه دلیل علی ان الصدقة تحرم
علیه وعلی آله سواء کان بسبب العمل او بسبب الفقر والمسکنة

وغیرهما وهذا هو الصحیح عندنا. محمد ابن میرک حنفیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث وانہا لا تھل لمحمد ولا لآل محمد میں دلیل ہے اس بات پر کہ صدقات وخیرات آپ علیہ السلام پر اور آپ کے آل پر حرام ہے خواہ مزدوری کی وجہ سے ہو یا فقر وفاقہ کی وجہ سے

(مرقاۃ المفاتیح ج۴ ص۳۳۳ سے ۳۳۷)

(۲)عن ابن عباس ان عمر بن الخطاب قال للعباس وللفضل بن عباس اذکرا للنبی ﷺ ان یامر لکما من الصدقات وانی ساحضر لکما فذکر ذلک الفضل لرسول الله ﷺ فقال: اصبروا علی انفسکم یا بنی هاشم فانما الصدقات غسالات الناس

(معجم کبیر للطبرانی ج۱۲ ص۲۳۵)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عباس اور حضرت فضل ابن عباسؓ سے کہا کہ آپ دونوں پیغمبر علیہ السلام سے اس بات کا تذکرہ کریں کہ وہ آپ دونوں کو صدقات پر مامور فرمادیں، پس حضرت فضل نے اس بات کا تذکرہ پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے فرمایا کہ اپنے نفس پر صبر کرواے بنی ہاشم کیونکہ صدقات تو لوگوں کا میل کچیل ہے۔

(۳) الحدیث الاربعون :قال علیه السلام یا بنی هاشم ان الله تعالیٰ قد حرم علیکم غسالة الناس واوساخهم وعوضکم منها بخمس الخمس (نصب الرایہ ج۲ ص۴۰۳ مصری)

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ اے بنی ہاشم اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر حرام کرا

ہے لوگوں کا صدقہ جو کہ ان کے مال کا میل کچیل ہے اور اس کے عوض میں تمھیں مال غنیمت میں سے خمس عطا کیا۔

(۴) قالت عائشة قال رسول الله ﷺ انا آل محمد لانا کل الصدقة

(کتاب الردلابن ابی شیبہ ص ۳۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہم آل محمد ہیں ہم صدقہ نہیں کھایا کرتے۔

(۵) عن عطاء بن السائب قال حدثتنی ام کلثوم ابنة علی قال اتیتها بصدقة کان امر بها قالت احذر شبابنا فان میمون او مهران مولی النبی ﷺ اخبرنی انه مر علی النبی ﷺ فقال له یا میمون او یا مهران انا اهل بیت نهینا عن الصدقة وان موالینا من انفسنا ولانأ کل الصدقة.

(i) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۴۴۸ حدیث ۱۶۳۹۹، مسند المدنیین

(ii) ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۱۰۴ (بتغیر یسیر)

(iii) مصنف عبدالرزاق جلد ۴ ص ۵۱

حضرت عطاء بن السائب کہتے ہیں کہ میں حضرت کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہ کے پاس صدقات میں سے کوئی چیز لے گیا تو حضرت ام کلثوم نے رد کر دیا اور فرمایا کہ مجھ سے آنحضرت ﷺ کے ایک غلام نے جس کا نام حضرت مہران رضی اللہ عنہ ہے نے بیان کیا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آل محمد کے لئے صدقہ حلال نہیں اور قوم کا غلام

انہیں میں سے ہوتا ہے۔

(٦) یہی روایت ان ہی الفاظ سے نصب الرایہ جلد۲ص ۴۰۵ اور درایہ ص ١٦٧ میں ہے

(٧) الضعفاء الکبیر ج۲ص ۲۴۰ میں ہے:

عن ابن عباس اتی فتیان من بنی الحارث بن عبدالمطلب رسول الله ﷺ فقالا استعملنا علی الصدقة فنصیب ما یصیب الناس فقال رسول الله ﷺ ان الصدقة لا تحل لمحمد ولا لآل محمد .. الخ

کہ دونو جوان آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ ہمیں صدقات پر عامل بنادیں تو آپ نے فرمایا کہ یہ صدقات ال محمد کے لئے حلال نہیں۔

امام نووی شرح مسلم میں تحریر فرماتے ہیں

(٨) **دلیل علی انها محرمة سواء کانت بسبب العمل او بسبب الفقر والمسکنة و غیرهامن الاسباب الثمانیة وهذا هو الصحیح عند اصحابنا .. الخ** (صحیح مسلم مع شرح نووی ج١ص ۳۴۴)

اس حدیث میں دلیل ہے کہ زکوٰۃ بنو ہاشم پر حرام ہے عامل بن کر لے پھر اور فقیر ومسکین ہونے کے لحاظ سے لے پھر بھی یا وہ آٹھ اسباب جو مذکور ہوئے ان میں سے کوئی بھی سبب ہو بہر حال حرام ہے اور یہ ہی صحیح قول ہے

(٩) امام نووی ایک اور روایت کی شرح کرتے ہوئے زکوٰۃ اور نفلی صدقات دونوں کو ایک کہتے ہوئے فرماتے ہیں:

فیه تحریم الصدقة علیه صلی الله علیه وسلم وانه لا فرق بین صدقة

الفرض و التطوع لقوله ﷺ الصدقة بالالف واللام و هی تعم النوعین ولم یقل الزکوٰة (صحیح مسلم مع شرح نووی ج۱ص۳۴۴)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

(۱۰) المراد بالصدقة الزکوٰة وهی حرام عندنا علی بنی المطلب وقال مالک بنو هاشم فقط... الخ

(صحیح مسلم مع شرح نووی ج۱ص۳۴۴)

صدقہ سے مراد زکوٰۃ ہے (نفلی نہیں) اور ہمارے نزدیک بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب دونوں پر حرام ہے

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فقط بنو ہاشم پر حرام سمجھتے ہیں

(۱۱) فقال رسول الله ﷺ انما بنو هاشم و بنو المطلب شئی واحدفصح انه لا یجوز ان یفرق بین حکمهم فی شیء اصلالانهم شیء واحد بنص کلامه علیه الصلوٰة والسلام فصح انهم اٰل محمد واذا هم اٰل محمد فالصدقة علیهم حرام فیخرج بنو عبد شمس وبنو نوفل ابنی عبد مناف وسائر قریش عن هذین البطنین وبالله تعالیٰ التوفیق ولا یحل لِهذین البطنین صدقة فرض ولا تطوع اصلا لعموم قوله علیه الصلوٰة والسلام لا تحل الصدقة لمحمد ولالاٰل محمد فسوی بین نفسه وبینهم واما مالا یقع علیه اسم صدقة مطلقة فهو حلال لهم کالهبة والعطیة والهدیة والنحل والحبس والصلة

والبر غیر ذالک.....الخ (محلی ابن حزم، کتاب الزکوٰۃ جلد۲ ص۳۴)

جناب نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے بنو ہاشم و بنو عبد المطلب ایک ہی سمجھے جاتے ہیں اوران دونوں کے لئے نہ تو فرضی صدقہ جائز ہے اور نہ نفلی کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ زکوٰۃ نہ محمد کے لئے حلال ہے نہ اہل محمد کے لئے۔ بہرحال ہبہ اور عطیہ اور فدیہ اور شکرانہ اور تحفہ اور صلہ اور پیش کش یہ سب جائز ہیں۔

(۱۲) معالم السنن میں علامہ الخطابی رحمہ اللہ لکھتے ہیں

اما النبی ﷺ فلا خلاف بین المسلمین ان الصدقة لاتحل له و كذلك بنو هاشم فی قول اكثر العلماء وقال الشافعی رحمه الله لاتحل الصدقة لبنی المطلب. (معالم السنن شرح ابی داوٗد جلد۲ ص۷۱)

آنحضرت ﷺ پر صدقہ حلال نہیں اس میں سب مسلمانوں کا اتفاق ہے بنو ہاشم پر حرمت کے قائل جمہور علماء ہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بنو عبد المطلب پر بھی حرام کہتے ہیں۔

جناب نبی کریم ﷺ کے اہل بیت کے لئے زکوٰۃ حلال نہیں ہے کیونکہ وہ لوگوں کی میل کچیل ہے۔

(۱۳) قال ابو یوسف رحمه الله او العباس انها (النفلية) تحرم علیهم كصدقة الفرض ....الخ (نیل الاوطار۔ ج۴ ص۱۹۶)

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نفلی صدقات بھی سادات پر حرام ہیں جیسے فرضی حرام ہیں۔ نیز یہ اختلاف بھی ہے کہ آیا بعض بنی ھاشم بعض کو دے سکتے ہیں یا خمس

ملنے کی وجہ سے غیر بنوھاشم بھی بنوھاشم کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔

(۱۴)　　نقل عن ابی یوسف ان التطوع یحرم علی بنی ھاشم فاذا کان التطوع حراما فالفرض اشد حرمة.

(عمدۃ القاری ج ۵ ص ۸۱ دار الفکر)

علامہ بدر العینی رحمہ اللہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت نقل فرماتے ہیں کہ صدقات نفلی بھی حرام ہیں اور جب نفلی حرام ہوئے تو فرض کا حرام ہونا تو اور بھی زیادہ واضح ہو گیا۔

واضح رہے کوئی بھی حدیث اس باب میں ایسی نہیں ہے جس سے اس بات کا ثبوت ہو رہا ہو کہ سادات کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ رہی بات خمس الخمس کی تو محقق ابن ہمام اس روایت کی صحت کا انکار کر چکے ہیں۔

مفسرین حضرات کی رائے

اس کے علاوہ دیگر معتبر تفاسیر میں بھی اس مسئلہ پر مفصل کلام کیا گیا ہے جس سے یہی بات واضح ہوتی ہے کہ ہر طرح کے صدقات جناب نبی کریم ﷺ کی آل کے لئے منع ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں

(۱)　علامہ آلوسی بغدادی رحمہ اللہ " انما الصدقٰت للفقراء والمسٰکین.... الخ " کے تحت فرماتے ہیں کہ فقہائے کرام نے فرمایا ہے کہ سید کا زکوٰۃ لینا تو دور کی بات ہے کسی سید کو عامل (وہ جو لوگوں کے لئے زکوٰۃ جمع کرتا ہے) مقرر کرنا بھی ٹھیک نہیں۔

ومن هنا قالوا لاتحل العمالة لهاشمي لشرفه وانما حلت للغنى مع حرمة الصدقة عليه لانه فرغ نفسه لهذا العمل فيحتاج الى الكفاية والغنى لا يمنع من تناولها عند الحاجة كابن السبيل كذا فى البدائع والتحقيق ان فى ذٰلک شبها بالاجرة وشبها بالصدقة فبالاعتبار الاول حلت للغنى ولذا لايعطى لو اداها صاحب المال الى الامام وبالاعتبار الثانى لا تحل للهاشمى .

(روح المعانی ج ١٠ ص ٤٣٥ دار احیاء التراث)

ترجمہ : اسی لئے حضرات فقہاء کہتے ہیں کہ سید کو عامل زکوٰۃ (جو آدمی سلطان الاسلام کی طرف سے زکوٰۃ اکٹھا کرنے پر مامور ہو) بننا جائز نہیں اور غنی کو جائز ہے اس لئے کہ اس نے آپ کو اس کام کیلئے فارغ کیا ہیا اور غنی بوقت ضرورت اس کو لینے سے انکار بھی نہیں کرے گا اور اس میں تحقیق یوں ہے کہ اس فعل کو مشابہت ہے من وجہ ساتھ اجرت کے تو اس وجہ سے غنی کے لئے جائز ہے اور مشابہت ہے من وجہ صدقہ سے تو ہاشمی پر حرام ہے الا غایۃ میں تصریح کی ہے کہ عامل ہاشمی نہ ہو۔

(۲) امام ابوبکر جصاص رازی اپنی مشہورِ زمانہ تفسیر میں اکابرین احناف کا قول ذکر کر کے طویل بحث کے بعد یہی نتیجہ اخذ کرتے ہیں جناب نبی کریم ﷺ کی آل پر صدقات جائز نہیں اور انہوں نے اس ضمن میں امام طحاوی کی ابحاث کا بھی جواب دیا ہے

قال اصحابنا من تحرم عليهم الصدقة منهم اٰل العباس واٰل على واٰل جعفر واٰل عقيل وولد الحارث بن عبدالمطلب جميعاً

وحكى الطحاوى عنهم وولد عبد المطلب ولم اجد ذلك عنهم رواية والذى تحرم عليهم من ذلك الصدقات المفروضة واما التطوع فلا باس به وذكر الطحاوى انه روى عن ابى حنيفة وليس بالمشهور ان فقراء بنى هاشم يدخلون فى اٰية الصدقات ذكره فى احكام القراٰن قال وقال ابو يوسف ومحمد لا يدخلون

قال ابو بكر المشهور عن اصحابنا جميعا من قدمناه ذكره من اٰل العباس واٰل على واٰل جعفر واٰل عقيل وولد الحارث بن عبد المطلب وان تحريم الصدقة عليهم خاص فى المفروض منه دون التطوع.

وروى ابن سماعة عن ابى يوسف ان الزكوٰة من بنى هاشم تحل لبنى هاشم ولا يحل ذلك من غير هم لهم وقال مالك لا تحل الزكوٰة لاٰل محمد والتطوع يحل .وقال الثورى لا تحل الصدقة لبنى هاشم ولم يذكر فرقا بين النفل والفرض وقال الشافعى تحرم صدقة الفرض على بنى هاشم وبنى عبد المطلب ويجوز صدقة التطوع على كل احد الا رسول الله ﷺفانه كان لا يأ خذها

والدليل على ان الصدقة المفروضة محرمة على بنى هاشم حديث ابن عباس قال ما خصنارسول الله ﷺبشىء دون الناس الا بثلاث اسباغ الوضوء وان لا ناكل الصدقة وان لا ننزى الحمير على الخيل وروى ان الحسن بن على اخذ تمرة من الصدقة فجعلها فى

فیہ فاخرجھا رسول اللہ ﷺ وقالانا اٰل محمد لا تحل لنا الصدقۃ .
عن انس ان النبی ﷺ وجد تمرۃ فقال لولا انی اخاف ان تکون صدقۃ لاکلتھا وروی بھز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ عن النبی ﷺ فی الابل السائمۃ من کل اربعین ابنۃ لبون من اعطاھا مؤتجرا فلہ اجرھا ومن منعھا فانا اٰخذوھا وشطر مالہ لا یحل لاٰل محمد منھا شیء وروی من وجوہ کثیرۃ عن النبی ﷺ ان الصدقۃ لا تحل لاٰل محمد انما ھی اوساخ الناس فثبت بھٰذہ الاخبار تحریم الصدقات المفروضات علیھم. (احکام القرآن ج ۳ ص ۱۶۹، ۱۷۰)

ترجمہ: ہمارے علماء کرام (احناف) نے کہا ہے کہ جن پر صدقات حرام ہیں وہ یہ ہیں اہل عباس رضی اللہ عنہ، اہل علی رضی اللہ عنہ، اہل جعفر رضی اللہ عنہ واہل حارث ابن عبد المطلب سب کے سب اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے کہ فقراء سادات پر صدقات جائز ہیں لیکن روایت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے غیر مشہور ہے (مشہور روایت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی یہی ہے کہ بنو ہاشم پر صدقات جائز نہیں اگر چہ فقیر ہوں وہ المفتیٰ بہ) اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بنو ہاشم پر زکوٰۃ جائز نہیں روایۃً واحدۃً ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے محمد بن سماعۃ نے نقل کیا ہے کہ بعض بنو ہاشم بعض کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں لیکن غیر بنی ہاشم کی زکوٰۃ ان کو روا نہیں اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی اہل کے لئے صدقہ واجبہ جائز نہیں نفلی جائز ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نفلی بھی بنو ہاشم پر حرام ہے۔

اس بات کی دلیل کہ آنحضرت ﷺ کی آل پر صدقہ مفروضہ حرام ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث (کسی نے سوال کیا کہ کیا آنحضرت ﷺ نے اہل بیت کو کوئی خاص بات یا احکام کا حکم دیا جس طرح کہ شیعہ کا خیال ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت کا وارث بنایا) کہ ہمیں کوئی خاص حکم نہیں دیا مگر یہ کہ ہم لوگوں کے صدقات نہ کھائیں۔ الحدیث اور آنحضرت ﷺ کو ایک کھجور ملی تو فرمایا کہ اگر مجھے یہ خوف نہ ہو کہ یہ صدقہ کی ہوگی تو میں اٹھا کر کھالیتا۔ (نیز حضرت حسن رضی اللہ عنہ یا حسین رضی اللہ عنہ نے ایک کھجور منہ میں ڈال لی آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہمارے لئے صدقہ جائز نہیں پھینک دو) تو ان احادیث سے ثابت ہوا کہ صدقہ مفروضہ اہل النبی ﷺ کے لئے جائز نہیں۔

۲) حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ صحیح مسلم کی احادیث نقل فرمانے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں

ولا یجوز ان یکونوا من اقرباء الرسول ﷺ الذین تحرم علیھم الصدقة لماثبت فی صحیح مسلم

(ابن کثیر جلد۲ ص ۳۷۲ سورۃ توبہ آیت ۶۰)

ترجمہ: اور جائز نہیں کہ عاملین صدقات وہ آل جناب رسول اللہ ﷺ ہوں جن پر صدقہ حرام ہے جیسا کہ مسلم کی روایت سے ثابت ہے۔

۳) علامہ طبری اپنی تفسیر جامع البیان میں امام مجاھد رحمۃ اللہ علیہ سے روایات نقل فرماتے ہیں جس میں واضح الفاظ میں صدقہ کے لینے کے بارے میں نہی موجود ہے:

عن مجاھد قال کان آل محمد ﷺ لاتحل لھم الصدقة فجعل لھم

خمس الخمس

عن مجاهد قال قد علم الله ان في بني هاشم الفقراء فجعل لهم الخمس مكان الصدقة

عن مجاهد قال هؤلاء قرابة رسول الله صلى الله عليه وسلم الذين لا تحل لهم الصدقة

(تفسیر طبری جلد ۱۰ ص ۵ مکتبہ دار المعرفت بیروت)

ترجمہ : امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی آل کے لئے صدقہ جائز تھا تو ان کی طیب خاطر کے لئے آنحضرت ﷺ نے خمس غنائم ان کو دلایا۔

(۵) ملا جیون تفسیر احمدی میں فرماتے ہیں

لما كان فيها شبه الصدقة لا تاخدها عامل هاشمي تنزيها لقرابة رسول الله ﷺ عن شبهة الوسخ الى .... ان قال ولا يدفع الى بني هاشم ولا الى مواليهم (تفسیر احمدی ص ۳۰۵)

ترجمہ : جب کہ اس عمالہ میں شبہ ہے صدقہ کا تو سید عامل نہیں لے سکتا کیونکہ آنحضرت ﷺ کی قرابت کو میل کچیل کی چیز سے بچانا ضروری ہے اور نہیں جائز کہ زکوۃ بنو ہاشم اور ان کے غلاموں کو دی جائے۔

فقہاءِ کرام کی رائے

۱) امام قدوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

ولا يدفع الىٰ بنى هاشم وهم ال على وال جعفر وال عقيل وال الحارث بن عبدالمطلب ومواليهم الخ. (قدوری ص۴۴، نور محمد)

زکوٰۃ بنو ہاشم کو نہیں دی جاسکتی (ناجائز ہے) اور وہ آل علی رضی اللہ عنہ اور آل ں رضی اللہ عنہ اور آل جعفر رضی اللہ عنہ اور اہل عقیل رضی اللہ عنہ اور اہل الحارث ہیں اور ے غلاموں کو بھی نہیں دی جاسکتی۔

) ہدایہ میں ہے

لا تدفع الى بنى هاشم لقوله عليه السلام يا بنى هاشم ان الله تعالىٰ حرم عليكم غسالة الناس واوساخهم وعوضكم منها بخمس الخمس.

(ہدایہ جلد ۱ ص ۱۸۸، باب من یجوز دفع الصدقات الیہ ومن لا یجوز)

زکوٰۃ بنو ہاشم کو جائز نہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کا ں کچیل تم پر حرام کردیا ہے خلاف صدقہ نفلی کے کہ وہ جائز ہے۔

۱) ہدایہ کی شہرۂ آفاق شرح فتح القدیر میں، جواز کے لئے جو خمس الخمس کو پیش کیا جاتا اس کے بارے میں محقق ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو غریب کہہ کر اس کی

صحت کا انکار کیا ہے اور اس کے مقابلے میں جناب نبی کریم ﷺ کے غلام ابو رافع " کی روایت پیش فرما کر جواز کا انکار کیا ہے۔

(فتح القدیر ج ۲ ص ۲۱۱،۲۱۲ المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ سکھر)

(۴) اسی طرح اس بحث کے ذیل میں دارالعلوم دیوبند کے استاذ مولانا جمیل احمد صاحب اپنی مشہور شرح اشرف الہدایہ میں طویل بحث فرمانے کے بعد اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ سادات کے لئے زکوٰۃ کا لینا جائز نہیں۔

(اشرف الہدایہ جزء اول ۔ج ۳ ص ۱۴۹)

(۵) کنز الدقائق علامہ محمود النسفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

وبنی هاشم ومواليهم الخ (کنز الدقائق ص ۶۵ میر محمد کتب خانہ)

جائز نہیں کہ صدقہ بنو ہاشم اور ان کے غلاموں کو دیا جائے۔

(۶) شرح وقایہ میں ہے۔

وبنی هاشم وهم آل علیؓ وعباس وجعفر وعقيل والحارث بن عبد المطلب ومواليهم ای معتقی هؤلاء

(شرح وقایہ جلد ۱ ص ۲۹۹ مکتبہ رشیدیہ)

بنو ہاشم کو زکوٰۃ جائز نہیں اور وہ اہل علی ،عباس ،جعفر،عقیل ،حارث ابن عبد المطلب رضی اللہ عنھم اور ان سب کے آزاد کردہ غلام ہیں الخ۔

(۷) فتاوٰی شامی میں ہے کہ

ولا الیٰ نبی هاشم ومواليهم وجازت التطوعات من الصدقات

والاوقاف لهم (تنویر الابصار مع در مختار ج ۳ ص ۳۵۲ مکتبہ رشیدیہ)

" قید بها لیخرج بقیة الواجبات کالنذر والعشر والکفارات وجزاء الصید الا خمس الرکاز فانه یجوز صرفه الیهم "

(ردالمحتار علی الدرالمختار ج ۳ ص ۳۵۲ مکتبہ رشیدیہ)

اور بنی ہاشم اوران کے آزاد کردہ غلاموں کو زکوات نہیں دی جائے گی اور نفلی صدقات دئے جاسکتے ہیں، نفلی صدقات کی تصریح اس لئے کی گئی تا کہ واجبات مستثنیٰ ہو جائیں جیسے منت کی رقم اور عشر، کفارات، شکار کا دم البتہ معدنیات میں سے خمس دیا جاسکتا ہے۔

(۸) فتاویٰ عالمگیری جو کہ چھ سو فقہاءِ کرام کی مرتب کردہ ہے اس کا قول فیصل ملاحظہ فرمائیں

ولا یدفع الی بنی هاشم وهم ال علی وآل عباس وآل جعفر وآل عقیل وآل الحرث بن عبد المطلب (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۸۹ رشیدیہ)

(۹) کنز الدقائق کی شرح النہر الفائق میں علامہ سراج الدین ابن عمر ابن ابراہیم ابن نجیم نے بھی طویل بحث کے بعد یہی فیصلہ فرمایا ہے کہ سادات کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔

(النہر الفائق ج ۱ ص ۴۶۵ قدیمی کتب خانہ)

(۱۰) اسی طرح ان کے بھائی علامہ زین الدین ابن نجیم اپنی مشہور شرح البحر الرائق میں فرماتے ہیں

" و اطلق الحکم فی بنی هاشم ولم یقید بزمان ولا بشخص للاشارة الی رد روایة ابی عصمة..... الخ "۔

(البحر الرائق ج ۲ ص ۴۳۱ باب المصرف کتاب الزکوٰۃ)

بنی ہاشم کو زکوٰۃ نہ دینے کا حکم مطلقا ہے کسی زمانہ یا فرد کے ساتھ مقید نہیں کیا جائے گا، اور آگے فرماتے ہیں ہاشمی بھی ہاشمی کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا۔

(۱۱) اسی طرح تاتارخانیہ میں ملاحظہ فرمائیں فتاویٰ تاتارخانیہ ج ۳ ص ۲۱۳ مکتبہ حنفیہ

(۱۲) اسی طرح ملاحظہ فرمائیں بدائع الصنائع ج ۲ ص ۴۴ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ

والصدقة مطهرة لصاحبها فتمكن الخبث في المال فلا يباح للهاشمي لشرفه صيانة له عن تناول الخبث تعظيما لرسول الله ﷺ او نقول للعمالة شبهة الصدقة وانها من اوساخ الناس فيجب صيانة الهاشمي عن ذلك كرامة له وتعظيما للرسول ﷺ

اور صدقہ پاک کر دیتا ہے ادائیگی کرنے والے کو تو اس کے مال میں یقینی ٹھہرا جو کہ ایک ہاشمی کیلئے مباح نہیں ہے اس کی شرف و وقار کی وجہ سے اس کو گندگی کھانے سے بچانا ضروری ہے جناب نبی کریم ﷺ کی تعظیم میں۔ اور دوسرا یہ کہ عاملین صدقات بھی اگر ہاشمی ہوں تو صدقہ میں سے نہیں کھا سکتے اس لئے کہ وہ لوگوں کے مال کا میل کچیل ہے پس واجب ہے ہاشمی کو اس میل کچیل سے بچانا بوجہ ان کی شرافت کے اور تعظیم رسول کے۔

(۱۳) اسی طرح مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر ج ۱ ص ۳۳۱ باب فی بیان احکام المصرف

(۱۴) دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا نمائندہ فتاویٰ، فتاویٰ حقانیہ میں ان کے مفتی حضرات ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں "سید کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے"

(فتاویٰ حقانیہ ج ۴ ص ۸۲)

(۱۵) ردالمحتار یعنی فتاویٰ شامی اور اسی طرح احکام القرآن میں ہے۔

فلا تحل للعامل الهاشمي تنزيها لقرابة النبي ﷺ عن شبهة الوسخ وتحل للغني لانه لا يوازي الهاشمي في استحقاق الكرامة فلا تعتبر الشبهة في حقه (زيلعي) علىٰ ان منع العامل الهاشمي من الاخذ صريح في السنة كما بسطه في الفتح.

(ردالمحتار (فتاویٰ شام) جلد۳ ص ۲۸۷، احکام القرآن جلد۳ ص ۱۳۳، **بذل المجهود** حاشیہ نمبر۴ ج ۳ ص ۴۹)

زکوۃ سید عامل کو جائز نہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ کی قرابت کو منزہ رکھنا منظور ہے (بحکم حدیث) میل کچیل کی مشابہت سے بھی اور غنی کے لئے جائز ہے کیونکہ غنی ہاشمی کے درجہ شرافت کو نہیں پہنچ سکتا تو اس کے حق میں شبہ کا اعتبار نہیں ہوگا جیسا کہ زیلعی میں ہے اس کے علاوہ ہاشمی پر حرمت تو صریح حدیث سے ثابت ہے جس کی پوری شرح فتح القدیر میں ہے۔

نیز علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ منحۃ الخالق علی البحر الرائق میں فرماتے ہیں

(۱۶) وفي المغني عن عائشة رضي الله عنها قالت انا اٰل محمد لاتحل لنا الصدقة قال فهذا يدل على تحريمها عليهن الخ

(منحۃ الخالق علی البحر الرائق مصری جلد۲ ص ۲۴۷)

مغنی (ابن قدامہ رحمہ اللہ) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم آل محمد ﷺ ہیں ہمارے لئے صدقات حلال نہیں۔

اس حدیث سے ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہن اجمعین پر بھی حرمت ثابت

ہوتی ہے علماء احناف کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کی عبارات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

اورعلامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ مکاتب ہاشمی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں

(۱۷) لانہ اذا لم یجز دفعها لمعتق الهاشمی الذی صار حرا یدا ورقبة فمکاتبه الذی بقی مملوکا له رقبة بالاولیٰ و فی البحر عن المحیط وقد قالوا انه لایجوز لمکاتب هاشمی لان الملک یقع للمولیٰ من وجه و الشبهة ملحقة بالحقیقة فی حقهم

(ردالمحتار ج۳ ص ۳۳۷ رشیدیہ)

اس لئے کہ جب ہاشمی کے آزاد کردہ غلام کو دینا جائز نہیں جب کہ وہ مال ونفس کا مالک بھی خود ہوگیا ہو تو وہ مکاتب جس کی گردن مالک کے قبضہ میں باقی ہے بطریق اولیٰ اس پر نا جائز ہوگی۔ محیط سے بحر میں نقل کیا ہے کہ فقہاء کہتے ہیں کہ زکوٰۃ ہاشمی کے مکاتب کو جائز نہیں تو مقروض کے لئے بھی یہ شرط ہے کہ وہ مدیون ومقروض ہاشمی نہ ہو (مقروض ہاشمی کو زکوٰۃ دینا درست نہیں ہے)

(i) جو روایت ابوعصمہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے جواز کی نقل کی ہے وہ مردود ہے اور قابل اخذ نہیں یدل علیہ قولہ للاشارۃ الی ردہ الخ

(ii) نیز یہ روایت کہ بعض بنو ہاشم بعض کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں مردود ہے

یدل علیه قول بان الهاشمی یجوز له الخ

(iii) مولیٰ ہاشمی کے لئے بھی زکوٰۃ جائز نہیں

یدل علیه قوله وقید بمولیٰ الهاشمی الخ

اس سلسلے میں ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ

ممکن ہے کہ بعض حضرات کو حدیث مسلم جلد ا ص ۳۴۴، نصب الرائی جلد ۲ ص ۴۰۲ اور درایہ ص ۱۶۷ وغیرہ کی روایت جس میں یہ مضمون ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ بن الحارث اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب اپنی شادی کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ ہمارے پاس شادی کے لئے خرچہ نہیں ہے ہمیں بھی صدقات پر عامل مقرر کردیں تا کہ ہم اس کے ذریعہ سے کچھ رقم جمع کرسکیں اور ہمیں آسانی ہوجائے۔ اس کے جواب میں جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

"ان الصدقات لاینبغی لأل محمد انما ھی اوساخ الناس"

کہ صدقہ اوساخ الناس ہے لوگوں کا میل کچیل ہے اور اس لائق نہیں ہے کہ آل محمد اسے استعمال کریں اور پھر فرمایا کہ حضرت محمیۃ بن جزء رضی اللہ عنہ جو کہ خمس پر مقرر تھے ان کو بلوایا اور ارشاد فرمایا کہ "اصدق عنھما من الخمس کذا و کذا" الخ کہ اے محمیۃ ان کو خمس میں سے اتنا اتنا مال دے دو کہ وہ (مہر وغیرہ ادا کرسکیں) او کما قال محصلہ

اس روایت سے یہ شبہ پیدا ہوا کہ شاید یہاں خمس ان کو بطور عوض عن الصدقہ دیا گیا تھا اس کا جواب میں امام نووی کے الفاظ نقل کرنا زیادہ مناسب رہیگا۔ وہ فرماتے ہیں کہ

یتحمل ان یرید من سھم ذوی القربیٰ من الخمس لانھما من ذوی

القربیٰ ویحتمل ان یرید من سھم النبی ﷺ من الخمس

(صحیح مسلم مع شرح نووی ج ۱ ص ۳۴۴)

اس جگہ دو احتمالات ہیں ایک تو یہ کہ ممکن ہے کہ یہ وہ حصہ ہو جو کہ خمس میں سے ذوی القربیٰ کو دیا جاتا تھا کیونکہ یہ دونوں حضرات ذوی القربیٰ میں سے تھے اور دوسرا یہ کہ یہ وہ حصہ ہو جو آنحضرت ﷺ کو خمس میں سے ملتا تھا۔

اوپر ذکر کی گئی روایت میں فقط اتنا ہی مذکور ہے کہ ان دونوں حضرات کو خمس میں سے کچھ حصہ دیا گیا تھا اس میں عوض عن الصدقۃ کا کوئی تذکرہ نہیں۔

سادات کو زکوٰۃ دینے کے سلسلے میں علماءِ دیوبند کی رائے

فقیہ الہند حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

(۱) فتاویٰ رشیدیہ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۳۲۳ھ لکھتے ہیں کہ سید کو زکوٰۃ دینی درست نہیں ہے (فتاویٰ رشیدیہ کامل ص ۴۴۰ دارالاشاعت)

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ

(۲) حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ ابو داؤد کی شرح بذل المجہود میں اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے یہی نتیجہ اخذ فرماتے ہیں کہ سادات کے لئے صدقات کا لینا جائز نہیں اور اس سلسلے میں انہوں نے علامہ شوکانی کا ایک قول بھی نقل فرمایا ہے یہ بات واضح ہے کہ سادات پر ہر طرح کے صدقات حرام ہیں

"قال الشوکانی واعلم ان ظاہر قولہ لا تحل لنا الصدقۃ عدم حل صدقۃ الفرض والتطوع"

(بذل المجھود ج ۳ ص ۴۹ معہد الخلیل الاسلامی)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

(۳)　بہشتی زیور میں حکیم الامت رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ سیدوں کو اور علویوں کو اسی طرح جو حضرت عباس یا حضرت جعفر یا حضرت عقیل رضی اللہ عنہم یا حارث بن عبد المطلب کی اولاد ہو زکوٰۃ کا پیسہ دینا درست نہیں اسی طرح جو صدقہ شریعت سے واجب ہو اس کا دینا بھی درست نہیں جیسے نذر، کفارہ، عشر اور صدقۃ الفطر اور اس کے سوا اور کسی صدقہ خیرات کا دینا درست ہے۔　(بہشتی زیور باب ۲۸ ص ۳۲۶ مجلس نشریات اسلام)

اسی طرح امداد الفتاویٰ میں فرماتے ہیں کہ بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں خواہ دینے والا بھی بنی ہاشم سے ہو یا اور کوئی ہو۔ (امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۲۸ مکتبہ دار العلوم کراچی)

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ

(۴) شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ طویل بحث کے بعد محقق ابن الہمام کے قول جو کہ صدقاتِ نافلہ اور فرضیہ دونوں کی حرمت کا ہے، کو ہی ترجیح دیتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں کہ "قول محقق، علامہ ابن ہمام کا ہے"۔ (تقریر ترمذی المسمیٰ بہ دروس مدنیہ جلد دوم ص ۲۴۶، فتاویٰ شیخ الاسلام ص ۶۰ طبع المیزان)

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

(۵)　حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کفایت المفتی میں سوال کے

جواب میں فرماتے ہیں

راجح اور قوی مذہب یہی ہے کہ بنی ہاشم کو زکوۃ دینی جائز نہیں ابو عصمہ کی روایت جوانہوں نے امام ابوحنیفہؒ سے کی ہے وہ مفتی بہ نہیں ہے پس سید کو زکوۃ نہ دینی چاہئے، اگر پہلے دی جا چکی ہے اور اتنی وسعت ہے کہ دوبارہ دے دے تو دیدے ورنہ کوئی حرج نہیں۔ وکیل نے اگر دی ہے تو اس کی ذمہ داری وکیل پر ہے۔

(کفایت المفتی ج۴ص۲۷۳دارالاشاعت)

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

(۶) علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ اپنی مشہورِ زمانہ مسلم شریف کی شرح فتح الملہم جلد۶ص۱۶۳۔۱۶۴میں رقمطراز ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے

اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ایک روایت امام احمد رحمہ اللہ سے یہ ہے کہ مراد اہل سے (جن پر صدقۃ مفروضہ حرام ہے) بنوہاشم ہی ہیں اور امام ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس میں ہمیں کسی کا اختلاف معلوم نہیں کہ صدقہ مفروضہ بنو ہاشم کے لئے حرام ہے اور اسی طرح اجماع نقل کیا ہے ابن رسلان رحمہ اللہ نے بھی الخ۔

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

(۷) مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ معارف القرآن میں بھی اسے ناجائز فرمایا ہے۔ (معارف القرآن ج۴ص۲۳۹)

اس کے علاوہ حضرت والا کا فتاویٰ امداد المفتین المعروف فتاویٰ دارالعلوم دیو بند

میں بھی اس مسئلہ کے ضمن میں سادات کو زکوۃ دینا ناجائز لکھا ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۶ ص ۱۴۶ دار الاشاعت)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

(۸) بذل المجہود کے حاشیہ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں

”قلت ويشكل عليه ان العامل يأخذ عمالة لا من طريق الزكاة كما تقدم، ولذا يأخذ ولو كان غنيا فلم منع الهاشمي؟ واجاب عنه شارح الاحياء بان فيه شبهة الصدقة فلا يأخذها العامل الهاشمي تنزيها لقرابة صلى الله عليه وسلم عن شبهة الوسخ“

(بذل المجهود حاشیہ نمبر ۴ ج ۳ ص ۴۹)

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت والا نے امداد الاحکام میں اس مسئلہ پر ایک مستقل مقالہ تحریر فرمایا ہے جس کا نام القول الخاتم فی حرمۃ الزکوۃ علیٰ بنی ہاشم یا الاحتیاط اللازم فی تصدق علیٰ بنی ہاشم جو کہ اس مسئلہ میں بہت اہم ہے اور جمیع دلائل اور تحقیقات پر مشتمل ہے۔

(امداد الاحکام ج ۲ ص ۵۰)

حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

(۹) حضرت والا نے اپنے مشہورِ زمانہ فتاویٰ محمودیہ میں مسلسل تین چار سوالوں کے

جوابات دیئے ہیں جن کا حاصل یہی ہے کہ سیدوں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ۔ اغنیاء کو ان کی خدمت تبرعات سے کرنی چاہئے کیونکہ زکوٰۃ تو لوگوں کا میل کچیل ہے، سادات کی شان اس سے ارفع ہے کہ ان کو میل کچیل کھلایا جائے،

(فتاویٰ محمودیہ ج ۹ ص ۵۵۱ سے ۵۵۷ جامعہ فاروقیہ کراچی)

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ

فتاویٰ دار العلوم دیوبند (مکمل و مدلل) میں بھی سادات کے لئے زکوٰۃ کو ناجائز لکھا ہے۔ (ج ۶ ص ۲۱۲ مکتبہ حقانیہ ملتان)

محمود الملت والدین حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ

(۱۰) حضرت مفتی صاحب سورۂ انفال کی آیت واعلموا انما غنمتم من شیء الخ کے ذیل میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ''یہاں یہ مسئلہ بھی قابل وضاحت ہے کہ آج کل خالص شرعی جہاد تقریباً متروک ہو چکا ہے اور سیدوں کو خمس یا خمس الخمس نہیں ملتا تو کیا ان کو زکوٰۃ دینی چاہیے، لیکن یہ خیال ہی غلط ہے ۔ اگر حلت زکوٰۃ کی علت خمس کا ملنا ہوتا تو پھر فقراء اور مساکین کے لئے زکوٰۃ کیوں جائز اور حلال ہے؟ جبکہ وہاں خمس وغیرہ کی کوئی بات نہیں ہے ۔ اصل بات یہ ہے کہ سیدوں کے لئے حرمت زکوٰۃ کی علت دست یابی خمس نہیں ہے بلکہ شرافت نسبی ہے، جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ زکوٰۃ اور صدقات اوساخ الناس ہیں اور محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ کے لئے مناسب نہیں ہیں ۔ سید علماء اس معاملے میں کمزور موقف پیش کرتے ہیں ۔ حتیٰ کہ علامہ

انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ بھی کمزور موقف پیش کرتے ہیں، لیکن حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے سید کے لئے حلت زکوٰۃ کا بالاطلاق فتویٰ نہیں دیا، بلکہ یہ فرمایا کہ اگر وہ محتاج ہو اور کوئی اسے زکوٰۃ دے تو یہ اس کے سامنے اپنے سید ہونے کو بیان نہ کرے، بلکہ زکوٰۃ وصول کر لے، کیونکہ ایسر البلیتین ہے اور زکوٰۃ کی وصولی اسھل من السوال ہے، لہٰذا شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اعطاء زکوٰۃ کا نہیں اخذ زکوٰۃ کا ارشاد فرمایا ہے، لیکن صحیح مذہب کے مطابق سید کو زکوٰۃ دینا درست نہیں ہے"۔ (تفسیر محمود ج ۲ ص ۱۳۴ جمعیۃ پبلیکیشنز)

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۱) حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ احسن الفتاویٰ میں ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں "سید اور ہاشمی کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، کیا اہل محلہ میں اتنی مروت بھی نہیں کہ غیر زکوٰۃ سے ان کی حاجت پوری کر دیں......"۔

(احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۲۸۹ ایچ ایم سعید)

حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ

(۱۲) حضرت والا نے بھی اپنے مشہور فتاویٰ رحیمیہ میں بھی اسی قول کو ترجیح کے ساتھ ذکر فرمایا ہے کہ سادات کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ج ۷ ص ۱۸۲)

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۳) حضرت والا نے اپنی مشہور کتاب آپ کے مسائل اور ان کا حل میں مفصل کلام

کے بعد ہر طرح کے صدقات کا سادات کے لئے نا جائز ہونا ہی نقل فرمایا ہے۔

(آپ کے مسائل اوران کا حل ج ۳ ص ۴۴۵)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتھم العالیہ

(۱۴) حضرت والا نے اپنی دو تصانیف میں زکوۃ الی السادات کو نا جائز قرار دیا ہے، تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیں۔

(درسِ ترمذی ج ۲ ص ۴۷۹، فتاوی عثمانی ج ۲ ص ۱۳۸ مکتبہ دارالعلوم کراچی)

محقق العصر حضرت مولانا سرفراز خان صاحب صفدر رحمہ اللہ

(۱۵) دور حاضر کے بڑے عالم، امام اہل سنت محقق العصر حضرت مولانا سرفراز خان صاحب صفدر رحمہ اللہ نے اس مسئلہ پر مفصل کتاب تحریر فرمائی ہے جس کا نام "الکلام الحاوی فی حل عبارة الطحاوی" ہے۔

آخر میں ہم خلاصہ بحث پیش کرتے ہیں اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی وہ عبارت جو کہ اصل متنازع فیہ ہے نقل کرتے ہیں اور اپنی جانب سے کوئی تبصرہ کرنے کی بجائے حضرت والا کا جامع اور مدلل تبصرہ ختامہ مسک کے طور پر بعینہ ان کے الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔

"وقد حدثنی سلیمان ابن شعیب عن ابیه عن ابی یوسف عن ابی حنیفة فی ذالک مثل قول ابی یوسف فبهٰذا ناخذ انتهیٰ

اس عبارت کا ترجمہ راقم ازخود نہیں کرتا بلکہ ایک بہت بڑے ذمہ دار عالم کا ترجمہ

انہوں نے طحاوی کا ترجمہ کیا ہے اور لاہور میں چھپ چکا ہے نقل کرتا ہے۔ چنانچہ وہ ترجمہ اردو طحاوی شریف جلد۲ ص۱۴ میں فرماتے ہیں لیکن چونکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے موافق بھی روایت کیا ہے۔ چنانچہ حدیث بیان کی مجھ سے سلیمان بن شعیب نے وہ روایت کرتے ہیں اپنے والد سے وہ امام ابی یوسف سے وہ ابوحنیفہ سے ابو یوسف کے قول کے موافق لہٰذا ہم اسی قول کو اخذ کرتے ہیں۔ انتہیٰ۔

اب جائے غور یہ امر ہے کہ " فبھذا ناخذ " کس قول پر متفرع ہے؟ بالکل ظاہر بات ہے کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ یہ تفریع حرف 'ف' کے ساتھ **وقد حدثنی سلیمان** الخ کے بعد بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں " **فبھذا ناخذ** " اور وہ اس روایت کو اخذ کرتے ہیں جس میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے عین مطابق ہے اور وہ تحریم کا قول ہے۔ ہم اس کے حل کے لئے ایک اور عبارت پیش کرتے ہیں جو اس کو اور زیادہ واضح کرتی ہے۔ علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ **فتح الملهم** میں یہ فرماتے ہیں امام طحاوی کے اس قول کے بعد

فبھٰذا ناخذ وھٰذا صریح فی ان الطحاوی ما اختار روایة الحل عن ابی حنیفةؒ بل اخذ بالروایة التی وافقت قول ابی یوسفؒ وھی ظاھر الروایة التی ذکرھا اولا من استواء حکم التحریم فی الفریضة والتطوع انتھیٰ۔

ترجمہ: امام طحاوی رحمہ اللہ کا یہ قول (**فبھذا ناخذ**) صریح ہے کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ

علیہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے جو جواز کی روایت ہے وہ نہیں اختیار کی بلکہ وہ روایت اختیار کی ہے جو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ (اور امام محمدؒ) کے قول کے موافق ہے اور وہ ظاہر روایت ہے جس کو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے بیان کیا ہے کہ صدقات واجبہ ونفلیہ سب سادات پر حرام ہیں۔

بالکل واضح ہے کہ "فبھذا ناخذ" اس روایت کے ساتھ ہے جو امام ابو یوسف اور محمد رحمۃ اللہ علیہما کے قول کے موافق ہے اور حرمت صدقات کی روایت ہے۔

سبب غلطی

چونکہ "فبھذا ناخذ" کا جملہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی غیر مشہور روایت کو پیش کرنے کے بعد اور قد حدثنی سلیمان بن شعیب الخ سے اس غیر مشہور روایت کی تردید کرنے کے بعد کہا ہے اس لئے بعض حضرات کو یہ غلطی ہوئی کہ یہ "فبھذا ناخذ" امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی غیر مشہور روایت (جو حلت صدقات کی ہے) پر تفریع ہے حالانکہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ قد حدثنی الخ سے اس غیر مشہور روایت کی تردید کر کے روایت حرمت کو اخذ کرتے ہیں۔ اسی لئے امام ابوبکر الجصاص الرازی رحمۃ اللہ علیہ احکام القرآن جلد ۳ ص ۱۳۱ میں اور علامہ بدرالدین العینی رحمۃ اللہ علیہ عمدۃ القاری جلد ۴ ص ۲۲۳ میں فرماتے ہیں۔

قال الطحاوی هٰذا الروایة عن ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ لیست بمشهور الخ

کہ جواز کی روایت امام اعظم سے غیر مشہور ہے۔

اس سے بھی یہ بات بالکل عیاں ہوگئی کہ امام ابوبکر الجصاص اور علامہ عینی رحمۃ
اللہ علیہ جو علم کے پہاڑ ہیں وہ دونوں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ نقل کرتے
ہیں کہ جواز کی روایت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے غیر مشہور ہے۔ غلطی کرنے والے
حضرات نے حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول پر بالکل غور نہیں کیا جوانہوں نے
وقد حدثنی سلیمان بن شعیب الخ سے باسند بیان کر کے امام صاحب سے جواز کی
روایت کو رد کر کے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وہ روایت لی ہے جو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ
علیہ کے قول کے موافق ہے اور وہ عدم جواز کی ہے۔ اگر غور کرتے تو قطعاً غلطی واقع نہ ہوتی
اس لئے جو ذمہ دار محدث وفقیہ ہیں مثلاً امام ابوبکر جصاص، علامہ عینی، حافظ ابن ہمام رحمۃ
اللہ علیہم وغیرہ سب اس سے یہی سمجھے ہیں کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ حرمت کے قول کو اخذ
کرتے ہیں وھو الحق۔ اس کے بعد ضرورت تو نہیں کہ ہم اس پر زیادہ روشنی ڈالیں مگر زیادہ
اطمینان وایقان کے لئے ہم اس کی دوبارہ تشریح کرتے ہیں غور سے ملاحظہ فرمائیں۔

۱) امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ باب قائم کرتے ہیں باب الصدقات علی بنی ہاشم اور بہت
سی احادیث پیش کرنے کے بعد ان کو متواتر اور مرفوع کہتے ہیں اور یہ بھی تصریح کرتے ہیں
کہ یہ منسوخ بھی نہیں اور ان سے متعارض روایت بھی کوئی موجود نہیں۔

۲) محدثانہ پیرایہ میں بحث کر کے پھر اپنی عادت کے موافق نظر (دلیل فقہی) بیان
کر کے فرماتے ہیں یہی ہے قول ابوحنیفہ، ابو یوسف اور محمد رحمۃ اللہ علیہم کا۔

۳) پھر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی غیر مشہور روایت نقل کر کے اپنی طرف سے اس کی
دلیل پیش کرتے ہیں اور پھر وقد حدثنی سلیمان بن شعیب..الخ سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ

علیہ کا وہ قول بالسند پیش کرتے ہیں جو امام ابو یوسف رحمہ اللہ (اور محمدؒ) کے قول کے موافق ہے (اور غیر مشہور روایت کی تردید کر کے) ''فبهذا ناخذ'' فرماتے ہیں۔

ان مذکورہ بالا تصریحات کے بعد غلط فہمی کی کوئی وجہ باقی نہیں رہ جاتی کیونکہ پہلے وہ حرمت صدقات بر بنی ہاشم پر حدیث بلکہ احادیث مرفوعہ متواترہ غیر منسوخہ والا متعارضہ بیان کرتے ہیں اور اس کے بعد دلیل عقلی پیش کرتے ہیں اور اسی کو حضرات ائمہ ثلاثہ امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہم کا قول و مذہب بتلاتے ہیں۔ اور پھر اس کے بعد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی غیر مشہور روایت کی تردید کر کے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ وہ قول جو امام ابوحنیفہ و ابو یوسف (ومحمد) رحمۃ اللہ علیہم کا متفق ہے اس کو اخذ کرتے ہیں عجیب معاملہ ہے کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ تو غیر مشہور قول کی تردید کر کے مشہور قول پر تفریع بٹھاتے ہیں مگر وہ ان حضرات کے یہاں جواز کی دلیل بن جاتی ہے۔

(۴) امام طحاوی رحمہ اللہ اس کے بعد جلد اص ۳۰۱ میں فرماتے ہیں

فان قيل افتكرهها على موالي بني هاشم قيل له نعم لحديث ابى رافع ... الخ

اگر کوئی کہے کہ کیا بنی ہاشم کے غلاموں پر بھی تم صدقات کو مکروہ کہتے ہو تو اس کو جواب دیا جائے گا کہ یہاں مکروہ (تحریمی) ہیں کیونکہ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کی حدیث اس میں موجود ہے (جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے)۔

(وكذا في احكام القرآن ج ۳ ص ۱۳۳)

یک طرفہ تماشا ہے ان حضرات کے نزدیک جو یہ کہتے ہیں کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ

لیہ جواز کے قائل ہیں یعنی امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اصول یعنی سادات پر تو صدقات کو جائز
مجھتے ہیں اور فروع یعنی ان کے غلاموں پر صدقات کو مکروہ وحرام قرار دیتے ہیں فروع پر تو
ں لئے صدقات حرام تھے کہ ان کے اصول پر حرام تھے عجیب تماشا ہے کہ اصول پر حلال
ور فروع پر حرام۔

ایں کار از تو آید ومرداں چنیں کنند

(۵) طحاوی کے سب باب کو اول سے آخر تک بغور مطالعہ کریں کہیں صراحۃً یا کنایۃً
یک بھی ایسی جزئی نظر نہ آئے گی جس سے یہ سمجھا جائے کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ جواز کے
ائل یا مائل الی الجواز ہیں یہ ان بعض حضرات کی بھیڑ چال تھی **سامحھم اللہ تعالیٰ**
بعموم فضلہ کہ ایک کو غلطی ہوئی تو پھر دوسرے بزرگوں نے اس کو نقل کرنا شروع کر دیا
ور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے قول "**فبھذا ناخذ**" کو محرف کر کے بالجواز ناخذ کر دیا جس
ے مطلب کیا سے کیا ہو گیا۔

فرحمھم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ الی یوم القیٰمۃ آمین"

(الکلام الحاوی ص۱۰۳ تا۱۰۶)

ایک شبہ اور اس کا حل

"بعض جاہل لوگ یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ جب خمس بھی نہیں ملتا اور صدقات
اجبہ بھی سادات کے لئے حرام ہو گئے تو وہ غریب کیا کریں گے اس کا جواب یہ ہے کہ کیا
سادات حرام کھانے پر ہی راضی ہیں آنحضرت ﷺ تو فرماتے ہیں "**لا تحل لمحمد**

ولا لآل محمد" کہ صدقات نہ محمد ﷺ کے لئے حلال ہیں اور نہ آل محمد کے لئے۔ تو اس اعتراض کا حاصل تو یہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ تو یہ فرمائیں کہ صدقات میری اہل پر حرام اور اہل اوران کے ہمدرد وکیل یہ کہیں کہ حلال ہیں۔ آنحضرت ﷺ تو منع فرمائیں اور کہیں کہ ہم تو نہیں رکتے آنحضرت ﷺ تو فرمائیں کہ یہ لوگوں کی میل وکچیل ہے اور اہل اور ان کے وکیل کہیں کہ حلال اور طیب ہے آنحضرت ﷺ تو فرمائیں کہ بوجہ شرافت وکرامت کے میری اہل پر صدقات حرام ہیں مگر اہل اوران کے وکیل کہیں کہ جس شرافت کی وجہ سے ہمارا رزق بند ہو وہ شرافت وکرامت ہی درکار نہیں۔ آنحضرت ﷺ تو فرمائیں کہ میں اپنی اہل کو تمام امت پر فضیلت دیتا ہوں مگر وہ کہیں کہ ہم تو ضرور غسالۃ ایدی الناس (لوگوں کے ہاتھوں کی میل کچیل) ہی کھائیں گے،

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کیا ہی خوب فرماتے ہیں

چوں کفراز کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

ہماری حضرات سادات سے دو ہی اپلیں ہیں جو بھی آسان نظر آئے قبول کرلیں

من نہ گویم کہ این مکن آن کن
مصلحت بین و کار آسان کن

(۱) یا تو سید ہونے کا دعوئی ہی نہ کریں کیونکہ عجم میں نسب خلط ہونے کی وجہ سے صحیح نسب اکثر قوموں کے باقی ہی نہیں رہے۔ الا ماشاء اللہ تعالیٰ یوں سمجھیں کہ جو سید ہونے کا دعوئی کرتے ہیں ان میں دس فیصدی بمشکل اصلی وصحیح سید نکلیں گے۔ باقی سب ہم پانچ سوار دہلی سے آئے ہیں کا مصداق ہیں۔ ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ کوئی شخص کہتا ہے میں عباسی

ں کوئی دعویٰ کرتا ہے کہ میں صدیقی ہوں کوئی کہتا ہے میں فاروقی ہوں کوئی کہتا ہے کہ میں
انی ہوں کوئی کہتا ہے کہ میں علوی ہوں کیوں صاحب ابوجہل کے بیٹے حضرت عکرمہ صحابی
تھے اور کیا یزید کی اولاد دنیا سے بالکل نیست و نابود ہوگئی ہے یا اس کی اولاد میں سے کوئی
ی مسلمان باقی نہیں رہا۔ کیا آپ نے کوئی ابولہبی ابوجہلی یا یزیدی بھی دیکھا یا سنا ہے میں
لقریباً تیس سال کی عمر میں کوئی دیکھا نہ سنا جو یہ کہے کہ میں ابوجہلی یا ابولہبی یا یزیدی ہوں
یا یہ سب چیزیں تصنع پر دال نہیں میری اس تحریر سے کوئی صاحب غلط نہ سمجھیں کہ شاید میں
ان حضرات سے دشمنی کرتا ہوں ان کے وجود کا قائل نہیں ہوں میں ان بزرگوں کا دلی معتقد
ہوں اور ان میں سے باایمان باعمل واصحاب علم حضرات کا جوتا اٹھانا بھی اپنے لئے فخر
سمجھتا ہوں اور دس سے بیس فیصدی ان کے وجود کا بھی قائل ہوں مگر نہ اتنی مقدار میں کہ
فیصد ہی تسلیم کرلوں۔

اللھم احبھم الیّ برحمتک آمین ثم آمین

(۲) دوسری اپیل یہ ہے کہ اگر ضرور اس پر اصرار کرتے ہیں کہ ہم سید ہیں تو کم از کم
آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ کی اتباع کریں اور آنحضرت ﷺ جس چیز کو آپ کے لئے حرام
فرماتے ہیں اسے حرام سمجھیں اور جائز طرق سے کما کر کھائیں"۔

(الکلام الحاوی ص ۱۳۱ تا ۱۳۳)

ملک بھر کے مدارس کے اس سلسلے میں فتاویٰ ملاحظہ فرمائیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

٣٥٣ / ٢٤

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء احناف کہ سادات کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟
کچھ لوگ کہتے ہیں کہ خمس نہ ہونے کی وجہ سے زمانۂ موجودہ میں جائز ہے۔ یہ قول کہاں تک درست ہے؟ احادیث صحیحہ اور فقہاء معتبر اس کے حق میں ہیں یا خلاف؟
درست صورت حال بمعہ مفتیٰ بہ قول درکار ہے۔

مورخہ ١٥- ذیقعدہ ١٤٠٦ھ

المستفتی
عبدالمجید ناظم دفتر
مدرسہ احسن العلوم
بلاک ٢ گلشن اقبال
کراچی۔

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

سب سے پہلی بات تو یہ سمجھو کہ موجودہ دور میں سادات کا تعین ذرا مشکل ہے،
ہر قوم زکوٰۃ لے رہی ہے، ہر شخص بنا ہوا سید ہے۔ گویا بقول شخصے کہ
دنیا میں سیدوں کا میلہ لگا ہوا ہے۔ جس کو بھی دیکھو سید بنا ہوا ہے
جو حقیقی اور واقعی سید ہیں، تو ان کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔
کیونکہ سادات کو بھی زکوٰۃ کا حکم عدم جواز کی علت وجود جس کی وجہ تھی وہ
خمس اور مال غنیمت تھا۔ جو کہ اس دور میں موجود نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم

کتبہ
مفتی
١٧/٦/١٤٠٦ھ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن
کراچی۔ پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

استفتاء

کیا موجودہ زمانہ میں علماء احناف کے نزدیک سادات کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟
کچھ لوگ کہتے ہیں کہ خمس نہ ملنے کی وجہ سے زمانہ موجودہ میں جائز ہے۔ یہ قول کہاں
تک درست ہے؟ احادیث صحیحہ اور فقہاء احناف ان کے حق میں ہیں یا خلاف؟
درست صورت مع دلائل اسم مفتی بہ قول درکار ہے۔

المستفتی
عبدالمجید ناظم دفتر
مدرسہ احسن العلوم
بلاک ۲ گلشن اقبال
کراچی۔

مورخہ
۱۵۔ ربیع الثانی ۹۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب حامداً ومصلیاً

صورت مسئولہ میں سادات (یعنی آل علی وآل عباس وآل جعفر وآل عقیل وآل حارث بن عبدالمطلب) کو زکوٰۃ دینا
جائز نہیں ہے۔ اس کی حرمت حدیث نبوی سے ثابت ہے۔

مسلم شریف ص ۳۴۴ ج ۱: عن محمد بن زیاد سمع ابا ہریرۃ یقول اخذ الحسن بن علی تمرۃ من تمر الصدقۃ فجعلها فی فیه
فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کخ کخ ارم بها اما علمت انا لا نأکل الصدقۃ

مسلم شریف ص ۳۴۴ ج ۱، مشکوٰۃ شریف ص ۱۶۱: عن عبدالمطلب بن ربیعۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ان هذه الصدقات انما هی اوساخ الناس وانها لا تحل لمحمد ولا لآل محمد صلی اللہ علیہ وسلم رواہ مسلم

رد المحتار علی الدر المختار المعروف بالشامی ص ۳۵ ج ۲: ولا الی بنی هاشم الا من ابطل النص قرابته وهم بنو لهب
فتحل لمن اسلم منهم کما تحل لبنی المطلب ثم ظاهر المذهب اطلاق المنع۔ قوله وبنی هاشم الخ اعلم ان
عبد مناف وهو الاب الرابع للنبی صلی اللہ علیہ وسلم اعقب اربعة وهم هاشم والمطلب ونوفل وعبد شمس ثم هاشم
اعقب اربعة انقطع نسل الکل الا عبدالمطلب فانه اعقب اثنی عشر تصرف الزکوٰۃ الی اولاد کل اذا کانوا مسلمین
فقراء الا اولاد عباس وحارث واولاد ابی طالب من علی وجعفر وعقیل قهستانی ۱ھ

والعالمگیریۃ ص ۱۸۹ ج ۱: ولا یدفع الی بنی هاشم وهم آل علی وآل عباس وآل جعفر وآل عقیل وآل الحارث بن عبدالمطلب کذا فی الهدایة
وفی حاشیۃ الطحطاوی ص ۳۹۴: ولا الی بنی هاشم الا من ابطل النص قرابته وهم بنو ابی لهب فتحل لمن اسلم منهم ...
وفی البدائع الصنائع ص ۴۹ ج ۲: ومنها ان لا یکون من بنی هاشم لما روی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انه قال یا معشر بنی هاشم

[illegible] الناس [illegible] الحسن بن علي [illegible] رضي الله عنه [illegible] ان الصدقة [illegible] الخ

تبیین الحقائق ص ۳۰۳ ج ۱ (او هاشمي) اي لا يجوز دفعها الى بني هاشم لقوله عليه الصلوة والسلام ان هذه الصدقات (الخ) اوساخ الناس وانها لا تحل لمحمد ولا لآل محمد صلى الله عليه وسلم

مراقي الفلاح ص ۴۳۲ . ولا يجوز دفعها لبني هاشم (قوله بني هاشم) لاطلاق النص كل الازمان وسواء في ذلك دفع بعضهم لبعض

البحر الرائق ص ۲۶۵ ج ۲ (قوله وبني هاشم ومواليهم) اي لا يجوز الدفع لهم لحديث البخاري نحن اهل بيت لا تحل لنا الصدقة الخ

هدایہ ج ۱ ص ۲۰۶ ولا تدفع الى بني هاشم لقوله عليه السلام يا بني هاشم ان الله تعالى حرم عليكم غسالة الناس واوساخهم الخ

الفتاوى الهندية ص ۱۸۹ ج ۱ ولا يجوز الدفع الى بني هاشم ولا الى مواليهم الخ

الجوهرة النيرة ص ۱۶۶ (قوله ولا يدفع الى هاشمي) يعني لا يدفع اليهم بالاتفاق وهل يجوز ان يدفع بعضهم الى بعض [illegible] لا يجوز الخ

المبسوط ص ۱۲ ج ۳ وكذلك لا تصرف الى هاشمي او مولى هاشمي [illegible] لا يجوز لقوله صلى الله عليه وسلم لا تحل الصدقة لمحمد ولا لآل محمد الخ ، فتح القدير ص ۲۷۲ ج ۲ فتاویٰ خانیہ ص ۲۶۶ ج ۱ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ص ۲۰۵ ج ۶

مذکورہ بالا احادیث مبارکات واقوال فقہیہ سے یہ مسئلہ روز روشن کی طرح واضح ہوگیا ہے کہ بنو ہاشم کو زکوٰۃ دینا ولینا جائز اور درست نہیں ہے ۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح
نظام الدین شامزئی
دارالافتاء جامعہ فاروقیہ
[illegible] ۲۵

کتبہ محمد عبداللہ
دارالافتاء جامعہ فاروقیہ
کراچی ۲۵
۱۴۲۰ھ

[illegible stamps] الجامعة الفاروقية [illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء احناف کہ سادات کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ خمس نہ ہونے کی وجہ سے زمانۂ موجودہ میں جائز ہے۔ یہ قول کہاں تک درست ہے؟ احادیث صحیحہ اور فقہاء معتبر اس کے حق میں ہیں یا خلاف؟ درست ہو ... مہربانی کر کے مفتیٰ بہ قول درکار ہے۔

مورخہ ۱۵ ذیقعدہ ۱۴۰۰ھ

المستفتی
عبدالمجید ناظم دفتر
مدرسہ احسن العلوم
بلاک ۲ گلشن اقبال
کراچی۔

۵۵۲

الجواب

حامداً ومصلیاً

احادیث کی روشنی میں فقہاء کرام رحمہم اللہ کا صحیح اور مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ کسی بھی زمانے میں خواہ خمس پایا جائے یا نہ پایا جائے بنو ہاشم کو زکوٰۃ اور دیگر صدقات واجبہ دینا کسی کیلئے جائز نہیں۔ لہٰذا ان لوگوں کا یہ کہنا کہ زمانۂ موجودہ میں خمس نہ پائے جانے کی وجہ سے بنو ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، صحیح نہیں۔ البتہ بنو ہاشم کو صدقات نافلہ دینے کی شرعاً گنجائش ہے۔

وأطلق الحكم في بني هاشم ولم يقيده بزمان ولا بشخص للإشارة إلى رد رواية أبي عصمة عن الإمام أنه يجوز الدفع إلى بني هاشم في زمانه لأن عوضها وهو خمس الخمس لم يصل إليهم لإهمال الناس أمر الغنائم وإيصالها إلى مستحقيها وإذا لم يصل إليهم العوض عادوا إلى المعوض، وللإشارة إلى رد الرواية بأن الهاشمي يجوز له أن يدفع زكاته إلى هاشمي مثله لأن ظاهر الرواية المنع مطلقاً (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۶۲)

ولا إلى بني هاشم إلا من أبطل النص قرابته وهم بنو لهب ... ثم ظاهر المذهب إطلاق المنع وقول العيني والهاشمي يجوز له دفع زكاته لمثله صوابه لا يجوز نهر (الدر المختار مع الشامی ج ۲ ص ۷۲)

(قوله إطلاق المنع) يعني سواء في ذلك كل الأزمان وسواء في ذلك دفع بعضهم لبعض ودفع غيرهم لهم وروى أبو عصمة

جاری ...

عن الإمام أنه يجوز الدفع إلى بني هاشم في زمانه
لأن عوضها وهو خمس الخمس لم يصل إليهم .....
كذا في البحر وتعال في النهر وجوّز أبو يوسف رح
دفع بعضهم إلى بعض وهو رواية عن الإمام وقول
العيني رح والهاشمي يجوز له أن يدفع زكاته
إلى هاشمي مثله عند أبي حنيفة رح خلافا لأبي
يوسف رح صرح به لا يجزئ ولا يصح حمله
على اختيار الرواية السابقة عن الإمام من تأمّله
وجهه أنه لو اختار تلك الرواية ما صح قوله
خلافا لأبي يوسف رح لما علمت من أنه موافق لهما
مع اختصار الشارح بعض إيهام (الشامية ص ٢٢ ج ٢)

والله سبحانه وتعالى أعلم

كتبه: نور محمد زنگولی
دار الإفتاء - دار العلوم کراچی ١٤
١٤-١-١٤٠٥ھ

الجواب صحيح
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
١٤-١-١٤٠٥ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء اعلام کہ سادات کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ خمس نہ ملنے کی وجہ سے زمانۂ موجودہ میں جائز ہے۔ یہ قول کہاں تک درست ہے؟ احادیث صحیحہ اور فقہاء معتبرین اس کے حق میں ہیں یا خلاف؟ درست صورت حال کیا ہے مفتی بہ قول درکار ہے۔

مورخہ
۱۵ ذیقعدہ ۱۴۰۲ھ

المستفتی
عبدالمجید ناظم دفتر
مدرسہ احسن العلوم
بلاک ۲ گلشن اقبال
کراچی۔

حوالہ نمبر [redacted]
مورخہ [redacted]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

کسی زمانہ میں بھی سادات کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے اور سادات کو ہر زمانہ میں زکوٰۃ لینا حرام ہے، خواہ خمس ملے یا نہ ملے۔ فی البحر الرائق واطلق الحکم في بني هاشم ولم يقيده بزمان ولا بشخص للاشارة الى رد رواية ابي عصمة عن الامام انه يجوز الدفع الى بني هاشم في زمانه لان عوضها وهو خمس الخمس لم يصل اليهم لاهمال الناس امر الغنائم وايصالها الى مستحقيها واذا لم يصل اليهم العوض عادوا الى المعوض وللاشارة الى رد الرواية بان الهاشمي يجوز له ان يدفع زكاته الى هاشمي مثله لان ظاهر الرواية المنع مطلقا (البحر الرائق ج ۲)

نیز یہ روایت نادرہ ہے جو [illegible] ہے وہ دلیل کے [illegible] کے خلاف ہے۔ فقہاء معتبرین کا مفتی بہ قول بھی عدم جواز ہی ہے۔ فقط واللہ اعلم

محمد امان اللہ [illegible]
۲۱-۱۱-۱۴۰۲ھ
خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
عبداللہ [illegible]
خیر المدارس ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء و افتاء کہ سادات کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟
کچھ لوگ کہتے ہیں کہ خمس نہ ملنے کی وجہ سے زمانۂ موجودہ میں جائز ہے۔ یہ قول کہاں تک درست ہے؟ احادیث صحیحہ اور فقہاء معتبر اس کے حق میں ہیں یا خلاف؟
درست صورت حال لکھ کر مفتی بہ قول درج فرمائیے۔

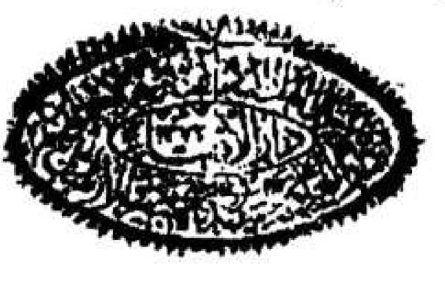
المستفتی
عبدالمجید ناظم دفتر
مدرسہ احسن العلوم
بلاک ۲ گلشن اقبال
کراچی۔

مورخہ
۱۵ ذیقعدہ ۱۴۰۲ھ

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

[illegible]

فقط واللہ اعلم
[illegible]



[illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء احناف کہ سادات کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ خمس نہ ملنے کی وجہ سے زمانۂ موجودہ میں جائز ہے۔ یہ قول کہاں تک درست ہے؟ احادیث صحیحہ اور فقہاء حنفیہ اس کے حق میں ہیں یا خلاف؟ درست صورت حال اور مفتی بہ قول درکار ہے۔

المستفتی
عبدالحمید ناظم دفتر
مدرسہ [illegible] العلوم
[illegible] گلشن اقبال
کراچی۔

مورخہ
۱۵۔ ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ

الجواب

مفتی بہ مذہب یہی ہے کہ سادات کو اس زمانہ میں بھی زکوٰۃ دینا درست نہیں اور زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان ھذہ الصدقات انما ھی اوساخ الناس وانھا لا تحل لمحمد ولا لآل محمد رواہ مسلم [illegible] ولا تدفع الی بنی ہاشم [illegible] اطلق المنع [illegible] فی ذلک کل الازمان [illegible]

[illegible]
محمد عبداللہ
المفتی قاسم العلوم ملتان
۱۳/۱۱/۱۴۰۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء اعلام کہ سادات کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟
کچھ لوگ کہتے ہیں کہ خمس نہ ملنے کی وجہ سے زمانۂ موجودہ میں جائز ہے۔ یہ قول کہاں تک درست ہے؟ احادیث صحیحہ اور فقہاء معتبر اس کے حق میں ہیں یا خلاف؟ درست صورت حال کیا ہے مفتی بہ قول درکار ہے۔

المستفتی
عبدالمجید ناظم دفتر
مدرسہ احسن العلوم
بلاک ۲ گلشن اقبال
کراچی۔

مورخہ
۱۵ ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ

الجواب ومنہ الصدق والصواب

علماء کا صحیح مذہب یہ ہے کہ اس زمانہ میں بھی جبکہ خمس الخمس بنی ہاشم کو نہیں دیا جاتا زکوٰۃ دینا ان کو بھی درست نہیں جیسا کہ در مختار میں ہے

ولا الی بنی ہاشم الی ان قال ثم ظاہر المذہب اطلاق المنع (در مختار)

یعنی سواء فی ذلک کل الازمان وسواء فی ذلک دفع بعضہم لبعض ودفع غیرہم لہم (شامی جلد ۲ باب المصرف)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ علیہ نے بھی احکام زکوٰۃ میں شامی کی مذکورہ عبارت نقل فرما کر لکھتے ہیں: عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ ظاہر روایات اور مذہب منصوص کا اختیار کردہ مسلک یہی ہے کہ بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں اور روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کو لینا بھی جائز نہیں ہوگا اور اگر کسی نے دیدی تو ظاہر مذہب کی بنا پر ادا نہ ہوگی (امداد المفتین ص ۳۷۲ ج ۱)۔ واللہ اعلم بالصواب

بندہ عبدالشکور عفا اللہ عنہ
دار الافتاء مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ
۲۷/۵/۱۴۰۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء اعلام کہ سادات کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں ؟
کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ خمس نہ ہونے کی وجہ سے زمانۂ موجودہ میں جائز ہے۔ یہ قول کہاں تک درست ہے ؟ احادیث صحیحہ اور فقہاء معتبر اس کے حق میں ہیں یا خلاف؟
درست صورت حال اور مفتیٰ بہ قول درکار ہے۔

المستفتی
عبد المجید ناظم دفتر
مدرسہ احسن العلوم
بلاک ۲ گلشن اقبال
کراچی۔

مورخہ
۱۵۔ ذیقعدہ ۱۴۰۶ھ

الجواب

مسعود [illegible]

راجح مفتی بہ یہی ہے کہ جائز نہیں [illegible] المصدق [illegible] ذوی القربیٰ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس امر کہ سادات کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟
کچھ لوگ کہتے ہیں کہ خمس نہ ملنے کی وجہ سے زمانۂ موجودہ میں جائز ہے۔ یہ قول کہاں تک درست ہے؟ اور احادیث صحیحہ اور فقہاء معتبرین کے حق میں ہیں یا خلاف؟
درست صورت حال سے مطلع فرمائیں۔ یہ قول درکار ہے۔

مورخہ ۱۵ ذیقعدہ ۱۴۰۰ھ

المستفتی
عبد الحمید ناظم دفتر
مدرسہ احسن العلوم
بلاک ۲ گلشن اقبال
کراچی۔

۲۳۵/۱
ج ۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب حامداً ومصلیاً [illegible] امداد الفتاویٰ جلد ۲ صفحہ ۴۲ پر [illegible] جس میں ہاشمی کو زکوٰۃ دینا [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] الخمس [illegible] [illegible] [illegible] الخمس [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] اگر خمس [illegible] سادات کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہوگا۔

[illegible]
مفتی دار العلوم کراچی
۲۳ ذو القعدہ
۱۴۰۰ھ

[illegible]

دار الافتاء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء احناف کہ سادات کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟
کچھ لوگ کہتے ہیں کہ خمس نہ ہونے کی وجہ سے زمانۂ موجودہ میں جائز ہے۔ یہ خیال کہاں تک درست ہے؟ احادیث صحیحہ اور فقہاء معتبر اس کے حق میں ہیں یا خلاف؟
درست صورت سوال مع مفتی بہ قول درکار ہے۔

مورخہ
۱۵ ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ

المستفتی
عبدالمجید ناظم دفتر
مدرسہ احسن العلوم
بلاک ۲ گلشن اقبال
کراچی۔

الجواب وباللہ التوفیق۔ سادات کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ احادیث صحیحہ اور روایات فقہیہ اس کی تائید کرتی ہیں۔ بحر الرائق میں ہے۔ (قوله بني هاشم ومواليهم) اى لا يجوز الدفع لهم لحديث البخاري نحن اهل بيت لا تحل لنا الصدقة ولحديث ابي داؤد مولى القوم من انفسهم وانا لا تحل لنا الصدقة (بحر الرائق ص ۲۴۶ ج ۲)
درمختار میں ہے [illegible] واطلق الحكم في بني هاشم ولم يقيده بزمان ولا بشخص للاشارة الى [illegible] عن الامام انه يجوز صرفها الى بني هاشم في زمانه [illegible] بحر الرائق ص ۲۶۶ ج ۲
مفتی بہ یہی ہے کہ جائز نہیں (وعنہ) [illegible] الجواز مطلقاً قال الطحاوی وبہ نأخذ [illegible]
[illegible] معتمد المذہب [illegible] ص ۹۰ ج ۱
درمختار کی عبارت ہے [illegible] المذہب [illegible] [illegible]
[illegible]
[illegible] من ابی عصمة عن الامام انہ یجوز [illegible] الی بنی ہاشم فی زمانہ [illegible]
[illegible] ص ۲۶ ج ۲ [illegible] الطحاوی [illegible] ص ۲۶۶ ج ۲ [illegible]
[illegible] بنی ہاشم [illegible]
[illegible] خمس الخمس [illegible] بنی ہاشم
[illegible] فی الصدقة [illegible] بنی ہاشم۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

دار الافتاء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء افتاء کہ سادات کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟
کچھ لوگ کہتے ہیں کہ خمس نہ ہونے کی وجہ سے زمانۂ موجودہ میں جائز ہے۔ یہ قول کہاں تک درست ہے؟ احادیث صحیحہ اور فقہاء معتبر اس کے حق میں ہیں یا خلاف؟ درست صورت حال مع مفتیٰ بہ قول درکار ہے۔

مورخہ
۱۵۔ ذیقعدہ ۱۴۰۶ھ

المستفتی
عبدالمجید ناظم دفتر
مدرسہ احسن العلوم
سیکٹر ۲ گلشن اقبال
کراچی۔

الجواب باسم ملہم الصواب [illegible]

[illegible]

مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنے کی ممانعت

مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنا مکروہ ہے، کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ جس مسجد میں جنازے کی نماز پڑھی اسے کچھ بھی نہیں ملے گا۔

" عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ من صلی علی جنازۃ فی المسجد فلا شئی لہ"

جس نے جنازے کی نماز مسجد میں پڑھی اسکا کوئی اجر نہیں۔

آنحضرت ﷺ سے مسجد میں جنازہ پڑھنا ثابت نہیں ہے آپ ﷺ نے اس لئے مسجد سے باہر ایک چبوترہ بنوایا تھا جہاں جنازے کی نماز ادا کی جاتی تھی۔

(ابوداؤد ج ۲ ص ۱۰۱)

چاہے امام مسجد میں ہو اور جنازہ باہر، کچھ نمازی مسجد میں ہوں اور کچھ باہر، یا امام مسجد سے باہر ہو کچھ نمازیوں کے ساتھ اور کچھ نمازی مسجد میں ہوں کسی بھی صورت میں مسجد میں نمازِ جنازہ ادا کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ فقہ حنفی کی تمام کتب میں اِس بات کی صراحت موجود ہے، مگر موجودہ دور میں اس مسئلہ کی مخالفت سرِ عام دیکھنے میں آتی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح دین پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ مذہبِ حنفی کے سب سے بڑے امام، الامام الاعظم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مایہ ناز شاگرد الامام محمد بن الحسن الشیبانی رحمہ اللہ تعالیٰ

قول فتاویٰ عالمگیری جو کہ ۵۰۰ فقہاءِ امت کے اشتراک سے تیار کیا گیا ہے میں نقل کیا گیا ہے کہ "ہر مکروہ حرام کے ہی حکم میں ہے"۔

"عن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نصا ان کل مکروہ حرام"

(فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۳۰۸)

کتبِ احادیث

بخاری شریف

بخاری شریف ج ۱ ص ۱۷۷ پر حدیث میں مذکور ہے کہ

"ان ابا ھریرۃ قال ان النبی ﷺ صف بھم بالمصلی فکبر علیہ اربعا"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم ﷺ نے صحابہ سے صفیں بنوا کر (جنازے کیلئے) مصلّے (مسجد سے باہر ایک چبوترا) میں اس جنازے پر چار تکبیریں کہیں۔

جنابِ نبی کریم ﷺ نے اپنے زمانے میں ہی مسجد سے باہر جنازہ پڑھنے کے لئے جگہ مقرر فرمائی تھی، اسی حدیث کے حاشیہ میں تحریر ہے کہ، اگر آپ ﷺ نے نمازِ جنازہ مسجد میں ہی پڑھنے کو مشروع رکھنا تھا تو پھر آپ ﷺ نے مسجد کے باہر جگہ کیوں مقرر کی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ مسجد میں جنازے کی نماز پڑھنا درست نہیں اور جس حدیث میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے جنازہ مسجد میں پڑھا وہ کوئی خاص واقعہ ہے اور ایک ہی موقع ہے اس کے علاوہ کہیں بھی حدیث میں مذکور نہیں کہ نمازِ جنازہ مسجد میں ادا کی گئی ہو۔

فیض الباری شرح بخاری

امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب فیض الباری شرح صحیح بخاری میں طویل کلام کے بعد تمام احادیث کی روشنی میں یہی نتیجہ درج فرمایا ہے کہ امام اعظم امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک جنازہ کی نماز مسجد میں پڑھنا ممنوع ہے اور جنابِ نبی کریم ﷺ کے دور میں بھی آپ ﷺ نے بناء بر عذر سوائے ایک یا دو بار کے نمازِ جنازہ مسجد میں نہیں پڑھی، بلکہ آپ ﷺ نے اپنے دور میں جنازہ کی نماز پڑھنے کے لئے مسجد نبوی سے باہر جگہ مختص فرمائی تھی جہاں نمازِ جنازہ ادا کی جاتی تھی۔ ملاحظہ فرمائیں

”ولا یصلی علی الجنازة فی المسجد عندنا وعند مالک رحمه الله والافضل عند الشافعی رحمه الله أن یصلی خارج المسجد وجاز فی المسجد ایضا ثم قال العلامة القاسم انها مکروهة تحریما واختار الشیخ ابن الهمام رحمه الله التنزیه قلت بل هی اساء ة علی ما سماها صدر الاسلام أبو الیسر وهی مرتبة بین التحریم والتنزیه وکذلک لا یناسب وضع الجنازة فی المسجد ویعلم من صنیع البخاری رحمه الله انه متردد فی ذلک ولنا ما عند ابی داؤد ص۹۸ ج۲ من صلی علی جنازة (فی المسجد) فلا شیٔ له .....وقداستدل محمد رحمه الله فی مؤطاه أن مصلی الجنائز فی

عهد النبی ﷺ كان بجنب المسجد فهذا دليل قوى على أن صلوٰة الجنازة ينبغي ان تكون خارج المسجد حتى أن النبی ﷺ لما بلغه نعي النجاشي خرج الى خارج المسجد ولم يصل فيه ولم يثبت عن النبی ﷺ أنه صلى فی المسجد الا مرة أو مرتين ......

ترجمہ: ہمارے نزدیک اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی نماز جنازہ مسجد سے باہر پڑھنا افضل ہے اور مسجد میں جائز ہے، جبکہ علامہ قاسم رحمہ اللہ نے مکروہ تحریمی کا قول فرمایا ہے اور شیخ ابن الہمام رحمہ اللہ نے مکروہ تنزیہی کا، جبکہ میں یہ کہتا ہوں کہ مسجد میں جنازے کی نماز پڑھنا اسائت ہے جو کہ مکروہ تحریمی اور تنزیہی کے مابین ہے جیسا کہ صدر الاسلام ابوالیسر نے فرمایا ہے، اور اسی طرح مسجد میں جنازہ رکھنا بھی مناسب نہیں ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ کے انداز سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اس میں متردد ہیں اور ہماری وہی دلیل ہے جو سنن ابی داؤد میں ہے کہ جس نے مسجد میں جنازے کی نماز پڑھی اس کا کوئی اجر نہیں۔

اور امام محمد رحمہ اللہ نے مؤطا میں استدلال فرمایا ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ کے دور میں جنازہ پڑھنے کی جگہ مسجد سے باہر تھی، پس یہ دلیل قوی ہے کہ نماز جنازہ مسجد سے باہر ادا کی جائے یہاں تک کہ جب آنحضرت ﷺ کو نجاشی کی فوتگی کی خبر آئی تو مسجد سے باہر تشریف لے آئے اور مسجد میں نماز جنازہ ادا نہ فرمائی، اور آنحضرت ﷺ سے مسجد میں ایک یا دو مرتبہ کے علاوہ نماز جنازہ پڑھنا ثابت ہی نہیں۔

(فیض الباری ج ۲ ص ۴۷۱ تا ۴۷۳)

نیز اس پر امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی یہاں الگ باب قائم فرمایا کہ

"باب الصلوٰۃ علی الجنائز بالمصلی والمسجد"

جس کے ذیل میں علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"ای ھٰذا باب فی بیان حکم الصلاۃ علی الجنائز بالمصلی بضم المیم وفتح اللام المشددۃ وھو الموضع الذی یتخذ للصلاۃ علی المؤتی فیہ"

یعنی جنازے کی نماز کا حکم مصلی (مخصوص جگہ) پر اور مصلی وہ جگہ جہاں پر جنازے کو رکھا جاتا ہے۔

اور آگے چل کر علامہ بدرالدین عینیؒ فرماتے ہیں

"ولعل غرض البخاری النفی بأن لا یصلی علیھا فی المسجد بدلیل تعیین رسول اللہ ﷺ موضع الجنازۃ عند المسجد ولو جاز فیہ لما عینہٗ فی خارجہٖ وبھٰذا یدفع کلام ابن بطال لیس فیہ ای فی حدیث ابن عمر دلیل علی الصلاۃ فی المسجد ،انما الدلیل فی حدیث عائشۃ "صلی رسول اللہ ﷺ علی سھیل بن بیضاء فی المسجد "(قلت)لو کان اسنادہٗ علی شرطہ لاخرجہٗ فی صحیحہ.

مطلب یہ کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد اور رجحان اس طرف ہے کہ نماز جنازہ مسجد میں پڑھنا جائز نہیں ہے اس دلیل کے ساتھ کہ جناب نبی کریم ﷺ نے جنازے کی جگہ مسجد کے پاس (باہر) مقرر فرما رکھی تھی اگر مسجد میں جنازہ پڑھنا جائز ہوتا تو آپ ﷺ

جنازے کی جگہ مسجد سے باہر کیوں متعین فرماتے ،اور اسی کے ساتھ ہی ابن بطالؒ کے کلام کی تردید ہو جاتی ہے وہ ایسے کہ انہوں نے حدیث ابن عمرؓ سے دلیل مستنبط فرمائی تھی مسجد میں جنازے کی نماز پڑھنے کی، جبکہ حضرت عائشہؓ والی حدیث جس میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے سہیل بن بیضاء کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھی تھی تو اس بارے میں یہ کہتا ہوں کہ اگر اس حدیث کی سند امام بخاری رحمہ اللہ کی شرطوں پر ہوتی تو امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث کو اپنی صحیح میں ضرور لاتے۔

عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج ۴ جزء ۸ ص ۱۳۲ (دار الفکر)

علامہ بدر الدین عینیؒ کا یہ کلام نماز جنازہ مسجد میں پڑھنے کے بارے میں حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے جس میں تمام احادیث جو کہ موافق اور مخالف کے دلائل ہیں ان کو سامنے رکھ کر نتیجہ خیز انجام حاصل کیا گیا ہے، جس سے سنت مستمرہ کا پتہ چلتا ہے، کہ نماز جنازہ مسجد میں ادا کرنا کسی بھی صورت میں احناف کے نزدیک جائز نہیں ہے،

صحیح مسلم

مسلم شریف ج ۱ ص ۳۱۲، ۳۱۳ میں بھی یہی روایت مذکور ہے کہ جب حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے جنازے کو مسجد میں پڑھنے کے لئے لایا گیا تو تمام صحابہ کرام نے اس کو بُرا جانا اور انکار کیا کہ مسجد میں کیسے جنازہ ہو سکتا ہے

''ان عائشة امرت ان یمر بجنازة سعد بن ابی وقاص فی المسجد فتصلی علیه فانکر الناس ذٰلک علیهافقالت ما اسرع ما نسی

الناس ما صلی رسول اللہ ﷺ علی سھیل بن البیضاء الا فی المسجد"

یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حکم دیا کہ حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا جنازہ مسجد میں لاکر پڑھا جائے تا کہ میں بھی پڑھ لوں تو صحابہ کرام نے اس پر نکیر ظاہر فرمائی تو حضرت عائشہ الصدیقہ رضی اللہ عنہ ان سے فرمانے لگیں کہ اتنی جلدی بھول گئے لوگ کہ جناب نبی کریم ﷺ نے سہیل ابن بیضاء کا جنازہ مسجد کے علاوہ کہیں پڑھا ہی نہیں تھا۔

اور دوسری روایت میں ہے بھی اسی واقعہ کا تذکرہ ہے جس پر صحابہ کرام کا اجماع اور حضرت عائشہ کا قبول مسئلہ واضح ہے۔

حاشیہ میں حضرت سہیل والی حدیث جو فریق مخالف کی دلیل ہے کہ جنازہ مسجد میں پڑھنا جائز ہے بلا عذر شرعی بھی اس کے جوابات بھی دیئے گئے ہیں کہ وہ ایک خاص واقعہ ہے، یا پھر وہ حدیث ضعیف ہے اور اس کو ضعیف کہا ہے امیر المؤمنین فی الحدیث امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اور امام طحاوی رحمہ اللہ کا جواب بھی آگے آ رہا ہے وغیرہ وغیرہ

سنن ابی داؤد

"عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ من صلی علی جنازۃ فی المسجد فلا شئی لہ" (ابوداؤد ج ۲ ص ۱۰۱، ابن ماجہ ص ۱۱۰)

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جس

مسجد میں جنازہ (کی نماز) پڑھی اسے کچھ بھی نہیں ملا۔

حاشیہ میں امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس روایت میں سہیل ابن بیضاء کا جنازہ مسجد میں پڑھا گیا ہے وہ کوئی خاص واقعہ ہے بعد میں تمام کا اسی پر اتفاق ہو گیا تھا کہ جنازہ مسجد میں نہ پڑھا جائے۔ جنابِ نبی کریم ﷺ کے دور سے ہی مسجد کے باہر جنازہ پڑھنے کے لئے جگہ مقرر تھی جس کا ذکر بار بار احادیثِ مبارکہ میں آتا ہے۔

مصنف عبدالرزاق

"عن صالح بن نبهان قال سمعت ابا هريرة يقول قال رسول الله ﷺ من صلى على جنازة في المسجد فلا شيء له"

(مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۵۲۷ حدیث ۶۵۷۹)

ترجمہ : حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جس نے مسجد میں جنازہ (کی نماز) پڑھی اسے کچھ بھی نہیں ملا۔

شرح معانی الآثار (طحاوی)

امام ابوجعفر طحاوی رحمہ اللہ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب شرح معانی الآثار میں اس موضوع پر طویل کلام کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ مسجد میں جنازہ کی نماز پڑھنا احناف کے نزدیک مکروہ ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی اسی بات کا واضح ثبوت ملتا ہے، اُنہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی روایت کا بھی مفصلاً جواب دیا ہے کہ یہ کوئی ایک نادر واقعہ ہے ورنہ آپ ﷺ کیوں مسجد نبوی کے باہر جنازہ پڑھنے کے لئے جگہ مختص

فرماتے، تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں۔

وكان ابو هريرة رضى الله عنه قد علم من رسول الله نسخ الصلوٰة عليهم فى المسجد بقول رسول الله الذى سمعه منه فى ذٰلك .....فذٰلك اولىٰ من حديث عائشة لان حديث عائشة رضى الله عنها اخبار عن فعل رسول الله فى حال الاباحة التى لم يتقدمها نهى.....فصار حديث ابى هريرةؓ اولى من حديث عائشةؓ لانه ناسخ لهٗ. (شرح معانی الآثار ج ا ص ۲۸۶، ۲۸۷)

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث جس میں اباحت ہے جنازہ کی نماز مسجد میں پڑھنے کیلئے وہ منسوخ ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے جو ابوداؤد اور بخاری شریف میں ہے، اور اجماع صحابہ وتابعین سے۔

اوجز المسالک شرح مؤطا امام مالک

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب اوجز المسالک الیٰ مؤطا مالک میں ایک طویل بحث اس مسئلہ پر فرمائی ہے اور اس کے تمام اصناف پر کلام کیا ہے ایک جگہ حضرت والا رقمطراز ہیں

"قال محمد فى مؤطاه لا يصلى على جنازة فى المسجد وكذٰلك بلغنا عن ابى هريرة و موضع الجنازة بالمدينة خارج المسجد وهو الموضع الذى كان النبى صلى الله عليه وسلم

بصلی علی الجنازة فیه. یعنی اتخاذه صلی الله علیه وسلم مصلی مخصوصاً للجنائز بجنب المسجد یؤید کراهة بالمسجد والا لم یحتج الی ذالک" (اوجز المسالک ج۲ص۴۵۹)

ہ :امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ مؤطا میں فرماتے ہیں مسجد میں جنازے کی نماز ادا نہ کی جائے اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہم تک پہنچی ہے کہ مدینے میں ے کی جگہ مسجد سے باہر ہے،اور یہ وہ جگہ ہے جسے آپ ﷺ نے جنازے کی نماز ادا نے کیلئے مخصوص فرمائی تھی، یہ دلیل ہے اس بات کی کہ مسجد میں جنازہ مکروہ ہے ورنہ ایسا نے کی حاجت نہ تھی۔

اور اسی طرح مؤطا مالک کے حاشیہ میں وضاحت بالا کے ساتھ مزید حسن آرائی ی گئی ہے جسے تحریر کیا جاتا ہے وہ یہ کہ ایسی کون سی صورتیں ہیں یا کون سے ایسے اعذار ن کی بناء پر مسجد میں جنازے کی نماز پڑھنا جائز ہے؛ اور یہی بیان بیان جواز ہے فقط لکھتے ہیں:

"ومن الاعذار المطر کما فی الخانیة والاعتکاف کما فی المبسوط وغیره یعنی اعتکاف الولی ونحوه ممن لهٗ حق التقدم لغیره الصلاة معهٗ تبعا له والا یلزم ان لا یصلیها غیره........وفی لزیلعی علی الکنز حدیث عائشة حجة لنا لان الناس الذین هم صحاب رسول الله ﷺ من المهاجرین والانصار قد عابوا علیهن لولا ان الکراهة معروفة بینهم لما عابوا...

یعنی اعذار یہ ہیں کہ بارش (موسلا دھار) جیسا کہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے ا
اعتکاف ہو جیسا کہ مبسوط اور دیگر میں ہے، اور ولی کا اعتکاف یعنی معتکف کے بیٹے یا باپ
بھائی یا کوئی قریبی رشتہ دار کا جنازہ ہو تو اس کیلئے جنازے میں آنے کا حکم (جواز) ہے اور
شخص بھی آسکتا ہے جنازے میں جو ولی کے تابع ہو کر پڑھے ورنہ یہی بات لازم آئیگی کہ
جنازے کی نماز ولی کے علاوہ کوئی اور نہ پڑھے،

یہ تحریر شدہ کلام ہے جو صرف بیان جواز اور بیان اعذار کی عکاسی کرتا ہے، آگے
امام زیلعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث احناف ہی کیلئے
ثابت ہوتی ہے اسلئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مہاجرین وانصار کی جماعت انہوں نے
ازواج مطہرات کے حکم کو انجانا سا سمجھا جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اگر نماز جنازہ
میں مکروہ نہ ہوتی تو صحابۂ کرام اس حکم کو اتنا اچنبہ نہ سمجھتے۔

اور رہا یہ اشکال کہ حرمین شریفین میں بھی تو جنازے کی نماز فی زمانہ مسجد میں ہو
ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ "علامہ طحطاوی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ وہ موطا کے شارح
علی قاری رحمہ اللہ کے حوالے سے ارشاد فرماتے ہیں کہ مناسب یہی ہے کہ اس اختلاف
مسجد حرام اور مسجد نبوی سے مستثنیٰ رکھا جائے کیونکہ وہ تو جگہ ہی جماعات کے قائم کرنے کیلئے
ہے؛ جمعہ کی جماعت، عیدین کی جماعت، کسوفین کی جماعت، استسقاء کی جماعت اور نماز
جنازہ کی جماعت، اور فرمایا اس وجہ سے دیگر مساجد کا اطلاق حکم مسجد حرام اور مسجد نبوی پر
ہوگا، پھر محشی مذکور فرماتے ہیں کہ میں یہ کہتا ہوں کہ اگر اسی حکم کو (یعنی حرمین شریفین جگہ
جماعات کے قائم کرنے کیلئے ہے) مدنظر رکھا جائے تو اپنی بیضاء کیلئے جو نماز جنازہ مسجد میں

گئی ہے اس کا اشکال بھی ختم ہو جاتا ہے۔

عبارت بھی ملاحظہ فرمایئے: "تاویل حدیث ابن البیضاء انه علیه الصلوٰة

سلام کان معتکفا. الخ (یعنی ابن البیضاء کی نماز جنازہ مسجد میں آپ ﷺ نے اس

پڑھی کیونکہ آپ معتکف تھے۔)

حکی الطحطاوی عن شرح المؤطا للقاری ینبغی ان لا یکون

خلاف فی المسجد الحرام فانه موضع للجماعات والجمعة

العیدین والکسوفین والاستسقاء وصلوٰة الجنازة ......فلو دخل

ی حکمه المسجدالنبوے فلا اشکال فی الصلوٰة علی ابنی البیضاء.

مؤطا امام مالک حاشیہ نمبر ۲ ص ۲۱۱ (میر محمد)

کتبِ فقه و فتاویٰ

عالمگیری

صلاة الجنازة فی المسجد الذی تقام فیه الجماعة مکروهة سواء

کان المیت والقوم فی المسجد او کان المیت خارج المسجد والقوم

ی المسجد او کان الامام مع بعض القوم خارج المسجدوالقوم

باقی فی المسجد او المیت فی المسجدوالامام والقوم خارج

مسجدهو المختار کذافی الخلاصة (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۶۵)

ترجمہ :اور نماز جنازہ مسجد میں قائم کرنا مکروہ ہے جہاں با جماعت نماز ادا کی جا
ہے، چاہے میت اور قوم دونوں مسجد میں ہوں، یا میت مسجد کے باہر ہو اور قوم مسجد میں
امام بعض مقتدیین کے ساتھ مسجد سے باہر ہو اور باقی قوم مسجد کے اندر، یا میت مسجد کے ا
ہو اور امام اور قوم مسجد سے باہر، اسی پر فتویٰ ہے اور یہی خلاصہ میں بھی ہے۔ یعنی ا
صورت میں بھی مسجد میں جنازے کی نماز ادا کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

الموسوعۃ الفقہیۃ

"وکذا تکره فی المسجد الذی تقام فیه الجماعة سواء كان المیت والقوم فی المسجد، او کان المیت خارج المسجد والقوم فی المسجد، او المیت فی المسجد، والامام والقوم خارج المسجد وهو المختار" (موسوعۃ الفقہیۃ ج۱۶ص۳۵)

ترجمہ : اور اسی طرح نماز جنازہ مسجد میں جہاں جماعت ادا کی جاتی ہے (پنج وقتہ) ا
ہے خواہ میت اور قوم دونوں مسجد میں ہوں، یا میت مسجد سے باہر ہو اور قوم مسجد میں ہو یا
مسجد میں اور امام و قوم دونوں مسجد سے باہر ہوں اور یہی قول فقہاء کا اختیار کردہ ہے

فتح القدیر

(قوله ولا یصلی علی میت فی مسجد جماعة) فی الخلاصة مکروه سواء كان المیت والقوم فی المسجد او کان المیت خارج المسجد والقوم فی المسجد او کان الامام مع بعض القوم خارج المسجد والقوم الباقون فی المسجد او المیت فی المسجد والامام

والقوم خارج المسجدهذا فی الفتاویٰ الصغریٰ قال هو المختار خلافا لماأ وردالنسفی رحمه اللهوهذا الاطلاق فی الكراهةبناء علی ان المسجد انما بنی للصلوٰةالمكتوبةوتوابعها من النوافل و الذكروتدريس العلم (فتح القدیر ج۲ص۹۰).

ترجمہ :اور خلاصہ میں ہے کہ مکروہ ہے نماز جنازہ مسجد میں چاہے میت اور قوم دونوں مسجد میں ہوں، یا یہ کہ میت مسجد سے باہر ہو اور قوم مسجد میں ہو، یا امام بعض لوگوں کے ساتھ مسجد سے باہر کھڑے ہوں اور باقی لوگ مسجد کے اندر کھڑے ہوں، یا یہ کہ میت مسجد میں رکھ دی جائے اور امام اور قوم مسجد سے باہر ہوں، یہ فتاویٰ صغریٰ میں ہے فرمایا اسی پر فتویٰ ہے بر خلاف اس کے کہ جو امام نسفیؒ نے نقل فرمایا ہے کہ مطلقا مکروہ کہنا اس بناء پر ہے کہ مسجد فرض نمازوں کی ادائیگی کیلئے اور اس کے توابع کیلئے مثلاً نوافل، ذکر اور علم کی تدریس کیلئے۔

النہرالفائق

’’(ولا فی مسجد) ای مسجد جماعة لقوله عليه الصلاة والسلام من صلی علی ميت فی مسجد جماعة فلا اجر له رواه ابو داؤد واطلاقه يفيد الكراهة سواء كان الامام والقوم فی المسجد او كان الميت خارج المسجد والقوم فی المسجد او كان الامام مع بعض القوم خارج المسجد والقوم الباقون فی المسجد اوالميت فی المسجد والامام خارج المسجد وهو المختار......‘‘(النہرالفائق ج۱ص۳۹۶)

ترجمہ :(اور نہ ہی مسجد میں) یعنی جامع مسجد میں چنانچہ جناب نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ

جس نے جامع مسجد میں جنازے کی نماز پڑھی اس کا کوئی اجر نہیں (ابوداؤد) اور مطلقا حکم کراہت کو مستلزم ہے چاہے امام اور قوم دونوں مسجد میں ہوں یا میت مسجد سے باہر رکھی ہو اور قوم مسجد میں کھڑی ہو یا امام بعض مقتدیین کے ساتھ مسجد سے باہر کھڑا ہو اور اور بقیہ لوگ مسجد میں صفیں بنائیں یا میت کو مسجد میں رکھ دیا جاوے اور امام مسجد سے باہر کھڑا ہو جاوے یہ تمام صورتیں منع ہیں اور اسی پر فتویٰ ہے۔

مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر

(وتکره فی مسجد جماعة ان کان المیت فیه) ای فی المسجد ....وقیل : یکره لان المسجد اعد لأداء المکتوبات فلا یقام فیه غیرها الا لعذر (مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر ج۱ ص۲۷۲)

ترجمہ :(اور مکروہ ہے جامع مسجد میں جنازے کی نماز اگر میت مسجد میں ہو) اور مکروہ اس لئے ہے کہ مسجد فرائض (پنجگانہ) کی ادائیگی کیلئے بنائی گئی ہے، اس میں ان فرائض کے علاوہ کوئی اور نماز ادا نہ کی جائے مگر عذر شرعی کے ساتھ۔

تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق

(ولا فی مسجد)ای فی مسجد جماعة وهو مکروه کراهیة التحریم فی روایة وکراهیة التنزیه فی اخری اما الذی بنی لاجل صلاة الجنازة فلا یکره فیه وجه الکراهیة قوله علیه الصلوٰة و السلام من صلی علی میت فی مسجد فلا شیء له

(تبیین الحقائق ج۱ ص۲۴۲)

ترجمہ : (اور نہ ہی مسجد میں) یعنی جامع مسجد میں مکروہ تحریمی ہے اور ایک قول کراہت تنزیہی کا بھی ہے الّا یہ کہ اگر کوئی جگہ جنازے کی نماز کیلئے بنائی گئی ہو تو پھر مکروہ نہیں ہے، اور کراہیت کی وجہ پیغمبر علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جس نے نماز جنازہ مسجد میں پڑھی اس کیلئے کچھ بھی نہیں۔

فتاویٰ سراجیہ

الصلوٰۃ علی الجنازۃ فی مسجد یقام فیہ الجماعۃ یکرہ ولو کانت الجنازۃ خارج المسجد ومع الامام صف وباقی القوم فی المسجد (حاشیہ قاضی خان فتاویٰ سراجیہ ج ۱ ص ۱۳۹)

ترجمہ : جنازے کی نماز جامع مسجد میں مکروہ ہے اگرچہ جنازہ مسجد سے باہر ہو اور امام اور کچھ لوگ بھی مسجد سے باہر ہوں اور باقی قوم مسجد میں ہوں۔

فتاویٰ تاتارخانیہ

وانما تکرہ الصلاۃ علی الجنازۃ فی المسجد الجامع ومسجد الحی عندنا (فتاویٰ تاتارخانیہ ج ۳ ص ۷۸ نوع آخر من ھذا الفصل فی المتفرقات)

ترجمہ : اور نماز جنازہ مکروہ ہے جامع مسجد میں اور محلّہ کی مسجد میں بھی، ہمارے نزدیک۔

فتاویٰ شام

"مصلی الجنازۃ أنہ لیس لہ حکم المسجد اصلا ،وما صححہ تاج الشریعۃ أن مصلی العید لہ حکم المساجد" (فتاویٰ شام ج ۲ ص ۵۱۹ رشیدیہ)

جنازہ گاہ کیلئے مسجد کا حکم نہیں ہے اور اس کی تصحیح تاج الشریعہ نے بھی کی ہے یہ کہہ

کرکہ عیدگاہ مساجد کے حکم میں ہے۔

محیطِ برہانی

وأنما تكره الصلوٰة على الجنازة في الجامع ومسجد الحي عندنا

اور مکروہ ہے نماز جنازہ جامع مسجد میں اور محلّہ کی مسجد میں بھی۔

(محیط برہانی ج۲ص ۳۳۷)

خلاصۃ الفتاویٰ

المسجد المتخذ لصلوٰة الجنازة وصلوٰة العيد الأصح أنه ليس له حكم المسجد ذكره الامام سرخسي" (خلاصۃ الفتاویٰ ج۱ص ۲۲۷)

ایسی مسجد جو بنائی ہے عید اور جنازے کیلئے کی گئی ہو صحیح بات یہی ہے کہ وہ مسجد کے حکم میں نہیں ہے اسے امام سرخسی" نے ذکر فرمایا ہے۔

مبسوط سرخسی

حضرت علامہ سرخسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

اور ہمارے نزدیک مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے "**وتكره الصلاة على الجنازة في المسجد عندنا**" (کتاب المبسوط سرخسی جلد دوم ص۱۰۹ مطبوعہ بیروت)

دارالعلوم دیوبند کے اہم فتاویٰ

فتاویٰ رشیدیہ

فقیہ الہند، ولی الہند حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ فتاویٰ رشیدیہ میں ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ

”نماز، جنازہ کی مسجد میں پڑھنا ہر حال میں مکروہ ہے“ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۴۳۰)

احسن الفتاویٰ

احسن الفتاویٰ میں حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے کہ

''مسجد میں نمازِ جنازہ بہر حال مکروہ ہے، خواہ جنازہ مسجد کے اندر ہو یا باہر، البتہ بارش وغیرہ جیسا عذر ہو یا باہر جگہ نہ ہو تو مسجد میں نماز جائز ہے۔

ایسی صورت میں اگر جنازہ باہر ہے تو بہتر صورت یہ ہے کہ امام اور چند مقتدی بھی مسجد سے باہر چبوترے پر کھڑے ہوں کیونکہ جنازہ من وجہ بحکم امام ہے اور صرف امام کا الگ مکان میں کھڑا ہونا مکروہ تنزیہی ہے۔ (احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۲۴۴)

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ایک سوال کے جواب میں تفصیلاً جواب دینے کے بعد آخری نتیجہ یہی نکالا گیا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک نمازِ جنازہ مسجد میں پڑھنا مکروہ ہے،

اختلاف صرف اس بات میں ہے کہ مکروہ تحریمی ہے یا مکروہ تنزیہی۔

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج۵ ص۲۰۶ اور ۲۱۲)

فتاویٰ رحیمیہ

فتاویٰ رحیمیہ میں ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا گیا ہے کہ

" (مسجد میں نمازِ جنازہ) بعض کے نزدیک کراہت تنزیہی ہے اور بعض کے نزدیک کراہت تحریمی " (فتاویٰ رحیمیہ ج۷ ص۳۹)

فتاویٰ مفتی محمود

فتاویٰ مفتی محمود کتاب الجنائز میں ایک سوال کے جواب میں طویل عبارت نقل کرنے کے بعد تحریر کیا گیا ہے کہ

"ان روایات سے واضح ہے کہ عند الحنفیہ مسجد جماعۃ میں نمازِ جنازہ مکروہ ہے اگرچہ میت مسجد کے باہر ہو پھر بھی صحیح اور مختار یہ ہے کہ اس سے کراہت مرتفع نہیں ہوتی اس میں اختلاف ہے کہ مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی **ویظھر ان الاول کونھا تنز** **اذ الحدیث لیس ھو نصا غیر معروف ولاقرن الفعل بوعید** (حاشیہ مشکوٰۃ ۱۴۵ المعات) اس سے معلوم ہوا کہ مکروہ ہی کو ترجیح ہے۔ بہر حال دونوں صورتیں کراہت سے خالی نہیں۔" (فتاویٰ مفتی محمود ج۳ ص۱۶۹ اور ۱۷۲)

فتاویٰ حقانیہ

فتاویٰ حقانیہ میں ایک سوال کے جواب میں لکھا گیا ہے کہ

"فقہ حنفی کی رو سے بغیر کسی شرعی عذر کے مسجد کو جنازہ کے لئے بروئے کار نہیں

سکتا۔ البتہ اگر بارش ہو یا دوسرے ایسے اعذار ہوں کہ بیرونِ مسجد جنازہ پڑھنے میں تکلیف ہوتو پھر مسجد میں پڑھنا جائز ہے۔ (فتاویٰ حقانیہ ج ۳ ص ۴۴۲)

آپ کے مسائل اوران کا حل

آپ کے مسائل اوران کا حل میں شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ نے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے کہ

''مسئلہ یہ ہے کہ نمازِ جنازہ مسجد میں پڑھنا مکروہ ہے، الا یہ کہ کسی عذر کی بناء پر مسجد میں پڑھنا ہی ناگزیر ہوجائے۔ پھر مسجد میں جنازہ پڑھنے کی چند صورتیں ہیں

(۱)　میت، امام اور مقتدی مسجد میں ہوں۔

(۲)　میت باہر ہواور امام اور مقتدی مسجد میں ہوں۔

(۳)　میت امام اور کچھ مقتدی باہر ہوں، باقی مسجد میں ہوں۔

یہ ساری صورتیں مکروہ ہیں، البتہ پہلی میں دوسری سے اور دوسری میں تیسری سے زیادہ کراہت ہے۔ اگر صورتِ حال یہ ہو کہ باہر نمازِ جنازہ پڑھنا ناممکن یا از حد مشکل ہوتو مسجد میں پڑھنا بامرِ مجبوری جائز ہے''۔

(آپ کے مسائل اوراُن کا حل ج ۴ ص ۳۸۲)

کفایت المفتی

نماز جنازہ مسجد میں مکروہ ہے، مگر مسجد سے وہ جگہ مراد ہے جو نماز کیلئے مخصوص ہو اور اگر شمالا یا جنوبا اس میں کوئی عمارت ہو (جیسے: مسجد فتح پوری میں ہے) یا مشرقی سمت میں مسجد سے علاوہ اور جگہ ہو (جیسے مسجد فتح پوری میں حوض سے مشرقی سمت میں ہے) تو وہاں

نماز جنازہ پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور (جامع مسجد دہلی میں) حوض کی پٹڑی پر نماز جنازہ پڑھنا کہ امام اور ایک صف حوض کی پٹڑی پر ہو، یہ بھی جائز ہے اگر چہ زائد نمازی فرش مسجد پر بھی کھڑے ہو جائیں۔ (کفایت المفتی ج ۵ ص ۳۷۲)

العرف الشذی

تکره الصلوٰة علی الجنازة فی المسجد عندنا وان کان المیت خارج المسجد واختار العلامة قاسم بن قطلوبغا الکراهة تحریما وشیخه ابن الهمام تنزیها ولعل هٰذه الکراهة بین التحریمة والتنزیه وتسمی بالأساءة کما قال صدر الاسلام ابو الیسر (العرف الشذی ص ۳۸۳)

نماز جنازہ مسجد میں مکروہ ہے ہمارے (احناف) نزدیک اگر چہ میت مسجد سے باہر ہو اور علامہ قاسم ابن قطلو بغا نے کراہت تحریمی کا قول فرمایا ہے اور ان کے شیخ ابن الہمام نے کراہت تنزیہی کا، اور یوں بھی ہوسکتا ہے کہ تحریمی اور تنزیہی کے مابین ہے جسے اسائت کہا جاتا ہے جیسا کہ صدر الاسلام ابو الیسر نے کہا ہے۔

فتاویٰ محمودیہ

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی صاحب رحمہ اللہ کے مشہورِ زمانہ فتاویٰ ''فتاویٰ محمودیہ'' میں بہت مفصل کلام اس موضوع پر موجود ہے مناسب جانا گیا کہ اس کو مکمل نقل کر دیا جائے۔

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوھی رحمہ اللہ سے جنازے سے متعلق

سوال پوچھا گیا کہ وہ دلیل جو احناف کی متدل ہے کہ ”من صلی علی جنازة فی المسجد فلا أجر له“ کے بارے محدثین فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں بھی ضعف ہے، ضعیف راوی صالح مولی توأمة کی وجہ سے اور اس حدیث کے متن میں بھی اضطراب ہے، جبکہ فریق مخالف کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سنداً متناً صحیح ہے، تو کیا صحیح حدیث کو چھوڑ کر ضعیف حدیث پر عمل کرنا درست ہے؟

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ نے اس کا جواب بالتفصیل عنایت فرمایا جو کہ مندرجہ ذیل سطور میں زیر نظر ہے:

فرماتے ہیں کہ جنازے کی نماز بغیر کسی عذر کے مسجد میں پڑھنا حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے، جناب نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ”من صلی علی جنازة فی المسجد فلا شیء له“ (سنن ابی داؤد، ج ۲ ص ۹۸، سنن ابن ماجہ ص ۱۱) نیز اس روایت کو ابن ابی شیبہ نے ج ۳ ص ۱۵۳ پر اپنی مصنف میں، امام احمد نے اپنی مسند میں ج ۲ ص ۴۴۴، بیہقی نے ج ۴ ص ۵۱ میں اور امام طحاوی رحمہ اللہ نے شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۲۸۴ پر روایت کیا ہے بحوالہ بغیۃ الألمعی فی تخریج الزیلعی ج ۲ ص ۲۷۵۔

نیز بخاری شریف اور مسلم شریف میں ہے کہ ”آنحضرت ﷺ نے نجاشی کی موت کی خبر سنائی، پھر صحابہ کو لے کر مسجد نبوی سے باہر تشریف لائے اور اس کے قریب نماز جنازہ کیلئے جو مخصوص جگہ تھی، وہاں پر صف بستہ نماز پڑھائی: ”عن أبی هريرة قال نعی لنا رسول الله ﷺ النجاشی صاحب الحبشة اليوم الذی مات فيه فقال أستغفروا لأخيكم. وفی رواية ”نعیٰ النجاشی فی اليوم الذی مات فيه

وخرج بهم الی المصلیٰ فصف بهم و کبر علیه اربع تکبیرات" (صحیح بخاری ج۱ص۱۷۷،۱۷۸، صحیح مسلم ج۱ص۳۰۹)

اور یہ واقعہ اس واقعہ کی تخصیص نہیں تھی بلکہ آپ ﷺ کا دائمی عمل تھا اس معاملہ میں یہی تھا کہ نماز جنازہ مسجد میں نہیں پڑھتے تھے، چنانچہ مسلم شریف میں ہے:"ما کانت الجنائز یدخل بها فی المسجد ج ۱ ص ۳۱۳ یعنی آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارکہ میں جنازے مسجد میں نہیں لائے جاتے تھے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ اپنی مشہور کتاب ''زادالمعاد فی ھدی خیر العباد'' میں تحریر فرماتے ہیں''ولم یکن من هدیه الراتب الصلوٰة علیه فی المسجد ،وانما کان یصلی علی الجنازة خارج المسجد ج ۱ ص ۱۴۳ یعنی آنحضرت ﷺ کا دائمی دستور مسجد میں نماز جنازہ پڑھانے کا نہیں تھا بلکہ آپ ﷺ مسجد کے باہر ہی جنازہ پڑھتے تھے۔ ملا علی القاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:"انهم لم یکونوا یصلون علی الجنائز داخل المسجد الشریف" (مرقات ج۳ص۳۴۲) یعنی آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد نبوی میں نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے۔

علامہ ابن الحاج فرماتے ہیں:"انهم کانوا لا یصلون علی میت فی المسجد" (المدخل ج۲ص۸۱) یعنی وہ لوگ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد میں کسی میت پر نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے بلکہ مسجد سے باہر اس کیلئے مستقل اور علیحدہ جگہ بنوائی گئی تھی، چنانچہ بخاری شریف میں ہے:"ان الیهود جاؤا الی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم برجل منهم ومرأة زنیا ،فأمر بهما فرجما قریبا من موضع

ائز عند المسجد" ج ا ص ۱۷۷) یعنی یہود آنحضرت ﷺ کے پاس ایک ایسے
عورت کو جنہوں نے زنا کیا تھا لے کر آئے تو آپ ﷺ نے حکم دیا تو ان کو مسجد سے
جنازہ پڑھنے کی جگہ میں سنگسار کیا گیا۔
چنانچہ ابن سمرۃ رضی اللہ عنہ والی اس روایت کی شرح کرتے ہوئے محدث کبیر حافظ
ر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث رجم یہ بتاتی ہے کہ نماز
کیلئے ایک جگہ مقرر تھی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی آپ کا مسجد نبوی میں جنازہ پڑھنا
عارضی وجہ سے تھا: "ودل حدیث ابن عمر رضی الله عنه المذکور علی انه کان
نائز مکان معد للصلوٰة علیها ،فقد یستفاد منه أن ما وقع من الصلوٰة
بعض الجنائز فی المسجد کان لأمر عارض" (فتح الباری ج ۳ ص ۱۶۰)
اور اسی جگہ فرماتے ہیں: "عن ابن حبیب أن مصلی الجنائز بالمدینة کان
قا بمسجد النبی ﷺ من ناحیة جهة المشرق" (فتح الباری ج ۳ ص ۱۶۰)
دینہ منورہ میں جنازہ پڑھنے کی جگہ مسجد نبوی ﷺ کے متصل جانب شرق میں تھی۔
ان تمام تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد پانچ نمازوں کیلئے بنائی جاتی ہے اس
از جنازہ بلا عذر پڑھنا کراہت سے خالی نہیں، اگر مسجد میں نماز جنازہ بلا کراہیت کے
ہوتی تو آنحضرت ﷺ اس کے لئے ایک اور جگہ مستقل نہ بنواتے بلکہ مسجد ہی اس کیلئے
تھی لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ آپ نے اس کے لئے ایک اور جگہ مستقل بنوائی اور مسجد نبوی
ر ختم ہوتے ہی جنازہ پڑھنے کی جگہ بنوائی گئی، چنانچہ طبقات ابن سعد میں اس کی تصریح
د ہے:

"وقد ذكر ابن سعد فی الطبقات الكبير أن النبی ﷺ بنیٰ موضعا للجنائز لاصقا بالمسجد بعد الفراغ من مسجد الشريف فی السنة الأولیٰ من الهجرة" (التعلیق الصبیح ج۲ص ۲۳۹)

اس کے بعد کسی مزید دلیل کی ضرورت نہ تھی لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قائلین جواز کی دلیل کا بھی جائزہ لیا جائے اوران کی جانب سے ہونے والے اعتراضات کا جواب دیا جائے۔ جولوگ جواز کے قائل ہیں وہ اپنی دلیل میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا والی مسلم شریف کی روایت پیش کرتے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں:

"عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها أنها قالت :لما توفی سعد بن وقاص أرسل أزواج النبی ﷺ أن يمروا بجنازته فی المسجدفيصلين عليه ،ففعلوا فوقف به علیٰ حجرهن يصلين عليه ،ثم أخرج به من باب الجنائز الذی كان الی المقاعد ،فبلغهن أن الناس قد عابوا ذٰلک وقالوا ما كانت الجنائز يدخل به المسجد ،فبلغ ذٰلک عائشة رضی الله عنها فقالت:ما أسرع الناس الی أن يعيبوا ما لا علم لهم به ،عابوا علينا أن يمر بجنازة فی المسجد ،وما صلیٰ رسول الله ﷺ علی سهيل بن بيضاء ألا فی جوف المسجد" مسلم ج ۱ ص ۳۱۴

اولا: تو یہ واقعہ ہے جو کسی عذر کی وجہ سے پیش آیا۔ چنانچہ مولانا قطب الدین محمد دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک روایت میں صریح آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ معتکف تھے، اس لئے مسجد میں نماز جنازہ پڑھی، مظاہر حق ج ۲ص ۴۹) اور حافظ ابن حجر" کا ا

یہی ہے عذر کی وجہ سے تھا: ''فقد یستفاد منه أن ما وقع من الصلوٰة علیٰ
ض الجنائز فی المسجد کان لأمر عارض ''(فتح الباری ج ۱ص ۱۳۴)

یاً: خود حضرت عائشہ ﷞کی فرمائش سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں مسجد میں جنازہ
ھنے کا دستور نہ تھا ورنہ فرمائش کی کیا ضرورت تھی۔

اً: محض سہیل بن بیضاء کی مثال دینا ثابت کرتا ہے کہ دوسرے جنازے خارج مسجد
ھے جایا کرتے تھے، مذکورہ جنازہ کسی عذر کی وجہ سے مسجد میں پڑھا گیا ہے۔

عاً: صحابہ کرام ﷡ کا انکار ثابت کرتا ہے کہ نماز جنازہ مسجد میں پڑھنے کا دستور نہ تھا
نچہ انہوں نے صاف انکار کیا: ''ما کانت الجنائز یدخل به المسجد'' جو اس کے
ف سنت ہونے کا واضح ثبوت ہے۔

یہ جوابات تو اس وقت ہیں جبکہ حضرت عائشہ ﷞کی روایت کو متصل تسلیم
لیں، حالانکہ امام دارقطنی نے اس حدیث کے بارے میں امام مسلم پر استدراک اور
اخذہ کیا ہے اور اس کو مرسل قرار دیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

''خالف الضحاک حافظان: مالک والماجشون ،فرویاہ عن أبی النضر عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها مرسلا ،وقیل عن الضحاک عن أبی النضر عن أبی بکر بن عبد الرحمٰن ،ولا یصح الا مرسلا :هٰذا کلام الدار قطنی''نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۳۱۲

یعنی اس حدیث میں دو بڑے حفاظ حدیث: امام مالک اور ماجشون نے ضحاک
مخالفت کی ہے، انہوں نے اس روایت کو ''عن أبی النضر عن عائشہ ﷞منقطع بیان کیا ہے

اور ضحاک نے ''عن أبي النضر عن أبي بکر بن عبد الرحمٰن'' روایت کیا ہے حالانکہ اس روایت کا منقطع ہونا ہی صحیح ہے۔

ہم مخالفین سے پوچھتے ہیں :روایت منقطع سے استدلال کہاں تک صحیح ہے؟ خصوصاً اس کے مقابلے میں حدیث متصل مرفوع موجود ہے۔ یہ مخالفین کی دلیل اور اس کا جواب تھا۔

اب انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پر جو اعتراضات کئے ہیں ان کے جوابات ملاحظہ فرمائیں :اس روایت پر ان کا سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ ''صالح مولیٰ التوأمۃ'' ہے جو ضعیف ہے جس کی وجہ سے یہ روایت قابل استدلال نہیں ہے۔

تو اسکا جواب یہ ہے کہ صالح کو ضعیف کہا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو اخیر عمر میں اختلاط ہو گیا تھا، اس لئے اگر یہ سبب مرتفع ہو جائے، یعنی کوئی ایسا راوی ہو جو اس حالت کے طاری ہونے سے پہلے ان سے روایت کی ہو، ان کی روایت کے معتبر اور قابل حجت اور استدلال نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

''تقریب التہذیب'' میں ہے کہ:

''صالح ابن نبهان المدنی مولیٰ التوأمة ،بفتح المثناة وسكون الواو بعدها همزة مفتوحة .صدوق اختلط بآخره ،قال ابن عدی :لا بأس برواية القدماء عنه كابن أبي ذئب وابن جريج.'' ص ۱۷۵

یعنی صالح ابن نبہان مدنی مولیٰ توأمۃ صدوق ہیں، ان کو اخیر عمر میں اختلاط ہو گیا تھا، ابن عدی فرماتے ہیں کہ ان سے قدماء (یعنی جن لوگوں نے ان سے اس حالت کے

طاری ہونے سے پہلے روایت کی ہے) کے روایت کرنے میں کوئی قباحت نہیں جیسے کہ ابن اُبی ذئب اور ابن جریج، اور مذکورہ روایت "من صلی علیٰ جنازة فی المسجد فلا شیء لہ" میں صالح سے روایت کرنے والے ابن اُبی ذئب ہیں، اس لئے یہ بھی صحیح ہے، اس میں کوئی علت نہیں۔

امام زیلعی نصب الرایۃ میں فرماتے ہیں "وأسند عن ابن معین أنهٗ قال فیه ثقة الا انهٗ اختلط قبل موتهٖ، فمن سمع منه قبل ذٰلک فھو ثبت حجة، وممن سمع منه قبل الاختلاط ابن أبی ذئب، ص ۱۸۵

یعنی ابن مَعین سے سنداً ثابت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ وہ (صالح) ثقہ ہیں مگر اخیر عمر میں ان کو اختلاط ہو گیا تھا، پس جن لوگوں نے اس حالت کو طاری ہونے سے پہلے سنا ہے، وہ ثابت اور قابل حجت ہیں اور ان ہی لوگوں میں سے ابن اُبی ذئب بھی ہیں۔

خود امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (جن کے قول سے مخالفین حجت پکڑتے ہیں) فرماتے ہیں:

"ما أعلم بهٖ بأسا من سمع قدیما، وقد رویٰ عنه أکابر أھل المدینة" کتاب العلل ومعرفة العجال للأمام احمد بن حنبل ج ۱ ص ۳۴۸)

یعنی جن لوگوں نے (صالح ابن تو اَمۃ) سے ابتداء سنا ہے اس میں کوئی قباحت نہیں اور ان صالح سے اکابر اہل مدینہ نے روایت کیا ہے۔

شیخ ابراہیم حلبی رحمہ اللہ اپنی کتاب "غنیۃ المستملی" المعروف بہ "کبیری" میں ابن مَعین سے نقل فرماتے ہیں: "قال ابن مَعین: ثقة لکنه اختلط قبل موتهٖ، فمن

سمع منه قبل ذلک فهو ثبت حجة ،و کلهم علیٰ أن ابن أبی ذئب سمع منه قبل الأختلاط "

یعنی ابن معین فرماتے ہیں کہ (صالح) ثقہ ہیں لیکن وفات سے پہلے ان کو اختلاط ہوگیا تھا (اس لئے جن لوگوں نے ان سے حالت کے طاری ہونے سے پہلے سنا ہے وہ ثابت اور قابل حجت ہے) اور سارے محدثین اس پر متفق ہیں کہ ابن ابی ذئب نے اس حالت کے طاری ہونے سے پہلے ان سے روایت کی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد امام سنن أبي داؤد نے اس پر کسی قسم کی جرح نہیں کی، بلکہ سکوت اختیار فرمایا، "اور یہ مسلم ہے کہ امام أبوداؤد جس پر سکوت اختیار فرمائیں وہ روایت صالح الاستدلال ہے"، اور صالح مسلم اور سنن اربعہ کے راویوں میں سے ہیں، چنانچہ محدث کبیر علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "وصالح من رواة السنن ومسلم" عرف الشذی ج ۱ ص ۳۵۶ یعنی صالح سنن اور مسلم کے رواۃ میں سے ہیں اگر یہ ضعیف ہوتے تو یہ حضرات ان کی روایات نہ لیتے یا ان پر جرح کرتے۔

بہر حال! محدثین کی اتنی بڑی جماعت کے نزدیک جب صالح مولی تو أمة ثقہ ہیں تو اس کے مقابلہ میں امام نووی کا امام احمد کے قول کو اس کے ضعیف ہونے کے استدلال میں پیش کرنا چنداں قابل توجہ نہیں، پوری جماعت کے فیصلے کو ترجیح ہوگی۔

دوسرا اعتراض اس حدیث پر ان کا یہ ہے کہ اس کے متن میں اضطراب ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ محدث خطیب اس کے متعلق فرماتے ہیں: "المحفوظ: "فلا شئ ل

ج۲ص ۲۸۵'' یعنی اس میں محفوظ روایت ''فلاشئ لہٗ'' کی ہے۔علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ تعالیٰ بھی یہی فرماتے ہیں: ''الصحیح: فلاشئ لہٗ'' حوالہ مذکورہ۔اور ابن ماجہ کی روایت جو اس میں قوی ہے اس سے اس کی پوری تائید ہوتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ''فلیس لہٗ شئ'' (ابن ماجہ ج۱ص ۱۱۰) جو بالکل واضح ہے۔

تیسرا اعتراض مخالفین یہ کرتے ہیں کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے قسمیہ طور پر یہ فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے سہیل بن بیضاء کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھی تو اس پر صحابہ نے ان کی بات کو تسلیم کرلیا اور حضرت سعد ابن وقاص رضی اللہ عنہ کے جنازے پر (نماز) مسجد میں پڑھی گئی جس سے اجماع سکوتی کا پتہ چلتا ہے یعنی صلوٰۃ جنازہ فی المسجد بالاجماع ثابت ہوئی۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو آپ لوگ مسلم شریف کی مذکورہ حدیث سے یہ ثابت کریں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے مسجد میں انکے جنازے کی نماز پڑھی بلکہ امہات المؤمنین کے لئے بھی ''یصلین'' کا جو لفظ استعمال کیا گیا ہے اس سے مراد ''دعا'' ہے، وہ بھی اس طریقہ پر کہ امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنھن اجمعین خود تو اپنے حجروں میں رہیں اور جنازہ ان کے سامنے سے گزارا جائے، چنانچہ الفاظ حدیث بھی اس پر دال ہیں، چنانچہ امہات المؤمنین نے جو فرمائش کی اس کے الفاظ یہ ہیں: ''أن یمروا بجنازۃ فی المسجد یصلّین'' یعنی حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا جنازہ مسجد سے ہوکر گزارا جائے تاکہ وہ ان کیلئے دعا کریں، انہوں نے یہ نہیں فرمایا کہ مسجد میں جنازہ رکھا جائے اور اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے تاکہ ہم بھی نماز پڑھ لیں، بلکہ یہ فرمایا کہ صرف جنازہ حجروں کے سامنے

سے گزارا جائے تاکہ دعاء کریں، چنانچہ اس فرمائش کی جو تعمیل کی گئی اس کو حد...
:"موقوف به على حجرهن" سے تعبیر کیا گیا ہے جس کا حاصل صرف اتنا ہے کہ جنا...
انکے حجروں کے سامنے لایا گیا۔

نیز اگر امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنھن اجمعین نے نماز جنازہ پڑھی ہوتی ...
ہر ایک کے حجرے کے سامنے علیحدہ علیحدہ لے جانے کی کیا ضرورت تھی (جس پر "عل...
حجرھن" کا لفظ دلالت کرتا ہے) بلکہ سب مل کر نماز پڑھ لیتیں، اور پھر جب آگے چل کر اس
پر چہ میگوئیاں شروع ہوئیں تو صحابہ کا یہ فرمانا: "ما كانت الجنائز يدخل بها المسجد"
(یعنی آنحضرت ﷺ کے زمانۂ مبارکہ میں جنازے مسجد میں داخل نہیں کئے جاتے تھے) ...
دلالت کرتا ہے وہاں نماز نہیں پڑھی گئی تھی، صرف جنازہ مسجد میں لے جایا گیا تھا، ورنہ اگر
نماز پڑھی گئی ہوتی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اس کے رد میں یہ فرماتے کہ آنحضرت ﷺ کے
زمانے میں مسجد میں نماز جنازہ نہیں پڑھی جاتی تھی۔ بہر حال! یہ ایک سطحی اعتراض ہے جو
عدم تفقہ کی وجہ سے پیدا ہوا ہے جس کیلئے الفاظ حدیث میں کوئی گنجائش نہیں۔

رہا ان کا یہ اعتراض کرنا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھی گئی
جس سے "فلا اجر لهٗ" والی حدیث کے منسوخ ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ اس کا جواب
ہے کہ ادھر ہم ان سے یہ سوال کرتے ہیں کہ تم اس کے قائل بھی ہو کہ یہ حکم پہلے تھا اور ...
منسوخ ہوا، کیونکہ منسوخ ہونے کا حاصل تو یہ ہے کہ پہلے یہ حکم تھا مگر بعد میں اٹھا لیا گیا۔ ا...
اگر قائل ہو تو پھر کون سے نص کے ذریعہ؟

ثانیاً: آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ عمل تمہارے نزدیک

منسوخ ہونے کی دلیل کیسے بن سکتا ہے؟

ثالثاً: ہم کہتے ہیں کہ یہ بر بنائے عذر تھا اور عذر یہ کہ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ کے قریب دفن کرنا تھا اور وہ حجرہ مسجد میں ہونے کی وجہ سے جنازہ مسجد میں لے جانے بغیر چارۂ کار نہ تھا چونکہ اصل ممانعت تو جنازہ مسجد میں لے جانے کی ہے، جب بنابریں عذر اس پر عمل ممکن نہ رہا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے اور توسیع کی اور نماز بھی مسجد میں پڑھائی گئی۔

رابعاً: اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھا جانا روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے لئے ناسخ بن گیا اور نماز جنازہ مسجد میں پڑھنے کا ثبوت مل گیا تو پھر صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے جنازے کو مسجد میں لانے پر اتنی چہ میگوئیاں کیوں کیں جب کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی وفات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کئی سال بعد ہوئی، اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک وہ حدیث منسوخ ہی تھی تو ایسا کیوں ہوا۔

فتاویٰ محمودیہ ج ۸ ص ۶۷۵ تا ۶۹۰

اتنے محقق، مدلل، مبرہن تفصیلی کلام کے بعد جس میں متقدمین ومتاخرین اور فی زمانہ کے فریق مخالف کے ہر اشکال واعتراض کو بالکفایت دور کیا گیا ہے، اس کے بعد کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ جنازے کی نماز بلا عذر شرعی کے مسجد میں پڑھی جائے، اور اس کے خلاف کرنے سے روگردانی ہوگی دلائل منصوصہ مرفوعہ سے، صحابہ کرام کے اجماع سے اور فقہاء امت کے اتفاق سے، جو سراسر "بل أضله الله على علم" کا مصداق ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

پردے کا شرعی حکم

قرآنِ کریم، حدیث اور فقہ کی روشنی میں

الحمد لله رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی اشرف الخلق الله اجمعین محمد بن عبد الله النبی الامی العربی الامین وعلیٰ آله الطیبین الطاهرین وعلیٰ صحبه الکرام المنتجبین

پردہ کے ضروری ہونے کی وجہ

واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے زنا اور بدکاری کو حرام فرمایا ہے تو ان کے مقدمات اور دواعی کو بھی حرام فرمایا ہے جن میں بنیادی چیز بے پردگی اور بدنظری ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں میں نفسانی خواہشات اور جز ئیات رکھے ہیں جن پر ہیجان کے وقت قابو پانا مشکل ہے بلکہ تقریبا ناممکن ہوتا ہے اور ہیجانی کیفیت کے مضر اثرات اور خرابیوں سے بچانے کے لئے بے پردگی اور بدنظری عورتوں اور مردوں کے اختلاط میل جول سے روکنا از حد ضروری ہے اور معاشرے میں خرابی جب ہی پیدا ہوتی ہے کہ جب پردے میں ڈھیل اور مردوں اور عورتوں کا اختلاط عام ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

”قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ط ذٰلِکَ اَزْكٰى لَهُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ ۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ○ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ص وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ص وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ط وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ (النور آیت، ۳۱، ۳۰)

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ط ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ (احزاب ۵۳)

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ط ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ط وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (احزاب ۵۹)

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ز فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ز وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ لا وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ

الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا o (نساء آیت ۲۳)

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ (انعام ۱۵۱ کا حصہ)

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (احزاب ۳۳)

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَا اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ج وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا (احزاب ۵۵)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت نقل فرماتے ہیں کہ

”عن عبد الله بن مسعود رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ ان النظر سهم من سهام ابليس مسموم من تركها مخافتي ابدلته ايمانا يجد حلاوته في قلبه“ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۹۱)

نظر شیطان کے زہریلے تیروں میں سے ایک تیر ہے جو شخص باوجود دل کے تقاضے کے اپنی نظر پھیرے تو میں اس کے بدلے اس کو ایسا پختہ ایمان دوں گا جس کی لذت وہ اپنے قلب میں محسوس کرے گا اس کی تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس طرح مروی ہے۔

” قال علی ابن طلحة عن ابن عباس امر الله نساء المؤمنين اذاخرجن من بيوتهن في حاجة ان يغطين وجوههن من فوق

رؤسهن بالجلابيب ويبدين عينا واحدة (تفسیر ابن کثیر الاحزاب ۵۹)
اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورتوں کو اصالتاً گھروں میں رہنے کا حکم ہے اگر حاجت کے لئے مجبوراً نکلے تو چہرہ اور سر چھپا کر نکلیں راستہ دیکھنے کے لئے ایک آنکھ کی مقدار کھولنے کی گنجائش ہے اور عبید سلمانی اس آیت کی تفسیر بتلاتے وقت اپنا چہرہ اور سر چھپا کر دکھلایا اور صرف بائیں آنکھ کو کھولے رکھا۔

شرعی پردہ عورت پر خود فرض ہے خاوند کے روکنے کے باوجود وہ شرعی پردہ فرض کرنا ضروری ہے

"قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ط ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ o وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ص وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِى الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ص وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ط وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ o"

(نور آیت، ۳۱،۳۰)

باقی یہ بات ضرور مان لینی چاہئے کہ اس کے بھائیوں سے بھی پردہ کرے، خاو
کے بھائیوں سے بھی پردہ کرنا ضروری ہے بالخصوص جبکہ خاوند بھی حکم کرے، غرض یہ کہ
محرم لوگ خواہ وہ رشتہ دار ہوں ان سے پردہ کرنا ضروری ہے۔

شرعی پردہ عورت پر خود فرض ہے۔ خاوند کے روکنے کے باوجود وہ شرعی پردہ ضر
کرے قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ. الآیۃ
سورۃ الاحزاب باقی یہ بات اس کو ضرور مان لینی چاہیئے کہ اس کے بھائیوں سے بھی پ
کرے خاوند کے بھائیوں سے بھی پردہ کرنا ضروری ہے بالخصوص جبکہ خاوند بھی حکم کر
۔غرض یہ کہ یہ غیر محرم لوگ خواہ وہ رشتہ دار ہوں ان سے پردہ کرنا ضروری ہے۔

(فتاویٰ مفتی محمود ج ۱۰ص ۳۲۲)

ہیجڑوں سے پردہ کرنا

حدیث میں ہیجڑوں سے بھی پردہ کا حکم ہے کیونکہ بغرض تلذذ خواہش نفسانی
دیکھنا یا باتیں سننا، ہاتھ سے مس کرنا، چھونا، آنکھ، کان اور ہاتھ کا زنا ہے اور یہ صفت ہیجڑوں
میں موجود ہے نیز بہت سے ہیجڑے ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں مردانہ قوت موجود ہو
ہے۔ (احسن الفتاویٰ ج ۸ ص ۳۵)

وحدثنا عبد الله بن محمد قال حدثنا الحسن بن ابی الربیع
قال اخبرنا عبد الرزاق قال اخبرنا معمر عن الحسن قال کن
اماء بالمدینة یقال لهن کذا وکذا یخرجن فیتعرض لهن

السفهاء فيؤذونهن .وكانت المرأة الحرة تخرج فيحسبون انها امة فيتعرضون لها فيؤذونها.فامر الله المؤمنات ان يدنين عليهن من جلابيبهن ذلک ادنى ان يعرفن انهن حرائر فلا يؤذين " (احکام القرآن للجصاص ج ۳ ص ۴۸۶)

حضرت حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ مدینہ میں کنیز خواتین بھی تھیں وہ جب باہر ں تھیں تو انہیں فلاں فلاں ناموں سے پکارا جاتا تھا ان کے سامنے کوئی بد تہذیب لوگ باتے تو وہ انہیں اذیت پہنچاتا تھے اور جب کوئی آزاد اور خاندانی عورت باہر آتی تو وہ ے بھی کنیز گمان کر کے تنگ کرتے تھے، پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایان والیوں کو حکم دیا پنے اوپر بڑی بڑی اوڑھنیاں ڈالا کریں تا کہ وہ پہچان لی جاویں کہ یہ آزاد اور خاندانی رتیں ہیں تو وہ اذیتوں سے محفوظ رہیں گی۔

دہ کس عمر سے کس عمر تک کرنا چاہیے

جب لڑکی ۱۲ سال کی ہو جائے تو پردہ کرنا فرض ہو جاتا ہے لیکن ضروری یہ ہے کہ ے ۹ سال کی عمر سے پردے کا عادی بنایا جائے۔

”تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ط وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط وَذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ٥ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ص وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ “ (سورۂ نساء آیت ۱۴)

چہرہ کا پردہ

اس مسئلہ میں بعض اوہام ہیں جیسا کہ عام مشہور کیا گیا ہے کہ چہرے کا پردہ
ہوتا اور خاتون اپنا چہرہ کھلا رکھ سکتی ہے، سو یاد رہے کہ یہ ایک شیطانی خیال ہے اور دو
جو بعض بے دینوں اور شریعت سے لاعلم افراد نے لوگوں میں پھیلایا ہے، اس سلسلہ
جناب نبی کریم ﷺ کی حدیث ملاحظہ فرمائیں،

"ان ام سلمة حدثته انها كانت عند رسول الله ﷺ وميمونة قالت
فبينما نحن عنده أقبل ابن ام مكتوم فدخل عليه وذلك بعد
ما امرنا بالحجاب فقال رسول الله ﷺ احتجبا منه فقلت يا رسول
الله اليس هو اعمىٰ لا يبصرنا ولا يعرفنا فقال رسول الله ﷺ اوعمياوان
انتما؟ او الستما تبصر انه؟ ثم قال الترمذی هٰذا حديث حسن
صحيح (مشکوۃ شریف کتاب النکاح ص ۲۶۹، تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۹۱)

"ایک بار ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت میمونہ تشریف لائی
تھیں اور جنابِ نبی کریم ﷺ بھی وہیں تشریف فرما تھے کہ اتنے میں حضرت عبداللہ ابن ام
مکتوم رضی اللہ عنہ تشریف لائے جو کہ نابینا صحابی ہیں تو جب وہ آنے لگے تو حضرت ﷺ
دونوں بیبیوں سے فرمایا کہ آپ دونوں اندر چلی جائیں تو انہوں نے حضرت ﷺ سے کہا
یہ تو نابینا ہیں اور دیکھتے نہیں تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم بھی نابینا ہو؟ تم تو دیکھ سکتی ہو
اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ خواتین کو بھی غیر مرد کو دیکھنا جائز نہیں ہے اور

قیاس کرتے ہوئے یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ خواتین کو چہرہ چھپانا ضروری ہے، اس کے علاوہ
نہیں بھی حدیث اور فقہ کی کتب میں اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ عورت کو اپنا چہرہ کھلا رکھنا
ہیے عورت کا معنی ہی پردہ ہے یعنی مکمل عورت پردہ میں ڈھکی ہوگی اور اس کا کوئی بھی عضو
اہر نہیں ہوگا۔

علامہ شامی رحمہ اللہ کی عبارت ملاحظہ فرمائیں

فحل النظر مقيد بعدم الشهوة والا فحرام وهذا فى زمانهم واما فى زماننا فمنع من الشابة ، قهستانى وغيره "

(الدر المختار ج ۹ ص ۶۱۰ فصل فی النظر والمس)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ نے بدنظر کی بیماری
رنظر کو غلط استعمال کرنے کی بیماری، نامحرم پر لذت نفسانی خواہش کی نظر سے دیکھنے کی
اری کی شدت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ شرایسا ہے کہ اپنے اثر سے تمام طاعات و
بادات کے انوار کو تاریک کر لیتا ہے۔ (انفاس عیسیٰ ص ۱۴۳)

ردہ کن کن لوگوں سے کرنا چاہیے

جولوگ عورت کے لئے نامحرم ہیں اور جن سے پردہ فرض ہے وہ مندرجہ ذیل
یں۔خالہ زاد، ماموں زاد، چچا زاد، پھوپھی زاد، دیور، جیٹھ، بہنوئی، نندوئی، خالو، پھوپھا،
وہر کا چچا، شوہر کا ماموں، شوہر کا پھوپھا، شوہر کا بھتیجا، شوہر کا بھانجا، اس طرح ہر وہ شخص
س سے زندگی میں کبھی بھی نکاح کرنا جائز ہے اُن سب سے عورت کا مکمل پردہ کرنا فرض

ہے۔

حافظ ابن کثیر ''یَاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ وَبَنٰتِکَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِھِنَّ ط ذٰلِکَ اَدْنٰٓی اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ ط وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًاo'' (احزاب آیت ۵۹) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ

جاہلیت کے زمانے میں عورتیں باہر بے پردہ نکلا کرتی تھیں حق تعالیٰ نے مسلمان عورتوں کو حکم دیا کہ وہ باپردہ نکلا کریں تاکہ وہ کافر عورتوں سے ممتاز رہیں۔ عورتوں کا بے پردہ بازاروں اور مجلسوں میں مردوں سے اختلاط زمانہ جاہلیت کا طریقہ تھا قرآن کریم نے جاہلیت کے اس ناپاک طرز معاشرت کو بڑی سختی سے منع فرمایا اس لئے کہ اس سے آوارہ لوگوں کو عورتوں پر آواز کسنے چھیڑ چھاڑ کرنے کا موقع ملتا تھا۔ اسلام چونکہ سراسر پاک طہارت غیرت وعزت کا مذہب ہے اس لئے اس سے منع فرمایا۔ یورپ میں اور اس طرح جس ملک میں بے پردگی آئی اس ملک کی اخلاقی تباہی و بربادی ہوگئی، بے پردگی نے جسمانی زیبائش کا راستہ کھولا پھر اس نے بے حیائی کی صورت اختیار کر لی اب یورپ انسانوں کی سرزمین نہیں بلکہ وہاں کے ہوٹل کلب اور سیر گاہیں شہوت پرست حیوانوں کی چراگاہیں بن چکی ہیں۔

''عن عقبہ بن عامر ان رسول اللہ ﷺ قال ایاکم والدخول علی النساء فقال رجل من الانصار یا رسول اللہ افرأیت الحمو قال الحمو الموت'' (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۸۷)

''زاد ابن وھب فی روایتہ عند مسلم سمعت اللیث یقول

الحمو اخو الزوج وما اشبهه من اقارب الزوج ابن العم ونحوه ووقع عند الترمذی بعد تخریج الحدیث قال الترمذی یقال هو اخو الزوج کره له ان یخلو بها قال ومعنی الحدیث علیٰ نحو ما روی لا یخلون رجل بامراۃ فان ثالثهما الشیطان

(فتح الباری ج ۱۰ ص ۴۱۵ قدیمی)

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله ولا ینبغی للمرأة الصالحة ان تنظر الیها المرأة الفاجرة لانها تصفها عند الرجال فلا تضع جلبابها ولا خمارها کما فی السراج

(فتاویٰ شامی ج ۹ ص ۶۱۳ فصل فی النظر والمس)

بیوی کے مرنے کے بعد شوہر اس کا چہرہ دیکھ سکتا ہے لیکن چونکہ بیوی کے انتقال ے نکاح ختم ہوتا ہے لہٰذا اسے ہاتھ لگانا اور غسل دینا جائز نہیں اور شوہر کے مرنے پر نکاح ے آثار عورت پر باقی رہتے ہیں اس لئے شوہر کے مرنے کے بعد بیوی شوہر کو ہاتھ لگا سکتی ے اور غسل بھی دے سکتی ہے۔

"عن ابن ابی ملیکة قال قیل لعائشة ان امرأة تلبس النعل فقالت لعن رسول الله ﷺ الرجلة من النساء رواه ابوداؤد"

(سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۲۱۲ کتاب اللباس)

مہ : حضرت ابن ملیکہ تابعی کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے ں کیا کہ ایک عورت مردانہ جوتا پہنتی ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول

اللہ ﷺ نے ایسی عورت پر لعنت کی ہے جو مردوں کے طور طریقہ اختیار کرے۔

عن ابی هريرة قال لعن رسول الله ﷺ الرجل يلبس لبسة المرأة والمرأة تلبس لبسة الرجل

(سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۲۱۲ کتاب اللباس)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے مر
لعنت کی ہے جو عورتوں کا لباس پہنے اور اس عورت پر لعنت کی ہے جو مردوں کا لباس پہنے
جناب نبی کریم ﷺ کے ساتھ مسجد نبوی میں نماز پڑھنا کس قدر موجب فضیا
ہے لیکن ارشاد ہے کہ

"عن ابن مسعود قال قال رسول الله ﷺ صلوٰة المرأة فی بيتها افضل من صلاتها فی حجرتها وصلوٰتها فی مخدعها افضل من صلاتها فی بيتها رواه ابو داؤد" (مشکوٰۃ ص ۹۶)

جنابِ نبی کریم ﷺ نے یہ ارشاد گرامی اس وقت فرمایا جب کہ آپ ﷺ خود
نفیس مدینہ منورہ میں موجود تھے، مدینہ کی گلیوں اور وادیوں میں فرشتوں اور وحی کی آ
رفت تھی، مسجدِ نبوی میں صفوف میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، اور دیگر ص
کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے پاک نفوس کھڑے ہوتے تھے اس وقت آپ نے ف
کہ عورتوں کی نماز میرے پیچھے پڑھنے سے بہتر ہے کہ وہ اپنے گھروں میں پڑھیں
آج ہم دیکھتے ہیں کہ مساجد میں عورتوں کے لئے مخصوص جگہ بنائی جاتی ہے، تراویح میں

عورتیں شریک ہوتی ہیں، کیا یہ نبی کریم ﷺ کے اس قول کی صریح خلاف ورزی نہیں ہے۔

اپنے من میں ڈوب کر پا جائے سراغِ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

"من قعدت او كلمة نحوها منكن في بيتها فانها تدرك عمل المجاهدين في سبيل الله تعالى" (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۹۹)

یعنی جو تم میں سے اپنے گھر میں بیٹھی رہے اس کو جہاد جیسا اجر ملے گا۔

شوہر کے بھائی یعنی دیور سے بھی پردہ فرض ہے

عن عقبة بن عامر ان رسول الله ﷺ قال اياكم والدخول على النساء فقال رجل من الانصار يا رسول الله افرأيت الحمو قال الحمو الموت (بخاری شریف ج ۲ ص ۷۸۷، ترمذی ج ۱ ص ۱۳۹)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا عورتوں کے پاس جانے سے بچو انصار میں سے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ (ﷺ) دیور کے بارے میں کیا ارشاد ہے ارشاد فرمایا دیور تو موت ہے۔

ابن وہب نے مسلم کی روایت میں زیادہ کیا ہے کہ میں نے لیث سے سنا وہ فرماتے تھے دیور شوہر کا بھائی ہے جو شوہر کے عزیز واقارب میں سے ہے اس کے مشابہ ہو چچا ہو بیٹا وغیرہ اور حدیث کی تخریج کے بعد ترمذی نے کہا کہا جاتا ہے کہ شوہر کے بھائی کے لئے مکروہ ہے کہ اس کے ساتھ (بھائی کی بیوی کے ساتھ) تنہائی میں رہے۔

فتاویٰ محمودیہ میں ایک سوال کے جواب میں حضرت مفتی محمود الحسن گنگوہی رحمہ اللہ

نے ایک کنبہ کے بارے میں ذکر فرمایا ہے کہ اگر ایک گھرانہ سارا ایک ساتھ رہتا ہو تو اس میں کیسے رہا جائے؟ فرمایا:

باقی بدن تو چھپا رہتا ہی ہے چہرہ بھی سامنے نہ کریں اور نہ نامحرم کے ساتھ خلوت کا موقع آنے دیں ہنسی مذاق سے پوری احتیاط کریں یہ اس وقت جب مکان میں تنگی کی وجہ سے اتنی گنجائش نہ ہو کہ نامحرم کی آمد کے وقت مکان کے اندرونی حصہ میں چلی جائیں یا پردہ درمیان میں لٹکا دیں اگر گنجائش ہو تو چہرہ چھپا کر بھی سامنے آنے سے اجتناب کریں، یہ تو عورتوں کے حق میں ہے، مردوں کے حق میں ی ہے کہ جب مکان میں جائیں اطلاع کر کے جائیں اور نگاہ نیچی رکھیں اور ہنسی مذاق، نیز خلوت سے پوری احتیاط رکھیں۔

(فتاویٰ محمودیہ ج ۱۹ ص ۱۷۷)

شرمگاہ کی حد

”(وینظر الرجل من الرجل الیٰ ماسوی العورة وقد بینت فی الصلوٰة) ان العورة مابین السرة الی الرکبة والسرة لیست بعورة خلافا لما یقوله ابوعصمة و الشافعی والرکبة عورة خلافا للشافعی ثم حکم العورة فی الرکبة اخف منه فی الفخذ و فی الفخذ اخف منه فی السوءة حتیٰ ینکر علیه فی کشف الرکبة برفق وفی الفخذ بعنف وفی السوءة بضرب ان اصر وفی القهستانی والاولی تنکیر الرجل لئلا یتوهم ان الثانی عین الاول (مجمع الانھر ج ۴ ص ۲۰۰)

مرد، مرد کی طرف دیکھ سکتا ہے سوائے شرمگاہ کے اور شرمگاہ کی حد یہ ہے کہ ناف سے
ے کر گھٹنے تک اور ناف اور گھٹنا شرمگاہ میں شامل ہیں یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔

اگر اچانک نظر پڑ جائے تو معاف ہے قصداً دیکھنا جائز نہیں

جین کا ایک دوسرے کی شرمگاہ سے پردہ

عن عائشة قالت ما نظرت او ما رأیت فرج رسول الله ﷺ قط

(مشکوٰۃ ج۲ ص۲۷۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ انہوں نے کبھی بھی
ب نبی کریم ﷺ کی شرمگاہ کو نہیں دیکھا (اور نہ ہی حضرت ﷺ نے)

یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ میاں بیوی تنہائی میں ایک دوسرے کی شرمگاہ
یکھ تو سکتے ہیں لیکن نہ دیکھنا اولیٰ ہے۔ (سکن الانھر علیٰ مجمع الانھر ج۲ ص۵۳۹)

ج کی نیت سے پردے والے حصے کو دیکھنا

جسم کے جس حصہ کو چھپانا فرض ہے اگر اس میں کوئی تکلیف زخم وغیرہ ہو اس کو
لے بغیر علاج ناممکن ہو تو شدت ضرورت کی وجہ سے بقدر ضرورت کھولنا جائز ہے
رت ملاحظہ فرمائیں،

"وفی نظر الطبیب الیٰ موضع المرض ضرورة فیرخص لهم احیاء لحقوق الناس ودفعا لحاجتهم فصار کنظر الختان .....الخ (تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ج۶ ص۱۷ کتاب الکراہت فصل فی النظر والمس)

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله ولا ينبغي للمرأة الصالحة ان تنظر اليها المرأة الفاجرة لانها تصفها عند الرجال فلا تضع جلبابها ولا خمارها كما في السراج (فتاویٰ شامی ج۹ ص۶۱۳ فصل فی النظر والمس)

مخلوط نظام تعلیم میں مفاسد مذکورہ کے علاوہ لڑکوں کے ساتھ میل جول اور بے تکلفی کی وجہ سے آپس میں دوستی عشق بازی اور بدکاری جیسے گھناؤنے افعال سرزد ہوتے ہیں اس لئے مخلوط نظام تعلیم سے بچنے کی پوری کوشش ہونی چاہیے۔

عورتوں کے حقوق

اسلام ایک کامل واکمل نظام حیات فراہم کرتا ہے، اس میں ہر ایک کے حقوق کا خیال رکھا گیا ہے چاہے مرد ہو یا عورت۔ عورت کو تو خصوصی مقام دیا گیا ہے اسلام سے پہلے اس کا کوئی تصور ہی نہیں تھا اس مقام کے ساتھ ساتھ فتنہ وفساد اور بے حیائی کی روک تھام کے لئے ان کو پردے اور حجاب کا حکم دیا گیا جو اسے پہلے حاصل نہیں تھا۔ دور حاضر میں یورپ جس طرح دوسرے امور میں خلاف فطرت کام کرتا ہے اس لئے عورتوں کی حقوق کی آڑ میں عورتوں کی غیر فطری آزادی اور بے حیائی کو عام کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے جبکہ بعض نام نہاد مسلمان بھی یورپ کے اس ناپاک طریقے کو عام کرنے کی سعی لاحاصل کرتے ہیں۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے

’’وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی وَاَقِمْنَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتِیْنَ الزَّکٰوۃَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ‘‘ (احزاب آیت ۳۳)

اور گھروں میں ٹھہری رہو زمانہ جاہلیت کی زیب وزینت اور نمائش ترک کرو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے

"یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا"

(سورۂ احزاب آیت ۳۲)

اے نبی ﷺ کی عورتوں تم نہیں ہو جیسے ہر کوئی عورتیں اگر تم ڈر رکھو سو تم دب کر بات نہ کرو پھر لالچ کرے کوئی جس کے دل میں روگ ہے اور کہو بات معقول۔

ان آیات کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ بلاضرورت پردہ کے ساتھ بھی باہر نکلنا اچھا نہیں ہے جہاں تک ہو سکے نامحرم کی نظروں سے لباس بھی پوشیدہ رکھنا چاہیے۔

جنابِ نبی کریم ﷺ کے دور سے چند حکایات

بخاری شریف میں ہے کہ بی بی صاحبہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ایک سفر میں غلطی سے پیچھے رہ گئی تھیں، سب لوگ آگے نکل گئے، آپ ﷺ نے ایک صحابی کو مقرر کیا تھا صفوان ذکوانی کو کہ قافلے سے گری پڑی چیزیں کہیں ہوں تو وہ اٹھاؤ، اس نے آ کے دیکھا تو بی بی صاحبہ بیٹھی ہوئی ہے اس نے دیکھتے ہی انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا کہ حضرت بی بی عائشہ اکیلی بیٹھی ہے اور بی بی صاحبہ کو کہا کہ آپ کجاوے پہ بیٹھ جائیں اور اپنی چادر اس طرح کجاوے کے آگے ڈالی اور کہا کہ اس کو پکڑیں تاکہ ہاتھ ہاتھ سے نہ لگے اور بی بی فرماتی ہیں" فخمرت وجھی بجلباب "(بخاری ج ۲ ص ۵۹۴) میں نے کپڑے میں اپنا چہرہ ڈھانکا حالانکہ وہ ام المؤمنین ہیں قیامت تک مسلمانوں کی ماں

ہے، قرآن کہتا ہے "وازواجه امهات" لیکن پردہ اور حجاب میں کسی قسم کی رعایت نہ کی۔

ایک اور واقعہ حیران کن ہے، سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جو اسلام کا سپہ سالار ہے اور عشرہ مبشرہ میں سے ان دس صحابہ میں سے ہے جن کو دنیا میں جنت کی بشارت دی گئی ہے ان کے بھائی تھے سعد ابن عتبہ اور اس نے ایک کنیز کا ذکر کیا تھا کہ اس کے ساتھ میں نے جاہلیت میں بدفعلی کی ہے اگر یہ بچہ دے تو وہ تیرا بھتیجا ہوگا۔ اس زمانے میں زنا سے بھی بچے ثابت ہوتے تھے جیسے نکاح سے ہوتے ہیں، جیسے جاہلی دور تھا وہ حرام وحلال ختم کر چکے تھے وہ بچہ پیدا ہو گیا تھا اور بڑا ہو رہا تھا لیکن مسلمان کمزور تھے سعد ابن ابی وقاص کچھ کر نہیں سکتے تھے۔ جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اور مسلمانوں کو زور مل گیا تو انہوں نے کہا کہ یہ بچہ میرے بھائی کا ہے اور یہ مجھے دے دیا جائے اُس نے وصیت کی ہے اس کے اور رشتہ دار جو تھے وہ اکڑ گئے نہیں یہ تو ہماری کنیز سے پیدا ہوا ہے تم کون ہو تمہارا بھائی کون ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں جھگڑا پیش ہوا آپ نے سعد کو کہا کہ زنا سے اولاد ثابت نہیں ہوتی لیکن آپ نے بچے کو غور غور سے دیکھا تو وہ تھا زانی کی طرح تو ام المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو کہا کہ تم اس کو بھائی نہ سمجھنا یہ شریعت کے احترام سے ہم نے ان کا نسب زنا سے نہیں مانا تو بخاری میں اس طرح آتا ہے کہ اس نے بی بی کو اور بی بی نے اس کو مرتے دم تک نہ دیکھا کیونکہ جائز نہیں تھا وہ پرایہ آدمی تھا اور غیر آدمی کا کسی خاتون اجنبیہ کو دیکھنا ناجائز ہے۔

قال جاءت امرأة الى النبى ﷺ يقال لها ام خلاد وهى متنقبة تسأل عن ابنها وهو مقتول فقال لها بعض اصحاب النبى ﷺ جئت تسئلين عن ابنك وانت متنقبة فقالت ان أرزأ ابنى فلن أرزأ حيائى

فقال رسول اللہ ﷺ ابنک لہ اجر شهيدين قالتولم ذاک یا رسول اللہ قال لانه قتله اهل الكتاب"

(سنن ابی داؤد ج اص ۳۵۹ کتاب الجہاد باب فضل قتل الروم علی غیرھم من الامم)

حضرت ام خلاد رضی اللہ عنہا کا صاحبزادہ ایک جہاد کے موقع پر شہید ہو گیا تھا ام خلاد چہرے پر نقاب لگا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں ان کی یہ حالت دیکھ کر کسی صحابی نے کہا کہ تم اپنے بیٹے کا حال معلوم کرنے کے لئے آئی ہو؟ ام خلاد نے جواب دیا اگر بیٹے کے بارے میں مصیبت زدہ ہوگئی ہوں تو ہرگز میں اپنی شرم کھول کر مصیبت زدہ نہیں بنوں گی، یعنی حیا کا چلا جانا ایسی ہی مصیبت زدہ کرنے والی چیز ہے جیسے بیٹے کا مر جانا، حضرت ام خلاد رضی اللہ عنہا کے پوچھنے پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے بیٹے کے لئے دو شہیدوں کا ثواب ہے انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس لئے کہ اسے اہل کتاب نے قتل کیا ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہو گیا کہ پردہ ہر حال میں ضروری ہے۔

"عن جابر ان رسول اللہ ﷺ رای امراة فاتی امرأته زينب وهی تمعس منيئة لها فقضى حاجته ثم خرج الى اصحابه فقال ان المرأة تقبل فی صورة شيطان وتدبر فی صورة شيطان فاذا ابصر احدكم امرأة فليأت اهله فان ذلک يرد ما فی نفسه. (مسلم ج ا ص ۴۴۹)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جناب نبی کریم ﷺ کی نظر مبارک ایک عورت پر پڑی اس کے بعد آپ اپنی زوجۂ مطہرہ حضرت زینب کے پاس تشریف

لائے اور وہ کسی چمڑے کو رگڑ رہی تھیں حضرت نے اپنی حاجت پوری فرمائی پھر صحابہ کرام کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ عورت آتی بھی شیطان کی شکل میں ہے اور جاتی بھی شیطان کے روپ میں ہے پس جب بھی تم کسی عورت کو دیکھو وہ فوری اپنی بیوی کے پاس جائے پس ایسا کرنے سے جو کچھ اس کے جی میں ہوگا اتر جائے گا۔

"عن عبد اللہ عن النبی ﷺ قال المرأة عورة فاذا خرجت استشرفها الشیطان ھٰذا حدیث حسن صحیح غریب"

(ترمذی ج ۱ ص ۱۴۰ باب ماجاء فی کراھیۃ دخول عن المغیبات)

شریعت میں عورتوں کو پردہ کرنے کی بہت تاکید فرمائی گئی ہے ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ "عورت چھپانے کی چیز ہے جب وہ مکان سے باہر نکلتی ہے تو شیطان جھانکتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو عورت خوشبو لگا کر مردوں کے قریب سے گزرتی ہے وہ ایسی ہے یعنی بدکاری کی دعوت دینے والی۔

"عن نافع عن ابن عمر ان النبی ﷺ نھی ان یمشی یعنی الرجل بین المرأتین" (سنن ابی داود ج ۲ ص ۳۷۵)

عورتیں کناروں میں چلیں مرد درمیان میں چلیں عورتیں مردوں کے ساتھ مل کر نہ چلیں، اس روایت سے واضح ہوا کہ اگر راستہ چھوٹا ہو تو حکم یہ ہے کہ عورت دیوار کے ساتھ چمٹ کر کھڑی ہو جائے ایک دوسرے سے بچ کر نکلیں۔ جب مردوں کے ساتھ چلنا منع ہے تو دیگر حالتوں میں اختلاط کیسے جائز ہوگا؟

" واما الثالث وهو بيان ما يحل من ذالک وما يحرم للمرأة من المرأة فكل ما يحل للرجل ان ينظر اليه من الرجل يحل للمرأة ان تنظر اليه من المرأة وكل مالا يحل له لا يحل لها فتنظر المرأة من المرأة الىٰ سائر جسدها الا مابين السرة والركبة...

لا يجوز لها ان تنظر مابين سرتها الى الركبة الا عند الضرورة"

(بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۲۴ کتاب الاستحسان)

کسی عورت کے لئے دوسری عورتوں کے سامنے بھی بالکل برہنہ ہونے کی اجازت نہیں ہے چاہے نہانے کے لئے ہو یا کسی اور وجہ سے، نوعمر خواتین کا اس طرح جلسہ کرنا کہ ان کی تعلیمی ترقی ہو اور غیر تعلیم یافتہ خواتین میں تعلیمی خواہش پیدا ہو، اور اظہار مافی الضمیر کا سلیقہ ان خواتین کو آجائے یہ اچھی بات ہے مگر اس میں فتنے کا بھی اندیشہ ہوتا ہے خاص کر جب مردوں کو بھی مدعو کیا جاتا ہے، اسی طرح دوسری جگہ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ ان کی آواز سنی جاتی ہے مکالمے نظم ترنم کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں خود عورتوں کا جمع ہونا بھی مستقل ایک فتنہ بن جاتا ہے، یہاں اس بات کو بھی یاد رکھا جائے کہ عورت کی آواز کا بھی پردہ ہے لہٰذا یہ بھی درست نہیں ہے اگر شوہر اجازت دے تو اس سلسلے میں وہ بھی معتوب ہوگا۔

اجنبیہ کو بطور نوکر رکھنا جائز تو ہے مگر احتیاط یہ ہے کہ اجنبیہ کو نہ رکھا جائے لیکن اگر کبھی اس کی نوبت آئے تو درج ذیل شرائط کی پابندی لازمی ہے۔

(۱) خاتون ملازمہ کو پابند کیا جائے کہ وہ ایسا لباس پہن کر کام میں مصروف رہے جس

میں سرتا پاؤں پورا جسم چھپا ہوا ہو۔

(۲) مردوں کے سامنے حتی الامکان نظریں نیچی رکھیں اور مرد بھی ضروری بات کرتے وقت نظریں نیچے رکھے۔

(۳) تنہائی اور خلوت سے بالکل اجتناب کیا جائے۔

(۴) مواقع تہمت اور ایسے اسباب سے اجتناب کیا جائے۔

(۵) مردوں کے سامنے آنے سے حتی الامکان پرہیز کیا جائے اور اگر بحالتِ مجبور آنا بھی پڑے تو چہرے کو چھپا کر آئے۔

(۶) جب گھر کے مردوں سے بات کرے تو آواز دھیمی رکھے۔

(۷) کام کرتے وات ایسے زیورات بھی نہ پہنے جن کی آواز سے لوگ متوجہ ہوں۔

(۸) گھر کے مردوں کے ساتھ تنہائی میں نہ رہیں۔

وما علینا الا البلاغ

زکوٰۃ کے نوے (۹۰) اہم مسائل

(۱) زکوٰۃ ہر صاحبِ نصاب، مسلمان، عاقل، بالغ، مرد، عورت پر سال گزرنے کی شرط کے ساتھ فرض ہے

(۲) نابالغ بچوں، مجنون، کافر اور زرخرید غلام پر زکوٰۃ فرض نہیں۔

(۳) سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ

(۴) چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولہ

(۵) نقدی کا نصاب ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت، مالِ تجارت کا نصاب ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت ہے۔

(۶) سونا چاندی خواہ کسی بھی صورت میں ہو خام ہو یا زیورات ہوں، زیورات چاہے تجارت کی غرض سے رکھے ہوں یا استعمال کے ہوں پہننے کے لئے، جب نصاب کو پہنچ جائیں تو زکوٰۃ فرض ہے۔

(۷) نقدی کا حساب بھی ساڑھے باون تولے چاندی کے حساب سے لگایا جائے گا یعنی جب نقدی ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت کے برابر ہو جائے تو وہ نصاب ہے اور اس کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے۔

(۸) ہیرے جواہرات، قیمتی پتھروں کو شریعت مال نہیں مانتی

(۹) اس لئے اگر کسی کے پاس کروڑوں روپے کے ہیرے یا قیمتی پتھر ہوں جو اس زینت اور جائداد کی طرح رکھے ہیں تو اس پر زکوٰۃ نہیں۔

(۱۰) لیکن اگر کسی کی تجارت کا دارومدار انہی ہیرے، جواہرات اور قیمتی پتھروں پر

اور وہ منڈی میں لے جا کر اس کی خرید وفروخت کرتا ہے تو اس سے حاصل شدہ رقم پر سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ فرض ہے۔

(۱۱) جس قدر مال ہے اس کا چالیسواں حصہ دینا فرض ہے

(۱۲) یعنی زکوٰۃ میں ڈھائی فیصد مال دیا جائے گا، سونا، چاندی اور مال تجارت کی ذات پر زکوٰۃ فرض ہے اس کا چالیسواں حصہ دیا جائے گا۔

(۱۳) اگر اس کی قیمت دی جائے تو یہ بھی جائز ہے مگر قیمت خرید کے حساب سے زکوٰۃ نہیں دی جائے گی۔

(۱۴) زکوٰۃ واجب ہونے کے وقت جو قیمت ہوگی اس کا چالیسواں حصہ دینا ضروری ہے۔

(۱۵) رمضان المبارک میں زکوٰۃ کی ادائیگی اس اعتبار سے بہتر ہے کہ اس مہینہ میں ایک عمل کا ثواب ستر (۷۰) گنا بڑھا کر دیا جاتا ہے۔

(۱۶) اگر سال مکمل ہونے میں کچھ مہینے ابھی باقی ہوں اور رمضان آگیا تو پسندیدہ بات یہی ہے کہ زکوٰۃ رمضان المبارک میں ادا کردیں۔

(۱۷) لیکن اگر سال رمضان سے دو یا تین مہینے پہلے مکمل ہوگیا ہے تو اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ آپ رمضان کا انتظار کریں اور اپنی زکوٰۃ روکے رکھیں، ایسا کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

(۱۸) زکوٰۃ کی ادائیگی کبھی بھی اندازے سے نہیں ہوتی۔

(۱۹) زکوٰۃ حساب کے ساتھ فرض ہے، ایک ایک چیز کا علیحدہ سے حساب لگا کر زکوٰۃ دینا

ضروری ہے۔

(۲۰) اگر مال ہے تو مکمل طور پر حساب کتاب ضروری ہے، سونا چاندی وغیرہ کی صورت میں ان کو تلوا کر یا تو اسی میں سے زکوٰۃ دی جائے۔

(۲۱) اگر ایسا ممکن نہیں ہے تو پھر اس کی رقم کا حساب لگا کر پھر زکوٰۃ کا مال اس میں سے الگ کر لیا جائے۔

(۲۲) زکوٰۃ کے لئے مستحق کا تلاش کرنا بہت ضروری ہے۔

(۲۳) بعض لوگ جان چھڑانے کے لئے کسی بھی جگہ زکوٰۃ جمع کرا دیتے ہیں جو کہ ایک غلط عمل ہے۔

(۲۴) ایسا کرنے سے زکوٰۃ ضائع ہونے کا خدشہ ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ مستحق کا حق ہے اور غیر مستحق کے ہاتھ زکوٰۃ کا لگنا زکوٰۃ ضائع ہونے کے مترادف ہے۔

(۲۵) آج کل دیکھنے میں آتا ہے کہ لوگ اپنے گھر میں کام کرنے والیوں کو زکوٰۃ دیتے ہیں اس معاملہ میں احتیاط ضروری ہے۔

(۲۶) اس میں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ وہ مستحق بھی ہے یا نہیں کیونکہ اکثر کے پاس اتنا سونا ہوتا ہے کہ جس پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے لیکن لوگ اس میں بے احتیاطی کرتے ہیں۔

(۲۷) لیکن اگر وہ مستحق ہیں تو اُن کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

(۲۸) ایسے اداروں میں زکوٰۃ دینا جن کے یہاں ''بلا امتیازِ مذہب'' کی بنیادوں پر کام کیا جاتا ہے جائز نہیں ہے۔

(۲۹) کیونکہ زکوٰۃ کے احکام میں یہ سب سے اہم اور ضروری بات ہے کہ آپ کی زکوٰۃ

مسلمان کو ہی ملے۔

(۳۰)　اگر آپ کی زکوٰۃ کسی غیر مسلم جیسے ہندو، عیسائی، یہودی، مرزائی وغیرہ کو دی گئی تو وہ زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔

(۳۱)　یا اگر اس رقم سے اُن کے خورد و نوش اور دیگر ضروریات پوری کی گئیں تو بھی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی اور وہ آپ کے ذمہ پر باقی رہے گی۔

(۳۲)　دور حاضر میں زکوٰۃ کے بہترین مصارف دینی مدارس ہیں جہاں لاکھوں کی تعداد میں طلبہ دینی علوم حاصل کرتے ہیں، ایسی صورت میں اپنی زکوٰۃ کی رقم دینی مدارس میں جمع کروانا اس وقت بہترین اور محفوظ عمل ہے۔

(۳۳)　واضح رہے کہ یہی قران کریم کا بھی حکم ہے۔

(۳۴)　زکوٰۃ ادا ہونے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ جو رقم کسی مستحق کو زکوٰۃ میں دی جارہی ہے وہ اس کی کسی خدمت کے معاوضہ میں نہ ہو، جیسے کسی ملازم کی تنخواہ وغیرہ۔

(۳۵)　اگر زکوٰۃ کو اس کے ساتھ ملا دیا گیا تو اس صورت میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

(۳۴)　وہ لوگ جن سے آپ پیدا ہیں جیسے ماں باپ، دادا، دادی، نانا، نانی اور اوپر تک ان کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔

(۳۵)　اسی طرح جو آپ سے پیدا ہیں جیسے بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسہ، نواسی اور نیچے تک ان کو بھی زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔

(۳۶)　اگر وہ غریب اور تنگ دست ہیں تو آپ پر ان کی مدد کرنا واجب ہے۔

(۳۷)　حدیث شریف میں ارشاد فرمایا ہے ”وفی مالک حق سوا الزکوٰۃ“ کہ

تمہارے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی اور حقوق ہیں ان کو زکوٰۃ کے علاوہ مال سے پورا کرو۔

(۳۸) شوہر اپنی بیوی کو اور بیوی اپنے شوہر کو بھی زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔

(۳۹) بھائی، بہن، بھتیجا، بھتیجی، بھانجا، بھانجی، خالو، خالہ، ماموں، ممانی، چچا، چچی، ساس اور سسر کو زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے۔

(۴۰) زکوٰۃ میں مالک بنانا ضروری ہے یعنی جس کو زکوٰۃ دی جارہی ہے اس کو مالکانہ طور پر دے دی جائے جس میں اس کو ہر طرح کا اختیار ہو اس کے مالکانہ قبضہ کے بغیر زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

(۴۱) کسی مردے کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی جیسے زکوٰۃ کی رقم سے کفن وغیرہ خریدا یا قبر بنوائی ایسی صورت میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

(۴۲) اسی طرح مسجد کی تعمیر میں بھی زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔ اور زکوٰۃ کی رقم سے مسجد کے لئے چیزیں بھی نہیں خریدی جاسکتیں۔

(۴۳) نہ ہی قرآن کریم کے نسخے، سپارے یا دیگر دینی کتب زکوٰۃ کی رقم سے خرید کر مسجد میں رکھی جاسکتی ہیں۔

(۴۴) اگر کسی کی ملکیت میں ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا ہے یا اس میں سے کسی ایک کی قیمت کے برابر رقم ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔

(۴۵) یاد رہے کہ نقد مال بھی چاندی کے حکم میں ہے۔

(۴۶) سامان تجارت اگر ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہے تو اس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔

(۴۷) سونے اور چاندی کی ہر چیز پر زکوٰۃ فرض ہے۔
خواہ وہ زیور، برتن، اصل زری اور سونے اور چاندی کے بٹن وغیرہ جو کپڑوں میں لگے ہوئے ہوں ان پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔

(۴۸) پہننے کے کپڑے خواہ کتنے بھی زیادہ ہوں اور کتنے ہی قیمتی ہوں اُن پر کوئی زکوٰۃ نہیں ہے۔

(۴۹) اگر ان کپڑوں میں سونا اور چاندی کا کام ہوا ہے تو اس پر حساب کے مطابق زکوٰۃ ضروری ہے۔

(۵۰) مثلاً اگر کسی کے پاس ۸۰ تولہ چاندی ہے اور کپڑوں میں بھی ۲۰ تولے چاندی لگی ہوئی ہے تو اب یہ شخص ۱۰۰ تولہ چاندی کی زکوٰۃ ادا کرے گا اسی طرح سونے کا حساب بھی لگایا جائے گا۔

(۵۱) اگر کسی کے پاس بہت ساری اشیاء ہیں جیسے سونا، چاندی، نقدی اور مال تجارت وغیرہ اور ان میں سے کوئی بھی چیز نصاب کو نہیں پہنچ رہی تو ایسی صورت میں ان سب کو ملا کر دیکھا جائے گا، اگر ان سب کو ملا کر مجموعی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کی بن جائے تو پھر زکوٰۃ فرض ہوگی اور اگر اس سے کم بنی تو زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی۔

(۵۲) اگر ہر مال یعنی سونا، چاندی، نقدی اور مالِ تجارت سب کے سب نصاب کو پہنچ رہے ہیں تو سب کی زکوٰۃ الگ الگ حساب کر کے دی جائے گی۔

(۵۳) کارخانوں اور ملوں وغیرہ میں جو مشینیں استعمال ہوتی ہیں ان پر زکوٰۃ نہیں ہوتی۔

(۵۴) لیکن ان مشینوں سے جو بھی مال تیار کیا جاتا ہے اس مال پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے۔

(۵۵) فیکٹریوں، کارخانوں اور ملوں میں جو خام مال، سامان تیار کرنے کے لئے رکھا جاتا ہے اس پر بھی زکوٰۃ ہوتی ہے۔

(۵۶) اگر کسی کے پاس وسیع وعریض کتب خانہ ہے جس میں لاکھوں کی کتابیں ہیں اور وہ اس کے ذاتی مطالعہ کی ہیں تو اس پر بھی زکوٰۃ نہیں ہوتی۔

(۵۷) اگر یہ کتابیں تجارتی غرض کے لئے ہیں یعنی ان کتابوں کی مستقل خرید وفروخت ہوتی ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔

(۵۸) کسی ایک مستحق کو اتنا مال دیا کہ وہ بھی صاحب نصاب ہوگیا تو ایسا کرنا مکروہ ہے۔

(۵۹) بصورتِ دیگر لیکن اگر دے دیا تو زکوٰۃ کی ادائیگی ہوجائے گی، نصاب سے کم مال دینا بغیر کراہیت کے جائز ہے۔

(۶۰) اگر صاحبِ نصاب چاہے تو کسی سال کی پیشگی زکوٰۃ بھی دے سکتا ہے ایسا کرنا جائز ہے۔

(۶۱) لیکن اگر بعد میں سال پورا ہونے کے اندر اندر اس کے مال میں اضافہ ہوا تو اس بڑھے ہوئے مال کی زکوٰۃ مستقل طور پر ادا کرنی ہوگی۔

(۶۲) اگر کسی شخص نے اپنے مال کا کچھ حصہ جو نصاب سے زیادہ ہے کسی کو قرض دیا ہوا ہے تو اس قرض دیئے ہوئے مال کی زکوٰۃ یہی شخص ادا کرے گا، جس نے قرض دیا ہے اگرچہ وہ رقم ابھی اسے واپس نہ ملی ہو۔

(۶۳) اگر کسی مالدار شخص نے کسی کو مستحق سمجھ کر زکوٰۃ دی اور بعد میں یہ معلوم ہوا کہ وہ شخص کافر تھا تو اس صورت میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، دوبارہ ادا کرنا پڑے گی۔

(۶۴) اگر کسی مالدار کو یہ علم ہوا کہ اس نے اندھیرے میں یا اور کسی مغالطہ کی وجہ سے جو زکوٰۃ ادا کی ہے وہ اس نے اپنے بیٹے، بیٹی، ماں، باپ، بیوی یا شوہر یا پھر کسی سید (بنو ہاشم) کو دے دی ہے تو اس میں دو صورتیں ہیں

(۶۵) پہلی یہ کہ اگر اس نے دینے سے پہلے تحری (سوچ بچار) کی تھی تو زکوٰۃ کا اعادہ نہیں ہوگا۔

(۶۶) لیکن اگر ایسی ہی بغیر کسی سوچ بچار یا تحقیق کے دی تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی اس کا اعادہ ضروری ہے۔

(۶۷) ایسے پلاٹ یا دوکان جو کہ کسی شخص نے کچھ پیسے بچا کر لیا ہے اور اس سے کوئی تجارت نہیں کرتا ہے تو اس پر زکوٰۃ نہیں آئے گی چاہے وہ کتنے ہی ہوں۔

(۶۸) لیکن اگر کسی کا کام یہی ہے کہ وہ پلاٹ یا دوکان خریدتا ہے اور بیچتا ہے اور اسی سے اس کا کاروبار چلتا ہے تو اس صورت میں سال مکمل ہونے کے بعد زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

(۶۹) اگر کسی شخص کے پاس بہت سارے مکان ہیں اور وہ ان کو کرائے پر چلاتا ہے تو مکان چاہے کتنی بھی مالیت کے ہوں ان کی اصل رقم پر کوئی زکوٰۃ نہیں آئے گی۔

(۷۰) لیکن ان مکانات سے جو کرایہ حاصل کیا جاتا ہے اگر سال گزرنے کے بعد وہ نصاب کو پہنچ جاتا ہے تو اس کی زکوٰۃ فرض ہوگی۔

(۷۱) اگر کسی کو انعام کے نام پر زکوٰۃ کی رقم دی تو اس صورت میں زکوٰۃ ادا ہو جائے گی شرط یہ ہے کہ جس کو انعام دیا جا رہا ہو وہ مستحق زکوٰۃ ہو۔

(۷۲) اسی طرح کسی غریب مستحق یا اس کے بچوں کو عیدی اور تحائف وغیرہ میں بھی زکوٰۃ کی رقم صَرف کی جاسکتی ہے۔

(۷۳) زکوٰۃ کو ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل کرنا مکروہ ہے۔

(۷۴) لیکن اگر جس علاقے میں انسان خود رہتا ہے وہاں کے لوگوں کی حاجت روائی کے بعد بھی زکوٰۃ کی رقم بچتی ہے تو اسے دوسرے شہر بھیجا جاسکتا ہے۔

(۷۵) بنو ہاشم یعنی ''سید'' کو بھی زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی، جو دی گئی وہ باطل ہے دوبارہ ادا کرنی ہوگی۔

(۷۶) خاتون کا مہر لاکھ، دولاکھ، دس لاکھ یا بیس لاکھ جتنا ہو جب وہ نصاب کو پہنچ گیا ہو اور وہ اس خاتون کو مل بھی گیا ہو تو اس پر بھی زکوٰۃ خاتون کے ذمہ ہے۔

(۷۷) لیکن اگر مہر ابھی خاوند نے ادا نہیں کیا ہے اور خاتون جب چاہے گی اس سے لے لے گی تو اب اس مال کی زکوٰۃ خاوند ہی کے ذمہ ہے۔

(۷۸) اس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی وہ خاوند ہی کی ملکیت میں ہے اور خاتون کے پاس نہیں گیا ہے اور وہ اس کی مالک نہیں بنی ہے۔

(۷۹) یاد رہے خاتون مہر کی مالک صرف نام رکھنے سے نہیں بنتی، مالک تب بنے گی جب رقم اس کی ملکیت میں دے دی جائے گی۔

(۸۰) **بھیڑ، بکری اور دنبہ کی زکوۃ کا طریقہ کار :**

زکوٰۃ میں سال سے کم عمر کا بچہ دینا جائز نہیں ہے۔ ۴۰ سے کم جانوروں پر زکوٰۃ نہیں فرض ہوگی۔

(۸۱) ۴۰ جانوروں پر ایک (۱) جانور دیا جائے گا ۱۲۰ تک۔

(۸۲) ۱۲۱ جانوروں پر دو (۲) جانور دیئے جائیں گے ۲۰۰ تک۔

(۸۳) ۲۰۱ جانوروں پر تین (۳) جانور دیئے جائیں گے ۳۹۹ تک۔

(۸۴) ۴۰۰ جانوروں پر چار (۴) جانور دیئے جائیں گے ۵۰۰ تک۔

(۸۵) ۵۰۰ جانوروں کے بعد ہر سو جانوروں پر ایک جانور بڑھتا جائے گا۔

(۸۶) **گائے، بیل، بھینس کی زکوۃ کا طریقہ کار :**

زکوٰۃ میں ایک سال کا جانور دینا ضروری ہے اور ۳۰ جانوروں سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

(۸۷) ۳۰ جانوروں پر وہ بچہ دیا جائے گا جس کا ایک سال مکمل ہو چکا ہو۔

(۸۸) ۴۰ جانوروں پر وہ بچہ دیا جائے گا جس کے دو سال مکمل ہو چکے ہوں۔

(۸۹) ۶۰ جانوروں پر دو (۲) ایسے بچے دیئے جائیں گے جن کا ایک سال مکمل ہو گیا ہو

(۹۰) ۶۰ کے بعد ہر دس جانوروں کے اضافہ پر نصاب بدلتا جائے گا۔

بسم الله الرحمن الرحيم

لا قوة الا بالله

بدعتیوں کے بارے میں دوٹوک فتویٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوال (۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرح متین مسئلہ ہذا کے بارے میں کہ بر صغیر پاک وہند میں بہت سے ایسی مساجد جن میں بریلوی مکتب فکر کے افراد فریضہ امامت سرانجام دیتے ہیں۔اور عموماً درجہ ذیل عقائد ونظریات کے حامل ہیں۔

۱۔ تمام انبیاء واولیاء بالخصوص آنحضرت ﷺ ہر وقت، ہر جگہ حاضر وناظر اور عالم ما کان وما یکون یعنی علام الغیوب ہوتے ہیں۔

۲۔ حضرت محمد ﷺ کو انسان اور بشر کہنا گستاخی و بے ادبی ہے بلکہ آپ ﷺ کی تخلیق اللہ تعالیٰ کے ذاتی نور سے ہوئی۔

۳۔ غیر اللہ کے نام کی نذر ونیاز مثلاً گیارہویں شریف وغیرہ حلال وطیب اور ان کا کھانا باعث اجر وثواب ہے۔

۴۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کائنات کے مشکل کشا اور شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ ہمارے غوث الاعظم، فریادرس اور دستگیر ہیں۔

۵۔ دیوبندی، تبلیغی جماعت وہابی، شافعی، مالکی، حنبلی، وغیرہ حتیٰ کہ بیت اللہ شریف اور مسجد نبوی کے امام (معاذ اللہ) گستاخ، کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں اور ان میں

سے کسی کی اقتداء میں نماز نہیں ہوتی۔

بلکہ بقول احمد رضا خان بریلوی جو شخص دیوبندیوں اور وہابیوں کے کفر میں شک کرے یا کافر کہنے میں توقف کرے وہ بھی کافر ہے۔ جیسا کہ اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ اور متعدد کتب مثلاً احکام شریعت، فتاویٰ افریقہ اور فتاویٰ رضویہ وغیرہ اس پر شاہد ہیں) چنانچہ ان میں اکثر متعصب بریلوی حضرات، دوران ایام حج وعمرہ بھی اپنی نمازیں بغیر جماعت الگ سے پڑھتے ہیں۔ اور مسلمانان عالم کے ہمراہ حرمین شریفین کے ائمہ کرام کی اقتداء نہیں کرتے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا درج بالا یا اس جیسے دیگر بے شمار عقائد فاسدہ باطلہ شرکیہ رکھنے اور سینکڑوں اقسام کی بدعات قبیحہ کے مرتکب اشخاص کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

نیز ادا شدہ نمازوں کے لئے کیا حکم ہے؟

جبکہ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ تبلیغ واصلاح کی نیت سے ان لوگوں کی اقتداء میں نماز پڑھ لینا جائز ہے۔

براہ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں مفصل اور مدلل جواب دے کر امت مرحومہ کی رہنمائی فرمائیں۔

والسلام مع الاکرام

السائل محمد جمیل رحمانی عفی عنہ راولپنڈی

ذیقعدہ ۱۴۲۲ھ

الحمد للہ رب العالمین وصل اللہ علی رسو له الکریم و نبیه الامین وعلی آله واصحا به اجمعین ،اما بعد !

فا عو ذ با للہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُوْنَ (سورة یوسف ۱۰۶)

اور ایمان نہیں لاتے اکثر یہ اللہ تعالیٰ پر مگر ساتھ شرک بھی کرتے ہیں۔

یعنی منہ سے سب کہتے ہیں کہ خالق مالک سب کا وہی ہے پھر اوروں کو پکڑتے ہیں یعنی حاجت روا، کارساز اور مشکل کشا۔ حق تعالیٰ پر ایمان تب معتبر ہے جب اس کے ساتھ بدعت کا ارتکاب نہ ہو یہ دونوں حقیقتیں مسلمہ ہیں اور اس پر صدہا نصوص کتاب وسنت کے شواہد ہیں، اگر کوئی شخص حق تعالیٰ کی ذات وصفات پر ایمان لاتے ہوئے حق تعالیٰ کے نیک بندوں کو اس کا شریک ٹھراتے ہوں تو یہ شخص مشرک ٹھرتا ہے اور اس پر شرک کے احکام نافذ ہونگے۔ نزول قرآن کے وقت تین فرقے ایسے موجود تھے جو اللہ تعالیٰ کے مقدس اور برگزیدہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو خداوندی صفات واختیارات میں شریک ٹھہراتے تھے۔ مثلاً یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور مشرکین مکہ فرشتوں کو نہایت عقیدت ومحبت میں خدا کی صفات واختیارات میں شامل کر چکے تھے۔ جنہیں قرآن کریم نے ببانگ دھل کفار اور جہنمی کہا۔ واضح رہے کہ یہ لوگ کبھی بھی اپنے آپ کو کافر یا مشرک نہیں سمجھتے تھے مگر ان کے عقائد واعمال میں چونکہ شرک آچکا تھا اس لئے

قرآن نے کہا۔

" لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ "(سورۂ مائدہ،۷۳)

یعنی اللہ کے ساتھ شرک کرنے والے پکے کافر ہو چکے ہیں اور یہ سب کچھ وہ عقیدت ومحبت کے بہترین عنوان سے کرتے تھے بلکہ آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کو انبیاء کو اللہ کے بندے اور رسول کہنے سے انہیں بے ادبی کا مرتکب سمجھتے تھے۔

" لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا "

(سورۂ نساء ۱۷۲)

ترجمہ : اور ہرگز عار نہیں سمجھیں گے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور نہ اللہ کے مقرب فرشتے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں اور جو کوئی اس کی بندگی کو عار سمجھے اور تکبر کرے پس وہ ان سب کو اپنے پاس جمع کرے گا۔ واضح رہے کہ زمانہ حال میں مبتدعین کے یہاں عقائد میں شرک او ربہت ساری وجوہ سے ارتکاب کفر بلکہ ان کی بدعات ہی مکفرات ہیں، کیونکہ بدعت کی دو قسمیں اہل اللہ کے ہاں معروف ہیں ایک مفسقہ جس کے کرنے سے بندہ فاسق ہوتا ہے۔ اور دوسری مکفرہ جس کا مرتکب کافر ہوتا ہے۔

صحیح بخاری میں موجود ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا وقعہ بیان کیا ہے کہ۔ انہوں نے حبشہ میں ایک چرچ دیکھا تھا، جس میں مورتیاں نصب تھیں۔ یہ واقعہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت ﷺ کو بیان کیا

فقال رسول اللہ ﷺ اولئک قوم اذا مات فیھم العبد الصالح او

الرجل الصالح بنوا علی قبرہ مسجدا وصوّروا فیہ تلک الصور اولئک شرار الخلق عند اللہ (بخاری ج ا ص ۶۲)

جناب نبی کریم ﷺ مرض الوفات میں چہرے سے بار بار چادر اٹھاتے تھے اور فرماتے تھے،

"لعن اللہ الیہود والنصاریٰ اتخذو اقبو رانبیاء ھم مساجد"

(بخاری کتاب الجنائز ج ا ص ۱۷۷)

کبھی آپ ﷺ فرماتے تھے

"قاتل اللہ الیہود اتخذو اقبور انبیاء ھم مساجد.

پھر جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

لعنة اللہ علی الیہود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیائھم مساجد"

(بخاری کتاب الصلوٰۃ ج ا ص ۶۲)

بلکہ جو پانچ مورتیاں سورۃ نوح میں ذکر ہوئی ہیں

"وقالو الا تذرن الھتکم ولاتذرن ودّا وّلا سواعا ولا یغوث ویعوق ونسرا"

وھی اسماء رجال صالحین من قوم نوح علیہ السلام فلما ھلکوا اوحی الشیطان الی قومھم ان انصبوا الی مجالسھم التی یجلسون فیھا انصابا وسموھا باسمائھم ففعلوا فلم تعبد حتی اذا ھلک اولئک ونسخ العلم عبدت (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۴۲۶)

یہ سب حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے بزرگ تھے جب یہ فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کی قوم میں آ کر وسوسہ ڈالا کہ ان کی مجالس میں ان کی مورتیاں نصب کر و اور انکوان کے نام سے پکارو تو قوم نے ایسا ہی کیا مگر ان کی پرستش نہ کی گئی مگر بعد میں جب ان کی نسل آئی اور علم سلب ہو گیا تو ان کی پرستش کی جانے لگی۔

عن محمد بن قيس ويغوث ويعوق ونسرا قال كانو قوما صالحين بين آدم ونوح وكان لهم اتباع يقتدون بهم فلما ماتوا قال اصحابهم الذين كانوا يقتدون بهم لو صورناهم كان اشوق لنا الى العبادة اذا ذكرناهم فصوروهم فلما ماتوا وجاء اٰخرون دب اليهم ابليس فقال انما كانوا يعبدونهم وبهم يسقون المطر فاعبدوهم ،

(تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۴۲۶ سورۂ نوح آیت ۲۳)

محمد ابن قیس سے منقول ہے کہ یغوث، یعوق اور نسر تینوں حضرات حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے مابین زمانہ کے نیک لوگ تھے ان کے کچھ پیروکار بھی تھے جو ان کی اقتداء کرتے تھے جب یہ بزرگان فوت ہو گئے تو ان کے مریدوں نے سوچا کہ اگر ہم ان کی مورتیاں بنالیں پھر ان کو یاد کریں تو عبادت میں ہمیں زیادہ لذت ملے گی پس انہوں نے ان کی مورتیاں بنا ڈالیں جب یہ لوگ بھی فوت ہو گئے تو ان کے بعد آنے والی نسل کو شیطان نے گمراہ کر دیا اور کہا کہ تمھارے آباء واجداد انہیں کی پرستش کرتے تھے اور انہیں سے بارش طلب کرتے تھے پس تم لوگ بھی ان کی پوجا کرو۔

امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ یہ جو لوگ درگاہوں میں

حاضر ہوتے ہیں اوران کی تعظیم کر کے انہیں اپنی مشکل کشائی اور حاجت روائی کے ذرائع سمجھتے ہیں یہ کفاراور مشرکین کی ایک واضح مثال ہے

سورۂ یونس کی آیت

”وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ “(سورۂ یونس آیت ۱۸)

ترجمہ : اور یہ پوجتے ہیں اللہ کے سوا ایسوں کو جو نہ ضرر دے سکتے ہیں اور نہ نفع دے سکتے ہیں اور یہ کہتے ہیں یہی ہمارے سفارشی ہونگے اللہ کے ہاں آپ فرمادیجئے تم بتانا چاہتے ہو اللہ کو ایسی چیزیں جن کو وہ جانتے تک نہیں آسمان وزمین میں وہ پاک ہے شریک سے اور وہ بلند وبرتر ہے کسی کی شرکت سے۔

امام رازی رحمہ اللہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں

”ونظیر ہ فی ھذا الزمان اشتغا ل کثیر من الخلق بتعظیم قبو ر الاکا بر علی اعتقادانھم اذا عظمو اقبورھم فا نھم یکو نون شفعا ء لھم عند اللہ (تفسیر کبیر ص ۲۲۷ جلد ۶ آیت ۱۸)

اور اس کی مثال اس زمانے میں بہت سارے لوگوں کا بزرگان دین کی درگاہوں کا تعظیم کرنا ہے وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ بزرگوں کی درگاہوں کی تعظیم کرنے سے وہ اللہ کے ہاں ان کے سفارشی بنیں گے۔غور کرلیا جائے کہ زمانہ حال کے مبتدعین اوران کے

عقائد واعمال، امام رازی رحمہ اللہ کے نزدیک وہی ہیں جو مشرکین کے عقائد واعمال تھے۔ اور جو آیات ان کے رد میں نازل ہوئی تھیں وہ ان ہی پر منطبق ہو رہی ہیں۔

واضح رہے عبادت کرنا بغیر اسباب وسائل کے دنیا سے جانے والے بزرگوں سے مدد مانگنا یا ان کو پکارنا شرعاً برابر جرم ہے چنانچہ مفسر اہل سنت علامہ الوسی بغدادی رحمہ اللہ تفسیر روح المعانی میں سورۂ کہف کی آیت

"افحسب الذين كفروا ان يتخذوا عبادى من دونى اولياء"

کی تفسیر میں لکھتے ہیں

"اى معبودين او انصارا لهم من بأسى"

(روح المعانی ج ۱۶ پارہ ۱۶ آیت ۱۰۲)

یعنی بزرگان دین کو اولیاء سمجھنا اس معنی میں کہ یہ ان کی عبادت کرتے تھے یا یہ ان کو چھڑاتے تھے ہماری تکلیفوں سے۔ گویا عبادت کرنا یا ان سے مدد مانگنا دونوں برابر کا شرک اور کفر ہے۔ شرک اور کفر کرنے سے ایمان چلا جاتا ہے۔ اور آدمی کافر اور مرتد ہو جاتا ہے۔ چنانچہ فریق مخالف کے مشہور مبتدع عالم مولوی نعیم الدین مرادآبادی مولوی احمد رضا خان کی "کنز الایمان" کے "خزائن العرفان" میں لکھتے ہیں۔

مسئلہ : شرک سے مسلمان مرتد ہو جاتا ہے۔

مسئلہ : مرتد کی سزا قتل ہے (خزائن العرفان ص ۱۴)

شرک اور کفر کی ایک مثال اس فرقے کا انبیاء علیہم السلام کی بشریت کا انکار ہے واضح رہے کہ انبیاء علیہم السلام کی بشریت بالخصوص آنحضرت ﷺ کی قطعی اور یقینی ہے۔ مگر یہ

مولوی نعیم الدین صاحب لکھتے ہیں

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کی کسی کو بشر کہنے سے اس کے فضائل وکمالات کے انکار کا پہلو نکلتا ہے۔اس لیے قرآن پاک میں جا بجا انبیاء کرام کو بشر کہنے والوں کو کافر کہا گیا ہے،۔اور حقیقت انبیاء کی شان میں ایسا لفظ ادب سے دور اور کفار کا دستور ہے۔

(خزائن العرفان حاشیہ ص ۵)

جبکہ قرآن وحدیث اور چودہ سو سالہ اسلامی تاریخ انبیاء کی بشریت کا قطعی ثبوت اور شاہد عادل ہے۔مفسر اہل سنت آلوسیؒ نبی ﷺ کے بشر کے منکر کو کافر قطعی کا فتویٰ ولی الدین عراقی (صاحب مشکوۃ) سے نقل کرتے ہیں۔

"وقد سئل الشيخ ولى الدين العراقى هل العلم بكو نه ﷺ بشراومن العر ب شرط فى صحة الا يما ن او من فروض الكفاية؟ فأجاب بأ نه شرط فى صحة الايما ن ثم قال فلو قال شخص اومن بر سالة محمدﷺ الى جميع الخلق لكن لا أدرى هل هو من البشراو من الملائكة او من الجن ،اولا أدرى هل هو من العر ب او العجم فلاشك فى كفره لتكذيبه القرآن وجحده ما تلقته قر ون الاسلام خلفا عن سلف وصار معلوما با لضرورة عند الخا ص والعام ولا اعلم فى ذلك خلا فا فلو كا ن غبياً لا يعرف ذلك وجب تعليمه ايا ه فان جحده بعد ذلك حكمنا بكفره .انتهى

(تفسیر روح المعانی ص ۲۴۳ پارہ ۴ آیت ۱۶۴)

یعنی شیخ ولی الدین عراقی (صاحب مشکوۃ) سے پوچھا گیا تھا۔ کہ یہ جاننا کہ آنحضرت ﷺ بشر تھے اور عربی تھے ایمان کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے یا فرض کفایہ ہے؟ پس انہوں نے جواب دیا کہ ایمان کی صحت کے لئے یہ شرط ہے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ میں آنحضرت ﷺ کو رسول مانتا ہوں کائنات کیلئے لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ کہ آپ بشر ہیں یا فرشتہ (نور) ہیں؟ اور میں یہ بھی نہیں جانتا یا آپ جن ہیں؟ آپ عرب میں سے تھے یا عجم میں سے؟ پس ایسے شخص کے کفر میں شک نہیں کیونکہ وہ قرآن کریم کی تکذیب کرتا ہے اور قرون اسلام سے ہر دور اور ہر زمانہ میں یہ معلوم اور خاص و عام کے ہاں ضروری رہا ہے۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں'' **ولا اعلم فی ذلک خلا فا** '' پس اگر کوئی نالائق ایسے سمجھتا ہے تو اسے سمجھانا ضروری ہے پھر بھی نہ مانے تو'' **حکمنا بکفر ہ** '' کیا اتنی واضح عبارات اور اہل سنت کے متفق علیہ فتاوی کے باوجود انبیاء کے بشر کے منکر کو مسلمان کہا جائے گا۔ یہاں تو خود حکم کفر موجود ہے۔ اس لئے بشر کا منکر قطعا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے اور یہ فتاوی سات سو سے زیادہ فقہا محدثین اور مفسرین کے یہاں مسلمہ موجود ہے یہ کہنا ہی صحیح نہ ہوگا کہ ہم نے تکفیر کی بلکہ پہلے تکفیر ہو چکی ہے،، ہم نے صرف اس کی وضاحت کی ہے، واضح رہے کہ فریق مخالف کے کفر کے تمام نظریات علی التحقیق آنحضرت ﷺ کے انکار کی وجہ سے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب آپ ﷺ کو بشر نہیں مانا گیا، تو نور ماننا پڑا (جبکہ نور کے سلسلے میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے) دیکھئے مولانا عبدالحئی رحمہ اللہ کی کتاب'' الآثار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ''

نور ہر جگہ ہوتا ہے تو حاضر ناظر پیش آیا اور جب ہر جگہ موجود ہونگے تو جانتے بھی ہونگے تو علم الغیب کا عقیدہ پیدا ہوا اور جب غیب دان ہونگے۔ تو کچھ کرتے بھی ہونگے تو مشکل کشا اور حاجت روا کا نظریہ بن گیا۔

جبکہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو عالم الغیب یا حاضر ناظر سمجھنا کفر کا عقیدہ ہے فتاویٰ قاضی خان، بزازیہ، شامی، ہندیہ، فتح القدیر، نہر اور بحر سب میں موجود ہے۔

خلاصہ کی عبارت ملاحظہ ہو۔

یکفر فی الفتا وی لا نہ یعتقد ان الر سول و الملک عالم با لغیب "

یعنی رسول یا فرشتہ کو غیب دان جاننے ولا کافر ہے

خلاصۃ الفتاویٰ ص ۳۸۵ ج ۴ کتاب الفاظ الکفر

لو تزوج بشھادۃ اللہ ورسولہ لا ینعقد ویکفر لاعتقادہ ان النبی یعلم الغیب (البحر الرائق ج ۳ ص ۱۵۵)

اگر اللہ اور اس کے رسول کو گواہ بنا کر شادی بنا رہا ہے تو نکاح منعقد نہیں ہوگا اور کافر ہو جاتا ہے اگر اس کا یہ عقیدہ ہو کہ نبی عالم الغیب ہوتا ہے۔

وبالجملۃ علم الغیب بلا واسطۃ کلا او بعضا مخصوص باللہ جل وعلا لا یعلمہ احد من الخلق اصلا.

(روح المعانی ۲۰ ص ۲۹۹، نمل آیت ۶۵)

عقائد کفریہ کی چند مزید مثالیں

مثلاً یہ کہ حق تعالیٰ آنحضرت ﷺ میں اور آنحضرت ﷺ شیخ عبدالقادر جیلانی میں متجلی ہیں یہ ایک عقیدہ ص ۱۶، فتاویٰ افریقہ۔

(۱) شب معراج میں آنحضرت ﷺ نے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے کندھے پر پاؤں رکھا اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچ گئے۔ مولوی احمد رضا خان لکھتے ہیں نبی اقدس ﷺ شب معراج میں سیدنا غوث الاعظم کے دوش مبارک پر پائے انور رکھ کر براق پر تشریف فرما ہوئے۔ چنانچہ وہ شعر لکھتے ہیں۔

تھا تمہارا دوشِ اطہر زینۂ پائے پیمبر
جب گئے عرش بریں پر المدد یا عبد القادر

(فتاویٰ افریقہ ص ۴۹)

اس لئے زمانہ حال کے مبتدعین جو عقائد میں مندرجہ بالا عقائد کے مرتکب ہیں اور جو ان مبتدعین کو اپنے دینی پیشوا سمجھتے ہیں بوجہ اعتقاد کفریہ کے ان کی اقتداء میں مسلمان مؤحد کی نماز نہیں ہوسکتی۔

فقہ حنفی کے متون اربعہ میں سے مشہور متن الاختیار میں ہے،

واما المبتدع فکان ابو حنیفه لا یری الصلوة خلف المبتدع. قال ابو یوسف اکره ان یکون امام القوم صاحب بدعة او هوی

(متن الاختیار ج ا ص ۵۸)

بلکہ فتح القدیر میں ہمارے تینوں ائمہ کا اتفاق نقل کیا ہے۔

وروی محمد عن ابی حنیفة وابی یوسف رحمهما الله ان الصلاة خلف اهل الاهواء لا تجوز (فتح القدیر ج١ص٣٠٤)

واضح رہے کہ یہ جو زور سے درود پڑھتے ہیں اس کا ثبوت خیر القرون میں نہیں تھا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زور سے درود پڑھنے والوں کو مسجد سے نکالتے تھے۔

واما رفع الصوت عند الذكر فان كان المراد من الذكر الدعاء فانما كره ذلك لان الاصل فى الادعية الخفية ولان فيه رياء ولاجل هذا كره رفع الصوت بالتسبيح والتهليل.

وان كان المراد منه الوعظ فليس المراد رفع الواعظ صوته عند الوعظ وانما المراد رفع بعض القوم صوته بالتهليل والصلاة على النبى عند ذكره. وقد صح (انه) قيل لابن مسعود رضى الله عنه ان قوما اجتمعوا فى مسجد يهللون ويصلون على النبى عليه السلام ويرفعون اصواتهم فذهب اليهم ابن مسعود وقال ما عهدنا هذا على عهد رسول الله وما اراكم الا مبتدعين فما زال يذكر ذلك حتى اخرجهم من المسجد. (محیط برہانی ج٦ص٤١،٤٢)

بلند آواز سے ذکر کرنا اور ذکر سے مراد دعا ہو تب بھی مکروہ ہے اور اور دعا مراد نہ ہو تب بھی مکروہ ہے ریاء کاری کی وجہ سے اسلئے کہ دعا میں اصل اخفاء ہے اسی وجہ سے تسبیحات اور کلمہ کے ذکر میں بھی آواز کا بلند کرنا مکروہ ہے۔

اور اگر رفع صوت سے وعظ ونصیحت کرنے والے کی آواز مراد لی جائے تو وہ بلا شبہ جائز ہے، بعض لوگوں کا کلمہ اور درود پاک کو بلند آواز سے پڑھنا پیغمبر علیہ السلام کے تذکرہ کے وقت؛ یہ مکروہ ہے اور صحیح اثر میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ آپ سے کسی نے کہا کہ کچھ لوگ مسجد میں جمع ہو کر کلمہ و درود کا ورد کر رہے ہیں بلند آواز سے یہ سن کر آپ رضی اللہ عنہ فوری تشریف لے گئے ان کے پاس اور فرمایا: ہم (صحابہ) نے جناب نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں تو ایسا کام نہیں کیا، مجھے تم لوگ بدعتی لگ رہے ہو پس مسلسل آپ یہی فرماتے رہے یہاں تک کہ انہیں مسجد سے نکال باہر کیا۔

یعنی مسجد میں زور سے درود یا کلمہ ''لا الہ الا اللہ'' پڑھنا نا جائز ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایسوں کو مسجد نبوی ﷺ سے نکالا تھا۔

(فتاوی شامی ج،۵ص۲۵۵)

سو واضح رہے کہ حق تعالیٰ کے علاوہ کسی بھی پیغمبر یا نبی کو عالم الغیب سمجھنے والا یا حاضر ناظر سمجھنا یا انبیاء علیہ السلام کی بشریت کا انکار کرنا کفر ہے اور کافر کی اقتداء میں مسلمان کی نماز نہیں ہوتی اور ایسی پڑھی جانے والی تمام نمازیں واجب الاعادہ ہیں اگر موقع ملا تو کسی مناسب موقع پر اس کی مزید تفصیل کر دی جائے گی اصلاح وتبلیغ کے لئے مشرک اور کافر کی اقتداء میں نماز پڑھنا کار دین نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک مہذب بے دینی ہے جس سے صرف نماز نہیں بلکہ ایمان خطرے میں پڑتا ہے۔ پچاس دن بعد آٹھ ربیع الاول بروز پیر بمطابق ماہ اپریل پانچ سوستر (۵۷۰) عیسوی کو صبح صادق کے وقت ابوطالب کے گھر میں ہوئی۔

(سیرت المصطفیٰ مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحب رحمہ اللہ ج اص ۴۹)

دوسرے قول کے مطابق نو ربیع الاول، بارہ ربیع الاول کا قول ضعیف اور متکلم فیہ ہے البتہ آپ ﷺ کی وفات بارہ ربیع الاول کو ہے۔

وقال محمدبن اسحاق توفی رسول اللہ ﷺ لاثنتی عشرۃ لیلۃ خلت من شھر ربیع الأول فی الیوم الذی قدم فیہ المدینۃ مھا جراً، واستکمل رسول اللہ ﷺ فی ھجرتہ عشر سنین کوامل، قال الواقدی وھو المثبت عندنا وجزم بہ محمد بن سعد کا تبہ

(۱) البدایہ والنہایہ ج ۵ جز ۳ ص ۱۸۰ (۲) عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۲۸۶

والمقصود ان رسول اللہ ﷺ ولد عام الفیل علیٰ قول الجمھور فقیل بعدہ بشھر، و قیل باربعین یوماً، و قیل بخمسین یوماً و ھو اشھر (البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۲۱۲)

اصل بات یہ ہے کہ آنخضرت ﷺ اصحاب فیل کے واقعہ کے بعد ایک قول کے مطابق ایک ماہ بعد پیدا ہوئے ایک قول یہ ہے کہ چالیس دن بعد تشریف لائے اور ایک قول پچاس دن کا ہے اور یہ زیادہ راجح ہے۔

سوال ۳۔ میلاد منانا جائز ہے یا نہیں اور شریعت میں میلاد منانے کی کیا حیثیت ہے؟

جواب : آپ ﷺ کی پیدائش اور آپ کی پوری زندگی باسعادت اور باعث فرحت ہے تمام مسلمان آپ ﷺ کی صرف پیدائش نہیں بلکہ پوری حیات طیبہ سے خوش ہیں لیکن آپ

ﷺ کی ولادت پر جلوس نکالنا یا ہرا جھنڈا لیکر روڈوں پر نکلنا اور مساجد میں چراغاں کرنا اور محفلیں منعقد کرنا اور بڑی بڑی دعوتیں کرنا یہ سب کی سب باتیں بدعات اور خرافات ہیں اسلام میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ چھ سو ہجری تک ان بدعات اور خرافات کا کوئی نام و نشان تک نہیں تھا۔ چھ سو صدی کے بعد اربل کے بادشاہ ابوسعید مظفر کوکبری نے ان بدعات کی بنیاد ڈالی، وہ محفل میلاد کی بڑی بڑی دعوتیں کیا کرتا تھا اور اس سے پہلے کسی نے یہ کام نہیں کیا اور یہ بادشاہ ہر سال ان خرافات پر لاکھوں روپے خرچ کرتا تھا۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر البدایہ والنھایہ میں اس بادشاہ کے حالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

وکان یعمل المولد الشریف فی ربیع الاول و یحتفل به احتفالا هائلاً وکان مع ذالک شهماً شجاعاً فاتکا بطلا عاقلاً عالماً عادلاً رحمه‌الله و اکرم مثواه وقد صنف الشیخ ابو الخطاب ابن دهیه له مجلداً فی المولد النبوی سماه "التنویر فی مولد البشر النذیر" فاجازه علیٰ ذالک بالف دینار وقد طالت مدته فی الملک فی زمان الدولة الصلاحیه وقد کان محاصر عکا والیٰ هذه السنة محمود السیرةوالسریرة قال السبط حکی بعض من حضر اسماط المظفر فی بعض الموالد کا ن یمد فی ذالک السماط خمسةآلاف راس مشوي وعشرة الاف دجاجة ومأة الف زبدیة وثلاثین الف صحن الحلوی ،قال وکان یحضر عنده فی المولد أعیان العلماء والصوفیة فیخلع علیهم ویطلق لهم ویعمل للصوفیة

سماعا من الظهر الیٰ الفجر ویرقص بنفسه معهم و کانت له دار ضیافة للوافدین من ایّ جهة علی ایّ صفة و کانت صد قا ته فی جمیع القرب والطاعات علی الحرمین وغیرهما ویفک من الفرنج فی کل سنة خلقا من الاساری حتیٰ قیل ان جملة من استفکه من ایدیهم ستون الف اسیر قالت زوجته ربیعه خاتون بنت ایوب وکان قد زوجه ایاها اخوها صلاح الدین لما کان معه علیٰ عکاقالت کان قمیصه لایساوی خمسه دراهم فعاتبته بذالک فقال لبسی ثوبا بخمسة واتصدق بالباقی خیر من ان البس ثوبا مثمنا وادع الفقیر المسکین وکان یصرف علی المولد فی کل سنة ثلاثمائة الف دینار وعلی دار الضیافة فی کل سنة مائة الف دینار وعلی الحرمین والمیاه بدرب الحجاز ثلاثین الف دینار سوی صدقات السر رحمه الله تعالیٰ وکانت وفاته بقلعة اربل واوصیٰ ان یحمل الیٰ مکة فلم یتفق فدفن بمشهد علی.

(البدایۃ والنہایۃ ج ۱۳ ص ۱۰۴)

الحاوی للفتاویٰ میں شیخ تاج الدین عمر بن علی مالکی رحمہ اللہ کا فتویٰ میلاد کی بدعت اور عدم ثبوت کے بارے میں منقول ہے جو قابل دید ہے علمائے کرام کی آسانی کیلئے من وعن نقل کیا جاتا ہے،

فانه تكرر سؤال جماعة من المباركين عن الاجتماع الذى يعمله بعض الناس فى شهر ربيع الاول ويسمونه المولد هل له اصل فى الشرع او هو بدعة وحدث فى الدين؟ وقصدوا الجواب عن ذالك مبيناً والايضاح عنه معيناً فقلت وبا لله التوفيق: لااعلم لهٰذا المولد اصلاً فى كتاب ولا سنة ولا ينقل عمله عن احد من علماء الامة الذين هم القدوة فى الدين المتمسكون بآثار المتقدمين بل هو بدعة احدثها البطالون وشهوة نفس اعتنى بها الاكالون بدليل انا اذ ادرنا عليه الاحكام الخمس قلنا اما ان يكون واجبا او مندوبا او مباحا او مكروهاً او محرماً وليس بواجب اجماعاً ولا مندوبا لان حقيقة المندوب ما طلبه الشرع من غير ذم على تركه وهذا لم يأذن فيه الشرع ولا فعله الصحابة ولاالتابعون (ولا العلماء) المتدينون فيما علمت وهذا جوابى عنه بين يدى الله تعالىٰ ان عنه سئلت ولاجائز ان يكون مباحا لان الابتداع فى الدين ليس مباحا باجماع المسلمين فلم يبق الا ان يكون مكروها او حراماً

(الحاوی للفتاوی ج ۱ ص ۱۸۳ باب حسن المقصد فی عمل المولد)

بہت سارے حضرات نے ایک سوال بار ہا دریافت کیا کہ ربیع الاول کے مہینہ میں اجتماع کرنا اور اس اجتماع کو میلاد کا نام دینا، کیا شریعت میں اس کی کوئی حقیقت ہے؟ یا وہ بدعت ہے اور دین میں اضافہ ہے۔ اور ان سائلین اس کے بارے میں بہت سلیس اور

جامع جواب طلب کیا مجھ سے۔

اللہ کی توفیق سے میں یہ کہتا ہوں: کہ اس میلاد اور محفل کی کوئی حقیقت بھی شریعت میں مجھے معلوم نہیں نہ کتاب اللہ میں نہ سنت رسول میں اور نہ ہی یہ عمل امت کے مجتہدین علماء سے ثابت ہے جو مقتداء ہیں اور متقدمین کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں بلکہ یہ ایک واضح بدعت ہے جسے باطل پرستوں نے گڑھا ہے اور نفس پرستوں یعنی پیٹ پوجا کرنے والوں نے گڑھا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ میں نے اس مسئلہ کو پانچ احکامات یعنی واجب، مستحب، پسندیدہ، ناپسندیدہ اور حرام کے سانچہ میں جانچا تو یہ بات سامنے آئی کہ بالاجماع یہ فعل واجب تو نہیں ہے اور نہ ہی مستحب اس لئے کہ مستحب اسے کہتے ہیں کہ جس کا شریعت نے ایسے انداز میں مطالبہ کیا ہو کہ اس کو چھوڑنے سے گناہ لازم نہیں آتا اور میلاد منانا وہ فعل ہے جس کی شریعت نے اجازت ہی نہیں دی اور نہ صحابہ کرام نے یہ فعل کیا اور نہ تابعین سے اس کا ثبوت ملتا ہے اور نہ علماء صالحین اسے جانتے ہیں۔ اگر اللہ بزرگ و برتر کے سامنے بھی مجھ سے اس میلاد کے بارے میں سوال کیا گیا تو میں یہی جواب دوں گا کہ یہ بدعت ہے اور یہ انعقاد میلاد تب بھی جائز نہ ہوتا اگر اسے مباح مان لیا جائے اس لئے کہ اضافہ فی الدین مسلمانوں کے اجماع سے کبھی بھی مباح نہیں ہوسکتا پس احکامات میں سے صرف مکروہ اور حرام ہی بچا ہے۔

اس تسلی بخش جواب کے بعد کوئی گنجائش تو سمجھانے کی باقی نہیں رہتی مگر پھر بھی مزید تفصیل جاننی ہو تو الحاوی للفتاویٰ ج ۱ ص ۱۸۱ تا ۱۸۹ میں بہت ہی شیریں اور حرف آخر بحث موجود ہے۔

سوال نمبر۴		محفل میلاد میں دعوت کرنا بڑی دھوم دھام سے اور اس دعوت کا کھانا شریک ہونا جائز ہے یا نہیں؟

جواب		چونکہ محفلِ میلاد اس کی دعوت سب بدعات و رسومات باطلہ ہیں اس لئے ایسی محفل اور دعوت میں شریک ہونا یا دعوت کھانا جائز نہیں ہے ملاحظہ فرمائیے علامہ شامی کی عبارت،

واقبح منه النذر بقرأة المولد فی المنایر مع اشتماله علی الغناء واللعب وایهاب ثواب ذلک الی حضرة المصطفیٰ ﷺ

(ردالمحتار ج۳ ص۴۹۲ مکتبہ رشیدیہ)

میں قبیح سمجھتا ہوں میلاد کے تذکرے پڑھنا جو موسیقی اور لہو ولعب پر مشتمل ہوں اور یہ سمجھنا کہ اس کا ثواب آنحضرت ﷺ کو پیش کیا جاتا ہے۔

اور اعتصام میں ہے:

ومنها التزام الکیفیات والهیئات المعینة کالذکر بهیئة الاجتماع علی صوت واحد واتخاذ یوم ولادة النبی ﷺ عیدا وما اشبه ذلک.

(کتاب الاعتصام للشاطبی ج۱ ص۲۶، دار احیاء التراث العربی)

اور بری بدعتوں میں سے ہے کہ مخصوص کیفیتوں اور حرکتوں کو لازم کرنا جیسے سب جمع ہو کر ایک ہی آواز میں ذکر کرتے ہیں اور عید میلاد النبی منانا اور اس جیسی دیگر بدعات۔

سوال نمبر۵		اگر کوئی شخص حضرت محمد ﷺ کی محبت کی وجہ سے محفل میلاد منعقد کرلے

اور اس کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھے تو کیا ایسے شخص کو ثواب ملے گا یا نہیں؟

جواب چونکہ محفل میلاد خلاف شرع کام ہے اور خلاف شرع کاموں میں ثواب نہیں ملے گا اور جس چیز میں ثواب نہ ملے تو وہ ذریعہ نجات درکنار الٹا باعث عذاب اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بن جائے گی۔

فقالوا : انه یثاب علٰی صباحة نیته ویعاقب علٰی قباحة الابتداع کالصلوٰة فی الاوقات المکروهة وکالصوم فی یوم النحر فی قول وفی قول آخر انه لاثواب له فیه اصلاً وهوا المختار عندی

(فیض الباری ج ۴ ص ۲۹۷ کتاب النکاح)

حنفیہ کے نزدیک اگر کوئی شخص حسن نیت سے بدعت گڑھ بیٹھا تو اسے حسن نیت کی وجہ سے ثواب ملے گا اور بدعت کی وجہ سے عذاب جیسے نماز پڑھنا مکروہ اوقات میں یا روزہ رکھنا یوم نحر میں یہ ایک قول ہے دوسرا قول یہ ہے کہ اسے کچھ بھی ثواب نہیں ملے گا اور یہی میرے نزدیک مفتیٰ بہ قول ہے۔

سوال نمبر ۶ بدعتی کی صحبت میں رہنا ان سے تعلقات رکھنا یا ان کے جلسے جلوس میں شریک ہو جانا ان سے دعا وسلام کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

جواب بدعتی کیساتھ تعلق رکھنا اور ان سے دعا سلام رکھنا یا ان کے جلسے جلوس میں شریک ہو جانا کسی صورت میں جائز نہیں بدعتی کیساتھ میل جول سے سنت کی اتباع کی توفیق سلب ہو جاتی ہے، چنانچہ ابو نعیم رحمہ اللہ نے فضیل ابن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال

حلیۃ الاولیاء میں نقل فرمائے ہیں بدعتی کی صحبت ایمان وآخرت کیلئے کتنی تباہ کن ہے،
ملاحظہ فرمائیں،

پہلا قول

عن الفضیل بن عیاض من احب صاحب بدعة احبط الله عمله واخرج نور الاسلام من قلبه

(حلیۃ الاولیاء و تلبیس ابلیس ص ۱۶)

جس نے بدعتی سے محبت کی اللہ اس کے اعمال ضبط کرلے گا اور نور اسلام اسکے دل سے نکال باہر کرے گا۔

دوسرا قول

من اعان صاحب بدعة فقد اعان علی هدم الاسلام

(تلبیس ابلیس ص ۱۶)

جس نے بدعت کی (بدعت کرنے میں) مدد کی اس نے اسلام کو ڈھانے میں مدد کی.

تیسرا قول

من جلس الی صاحب بدعة فاحذره ولا تامن صاحب بدعة علی دینک ولا تشاوره فی امرک ولا تجلس الیه فمن جلس الیه ورثه الله العمی (تلبیس ابلیس ص ۱۶)

جو بدعتی کی صحبت میں ہوتا ہو تو اس کی صحبت سے دور رہ اپنے دین پر بدعتی کو امین

نہ بنانا اور اپنے معاملوں میں اس سے مشورہ نہ کرنا اور نہ اس کے ساتھ مجلس اختیار کرنا پس جو بدعتی کے ساتھ اٹھے بیٹھے اللہ تعالیٰ اسے نابینا کر دے گا۔

چنانچہ کتاب الاعتصام میں ہے

ان الجماعة هی جماعة اهل الاسلام اذا اجمعوا علی امر فواجب علی غیرهم من اهل الملل اتباعهم وهم الذین ضمن الله لنبیه علیه الصلوٰة والسلام ان لا یجمعهم علی ضلالة فان وقع بینهم علی اختلاف فواجب تعرف الصواب فیما اختلفوا فیه.

(کتاب الاعتصام ج ۲ ص ۴۳۰)

اہل اسلام کی جماعت وہ فرقۂ ناجیہ ہے جب ان کا کسی معاملہ میں اجماع ہو جائے تو امت پر لازم ہے کہ ان کی اتباع کریں اور یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے اپنے نبی ﷺ کے علوم کا ضامن بنایا ہے اس لئے وہ ایک ساتھ مل کر گمراہی میں جمع نہیں ہو سکتے پس امت میں اگر اختلاف ہو جائے تو ان پر واجب ہے کہ ان کے درمیان سے تفرقہ ختم کر کے صحیح مسئلہ کی طرف رہنمائی کریں۔

وایضا فان اهل السنة مامورون بعداوة اهل البدع وقد حذر العلماء من مصاحبتهم ومجالستهم (مختصر کتاب الاعتصام ص ۳۴)

اہل سنت اہل بدعت کو اپنے دین کا دشمن سمجھیں اور علماء کو چاہیئے کہ ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے لوگوں کو ڈرائیں۔

چنانچہ دلیل الفالحین میں ہے **لا یحل لمسلم ان یهجر اخاه فوق ثلاثة**

ایام کی تشریح کرتے ہوئے شارح فرماتے ہیں،

قال النووی فی هذا الحدیث هجران اهل البدع والفسوق ومنابذی السنة مع العلم وانه یجوز هجرانه دائماً والنهی عن الهجران فوق ثلاثة ایام انما هو فیمن هجر لحظ نفسه ومعایش الدنیا ،واما اهل البدع ونحوهم فهجرانهم دائما.

(دلیل الفالحین ج۱ص۳۱۹)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس حدیث میں اہل بدعت اہل فسق اور تارکین سنت کے بارے میں بھی تنبیہ ہے کہ ان کی ناراضگی دائمی ہوتی ہے اور ناراضگی سے نہی تین دن تک کی ہے وہ شخص اپنے نفس کیلئے اور کسب معاش کیلئے ناراضگی یا علیحدگی اختیار کرتا ہے اور اہل بدعت کی علیحدگی دائمی ہے۔

سوال نمبر۷ بدعت دنیا میں کیسے وجود میں آئی ہے اس کی وجوہات واسباب کیا ہے؟

جواب اس کی وجوہات چار ہیں یعنی چار وجوہ سے بدعت وجود میں آتی ہے

(پہلی وجہ) کہ مبتدع خود اپنی نفسانی خواہشات اور اتباع نفس کی وجہ سے بدعت کا شکار ہو جاتا ہے۔

(دوسری وجہ) کوئی عالم خلاف شرع کام کرے اور عوام الناس اور نادان لوگ اس کو دین سمجھیں تو اسی وجہ سے یہ غلط عمل بدعت کی شکل اختیار کرتا ہے۔

(تیسری وجہ) عوام الناس خلاف سنت اور خلاف شرع کاموں میں مبتلا ہو جائے اور

عالم منع کرنے پر قادر ہونے کے باوجود ان کو کچھ نہ کہے اور منع نہ کرے تو عوام الناس عالم کے سکوت کی وجہ سے اس کو اچھا سمجھتا ہے کہ یہ عمل صحیح ہے اگر یہ عمل غلط ہوتا تو علماء ضرور منع کرتے تو علماء کا خاموش ہو جانا اس بات کی علامت ہے کہ یہ بات صحیح ہے تو اس وجہ سے غلط عمل اور بدعت وجود میں آتا ہے۔

(چوتھی وجہ) ایک عمل بذاتہ اگر چہ صحیح ہو لیکن اس کو اعتقادی طور پر لازم سمجھا جائے جب کہ اس کو لازم سمجھنا غلط ہے تو اعتقادی وجہ سے مباحات بدعت کی شکل اختیار کرتے ہیں

البدعة تنشأ عن أربعه اوجه (احدها) وهو اظهر الاقسام ان يخترعها المبتدع (الثانی) ان يعمل بها العالم علی وجه المخالفة فيفهمها الجاهل مشروعة (الثالث) ان يعمل بها الجاهل مع سكوت العالم عن الانكار وهو قادر عليه فيفهم الجاهل انها ليست بمخالفة (الرابع) من باب الذرائع وهو ان يكون العمل فی اصله معروفاً الا انه يتبدل الاعتقاد فيه مع طول العهد بالذكری

(مختصر کتاب الاعتصام ص ۹۷)

سوال نمبر ۸ کیا بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور بعض کتابوں میں بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنے کو مکروہ لکھا گیا ہے۔؟

جواب جن کتابوں میں بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنے کو مکروہ لکھا گیا ہے اس سے مراد بدعت فی العمل ہے نہ کہ بدعت فی الاعتقاد کیونکہ تمام فقہائے کرام صراحتاً لکھ چکے

ہیں کہ جس کا عقیدہ خراب ہو اور کفریہ عقیدہ رکھتا ہو اس کے پیچھے نماز نہیں ہوگی، چنانچہ ہمارے زمانے کے مبتدعین کے عقائد بالکل کفریہ ہیں ان کو ان بدعتیوں پر قیاس نہ کیا جائے جن کے پیچھے نماز پڑھنے کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے اس لئے زمانہ حال کے مبتدعین کے پیچھے کفریہ عقائد رکھنے کی وجہ سے نماز پڑھنا باطل محض ہے اگر کسی نے پڑھی اس کی نماز نہیں ہوگی ایسی نماز کالعدم ہے دوبارہ پڑھنا فرض ہے۔

وروی محمد عن ابی حنیفة وابی یوسف رحمهما الله ان الصلاة خلف اهل الاهواء لا تجوز

(۱) فتح القدیر ج۱ ص۳۰۴
(۲) حلبی کبیر شرح منیۃ ص۵۱۵
(۳) مراقی مع الطحطاوی ص۱۶۵
(۴) فتاوی تاتارخانیہ ج۱ ص۶۵۱
(۵) حاشیہ حلبی علی تبیین الحقائق ج۱ ص۱۳۵
(۶) امداد الفتاح ص۳۴۴
(۷) امداد الفتاح ص۳۴۳
(۸) تبیین الحقائق ج۱ ص۱۳۴
(۹) البحر الرائق ج۱ ص۳۴۹
(۱۰) خلاصۃ الفتاوی ج۱ ص۱۴۹
(۱۱) بدائع الصنائع ج۱ ص۱۵۷

بسم الله الرحمن الرحيم

ومن لم يجعل الله له نورا فما له من نور

ختمِ بخاری شریف

۱۴۳۴ھ،۲۰۱۳ء

الحمد لله جل وعلا وصل الله وسلم علىٰ رسوله المصطفىٰ ونبيه المجتبىٰ وامينه علىٰ وحى السماء وعلىٰ آله النجبى واصحابه الاتقياء افضل الخلائق بعد الانبياء ومن بهديهم اقتدىٰ وبآثارهم اقتفىٰ من المحدثين والمفسرين والفقهاء الىٰ يوم الجزاء اما بعد!

وبسند المتصل منا الىٰ امير المومنين فى الحديث ابى عبد الله محمد بن اسماعيل البخارى الحافظ الحجة الثقة الذى ينظر نظيره فى ساعة الاطلاع لا سيما فى الاحاديث والاسانيد ولآثار، واتفق العلماء علىٰ وسعة علمه وطول الاطلاعه شرقا وغربا فى احاديث رسول الله صلى الله عليه وسلم رفعا ووقفا ،صحة ودراية ورواية من اخده الميمون رحمه الله الىٰ يومنا هذا وهكذا نرجو لسماحته هذه سعادة سرمدية الى يوم القيامة ان شاء الله تعالىٰ

قال رحمه الله باب قول الله ونضع الموازين القسط ليوم القيٰمة وان اعمال بنى ادم وقولهم يوزن وقال مجاهد القسطاس العدل بالرومية ويقال القسط مصدر المقسط وهو العادل واما القاسط فهو الجائر حدثنا احمد بن اشكاب قال حدثنا محمد بن فضيل عن عمارة بن القعقاع عن ابى زرعة عن ابى هريرة رضى الله عنه قال قال النبى صلى الله عليه وسلم كلمتا ن حبيبتان الى الرحمٰن خفيفتان على اللسان ثقيلتان فى الميزان

سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم

كان البخارى حافظا و محدثا جمع الصحيح مكمل التحرير

ميلاده صدق و مدة عمره فيها حميد و انقضىٰ فى نور

تنازع القوم فى البخارى و مسلم

و قالو زين ايهما يتقدم

وقلت ان البخارى قد قام صحة

كما فاق فى حسن الصناعة مسلم

اهل الحديث طويلة اعمارهم و وجوههم بدعا النبى منضرة

و سمعت من بعض المشائخ انهم ارزاقهم ايضا به متكثره

العلم للرحمن جل جلاله

وسواه فى جهالاته يتغمغم

ما للتراب وللعلوم وانما

يسعى ليعلم انه لايعلم

اللهم صلى علىٰ محمد وعلىٰ آل محمد كما صليت علىٰ ابراهيم وعلىٰ

آل ابراهيم انک حميد مجيد

اللهم بارک علىٰ محمد وعلىٰ آل محمد كما باركت على ابراهيم وعلىٰ

آل ابراهيم انک حميد مجيد

دین اسلام، کامل واکمل، رشد و ہدایت کا گنجینہ

اللہ تعالیٰ کے بڑے احسانات میں سے عظیم احسان اسلام ہے ایمان ہے، دین محمدی، شریعت مصطفوی کے ساتھ سرفراز ہونا، متشرف ہونا اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتوں میں سے ہے

"اَلرَّحْمٰنُ٥ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ٥ خَلَقَ الْاِنْسَانَ٥ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ" (سورہ رحمٰن)

"وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْکَ عَظِيْمًا"

(نساء آیت ۱۱۳)

اللہ تعالیٰ کے بڑے احسانات میں سے جناب رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہے

"فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ" (آل عمران آیت ۱۵۹)

"وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ" (انبیاء آیت ۱۰۷)

"وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِيْمٍ" (قلم آیت ۴)

اور آپ ﷺ کی بعثت اور اس کے ساتھ دین کا تحفظ الی یوم القیامۃ

"اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ" (حجر آیت ۹)

اور آپ کا مبعوث الی الخلائق ہونا

"يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْکُمْ جَمِيْعًا" (اعراف آیت ۱۵۸)

"يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ" (رحمٰن آیت ۳۳)

جناب رسول اللہ ﷺ کے شرائع، آپ کے علوم جو سنت کے مقام سے اور حدیث

کے مقام سے امم کے اندر معروف ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ نے محفوظ فرمائے ہیں

" وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ "(آل عمران آیت ۱۰۱)

قیامت تک کے لئے اللہ نے یہ رشد و ہدایت کے خزائن محفوظ فرمائے ہیں اور اس کے علاوہ کوئی فقہ، کوئی زاویہ کسی بھی انسان کے لئے کسی بھی درجے میں مفید نہیں ہے

"اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ "(آل عمران آیت ۱۹)

اور اس کے مقابلہ میں جتنی چیزیں ہیں خیالات ہیں، افکار ہیں، اوہام ہیں، بننے ٹوٹنے والے نظریات ہیں، وقتی حیلے ہیں، چالبازیاں ہیں، سب کے سب غلط دعوے ہیں، پروپیگنڈے ہیں اور سازشیں ہیں ان میں سے کسی کو بھی نظام کا مقام دینا نظام زندگی کی اہانت ہے

" وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ "(آل عمران آیت ۸۵)

قیامت کے دن اگر کوئی شخص ایمان کے بدلے میں اس پوری زمین کو سونے سے بھرنا چاہے۔

قرآن کریم میں ہے

" فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ "(آل عمران آیت ۹۱)

تو ہرگز قبول نہیں ہوگا کسی ایسے سے، دین چاہیے ایمان چاہیے

" اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ "(بقرہ آیت ۱۳۲)

دین ہر اعتبار سے کامل واکمل ہے، دین کے تمام پروگرام کمال عروج پر ہیں،

دین کے چھوٹے اور بڑے تمام احکام ایک جیسے محترم ہیں اور ان سے ہدایت وابستہ ہے

"اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا" (مائدہ آیت ۳)

اللہ تعالیٰ نے اس دین کو پسند کر کے نعمتیں پوری کردی ہیں ہر اعتبار سے کامل کر کے کائنات کو عطا فرمایا ہے، اللہ کا یہ بہت بڑا احسان ہے

"يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ" (حجرات ۱۷)

صحابہ کرام کی جماعت اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ جماعت ہے

اللہ تعالیٰ کے بڑے احسانات میں سے جناب نبی کریم ﷺ کو مخلصین مومنین کی جماعت عطا کرنا ہے خواہ وہ مہاجرین کی ہو یا انصار کی

"اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا" یہ لوگ پکے مومن ہیں

"لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ" ان کی بخشش یقینی ہے

"وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ" (انفال آیت ۴) اعزاز واکرام ہمیشہ کا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ان سے ہر طرح راضی ہے اور ان کو بھی راضی کرنے کے لئے دنیا میں اسلام کی ہدایت اور آخرت میں نعمتیں عطا کی ہیں

"رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ" (مائدہ آیت ۱۱۹)

حضرات صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے متعلق اہلسنت والجماعت کا عقیدہ متفق ہے کہ

وہ خیر الناس ہیں

''كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ'' (آل عمران آیت ۱۱۰)

اس آیت کا پہلا مصداق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں

''اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ'' (بقرہ آیت ۱۳)

ان کے بغیر ہدایت نہیں ہے

''فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا''

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ''اعمقهم علما'' بہترین علوم والے تھے ''اقلهم تكلفا'' تکلف ان میں نام کا نہ تھا، صحابہ ان کو کہتے ہیں جنہوں نے پیغمبر کی صحبت پائی قلبا یا رویۃ اعیانا۔

قول عبد الله بن مسعود كانوا ابر هذه الامة قلوبا واعمقها علما واقلها تكلفا. (منہاج السنۃ ج ۲ ص ۷۹)

یعنی حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے فرماتے ہیں صحابہ کرام کی جماعت اس امت میں سب سے زیادہ نیک دل والے ہیں، اور سب سے زیادہ گہرے علوم والے ہیں اور تکلف بالکل نہ تھا۔

نہایہ میں ابن الاثیر اور اصابہ میں حافظ ابن حجر کہتے ہیں

والاصح ما قيل فى تعريف الصحابى انه من لقى النبى ﷺ فى حياته مسلما ومات على اسلامه.

"من وجد صحبة رسول الله ﷺ و كان مومنا ومات على الايمان"

(نہایہ لابن اثیر، الاصابہ ج ا ص ۸)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا غفران اور رضوان قطعی دلائل سے ثابت ہے، ان کے بارے میں اہلسنت کا یہی اعتقاد ہے قرآن پر ایمان رکھنے والوں کا وہ سب کے سب اہل ایمان ہیں اور اہل جنت ہیں اور صحابہ معیارِ دین ہیں، معیار ایمان ہیں، معیار حق ہیں، جنہوں نے اس کے خلاف کہا ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر ناپسندیدگی ظاہر فرمائی ہے۔

"وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ "(بقرہ آیت ۱۳۷)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے شرق وغرب میں اسلام پہنچایا ہے اور تاریخ گواہ ہے کہ دنیا کے ایسے عجائب حصوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نشانات ملے ہیں۔ پاکستان کے بانی اور شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی مرحوم نے لکھا ہے کہ دیوار چین میں جو کام ہوتا رہا وہ یکدم بند کر دیا گیا اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ یہاں سے کچھ لوگ ملے ہیں جو عجیب الخلقت ہیں لیکن ہیں انسان اور وہ ایمان میں محمد رسول اللہ کا نام سن کر ہاتھ اٹھا کر سر پہ ہاتھ رکھتے ہیں کہ تاجدار کی عظمت مسلم ہے اس کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں جانتے ہیں لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا نام جب سنتے تھے تو ایک انگلی اٹھاتے کہ ایک اللہ کی طرف راہنمائی انہوں نے کی۔ اس زمانے میں چینی سلطنت تھی اس نے کہا کہ اس طرح مسلمانوں کا مذہب پورے عالم پر حاوی ہو جائے گا اس کو بند کر دو مزید آگے مت بڑھاؤ کام بند کر دیا گیا، یہ تحقیق مولانا شبیر احمد عثمانی صاحبؒ نے سد ذوالقرنین کے بارے

میں کی ہے اور ان کا مستقل مقالہ ہے سد ذوالقرنین پر اہل علم اس کو دیکھ سکتے ہیں۔

مذہبِ امام بخاری کے بارے میں ایک وضاحت

جن اور انس، کائنات اور جتنے خلائق ہیں ان سب کے لئے پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں اور پیغمبر کا یہ پیغام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پہنچایا، مجتہدین نے، فقہاءِ کرام نے اسے آگے بڑھایا، سمجھایا ان کے معانی بتائے حدیث کا وہ معنی اور مطلب معتبر ہوتا ہے جو فقیہ نے بتائے ہوں، محقق علی الاطلاق ابن الہمام رحمہ اللہ فتح القدیر شرح ہدایہ میں جب اس مسئلہ پر کلام کرنے لگے کہ کیا عہدِ رسول میں نماز کے بعد ذکر بالجہر ہوتا تھا تو اس کی روایات بخاری شریف سے پیش کی، لیکن آگے ایک جملہ لکھا اور وہ یاد کرنے کے قابل ہے وہ فرماتے ہیں کہ ''لم یعرف احد من الفقھاء '' (فتح القدیر ج ا ص ۳۸۴) کسی بھی فقیہ امت نے یہ بات نہیں کہی یہ کوئی مستقل عمل نہیں ایک وقتی چیز ہوگی۔ میں نے یہ عبارت باللفظ اپنے رسالے احسن العطر میں نقل کی ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے کتاب الجنائز میں ایک حدیث کا مطلب بیان کیا اور فرمایا کہ ''وکذالک قال الفقھاء'' فقہاء کرام نے یہ بات کہی ہے اور آگے کہتے ہیں کہ

''وھم اعلم بمعانی الحدیث''

(ترمذی ج ا ص ۱۱۸ باب الجنائز مطبوعہ ایچ۔ایم۔سعید)

احادیث کے معانی اور مطالب وہ خوب جانتے ہیں۔ اسی طرح ایک اور بات امام ترمذی نے فرمائی ہے وہ یہ کہ اہل الحدیث آئمۃ الحدیث کے معنی میں ہے ترمذی میں بھی طلبہ کو دکھایا ہے اور تدریب میں بھی ہے

"اهل الحديث منهم يحى بن سعيد القطان واحمد بن حنبل"

(ترمذی ج ا ص ۳۸)

اہل الحدیث آئمۃ الحدیث کے معنی میں ہے کسی فرد کو اہل حدیث کہنا اور اس کو مذہب سمجھنا بظاہر دشوار ہے، سلف میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی، سلف میں جتنے بھی مسلمان تھے وہ کسی نہ کسی فقیہ اور کسی نہ کسی مجتہد کی طرف منسوب ہوتے تھے انہیں زندگی گزارنے میں سہولت ہوتی تھی اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ جو نقلِ مذاہب میں پورے عالم کے اندر امام ہیں اور ماہر تصور کیئے گئے ہیں، وہ تمام مذاہب نقل کرتے ہیں ابوزرعہ کا بھی نقل کرتے ہیں، اوزاعی کا بھی نقل کرتے ہیں، سفیانین کا بھی نقل کرتے ہیں، امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور اہل کوفہ کا نقل کرتے ہی ہیں، لیکن ترمذی رحمہ اللہ کی دونوں جلدوں میں امام ترمذی نے کبھی بھی یہ نہیں کہا کہ" **وهو مذهب امام البخاری**" یا "**مذهب اهل الحديث**" اس سے دو بہت ہی اہم باتیں معلوم ہوگئیں،

پہلی بات : امام بخاری رحمہ اللہ کا کوئی مستقل مذہب نہیں ہے وہ آئمہ کے مذاہب نقل کرتے ہیں جیسے مختارات وغیرہ اور جس امام کی دلیل کو قوی سمجھتے ہیں اس کی اقتداء کرتے ہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ تیسری صدی کی محدث ہیں اور امام بخاری کے سب سے بڑے شاگرد ہیں، دنیائے اسلام کے اندر امام بخاری کے علوم کی ترویج امام ترمذی نے کی ہے لیکن انہیں کبھی بھی، یہ معلوم نہیں ہے کہ میرے استاذ وشیخ کا باقاعدہ کوئی مذہب ہے، جو لوگ آج کہتے ہیں کہ امام بخاری کا اپنا مذہب تھا غلط بیانی کرتے ہیں اتہام اور افترا کرتے ہیں اور امام بخاری رحمہ اللہ کے نام پر عوام کو دھوکہ دیتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ آئمہ

متبوعین آئمہ مجتہدین اور فقہاء میں سے جس کی طرف چاہے میلان کرتے ہیں، امام بخاری کے سب سے زیادہ میلان اور رجحانات امام اعظم کی طرف ہیں کیونکہ جس نے بھی امام بخاری کو خود کی طرف منسوب کیا ہے وہ مناسبت کی وجہ سے ہی کہا ہے، مثلاً مالک کے بارے میں ان کا قول ہے "مالک الرجال والآسانید" کوئی شک ہی نہیں ہے "عجالہ" میں شاہ عبدالعزیز لکھتے ہیں "حفظ البخاری ومسلم مؤطا اولاً" بخاری اور مسلم نے مؤطا امام مالک پہلے یاد کی۔ قنوجی نے اپنی کتاب "الحطة فی ذکر صحاح ستة" میں شیخین کے بارے میں لکھا ہے "حفظا المؤطا معجلا" سب سے پہلے مؤطا یاد کی ہے، مؤطا کا فضل، شرف بہت بلند ہے اس موضوع پر "فضل المؤطا" مستقل کتاب لکھی ہے علوی مرحوم نے۔ امام بخاری کے شیخ اول علامہ حمیدی، امام شافعی کے مرافق سفر تھے تو شوافع کے مختارات ان کے پاس ہیں، لیکن ثلاثی جو بخاری میں ہیں وہ وکیع بن ابراہیم سے ہیں اور اس کے علاوہ ان کے پاس کوئی اور ثلاثی موجود نہیں ہے اور وکیع بن ابراہیم امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے بڑے شاگردوں میں سے ہیں کیونکہ یہ بہت زیادہ معمر ہے بعضوں نے ابی یوسف بعضوں نے محمد لکھا ہے۔ علی التحقیق شیخ زاہد الکوثری نے احقاق میں کہا ہے کہ نہیں امام صاحب سے بھی ان کی صحبت ہے، اسی لئے امام العصر المحدث الکبیر والفقیہ علی الاطلاق آیۃ من آیات اللہ حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ

"فموافقته للامام الاعظم ليس اقل مما وافق فيه الشافعي......."

(فیض الباری ج ا ص ۵۸)

یہ تلطف کے طور پر حضرت نے لکھا ہے۔

دوسری بات : اہل حدیث بھی کوئی مستقل مذہب نہیں رہا ہے اور نہ کبھی بھی دنیا میں اہل حدیث کے نام سے کوئی مذہب کسی نے سنا ہے۔

تقریباتِ ختمِ بخاری ! ایک اچھا اقدام

بہر حال امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقام محدثین میں اور ان کی کتاب بخاری شریف کا مقام کتب اسلام میں کتب احادیث میں ایک مسلّم مقام رکھتا ہے

''کالشمس فی ضوء النهار و کالبدر الطالع فی اللیل''

امام بخاری رحمہ اللہ اور ان کی عظیم کتاب جس کی آج ہمارے یہاں تکمیل اور اختتام کی تقریب ہے اس مناسبت سے یہ بعض گذارشات کی جاتی ہیں۔ کچھ عرصے سے ہمارے دوستوں کے یہاں ایک اچھا رواج چل پڑا ہے کہ آخری حدیث مجمع عام میں پڑھ لیتے ہیں اور اسی طرح اسے ختم بخاری یا دستار بندی یا دینی مدرسے کا سالانہ جلسہ کہتے ہیں یہ ایک اچھا کام ہے۔ بعض بزرگ، بوڑھے ہوگئے ہیں بیمار بھی ہیں وہ اس کے خلاف باتیں کرتے ہیں لیکن وہی بزرگ زمبیا(Zambia) میں اور افریقہ میں اور فلاں فلاں ملکوں میں ختم بخاری میں ہماری موجودگی میں جاتے رہے ہیں، تو کبھی کبھی بزرگانِ دین کی طبیعت بھی کمزور ہوتی ہے ان کو اختیار ہے اس طرح بات کرنے کا وہ کوئی ایسے ہمارے پابند نہیں ہیں میں خود اس سال یہاں بیٹھ کے پڑھانے کے لئے زیادہ تیار نہ تھا کیونکہ ہمارے ادارے پر جو تکالیف گزری ہے ہمارے جو طلبہ شہید ہوئے ہیں جامعہ کے مقتدر استاد شہید ہوئے ہیں وہ غم اور صدمات ایسے ہیں کہ

غم دِ سادر نہ دے چہ زوڑ شی

او مُدام دے نوے غم رازی زے تیرا ؤمہ

لیکن طالب علموں کی عزت افزائی اور حوصلہ افزائی کہ انہوں نے دس سال، بارہ سال علوم پڑھے ہیں اور دربدر خاک بر سر شرق اور غرب اور کہاں کہاں پہاڑوں اور جنگلوں سے اترے ہیں اور اِن تکلیف دہ فضاؤں کے ساتھ انہوں نے گزارا کیا اور حقیقت یہ ہے کہ دینی طلبہ اسلام کا بہت بڑا سرمایہ ہیں خدا تعالیٰ غرور نفس، تکبر اور دیگر تباہ کاریوں سے انہیں بھی اور ہمیں بھی محفوظ فرمائے۔ حقیقت یہ ہے کہ محمد عربی الرسول الہاشمی والنبی الخاتم المختم ﷺ کا یہ ایک عجیب معجزہ ہے کہ ہمارے جیسے کمزور اور بے سرو نام ادارہ اس میں بھی تین سو سے زائد طلبہ دورۂ حدیث میں ہوتے ہیں اور ہمارے ایک نہیں دو دارالحدیث لبالب بھرے ہوئے ہیں اب بھی آپ کے سامنے یہ جتنے نظر آرہے ہیں دور تک یہ سب دورہ حدیث کے طلبہ ہیں کچھ طلبہ ہمارے تخصص کے تیس پینتیس۔ ہمارے یہاں تخصص کے لئے ترمذی شریف جلد اول اور بخاری شریف جلد اول میں بیٹھنا لازم ہے۔ مجھے ان کے پاس جانا نہیں ہوتا میں کمزور بھی ہو گیا ہوں اور کچھ بیماریاں بھی ہیں مصروفیات بھی ہیں اور ان کا حق بہت زیادہ ہے کہ پڑھنے کے بعد پھر بیٹھتے ہیں استادوں کی نگرانی میں تفقہ اور تبحر پیدا کرتے ہیں امت کی ایک بہت بڑی مشکل فتوے کی وہ حل کرنے کی صلاحیت اپناتے ہیں میں ان کو اپنے ترمذی اول اور بخاری اول میں بٹھاتا ہوں اور ان کی مناسبت سے الحمد للہ اس منہاج کا بھی کلام کرتا ہوں جو ان کے لئے بہت سود مند ہوتا ہے۔ بخاری شریف اور ترمذی شریف کی شرکت اور اعجاز کی وجہ سے وہ دورۂ حدیث کے تمام انعام و اکرام کے مستحق

ہوتے ہیں۔

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب

عجیب بات ہے کہ کراچی کا ماحول پوری دنیا میں ایک ڈراؤنا ماحول ہے اور صف اول کے لوگوں کے لئے اکثر تکلیفیں بڑھائی جارہی ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے علماء کو اور اہل حق طلباء کو جو استقامت دی ہے حقیقت یہ ہے کہ میں ان کی استقامت کو سلام کرتا ہوں۔

اگرچہ بہت ہے جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم آذاں لا الہ الا اللہ

اور جس طرح اس سال ہمارا ادارہ ناانصاف اور ناعاقبت اندیشوں کی طرف سے نشانہ بنا، ہمارے جامعہ کے مقتدر استاذ مولانا عنایت اللہ مدظلہ نے مجھے اور طلبہ کو تسلی کی تقریر میں بہت زبردست بات کہی کہ جہاں کام ہوتا ہے وہیں کے لوگوں کو نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ٹوٹے پھوٹے کام کو رواں دواں رکھے اور تاقیامت یہ چشمۂ فیضان جاری رہے اس سے مراد صرف احسن العلوم نہیں ملک بھر کے تمام مدارس اور جامعات اور دار العلوم اہلیان حق ہیں چھوٹے اور بڑے تمام مکاتب وہ سب ہمارے ہیں اور ہم ان کے

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر

طلبہ سے مراد صرف ہمارے طلبہ نہیں تمام اہل حق توحید وسنت کے جو حاملین ہیں اور متصفین ہیں ان کے تمام طلبہ علماء اور مدرسین وہ خونی ماحول سے گزرتے ہوئے اور براہ

راست ان کے اشخاص ان کے ذوات اور شدید قسم کے ظالمانہ بربریت کے حملوں میں ان کو نشانہ بنایا جس کا نہایت ہی اولوالعزمی سے انہوں نے مقابلہ کیا ہے میں دعا بھی کرتا ہوں اور تمام اہل حق مدارس کے علماء اور مدرسین طلبا ملازمین خادمین مہتممین سب کی خدمت میں ہدیہ تبریک اور اپنی طرف سے دو دستہ سلام پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آنے والے حالات بہتر بنائے۔

پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ

اور ہمارے لئے یہ کوئی اچھنبہ ماحول نہیں بلاشبہ ہمارے عزائم وہ نہ رہے جو ہمارے اسلاف کے تھے لیکن تخم وہی ہے پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ولی اللہ بالوحی فی الارض والسماء جناب رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں تیرہ سال جو گزارے کس خندہ پیشانی سے آپ ﷺ نے اہل مکہ کے مصائب و شدائد سہے اور کن کن حالات سے آپ ﷺ کے صحابہ اور آپ ﷺ کا ماحول گزرتا گیا اور آپ ﷺ منتظر تھے کہ جب خدا کہے تب میں یہاں سے جاؤں گا بغیر خدا کی وحی کے میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تنگ آکر کہیں جانے لگے تو آپ ﷺ نے کہا مجھے عنقریب خدا تعالیٰ اجازت دیدے گا۔ اس میں ہمارے لئے بڑی موعظت نصیحت آموز قسم کے اسباق ہیں وہی مکہ آپ ﷺ ہی نے فتح فرمایا

"وَاَنۡتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الۡبَلَدِ" (سورۂ بلد آیت ۲)

"اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا" (فتح آیت ۱)

علماء کہتے ہیں کہ فتح مبین سے مراد ابتداء فتح مکہ ہے اور انتہاء پورے عالم کی فتح ہے۔

دین اور دیندار طبقے کو پرایا سمجھنا کم عقلی ہے

دلیل و برہان سے آپ ﷺ نے پورے عالم کو فتح کیا ہے تعلیمات کی عظمت سے افعال کی شیرینی سے اقوال کی عظمت سے آپ ﷺ پوری دنیا کو پورے عالم کو فتح کر چکے ہیں

”هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ وَکَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیۡدًا۝ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ“ (فتح آیت ۲۸، ۲۹)

جو لوگ علماء کو، طلبا کو، نمازیوں کو دینی حلقوں کو پرایہ سمجھتے ہیں مجھے ان کی عقل پر افسوس ہے ان کے شعور سے شکوہ ہے مذہب کے لوگ دین کے لوگ ہمیشہ سب کے اپنے لوگ ہوں گے۔ آپ لوگ خود غور کر لیں ہم نے نہ اعلان کیا نہ اشتہار نکالا نہ کوئی دعوت نامہ چھاپا لیکن جہان جمع ہو رہا ہے صرف بخاری شریف سے محبت بخاری شریف پڑھنے والے طلبا سے احترام عقیدت اور محمد عربی ﷺ کی شفاعت کے استحقاق پیدا کرنے کے جذبے سے سرشار ہو کر لوگ پہنچ رہے ہیں۔ مذہب سب پر حاوی ہوتا ہے، مذہب اور اہل مذہب کا محافظ اللہ تعالیٰ خود ہے، مذہب کبھی بھی دہشت گرد نہیں ہوتا، مذہب کبھی بھی انتہا پسند نہیں ہوتا

”وَکَذٰلِکَ جَعَلۡنٰکُمۡ اُمَّةً وَّسَطًا“ (بقرہ آیت ۱۴۳)

اس امت کا نام ہے اعتدال والی امت میانہ روی اختیار کرنے والی امت

”وَاقۡصِدۡ فِیۡ مَشۡیِکَ“ (لقمان آیت ۱۹)

تمام امور میں اعتدال کی تاکید آئی ہے ”خیر الامور اوساطها“ اور چونکہ

شریعت کا پیغام عام ہے، تمام اقوام عالم کو محمد عربی ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کا پیغام دینا ہے، اس لئے تمام اقوام عالم کے ساتھ ہمیں رواداری رکھنی ہے اور انہیں دین سے آگاہ کرنا ہے اور یہ تب ہوگا جب ان کے ساتھ روابط اور مراسم ہوں اور اعتدال اور رواداری ہو۔

جہاد ایک وقتی ضرورت ہے، مجاہدین ایک وقتی تکلیف مصیبت اور اسلام اور مسلمانوں پر آئی بلاؤں کو ٹالنے کے لئے سر ہتھیلی پر رکھ کے میدان میں بیٹھتے ہیں اس لئے جب جہاد کی ضرورت پیش آتی ہے تو پھر نماز میں بھی تبدیلی پیدا کر دی گئی، آدھی جماعت پڑھے اور آدھی میدان میں رہے ورنہ یہ وہی نماز ہے جس میں بلاضرورت ہاتھ نہیں اٹھا سکتے مفتی اعظم ہند مولانا کفایت اللہ نے تعلیم الاسلام میں لکھا ہے کہ بلاضرورت ٹانگیں اٹھا لی جیسے سجدے کی حالت میں عوام اٹھاتی ہے اس سے نماز ساقط ہو جائے گی۔

لیکن یہی نماز مجاہدین میدان میں ہیں ان کو حکم یہ ہے کہ آدھی نماز پڑھے اور آدھی نماز میں یہ اٹھ کے جائیں میدان میں اور میدان میں جو دشمن کے مقابلے میں ہیں وہ آجائیں، تو نماز جو تھی پرسکون عبادت اطمینان سے لبریز عبادت جس کی روح ہی اطمینان اور سکون ہے نقل وحرکت منع ہے لیکن اس نماز کو بھی نیچے کر دیا گیا تاکہ جہاد کا پانسا کامیاب رہے۔ اہل علم یہ بات بھی جانتے ہیں کہ چونکہ اتفاق سے مغرب کی سازش سے عراق میں بوسنیا میں، چیچنیا میں، فلسطین میں، افغانستان میں اور کسی حد تک کشمیر میں جہاد اور مجاہدین کو اسباب کے درجے میں جتنی پریشانی پیش آئی تھی اس کا اللہ تعالیٰ نے جلدی تدارک فرمالیا اس لئے اہل دین، اہل ایمان اور اہل حق پر ہر وقت عرصۂ حیات تنگ کیا گیا لیکن اس سے

گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

تندیٔ باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اُڑانے کے لئے

اسلام کی تعلیمات ! امن، احسان، میانہ روی

اسلام میانہ روی کی تعلیم دیتا ہے اسلام متوسط ماحول پیدا کرتا ہے جیسے اعلیٰ درجے کا اخلاق ہر جگہ امن ہر جگہ قرار وسکون موجود ہو فقہاء نے لکھا ہے کہ جن کا مال لٹتا ہو ان سے بیت المال کے لئے راشن زکوۃ نہ لیا جائے ان کو امن نہیں دیا ہے تو زکوٰۃ کس چیز کی لے رہے ہو اور حکومت کی ہر طرح کی معصیت کا متحمل ہوگا لیکن علماء کہتے ہیں ظلم کا تحمل نہیں ہے اور ظالم حکومت بہت جلد تہس نہس ہو جائے گی

''الظلم ظلمات یوم القیٰمۃ'' (بخاری شریف ج ۱ ص ۳۳۱)

امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے اس پر باب قائم کیا ہے کہ یہی ظلم قیامت کے دن اندھیرے ہوں گے محدثین کہتے ہیں یہیں سے اندھیرا چھا جانا شروع ہوا، اللہ تعالیٰ ظالموں کو اور ناانصافوں کو بھی ان کے ظلم اور ناانصافی سے دنیا میں ہی توبہ کی توفیق عطا فرمائے اور بدچلنوں کو اور دہشت گردوں کو اللہ نیک سیرت اور نیک خصلت بنائے اور دشمنوں کو اللہ اسلام کے اور مسلمانوں کے موافق اور دوست بنائے، اسلامی تعلیم میں اور اسلامی رعایا میں کسی کے ساتھ کسی درجے میں بھی غیر ضروری تشدد یا انتہا کا ثبوت نہیں دیں، تمام احکام حدود کے ساتھ عدل میانہ روی کے ساتھ نافذ ہیں جیسے کہ اس کے

اسرار و حکم اہل علم خوب جانتے ہیں جنہیں عقل و ہوش نہیں ہے، جو بے انصاف ہیں وہ فضول باتیں کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے یہاں بکرے کٹ رہے ہیں مینڈھے کٹ رہے ہے مرغیاں کٹ رہی ہیں یہ نہیں ہونا چاہیے یہ اس کے سوئے فہم اور قلت عقل اور معاشرتی شعور سے محرومی کی وجہ ہے۔ جیسے گوتم بدھ کی طرف منسوب ہے کہ وہ کسی قربانی کے قائل نہیں تھے کتنی غلط بات ہے قرآن کریم میں ہے

''وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا'' (سورۂ مائدہ آیت ۲۷)

کہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے مسلمانوں اور انبیاء کرام میں قربانی کا رواج ہے، قربانی سنت طریقہ ہے، قربانی حلال جانور کی ہوتی ہے، تو جو انتہا پسند ہیں ان کو نہیں پہچانتے ہیں ہندو گائے جیسے جانور کو مذہبی ماں کہتے ہیں اور اس کا پیشاب پیتے ہیں اگر بچہ پیدا ہو جائے تو پیشاب میں نہلاتے ہیں کہتے ہیں پکا ہندو ہو گیا سیدھا جہنم جائے گا اور جب ہندو مر جاتا ہے تو اس کا جو بڑا بیٹا ہوتا ہے وفادار جانشین اس کا فرض ہے کہ وہ اپنی ماں یا باپ کی لاش کو آگ میں جلائے یعنی مسئلہ تو یہ تھا کہ مرنے کے بعد ان کو آگ دی جائے اور لوگ دیکھ رہے ہیں کہ دنیا میں وہ آگ میں جل رہا ہے یہ انتہا پسندی ان کو نظر نہیں آتی ہے، ان کو روکتے نہیں ہیں کہ خبردار انسان کو جلانا ایک غلط فعل ہے، انسانیت کے خلاف ہے، صرف مسلمانوں کی عظمت اور مسلمانوں کی دلربائی اس کے ساتھ بغض کی وجہ سے انہیں نشانہ بنایا جا رہا ہے۔

مسلمان اور ہندو کے درمیان ایک مکالمہ

ایک بار کالج کے اندر کچھ لڑکے پڑھتے تھے تو کچھ لڑکے بڑے سمجھدار بڑے دیندار اور بڑے علم کے سرفروش ہوتے ہیں آپس میں ایک مسلمان لڑکے میں اور ایک ہندو لڑکے میں بحث ہوئی مسلمانوں کے یہاں مردے کی تدفین ہوتی ہے اور ہندوؤں کے یہاں مردے کو جلایا جاتا ہے اس نے کہا جلانا اچھا ہے مسلمان نے کہا نہیں قبر میں مٹی میں رکھنا اچھا ہے ایک اور مسلمان اور ہندو کو تلاش کیا کہ ہم دونوں دلائل دیں گے مسلمان دلائل دے گا کہ قبر میں رکھنا اچھا ہے یہ انسانی منزلت کے مطابق اور ہندو کہے گا کہ لاش کو جلانا اور آگ لگانا بہتر ہے آپ دونوں سن لیں اور بعد میں فیصلہ کریں کون حق پر ہے دونوں نے بحث کی اور مناظرہ میں جتنی دیر لگی، لگی، اس کے بعد دلائل مکمل ہو گئے اور دونوں ججوں سے کہا گیا کہ وہ فیصلہ سنائیں انہوں نے فیصلہ سنایا، انہوں نے کہا کہ اصل میں دونوں صحیح ہیں ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ بس یہی دنیا ہے آگے کچھ نہیں ہے یہ روح واپس آتی ہے جوان کے یہاں نظریہ ہے تناسخ کا جب آخرت ہے ہی نہیں ان کی تو ان کو کیا قبر میں رکھنا ہے وہ تو کچرا ہے اور آگ میں جلایا جاتا ہے، مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ دنیا تو امتحان ہے اصل انعام واکرام مرنے کے بعد آخرت میں ہے وہ خزانہ ہے اور خزانے کو مٹی میں دفنایا جاتا ہے اور بیش بہا اور قیمتی خزانہ ہے مسلمانوں کا مذہب عقلا نقلا درایۃ روایتا تمام اوامر ونواہی اصول و فروع تمام مذاہب میں اسلام اللہ کے فضل سے فضل شعور تہذیب بصیرت خلقت کے مطابق ہے تو مسلمانوں کے مردے کو دفنایا جاتا ہے کیونکہ وہ ایک قیمتی خزانہ ہے اور خزانہ

زمین میں دبایا جاتا ہے نہ کہ اسے جلایا جاتا ہے۔

امام بخاری کا طریقہ کار اور بخاری شریف کی ابتداء

امام بخاری رحمہ اللہ نے الجامع الصحیح مکمل فرمائی ہے اور عجیب وغریب تقویٰ اور پرہیز گاری سے، کہا جاتا تھا تقریبا ہر مجلس کے لئے یہی زیادہ مناسب ہے کہ حضرت غسل فرماتے تھے استخارہ کرتے تھے اور پھر احادیث درج فرماتے تھے، یہ کہنا کہ حضرت صاحب ہر حدیث سے پہلے یہ اہتمام فرماتے تھے یہ کم عقلی کی بات ہے اور بعید از عقل ہے، امام بخاری رحمہ اللہ کے حالات میں ہے کہ میں نے کبھی کسی کی غیبت نہیں کی اور میرے مال میں کوئی شک کی چیز نہیں ہے، یہ بھی لکھا ہے کہ امام بخاری کی ایک دفعہ کسی مال ومتاع کے سلسلہ میں ایک شخص سے بات ہوئی اور اس نے کہا کہ جب آپ اتنے کا دیں گے تو میں لے لوں گا امام صاحب نے کہا میں راضی ہوں وہ سودا کئے بغیر چلا گیا اور دوسرا آیا اس نے دوہری قیمت دینے کا عندیہ دیا لیکن امام بخاری نے کہا کہ اس نے مجھے نہ تو نہیں کیا ہے خاموش چلا گیا میں مال کے لئے اپنی نیت نہیں بدلوں گا میں نیت کر چکا تھا اس کو دینے کی ،تقویٰ اور پرہیز گاری دیکھیں ایجاب قبول نہیں ہوا تھا لیکن حضرت نے کہا دنیا کے لئے میں اپنی نیت نہیں بدلوں گا۔امام بخاری رحمہ اللہ نے

''الجامع الصحیح المسند المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسننہ وایامہ''

شان وشوکت سے مکمل فرمائی ہے۔اس زمانے کے جو مسانید العلم تھے امام احمد

بن حنبل ، امام ابوزرعہ، امام ابن ابی حاتم ان بزرگوں نے اوراسحاق ابن ابراہیم راہویہ حنظلی بلکہ کہتے ہیں کہ اسحاق بن ابراہیم حنظلی نے ہی ایک مجلس میں کہا تھا ''یا لیتنی لو قام شیخنا شاب و .....'' ہدیۃ السعدی میں ہے ابن حجر نے نقل کیا ہے امام راہوے نے یہ اظہار کیا تھا کہ کوئی جوان ہمت محدث صحاح کو غیر صحاح سے علیحدہ کرلے امام بخاری کہتے ہیں میں نے اسی مجلس میں نیت کی تھی اور شروع کرلیا۔ سب سے پہلے مکہ مکرمہ گئے اور بیت اللہ شریف کے سامنے حجر اسود اور ملتزم کے درمیان میں بدء الوحی لکھنا شروع کیا۔ کہا جاتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے علوم کے متعلق تیرہ سال میں مکہ کی زندگی میں جو کچھ ہوا وہ امام بخاری رحمہ اللہ نے وہاں نقل فرمایا اور پھر مدینہ منورہ آئے اور مواجہ شریف میں بیٹھ کر باقی کتاب مکمل کی کیونکہ دین مکہ سے شروع ہوا اور مدینہ میں مکمل ہوا ہے، الجامع الصحیح مکمل ہونے کے بعد علماء حجاز، بخارا اور ثمر قند اور نیشاپور سب کو پیش کی گئی، تمام کو تقسیم فرمائی اس وقت سے لے کر آج تک اللہ تعالیٰ نے امام بخاری کو اسلام کا سپہ سالار بنایا اور ان کی کتاب کو اسلام کا عظیم سرمایہ بنایا۔

بخاری میں احادیث کی تعداد

مسلمان، علماء ہوں یا عوام خاص کر عوام ہر ایک دل و جان سے اس سے محبت کرتا ہے اس پندرہویں صدی میں بھی بخاری کے درس، بخاری کے بیان، بخاری کی احادیث، کسی بھی مجلس میں کہا جائے کہ بخاری میں آیا ہے، فوراً آپ مطمئن ہوجاتے ہیں کہ بہترین اور صحیح حدیث بیان ہورہی ہے۔ امام بخاری نے صحت کا جو اہتمام کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس

کو بڑا سرفراز فرمایا ہے، چنانچہ الجامع الصحیح حضرت نے ترتیب دی، تبیین فرمائی، جمع فرمایا، بڑا وقت لگایا اس میں اور کہتے ہیں چھ لاکھ کے مجموعے میں سے حضرت والا نے یہ چند ہزار احادیث منتخب فرمائی ہیں، باقی لوگ اس بات کو نہیں سمجھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ چھ لاکھ پوری کیوں جمع نہیں کیں، میں کہتا ہوں کہ اگر وہ یہ بھی نہ کرتے تو وہ کوئی آپ کے مزدور تھے کیا؟ ایسی فضول بات کرتے ہیں اصل بات یہ ہے کہ یہی سب کچھ ہے لیکن اس کے سمجھنے میں حدیث کا شعور چاہیے۔

وہ اس طرح کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے "**انما الاعمال بالنیات**" نقل کی ہے سات جگہ اور ساتوں جگہ ان کے شیخ علیحدہ ہیں تو یہ ایک حدیث نہیں ہے یہ سات ہیں کیونکہ محدث کو تو سند یاد کرنی پڑتی ہے اور ہر جگہ وہ شیخ تبدیل کرتے ہیں طلباء خوب جانتے ہیں اور علماء تو جانتے ہی ہیں حلیمی نے معجم میں کہا ہے کہ حدیث "**انما الاعمال بالنیات**" تقریباً سات سو پچیس یا پچھتر طرق سے منقول ہے، محدثین کے نزدیک یہ سات سو سے زیادہ احادیث ہو جائیں گی، لیکن فقہاء چونکہ متن دیکھتے ہیں "**انما الاعمال بالنیات**" یہ متن ہے وہ ایک حدیث مانیں گے اس کو تو باعتبار متن کے ایک ہے اور باعتبار اسانید کے خود بخاری میں سات ہے اور اس کو جب جمع کریں گے تو سات سو پچیس یا پچھتر کے قریب اس کی تعداد ہو جائے گی۔ اس طرح کے امام بخاری رحمہ اللہ کی تمام احادیث کو غور سے آپ دیکھیں گے کہ یہ کل کتنے طرق سے ہیں تو انشاء اللہ تعالیٰ وہ چھ لاکھ پوری ہو جائیں گے۔ اللہ کے فضل و کرم اور اس کے احسان سے اور یہ کوئی بعید بات تو نہیں ہے، اس کی مثال ایسے سمجھیں کہ، معراج ﷺ کے موقع پر پچاس نمازیں تھیں پھر پانچ رہ گئیں اور اعلان یہ ہوا

کہ "تلک خمس وخمسون"

"مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَىَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ"(قٓ آیت ۲۹)

یہ پانچ بھی ہیں اور پچاس بھی ہیں اجر وثواب تو ہے ہی

"مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا"(انعام آیت ۱۶۰)

علماء دین کہتے ہیں یہ سنتیں، اوابین، نوافل، اشراق، چاشت، قیام اللیل، تہجد یہ تمام نمازیں مل کر تقریباً پچاس پوری ہوجائیں گی۔ پانچ قطعی اور بقیہ اختیاری، یہ سب انسان کے طبائع اور مزاج پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا طرز

تو امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب کا آغاز وحی سے فرمایا اس کے بعد ایمان لے آئے اور پھر علم لے آئے کیونکہ علم کو سمجھنے کے لئے وحی کی ضرورت ہے اور وحی اس لئے تاکہ ایمان لائے تو کتاب الایمان لے آئے پھر ایمان کی کتنی تفصیلات ہیں اور مسائل واحکام ہیں تو اس کے بعد کتاب العلم لے آئے، جب علم حاصل ہوا تو علم کے بعد اس پر عمل کرنا ضروری ہے اور اعمال میں سب سے بلند عمل نماز ہے اور نماز کے لئے وضو اور طہارت شرط ہے تو نماز سے پہلے کتاب الطہارت لے آئے اور اس کے بعد نماز بالتفصیل اور دیگر اعمال کا تذکرہ ہوا علی ھذا القیاس الیٰ آخر الجامع۔ کتاب کے آخر میں باطل کا رد کیا" کتاب الرد علی الجھمیۃ" کہ دنیا کے اندر رہتے ہوئے حق کو حق کہنا ضروری ہے اور غلط کو غلط کہنا ضروری ہے دنیا میں جب آپ حلال کا تعارف کریں گے تو ان چیزوں کا تذکرہ بھی

ضرور کریں گے جن سے بچنا بہت ضروری ہے کہ یہ شرعاً حرام ہیں، اہل حق کو اہل حق ثابت کرنے کے لئے کچھ اہلیان باطل کی نشاندہی کرنی پڑے گی تا کہ بسادہ مزاج مسلمان غفلت میں پڑ کر ان کے شکار نہ ہو جائیں لوگوں کے ایمان اور انجام بچانے کے لئے آپ کو یہ بھی کرنا پڑے گا لیکن اپنا پروگرام اور اپنا عقیدہ مضبوط رکھنا ہے تو کتاب التوحید یہ سب باتیں میں نے درس میں کہی ہیں اور طلباء عزیز خوب سمجھ چکے ہیں اور علماء تو ہیں ہی۔

وزن اعمال کی کیفیت

جس وقت امام بخاری رحمہ اللہ الجامع الصحیح کو مکمل فرما رہے تھے تو ان کو ایک فکر دامن گیر ہوئی، کیونکہ یہ دنیا ختم ہو جائے گی، دنیا تو ختم ہونے کے لئے ہے

" وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيۡبَ فِيۡهَا وَاَنَّ اللّٰهَ يَبۡعَثُ مَنۡ فِى الۡقُبُوۡرِ "(حج آیت ۷)

"وَمَآ اَمۡرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمۡحِ الۡبَصَرِ اَوۡ هُوَ اَقۡرَبُ"(نحل آیت ۷۷)

آنکھیں جھپکنے میں دنیا ختم ہو جائے گی دنیا جب ختم ہو جائے اور آخرت برپا ہو جائے تو وہاں ایک بڑا مسئلہ پیش آئے گا وزن اعمال کا اور اعمال کا تلنا برحق ہے یہ کوئی عام سی یا زبانی سی بات نہیں ایک حقیقت ہے

''وَالۡوَزۡنُ يَوۡمَئِذِ ۨالۡحَقُّ ''(اعراف آیت ۸)

اس دن کا تول ترازو اعمال کا برحق ہوگا۔ تو جب انسان میں ایمان ہوگا تو اس کے اعمال وزن دار ہوں گے اور جو کوئی بھی بغیر ایمان کے وہاں گیا تو دنیا میں کیئے ہوئے تمام اعمال بے وزن ہو جائیں گے۔ پھر اعتراض کرتے ہیں کہ اعمال تو اعراض ہیں یہ کیسے

تولے جائیں گے، جیسے مناطقہ نے کہا اور تلنے والی چیز تو جواہر ہے یہ کہا جاتا ہے کہ "عرض ماقام بالغیر" اور "جوھر ماقام بنفسہ" حالانکہ بات بالکل بدل گئی ہے جس کو منطقیوں نے اعراض کہا تھا جیسے اعمال وہ جواہر نکلے اور جن کو انہوں نے جواہر سمجھا تھا وہ اعراض نکلے وہ اس لئے کہ انسان ان کے یہاں جوہر ہے لیکن وہ نہیں رہتے لیکن بخاری شریف میں امام بخاری کا عمل ہے وہ موجود ہے اور اللہ جل جلالہ عم نوالہ نے اعمال کا کہا ہے کہ یہ تلیں گے، پہلی بات تو یہ ہے کہ تولنا یہ دنیا کے اندر بھی ہم دیکھتے ہیں، مثلاً

ایک شخص بیمار ہے یا ایک عارضہ ہے ڈاکٹر صاحب تھرمامیٹر رکھ کر کہتا ہے کہ ایک سو دو بخار ہے اگر بروقت ٹھنڈے پانی کی پٹی نہ رکھی گئی یا دوانہ دی گئی ۱۰۴، ۱۰۵ ہو جائے گا، یہ بخار کیا ہے یہ کیفیت ہے عرض ہے۔

شوگر اتنی ہائی ہے ایک معمولی سا آلہ انسان کی طبیعت اور اس کی کیفیت بتاتا ہے کہ شوگر بہت کم ہوگئی ہے یا بہت زیادہ ہوگئی ہے۔

بلڈ پریشر، دل کی حرکت ان سب چیزوں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، ہمارے بزرگ اور محسن معالج علمی خاندان کے چشم و چراغ اور ایشیاء کے دل کے سب سے بڑے ماہر اور اولیاء و صلحاء کی یادگار جناب ڈاکٹر عبد الصمد صاحب ایک مریض کو دیکھنے کے لئے یہاں تشریف لائے، تو اس مریض کے سینے پر کان رکھا اور سننے لگے، میں نے کہا ڈاکٹر صاحب کیا سن رہے ہیں، انہوں نے کہا کہ دل کی آواز سن رہا ہوں بیمار دل کی آواز بھی بیمار ہوتی ہے اور صحت مند دل کی آواز صحت مند ہوتی ہے یہ جو دھڑکتا ہے۔

عبد الرحمان بابا نے کہا

د مات لوخی آواز کلہ ثابت خیجی

د ہر چا عمل سرگند پہ خپل گفتار شی

یہ بات تو دنیا کے اندر ہی ثابت ہوگئی کہ اعراض وزن کئے جارہے ہیں ان کا اسٹینڈر بتایا جاتا ہے ۴،۲،۱۰ سب چیزیں مشینی آلات کے ذریعہ سامنے آجاتی ہیں۔

تو اللہ احکم الحاکمین جل واعلیٰ اس کے یہاں کیا کمی ہے وہ تو قادر مطلق ہے، قیامت کے دن ان اعمال کو تولنا اس کے لئے کیا دشوار ہے؟

"باب قول اللہ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ"

یہ باب ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم انصاف کے تراز و قائم کریں گے "وَنَضَعُ" تفسیر کبیر میں "نقیم" اور موازین میزان کی جمع ہے۔ دودھ اور طرح تلتا ہے گندم اور طرح، کپڑے کو ناپنے کا طریقہ اور ہے، سونا اور چاندی کے تولنے کے اور ذرائع ہیں۔ شاعر کہتا بھی ہے کہ

ملک تقوم الحادثات لعدله فلکل حادثة میزان

(فصول فی اصول التفسیر ص ۱۱۱)

ہر ہر کام کا علیحدہ تراز و ہوتا ہے اور یہ میزان کی جمع ہونا ضروری نہیں ہے موازین جمع ہے تفهیم الشان کے لئے جیسے

"كَذَّبَتْ عَادُ نِ الْمُرْسَلِيْنَ" (شعراء آیت ۱۲۳)

حالانکہ انہوں نے صرف حضرت صالح علیہ السلام کی تکذیب کی لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بہت زیادتی کی یہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب ہے اصول دین میں

انبیاء متفق ہیں قولان مشہوران لہٰذا الشان ''القسط'' کہتے ہیں کہ یہ صفت ہے موازین ''القسط القاسطاس'' اور بعض کہتے ہیں یہ منسوب'' بنضع الحافظ ''یعنی اصل میں ہے''للقسط'' لیکن اس کو ہٹا دیا گیا'' القسط''''وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ'' اور'' ليوم القيامة '' یہ ظرف واقع ہے کہ قیامت کے دن یہ اعمال کا تول ترازو ہوگا۔

''وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ''(انبیاء آیت ۴۷)

قیامت کے دن ترازوئے عدل لگیں گے'' وان اعمال بنى آدم وقولهم يوزن ''اور بنی آدم کے اقوال اور ان کے اعمال تلیں گے بنی آدم ہی ہوں گے جنات نہیں ہوں گے کیا؟ تو کہتے ہیں کہ یہ تغلیباً کہا گیا ہے اس میں جنات بھی شامل ہیں اور'' وقولهم'' کیوں کہا اس لئے کہا کہ زبان ایک ہی ہے سب باتیں سب کام یہ کرتی ہے۔ زبان ایک ہوتی ہے باتیں بہت ساری کرتی ہے اس مناسبت سے قول لے آئے اگر چہ قابلسی کے نسخے میں ''واقوالهم'' ہے پھر تو بات ہی ختم ہوگئی۔ قرآن کریم کی ایک آیت میں ہے

''وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ''(شعراء آیت ۱۸۲)

ترازو سیدھا رکھو، بعض اوقات تولنے والے تولنے میں ایسا دھوکہ کرتے ہیں کہ آپ حیران رہ جائیں۔

استاذ سے چمٹے رہنا پختگی علم کی دلیل ہے

''قال المجاهد القسطاس مصدر المقسط ''امام مجاہد فرماتے ہیں

قسطاس، مقسط کا مصدر ہے، امام مجاہد تفسیر کے بہت بڑے امام ہیں حضرت الاستاذ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب '' یتیمۃ البیان '' میں لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے استاذ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے تیس مرتبہ قرآن کا ترجمہ وتفسیر پڑھا ہے۔ آج کل کے طلباء ہم سے ایک سال پڑھ لیتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ ایک سال پڑھ لیا اب ہم کیا کریں؟ جب تک علوم پختہ نہ ہوں استادوں کے ساتھ جڑے رہیں، ہل کر رہیں اس زمانے کے طلبہ کا علمی میدان کیوں کمزور ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ سوچتے ہیں بس فارغ ہوگیا تو بس فاضل ہی ہوگیا فارغ نہیں ہونا ہے برتری حاصل کرو استادوں کو باہم مضبوط پکڑو اور دیر تک ساتھ رہو۔

کہتے ہیں کہ ابن جنی مشہور عالم ہے انہوں نے اپنے استاد ابوعلی الفارسی سے پڑھا اور بہت جلدی کمال کو پہنچ گئے اور اپنا درس شروع کر دیا علامہ ابوعلی الفارسی نے درس میں پوچھا کہ '' کیا بات ہے ابن جنی نہیں آرہا '' لوگوں نے کہا '' ان کا خود کا اتنا اچھا درس ہوتا ہے '' علامہ ابوعلی الفارسی کو جب موقع مل گیا تو ان کا درس ہو رہا تھا حضرت بھی ایک سائڈ پر آکر بیٹھ گئے اور سنتے رہے اور روانہ ہوتے ہوئے کہا '' قد ذبب قبل انصرام '' انگور وقت سے پہلے پک چکا ہے جب وہ چلے گئے تو ابن جنی کو لوگوں نے کہا کہ حضرت شیخ آئے تھے ابوعلی الفارسی، تو انہوں نے پوچھا کیا کہا تو انہیں بتایا گیا کہ وہ کہہ کر گئے ہیں '' قد ذبب قبل انصرام '' مؤرخین لکھتے ہیں جب ابن جنی نے یہ سنا تو اپنا درس ختم کر دیا اور چالیس سال تک اپنے شیخ کے ساتھ رہے اور پھر کبھی بھی جدا نہیں ہوئے، استاذ سے بھی کوئی جدا ہوتا ہے جدائی تو موت پر آتی ہے۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے متعلق حسن التقاضی میں بلاد عرب کے انور شاہ شیخ زاہد الکوثری رحمہ اللہ نے لکھا ہے

''کان ابویوسف عظیم الاجلال لشیخیه ابن ابی لیلی وابی حنیفة کبیر البر لهما فبذلک نال برکة العلم''

(حسن التقاضی فی سیرۃ امام ابی یوسف القاضی، ص ۱۹، تصال ابی یوسف بمجلس ابی حنیفۃ)

لکھا ہے کہ امام ابی یوسف رحمہ اللہ کو اطلاع ملی کہ گھر والی بیمار ہے، انہوں نے کہا کہ دایا بلالو، پھر اطلاع ملی کہ بچہ ہوگیا، حضرت نے کہا کہ آذان دے دو اور گھٹی بھی دے دو، پھر اطلاع آئی کہ بچہ بیمار ہوگیا، حضرت نے کہا کہ طبیب کو بلاؤ، پھر اطلاع آئی کہ بچہ فوت ہوگیا، حضرت نے کہا کہ جنازہ پڑھ لو، لیکن درس چھوڑ کر نہیں اٹھے، امام ابوحنیفہ کا درس جاری تھا اور امام ابوحنیفہ ایک مسئلہ پر ایک دن کلام کرتے تھے پھر دوبارہ کبھی نہیں کرتے تھے مسائل بہت زیادہ تھے فقہ حنفی مدون ہورہی تھی ،اس سب کا نتیجہ دیکھیں کہ امام ابی یوسف رحمہ اللہ جب قاضی القضاۃ بنے خلیفہ ہارون رشید کے دور میں تو مدینہ میں امام مالک موجود تھے اور مکہ میں ابن جریج تھے، کوفہ میں امام شافعی اور چاروں آئمہ ابوثور اوزاعی سفیانین سب موجود تھے اور ان سب پر امام ابو یوسف قاضی القضاۃ مقرر تھے، تیس ہزار جید علماء اور قاضی آپ کے سامنے روز حاضری لگاتے تھے اور ''الرعی والذکر للعلماء'' ابن .....لکھتے ہیں کہ اپنے زمانے میں احفظ للاحادیث والاسانید امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ تھے، آپ کے زمانے میں آپ سے بڑھ کر حافظ الحدیث اور کوئی نہیں تھا، وقت کے فقیہ فقہاء کے سرتاج تھے کیونکہ اپنے اساتذہ اور مشائخ کا حضرت والا بہت زیادہ احترام کیا

کرتے تھے۔

ہمارے تو مسلک اور مکتبہ فکر کی خصوصی روایت ہے کہ اپنے اساتذہ اور مشائخ کا اتنا احترام کرتے ہیں کہ اس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی ہمارے مولانا عنایت اللہ صاحب نے مجھے کہا طلباء جو زخمی ہوئے تھے بعد میں شہید بھی ہوئے بتایا کہ جب ان کو دیکھنے کے لئے اس طرح ان کے قریب ہوتے تھے تو خون میں لت پت جسم کے ساتھ اپنے استاذ کا اس وقت بھی ادب کرتے تھے، شک نہیں ہے کہ یہ ایک عظیم خزانہ ہے یہ نبوت کے علوم اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کئے ہیں وہی اثرات اور جلوے پوری دنیا میں نظر آرہے ہیں۔

لفظ ''القسط'' کی تحقیق

تو آیت میں ایک لفظ آیا ہے'' وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ '' ترازو سیدھا استعمال کرو اس میں ٹیڑھ پیڑھ نہ کرو تو یہ قسطاس کیا چیز ہے امام مجاہد نے کہا یہ سیدھے کو کہتے ہیں اردو زبان میں تو ایک اور مسئلہ پیدا ہو گیا کہ'' هل وقع عجمة فى القرآن '' ابن جریج وغیرہ نے اس کا انکار کیا تھا لیکن اصلاً ثابت ہے اور یہ تغلیباً ہے اور اب وہ فصیح عربی بن چکا ہے، '' ويقال القسط مصدر المقسط '' قسط جو ہے یہ مقسط کا مصدر ہے، مقسط کا مصدر تو اقساط آئے گا باب افعال ہے...... اعتبار اصل الاصل کا کیا ہے'' وهو العدل '' مقسط کا معنی ہے انصاف کرنے والا انصاف پسند کرنے والا

'' اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ '' (سورۃ مائدہ آیت ۴۲)

'' واما القاسط فهو الجائر '' قاسط جائر کو کہتے ہیں ظالم کو

''وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ''(سورۂ جن آیت ۱۵)

اصل میں بتانا چاہتے ہیں کہ الفاظ ترازو کے بھی ہوتے ہیں اور صیغہ ایک اعتبار سے ایک معنی دیتا ہے جیسے ''وجد یجد، وجداناً ''معنی پانے کا ہے اور ''وجد یجد، وجداً '' بمعنی غضب کے ہیں کتنے صیغے ہیں جو مصدر سے بدل جاتے ہیں متعلق سے بدل جاتے ہیں صلے سے بدل جاتے ہیں سیبوے نے مستقل کتاب الصِلات لکھی ہے تو مقسط کے معنی ہے انصاف کرنے والا اور قاسط کے معنی انصاف نہ کرنے والا ظلم کرنے والا تو مقسط پسندیدہ ہے ''اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ''(سورۂ مائدہ آیت ۴۲)

اور قاسط دوزخی جہنمی کو کہتے ہیں ظالم کو کہتے ہیں حجاج ابن یوسف سے جو اختلاف کیا تھا امام شافعی رحمہ کہتے ہیں کہ سعید ابن جبیر سید التابعین کو میں صحابہ کے برابر سمجھتا ہوں علم میں تو بعد میں سعید ابن جبیر پکڑے گئے لائے گئے اور ''حجاج ابن یوسف مبر هذه الامة وفرعونها ''اس نے پوچھا ''ماتقول فِيَّ ''میرے بارے میں کیا خیال ہے اس نے کہا ''ارٰک قاسطا عادلا ''میں آپ کو اب بھی، قاسط عادل کہتا ہوں ''ففرح الحاضرون ''لوگ خوش ہو گئے آپ نے کہا ''ویلکم لاتفهمون انه سبنی سبا شدیدا'' سمجھتے نہیں اس نے تو مجھے بڑی بددعا اور گالی دی ہے کیونکہ قاسط تو کہا مقسط نہیں کہا اور ''وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ''(سورۂ جن آیت ۱۵)

اور عادل جو کہا ہے ''ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ''(سورۂ انعام آیت ۱)

مشرک کے معنی میں کہا ہے ''یعدلون ای مشرکون ''حجاج ابن یوسف بھی لغت عرب کا امام تھا۔ (حضرت اقدس شاہ صاحب نے لکھا ہے)

وہ ابونواس بغداد میں آیا ھارون رشید کے دربار میں اشعار وغیرہ پڑھے اور اس نے کچھ دیا نہیں تو بعض لوگ جب کچھ نہیں ملتا تو بہت غصہ ہو جاتے ہیں اس نے جاتے وقت باہر بورڈ پر شعر لکھا کہ

لقد ضاع شعری علیٰ بابکم کما ضاع در علی خالصه

اس کی ایک کنیز تھی بہت پسندیدہ خالصہ نام تھا تو ہارون رشید کو کسی نے کہا کہ اس نے ایسا کہا ہے کہا بلاؤ تو آکر اس نے ضاع کے عین کو ء بنادیا اس نے کہا آپ نے کیا لکھا ہے اس نے کہا میں نے لکھا ہے "لقد ضاء شعری" میرا شعر چمک گیا "ضاء یضیء" ضیاء سے ہے، پھر جب وہاں سے واپس جانے لگا تو پھر شعر کو اسی طرح کر دیا اور " ء " کو دوبارہ " ع " بنادیا۔ (تفسیر کبیر ج ۱ص ۴۱۲، ۴۱۳)

احادیث میں بھی ایسے الفاظ واقع ہیں جیسے دعاء میں نور میں ہے

"اللھم اجعل لی نورا فی قلبی ونورا فی قبری ونورا من بین یدی ونورا من خلفی و نوراعن یمینی و نوراعن شمالی ونورا من فوقی ونورا من تحتی و نورا فی سمعی ونورا فی بصری ونورا فی شعری ونورا فی بشری و نورافی لحمی و نورافی دمی و نورا فی عظامی اللھم اعظم لی نورا واعطنی نوراواجعل لی نورا"

(ترمذی ج ۲ص ۱۷۸، بخاری ج ۲ص ۹۳۵ مختلف الفاظ کے ساتھ)

یہاں بعض طرق میں ہے " وذکر خصلتین " دو خصلتیں اور ہیں تو کسی ظالم سے غلطی ہوگئی یا کاتب سے سہوا ہو گیا تو " خصلتین " کی جگہ " خصیتین " لکھ دیا اور

بڑے حفاظ زمانے کے شکار ہو گئے، علامہ خطابی بوستی نے ایک کتاب لکھی ہے اس کا نام ہے ''خطاء المحدثین'' میں نے طلباء سے کہا ہے کہ اس کو حاصل کرو یہاں ایک کتب خانہ نے شائع کی ہے اور ابن الجوزی نے ایک کتاب لکھی ہے ''کشف المشکل '' کہ جو احادیث کے معنی خود اہل علم بیان کرتے ہیں اس میں احتیاط ہو اور سب سے بڑی کتاب امت میں ابو جعفر طحاوی سرخیل اور تاجدارِ امت حنفیہ کے بڑے عالم ہیں

'' حتیٰ یفوق فی بعضه علی البخاری نبه علیه الشیخ انور ''

ان کی کتاب شرح مشکل الاحادیث ۱۶ ضخیم جلدوں میں چاہئے کہ تمام طالبِ علموں کے سرہانے، عالم کے سرہانے رکھی ہوئی ہو اس میں تمام ان مواطن کو سمجھایا گیا ہے جہاں ایک محدث سے خطا واقع ہو سکتی ہے۔

وزنِ اعمال کی کیفیت

بہر حال قیامت کے دن ترازو لگیں گے اور اس ترازو کے پلڑے ہوں گے (آج کل سیاسی لوگوں نے بھی ترازو نکالا ہے) اور

'' کفت الحسنات بایضاء الجنة و کفت السیئات بایضاء النار ''

جو نیکیوں کا پلڑا ہے وہ جنت کی سیدھ میں ہے اور جو بد اعمال اور گناہوں والا ہے وہ جہنم کی سیدھ میں ہے اور کہتے ''له لسان و کفتان '' اس کے رغب بھی ہے با قاعدہ صحیح معنوں میں ترازو لگے ہیں ''وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ'' '' فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ'' جن کی نیکیاں بھاری ہیں '' فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ'' ''وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُه'' (اعراف) جن کی نیکیاں ہلکی ہوئی اور گناہ بڑھ گیا وہ نقصان اٹھائے گا۔ یہ بھی بحث کی گئی

ہے کہ صاحب المیزان کون ہے اس سلسلے میں تین روایتیں ہیں ایک روایت میں ہے کہ حضرت جبریل ہوں گے، دوسری روایت میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ہوں گے اور تیسری روایت میں ہے کہ عزرائیل ہوں گے ۔تو علماء نے کہا ہے کہ یہ تینوں باتیں جمع ہو جائیں گی کیونکہ عدالت کے اندر جب کیس پیش ہوتا ہے تو ایک جس ایس ایچ او، ڈی ایس پی کے علاقے میں قتل ہوا ہے جرم ہوا ہو وہ پیش ہوتا ہے تو وہ ملک الموت ہے دوسرا یہ کہ جن کا نقصان ہوا ہوتا ہے ان کا آدمی آتا ہے تو حضرت آدم علیہ السلام کو کہا جائے گا آپ کھڑے رہیں یہ آپ کی اولاد کے اعمال تُل رہے ہیں اور تیسرا سرکاری وکیل ہوتا ہے تو وہ حضرت جبرئیل ہیں وہ جرح کرتا ہے حکومت کی طرف سے ۔پورا نظام عدل بروز حشر قائم ہوگا۔حضرت داؤد علیہ السلام نے خواہش ظاہر کی کہ رب کریم مجھے یہ ترازو دکھادیں **فلما راہ غشی علیه** جب دکھایا تو اتنے بڑے بڑے پلڑے تھے کہ حضرت دیکھ کر بے ہوش ہو گئے ''فلما افاق'' جب ہوش میں آئے تو فرمایا

''قال یا الٰهی من الذی یقدر ان یملا کفته حسنات''

کس میں اتنی طاقت ہوگی جو ان کو بھر سکے گا

اتنے بڑے بڑے ترازو ہیں، حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ

''فقال یا داوٗد انی اذا رضیت عن عبدی ملأتها بتمرة''

(تفسیر کشاف مکتبہ عبیکان ج ۴ ص ۱۴۹، انبیاء آیت ۴۷)

میں جب بندے سے راضی ہوتا ہوں تو ایک کھجور اس نے خیرات کی ہوگی اور میں پورا ترازو نیکیوں کا اس ایک کھجور کی شکل میں اس کے حسنات سے بھر دوں گا۔ بخاری

شریف میں ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص کی نیکیاں اُحد پہاڑ کے برابر آجائیں گی وہ حیران ہوجائے گا کہ اتنی کھجور تو میں نے منڈی میں بھی نہیں دیکھی تھی حق تعالیٰ کہے گا آپ نے ایک کھجور دی تھی یا آدھی دی تھی......"ولکن یربھا"..........."اللہ تعالیٰ نے اس کی پرورش کی وہ بڑی ہوگئی اتنی بڑی ہوگئی جیسے آپ نے بچھڑے کو یا آونٹ کے بچے کو شوق سے پالا اور وہ بڑا ہوگیا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کی پرورش کی

"فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ" (آل عمران آیت ۳۷)

اور آج ایک پورا پہاڑ کی صورت میں آپ کو نظر آرہا ہے۔

کیا چیز تولی جائے گی

اب ایک بحث یہ ہے کہ "تلے گا کیا"؟ تو اس کے بھی تین چار اقوال ہیں

ایک قول یہ ہے کہ اعمال جو ہے

"ان یجعل الاعمال والاقوال اجساما او یجعلها فی اجسام وقد روی بعض المتکلمین عن ابن عباس رضی اللہ عنھما ان اللہ تعالیٰ یقلب الاعراض اجساما فیزنها او توزن صحفها"

(ارشاد الساری ج ۱۰ ص ۴۸۰)

علامہ قسطلانی ارشاد الساری شرح بخاری میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان اعمال کو جسم دیدیں گے اور یہ وزن دار ہوجائیں گے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ عاملین تلیں گے عمل کرنے والے بخاری شریف میں ہے سورہ

کہف کی آخری آیات میں

''فَلاَ نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا'' (کہف آیت ۱۰۵)

ایک موٹے تازے لحیم شحیم بڑے جسم والے آدمی کو لایا جائے گا لیکن جب ترازو میں بٹھادیا جائے گا تو کچھ بھی نہیں ہوگا

''انه ليأتي الرجل السمين العظيم يوم القيٰمة لايزن عند الله جناح بعوضة''

(شرح ریاض الصالحین ج۳ ص ۵٦)

ایک مچھر کے پر کے برابر بھی اس کا وزن نہیں ہوگا کیونکہ جب ایمان ہی نہیں تو اعمال کہاں سے آئیں گے اور وزن کہاں سے آئے گا۔

تیسرا قول یہ ہے کہ صحفِ اعمال تلیں گے وہ کاغذ، وہ رجسٹر، وہ کتابیں جن میں فرشتوں نے انسان کے اعمال درج کیئے ہیں، محفوظ کیئے ہیں یہ لائے جائیں گے اور انہیں تولا جائے گا اور اس کی دلیل بطاقہ کی حدیث ہے جس کی حاکم نے مستدرک میں، بیہقی نے سنن میں، ابویعلیٰ نے مسند میں اور طبرانی نے معجم میں تخریج کی ہے ''بعضهم حسّنه وبعضهم صححه'' وہ یہ کہ ایک شخص کی نیکیاں نہیں ہوں گی یا معطل ہوں گی ایک پُرزہ کاغذ کا لایا جائے گا اور وہ سوچے گا کہ اتنے ننانوے دفتر گناہوں کے ہیں اس کے ساتھ کیا تل سکے گا مگر وہ جو حسنات کے پلڑے میں رکھ دیا جائے گا تو اس کے وزن سے وہ بھاری ہوجائیگا، جب اس پرچی کھول کر دیکھا جائے گا تو اس میں لکھا ہوگا

''اشهد ان لااله الا الله واشهد ان محمد رسول الله''

زمین و آسمان و عرش و کرسی ہوئے سرمست پی کر جامِ اللہ
بہائے خون اگر تو عاشقوں کا تو ہر قطرے سے نکلے نامِ اللہ

بہر حال قیامت کے دن اعمال تلیں گے معتزلہ نے اپنے حساب سے کچھ عقلی باتیں کی ہیں کبھی کہتے ہیں کہ اعراض ہوگا تو جواب دیا گیا کہ اعراض عند المناطقہ ہے جن کو آپ اعراض کہتے ہیں وہ حقیقت میں جواہر ہیں، کبھی کہا کہ اللہ تعالیٰ کیوں تولے گا وہ تو علیم بذات الصدور ہے جواب یہ ہے کہ یہ نظام عدل کا تقاضا ہے اس قسم کی باتیں معتزلہ نے کہی ہیں لیکن علمائے اہلسنت نے تحت الحدیث اجوبہ دیئے ہیں۔

حدیث کی سند پر کلام

وبہ قال حدثنا احمد ابن اشکاب یہ امام بخاری کے استاذ ہیں ان سے اور بھی احادیث بخاری میں ہیں اور کلاباذی نے رجال الصحیحین میں لکھا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان سے ۲۱۹ھ کے اندر ملاقات کی بعضوں نے ۲۲۹ بتایا ہے بعض کہتے ہیں کہ حدیث کلمتان امام بخاری کے پاس (زھیب سے بھی ہے عقیلی سے بھی ہے) لیکن آخر میں جو سننے میں آئی وہ احمد ابن اشکاب سے ہے لیکن حفاظ نے اس کو نہیں مانا اور اس سے معذرت فرمائی ہے کہ ہمیں پتہ نہ چلا کہ ''آخر من سمع ''وہ احمد ابن اشکاب ہے اگر یہ مل گیا تو بہت ہی لطائف الاسانید ہو جائے گی۔ اس سلسلے میں معقول بات یہ ہے کہ چونکہ امام بخاری ابتداء میں حدیث علامہ حمیدی سے لائے تھے اس لئے آخر میں بھی احمد چاہیے کیونکہ یہ دین محمدی ہے اور آنحضرت ﷺ کے دو بڑے نام ہیں محمد اور احمد اسی طرح

قرآنِ کریم کے دو بڑے نام ہیں قرآن اور فرقان اللہ کے دو بڑے اعلام ہیں

''قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّامَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى''

(بنی اسرائیل آیت ۱۱۰)

اُشکاب اور اِشکاب دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ اس نام کے، اس کے علاوہ بھی لوگ ہیں علی ابن اشکاب اور محمد ابن اشکاب حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں کہا ہے ''لیس بینھم فی القرابة'' یہ آپس میں کوئی رشتہ دار نہیں ہیں، اتفاقی نام ہیں

''قال حدثنا محمد ابن فضیل'' یہ متفق علیہ حافظ ہے اور ثقہ ہے ''العمارة ابن قعقاع'' یہ یقیناً (موصوف ہے) اور رجال نقادین میں سے گنے گئے ہیں ''عن ابی زرعة'' یہ مسند زمانہ ہیں کبار تابعین میں سے ہیں۔

راوی الاسلام حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

''عن ابی ھریرة رضی الله عنه'' ابو ہریرہ راوی الاسلام سن ۷ ہجری میں غزوۂ خیبر کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے اسلام کا شرف اور فضل نصیب فرمایا، تین سال کے عرصے میں پیغمبر سے احادیث یاد کیں۔

بخاری شریف میں ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ مہاجرین بازاروں میں سودا سلف کرتے تھے انصاروں کی زمین تھی وہ کھیتی باڑی کرتے تھے ابو ہریرہ مسجد میں حدیثیں یاد کرتا تھا، اس لئے طالب کا بے سروسامان ہونا افضل ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو دیکھو سن ۷ ھ میں آئے اور تین چار سال خدمت عالیہ میں رہے اور کس شان وشوکت سے اجلہ خلفاء کے

دربار میں ابو ہریرہ کا مقام اور مرتبہ ہوتا تھا اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سند مانے جاتے تھے خود صحابہ اور تابعین میں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بہت شوق سے حدیثیں یاد کرتے تھے ان کے پاس اتنی حدیثیں ہو گئیں کہ فرماتے ہیں عمرو ابن العاص کے علاوہ کسی کے پاس مجھ سے زیادہ نہیں تھیں اور ابو ہریرہ کی احادیث کا مجموعہ بدر الدین عینی نے عمدۃ القاری کے اندر پانچ ہزار چار سو چوہتر (۵۴۷۴) احادیث بتائی ہے۔ یہ مجموعہ اس سے قوی ہے جو علی القاری نے مرقاۃ میں لکھا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ ابن عمرو ابن العاص کے پاس زیادہ تھیں وہ پانچ سے چھ سات ہزار ہیں پانچ اور سات ملا کر تمام احادیث، مکررات شواہد توابع اصل نقل حذف کر کے اتنا ہی بنے گا، اس میں سارا دین محفوظ ہے۔

بہر حال حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی الاسلام ہیں بہت زیادہ ذخیرہ احادیث ان سے منقول ہیں اسلام کا فخر و شکر ہیں، بے دین لوگوں نے جہاں اسلام اور حدیث اور صحابہ پر اور آئمہ فقہ اور محدثین پر اعتراضات کئے وہاں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بھی نشانہ بنایا جس کے جوابات استاد ابوظہرہ نے اور شیخ احمد شاکر نے اور شیخ زاہد الکوثری شیخ زرقا رحمہ اللہ نے مفصل دیئے ہیں۔ کہتے ہیں ابو ہریرہ کا نام پہلے عبد شمس تھا اسلام لانے کے بعد ان کا نام عبدالرحمٰن رکھا گیا امام بخاری کہتے ہیں عبداللہ ہیں لیکن جمہور کہتے ہیں عبدالرحمٰن ہے ابو ہریرہ نام اس لئے پڑ گیا کیونکہ انہوں نے ایک بلی پال رکھی تھی اور کہتے ہیں کہ رات کو درخت پہ بٹھاتے تھے صبح وہ اوپر سے اتر آتی تھی اس کے بعد ان کو ''یا اباھر'' کہا گیا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں آپ کسی کو بلی کے ساتھ دیکھیں تو کہیں کہ یہ

ابوہریرہ ہے، ابوہریرہ تو بہت مشکل سے ایک پیدا ہوا ہے اور قیامت تک کوئی اور نہیں آسکتا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ قبیلہ دوس کے ہیں ایک قبیلہ تھا دوس اور ان کی بڑی شکایتیں آئی تھیں، تو آپ ﷺ نے ان کے لئے بجائے بددعا کرنے کے دعا فرمائی

''اللھم اھد دوسا وأت بھم'' (بخاری ج۱ص ۶۳۰)

چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اسی قبیلہ سے آئے اور اسلام کے سپہ سالار بنے، معلوم ہوتا ہے جتنے بھی لوگ برے نظر آتے ہیں جن سے شکایات ہیں ان کے لئے بھی دعا کرنی چاہیے انہی میں اچھے لوگ پیدا ہوجائیں گے۔ کہتے ہیں ہلاکو اور چنگیز کے یہاں ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے دوبارہ اسلام کو بغداد میں اور عراق میں نافذ کردیا فرماتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ دعا فرماتے تھے کہ

''اللھم لا تبلغنی علی رأس ستیین''

اور کبھی کہتے تھے

''اعوذ باللہ من رأس الستین وامارۃ الصبیان''

(مصنف ابن ابی شیبہ ج۸ص ۶۱۱)

سن ۶۰ ھ میں یزید برسر اقتدار آیا ہے اور اس سے ایک سال پہلے ۵۹ ھ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا ہے ''قال قال النبی ﷺ'' جناب رسول اللہ ﷺ کے جو مقامات ہیں ان میں سے ایک نبوت بھی ہے، رسالت بھی ہے، مرسلیت بھی ہے کچھ حضرات قلب کرتے ہیں کچھ ترادف مانتے ہیں۔

حدیث پر کلام

جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "کلمتان" دو کلمے ہیں "حبیبتان" جو بہت پیارے ہیں "الی الرحمن" اللہ رحمٰن کے نزدیک "خفیفتان علی اللسان" اور بڑے ہلکے پھلکے ہیں زبان پر "ثقیلتان فی المیزان" اور بھاری ہوں گے میزان کے ترازو میں۔ "سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم" یہ دو کلمے ہیں پاکی ہے اللہ کے لئے اور حمد بھی اسی کی شان کے لائق ہے اور "سبحان اللہ العظیم" وہ بزرگ و برتر ہے جو پاکی کے لائق ہے جس کے لئے ہر طرح پاکی ثابت ہے، دو کلمے ہیں کلمات تو بہت ہیں ایک کلمہ یہ ہے لا الہ الا اللہ جس کا آپ نے اپنے چچا ابو طالب کو کہا کہ اقرار کرلو اور ایک کلمہ ہے

"اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ" (فاطر آیت ۱۰)

ایک ہی کلمہ ہے مگر "کلمتان" یہ دو کلمے ہیں نحو کے اعتبار سے کلام ہے لیکن ذکر جمیل کے اندر کلمتان ہے اور پسند ہیں اللہ رحمان کو "حبیبتان" "حبیبتان" بمعنی محبوبتان "ارشاد الساری میں علامہ قسطلانی نے کہا ہے کہ "ای محبوب القائل" جو ان کو پڑھے وہ محبوب ہوتا ہے محبوب اداؤں سے آدمی محبوب بنتا ہے۔ "الحب" یہ "محبة الزیادة فی الخیر" خیر کے اندر اضافہ کو کہتے ہیں۔ لفظ اللہ کی جگہ لفظ رحمٰن لے آئے کیونکہ اس میں عطوفت بہت زیادہ ہے شفقت نہیں کہنا چاہیے اللہ تعالیٰ شفیق نہیں ہیں کیونکہ شفیق اس کو کہتے ہیں جو ڈر کے پیار کرے جیسے ماں باپ ڈرتے ہیں استاد ڈرتا ہے بادشاہ

ڈرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ ڈرتا نہیں ہے ''واشفقنا........'' عقائد کی کتابوں میں وضاحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں شفیق نہیں ہے اور شفقت کی نسبت نہیں کرنا چاہئے احتیاطاً۔ چونکہ لفظ اللہ علم ذات ہے اور لفظ رحمٰن شبہ علم ہے باقی سب اسماء صفات ہیں'' خفیفتان علی اللسان'' ہلکے پھلکے ہیں زبان میں۔

اگر سورۂ بقرہ پڑھ لے تو ڈیڑھ دو گھنٹہ لگ جاتے ہیں، بہترین سورت ہے جس جگہ پڑھی جائے شیاطین بھاگ جاتے ہیں دکان میں، کارخانے میں، دفتر میں، گھر میں سات دن مسلسل پڑھی جائے بزرگوں کا عمل ہے حدیث میں ہے کہ شیاطین کے بُرے اثرات ختم ہو جائیں گے سورت یٰسین '' یٰس قلب القرآن'' دن میں پڑھیں گے تو مسائل ختم ہوں گے، رات میں پڑھیں گے تو بادشاہت نصیب ہوگی، لیکن وقت مانگتی ہے سورت ہے طویل مفصل، سورہ مزمل دفع اعداء، دفع بلیات کے لئے تیر بہدف ہے عصر کے وقت میں اموال خیر صلاح فلاح کے لئے، سورۂ واقعہ بعد المغرب قبل النوم عذاب قبر سے بچنے کے لئے، رات کو سوتے وقت سورہ ملک پڑھنا سنت طریقہ ہے کہ الم سجدہ بھی رات کو سوتے وقت پڑھی جائے اورنگزیب بادشاہ نے جو قرآن شریف لکھا ہے الم سجدہ میں لکھا ہے کہ رات کو سوتے وقت سورہ الم سجدہ اور سورہ ملک پڑھے سورہ ملک پر پھر لکھا ہے اس کو کہا گیا کہ یہ ہو چکا ہے کہا رہنے دیں اگر وہاں کسی کو عمل نصیب نہ ہوا تو شاید یہاں نصیب ہو جائے اور اورنگزیب کو آخرت میں کام آ جائے وہاں کی فکر بہت ضروری ہے۔

''خفیفتان علی اللسان'' ہلکا پھلکا وظیفہ ہے۔ خواجہ خواجگان نظام الملت والدین نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ سے ان کے شیخ کبیر فرید گنج شکر اجودھنی رحمہ اللہ نے

پوچھا تھا کہ آپ گھر سے امن سے آتے جاتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے اور لوگ تو بہت پریشان رہتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے تین نام ہیں جب وہ پڑھے جائیں تو اللہ تعالیٰ خیر سے واپس لائے گا اور وہ یہ ہیں

''یاحافظ یاناصر یا معین''

''اسلامی سیاست'' میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ سترہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک جگہ محصور ہو گئے تھے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے چار اسماء پڑھے اور انہیں دشمنوں سے نجات حاصل ہو گئی، وہ کلمات یہ ہیں

''یا حلیم یا علیم یاعلی یا عظیم''

علی اللہ کا نام ''وھو العلی اکبیر''

تو ایک وظیفہ ہمیں امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ بھی دینا چاہتے تھے لیکن اپنی طرف سے نہیں محمد عربی ﷺ کی طرف سے اور وہ ہے یہ کلمتان جو اللہ کے نبی نے تعلیم فرمائے ہیں کیونکہ اس کے بہت سارے فوائد ہیں ایک تو اللہ کے محبوب ہیں تو پڑھنے کو محبت الٰہی نصیب ہو گی،

محبت جو اس کی عطا ہو گئی　　　یہ دنیا بھی جنت نما ہو گئی

اور دوسرا یہ کہ کہنے میں بھی آسان ''خفیفتان'' ہیں علماء نے لکھا ہے کہ اکثر حروف مجوشہ ہیں اور تیسرا یہ کہ ''ثقیلتان فی المیزان'' میزان ترازو میں بڑے بھاری بھر نکلیں گے میزان کا ترازو بڑا ترازو اس کو بھرنا ہے مسلم شریف میں ''سبحان اللہ نصف المیزان والحمد للہ تملأ او تملأن'' صرف سبحان اللہ کہنے سے میزانِ حسانات آدھا بھر جائے گا اور جب الحمد للہ کہیں تو پورا بھر جائے گا اور اللہ اکبر کہنے سے اطراف

سماوات بھر جائیں گے۔'' ثقیلتان فی المیزان '' حدیث شریف میں ہے قیامت کے دن بہترین اخلاق بھی وزن دار ہوں گے اور جو گھوڑا جانور دین کے لئے پالا جاتا ہے اس کا چارہ، صفائی، ستھرائی اتار، چڑھاؤ یہ ساری چیزیں نیکیوں میں دیدی جائیں گی یہ جہاد اور مجاہدین کی فضیلت پر دلالت ہے۔ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم سبحان اللہ اصل میں اسبح سبحان اللہ اس کا عامل ہمیشہ محذوف ہوتا ہے یا تسبح سبحان اللہ اور'' سبحان کلمة تحدیث '' ہے اللہ تعالیٰ عیوب سے ماوراء ہیں، اللہ ظالم نہیں ہے، اللہ جاہل نہیں ہے، اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں ہے۔ اللہ زن اور جفت سے پاک صاف ہے، نہیں ہے، نہیں ہے، نہیں ہے، جس کو مناطقہ کہتے ہیں صفات قلبیہ یہ ''سبحان'' ہے اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ، تقدیس سب ثابت ہو جائے گی، دوسرا یہ کہ اللہ علیم ہے، اللہ بڑے عادل ہیں، اللہ رب العالمین ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے، اللہ تعالیٰ ازلی ابدی ہے، اللہ ہی خالق و مالک ہے، اللہ ہی شہنشاہ مطلق ہے، ہے، ہے، ہے، یہ ثابت کرنا یہ وبحمدہ ہے'' و ''حالیہ ہے'' اسبح اللہ متلبسا بحمدی ''سبحان اللہ والحمد للہ کی جگہ اور سبحان اللہ العظیم اس کی تاکیدِ مزید ہے۔ حدیث شریف میں یہ بھی ہے کہ مجلس کے آخر میں اگر سبحان اللہ پڑھ لیا جائے تو وہ مجلس افسوس اور حسرت کا باعث نہیں بنے گی۔

تو آخر وقت ہے آخری مجلس ہے اس وجہ سے سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم سب پڑھ لیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جناب نبی کریم ﷺ سے کہا تھا معراج کے موقع پر کہ امت کو میرا سلام کہیں اور ان کو یہ بھی کہیں کہ جنت بالکل خالی پڑی ہے، فصل کے لئے تیار ہے اور اس میں بیج وہیں سے ڈلتا ہے اور وہ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم یا

مختلف کلمات مروی ہیں اس کو پڑھنے سے جنت کے اندر شجر کاری ہوتی ہے۔

جناب نبی کریم ﷺ فجر پڑھ کر تشریف لے گئے آپ ﷺ جب جارہے تھے تو آپ ﷺ نے حضرت جویریہ ام المؤمنین کو بیٹھا دیکھا تھا، وہ بیٹھی تھیں کافی دیر سے آپ ﷺ آئے اور ان کو اسی طرح بیٹھا ہوا پایا، آپ ﷺ نے فرمایا اسی طرح بیٹھی ہو انہوں نے کہا جی حضرت! آپ ﷺ نے فرمایا کہ آج کے بعد چار کلمات تین دفعہ پڑھیں اور وہ آپ کے پورے بیٹھنے تسبیحات اور دعاؤں کے ساتھ جب تولے جائیں گے تو بھاری نکلیں گے وہ چار کلمات یہ ہیں۔

''سبحان الله وبحمده عدد خلقه ورضى نفسه وزنة عرشه و مداد كلماته''

(سنن ابوداؤد ج ا ص ۲۲۰ رحمانیہ)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمارا یہ درس، طلباء، مہمان اور ان کی آمد اور یہ اجتماع قبول فرمائے

الحسنیٰ کتب خانہ
الجامعۃ العربیہ احسن العلوم گلشن اقبال بلاک نمبر ۲ کراچی پاکستان